قال اللہ تعالیٰ

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین

ترجمہ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ پکڑو

(وقال الشعرانیؒ فی الیواقیت)

"فنابت عنہم رسائلہم بعد موتہم فی نصح المریدین"

یعنی ان حضرات مشائخؒ کی وفات کے بعد طالبین کی اصلاح کے باب میں ان کی
تصانیف بھی ان کی قائم مقامی کرتی ہیں

بناءً علیہ

مجموعۂ تالیفات مصلح الامۃ

حصہ سوم

عارف باللہ حضرت مولانا و مرشدنا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

بانتظام واہتمام دفتر معرفت حق ۲۳ بخشی بازار ۔ الہ آباد ۳

اسرار کریمی پریس جانسین گنج الہ آباد میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا

۱۹۷۶ء

فہرست مضامین

تالیفات مصلح الامۃ

حصہ سوم

مرتب عبد الرحمٰن جامی

شوال المکرم ۹۶ھ

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

الحمد للہ کہ عجالہ نافعہ مسمّٰی بہ

مضمون ذکر

مشتملہ بر حقیقت و اہمیت و نافعیتِ ذکر

از افادات

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

ناشر:- دفتر معرفت حق ۲۳ بخشی بازار
الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ؕ

امّا بعد۔ واضح ہو کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے دینی اور دنیوی ہر کام اور ہر نظام میں بے عملی نے جیسی کچھ راہ پکڑ لی ہے ظاہر ہے۔

چنانچہ اسی بے عملی کے سبب ہمارے دینی (علمی اور عملی) اداروں کا بھی جو حال ہے محتاج بیان نہیں ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے ذرا سی بھی بصیرت عطا فرمائی ہے وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ ہماری ان جگہوں میں روح باقی نہیں رہی ہے صرف جسد ہی جسد رہ گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علم تو چونکہ عمل سے الگ ایک شے ہے اس لئے اگر بالفرض عمل نہ بھی پایا جائے تو بھی علم موجود ہو سکتا ہے لیکن تصوف جو کہ سراپا عمل ہی کا نام ہے، جب یہاں سے عمل رخصت ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد کیا باقی رہ جائے گا۔

پھر اعمال میں سے ذکر و فکر کو طریق میں جو اہمیت حاصل ہے وہ بھی مخفی نہیں ہے۔ ہمارے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی　　نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی　　ذکر کے التزام سے ہوگی

یہی کام ذکر و فکر جس کو اکابر طریق کلید کامیابی فرماتے چلے آئے ہیں آج ہم میں سے وہ لوگ بھی جو طریق کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس میں داخل بھی ہیں، اس کا کتنا حق ادا کرتے ہیں، جانتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ کسی شے کے حقوق ادا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی کو پہلے اس کی حقیقت اسکی اہمیت اور اسکی نافعیت کا علم ہو۔

چنانچہ اسی امر کے پیش نظر مصلح الامّت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم نے ذکر کے متعلق جو اہم افادات و افاضات مختلف اوقات میں فرمائے ان سب کو نیز اور بعض ضروری عنوانات کو جمع کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی اس مختصر سے رسالے میں سعی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور فرمائے اور اس کے دینی و دنیوی ثمرات اور برکات سے ہم سب کو حصہ وافر نصیب فرمائے آمین۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ　　راقم جامع عفی عنہ حسن منزل الٰہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لاھلہ والصلوٰۃ لاھلھا

(مجرد ذکر لسانی کی فضیلت)

درس حدیث میں بخاری شریف کی اس حدیث پر کہ :-

ما من احد یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ صدقاً من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار ۔	کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ صدق دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ پر حرام کردے گا۔

تقریر فرماتے ہوئے فتح الباری سے اس مقام کا مشہور اشکال اور اس کے جوابات بیان فرمائے اشکال کا حاصل یہ تھا کہ " ظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صدق دل سے کہدے گا وہ دوزخ میں نہ جائیگا ۔ اللہ تعالیٰ اُس پر جہنم کو حرام فرمادیں گے ۔ لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک دلائل قطعیہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ عُصاۃ مومنین کو عذاب ہوگا پھر بعد میں شفا کے ذریعہ وہ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور ان دونوں باتوں میں بظاہر صریح تعارض معلوم ہوتا ہے ۔

صاحب فتح الباری نے اس کے بہت سے جوابات نقل فرمائے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل جو دوزخ پر حرام ہے تو مراد اس سے اس کا فی الجملہ حرام ہونا ہے یعنی اُس کے بعض اعضاء نار پر حرام ہوں گے ۔ یہ ضروری نہیں کہ سارا جسم حرام ہو ۔

چنانچہ یہ ثابت ہے کہ آگ مومن کے اعضاء سجود کو نہیں کھائے گی جیسا کہ حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے ۔ اسی طرح سے اس کی زبان بھی جلنے سے محفوظ رہے گی کیونکہ وہ دنیا میں ناطق بالتوحید رہ چکی ہے سبحان اللہ! ۔ نیز حدیث شریف میں شفاعت کے بیان میں ہے کہ بہت سے لوگ دوزخ میں ایسے ہونگے کہ آگ اُن کے اعضاء سجود اور زبان پر کچھ بھی اثر نہ کرے گی اور اُن کے یہ اعضاء چمکتے ہوں گے ۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پہچان لیں گے اور اُنکی سفارش فرمائیں گے ۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ مومن کے اعضاء سجود اور اس کی زبان پر دوزخ کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا اور زبان کے نہ جلنے کی وجہ تو صاحب فتح الباری نے صراحۃً ہی بیان کردی کہ وہ اس لئے نہ جلے گی کہ وہ ناطق بالتوحید تھی گویا ذکر کا اثر یہ ہوا کہ وہ جلنے سے مستثنیٰ ہوگئی۔ اب اس سے بڑھ کر ذکر لسانی کی اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے؟

پھر اسی مضمون کی تائید میں حضرت والا دامت برکاتہم نے بزرگوں کا کلام دکھلایا کہ بزرگوں نے ذکر لسانی کی جو ترغیب دی ہے اور اپنے لوگوں کو جو اس پر اُبھارا ہے کہ اگر ذکر قلبی میسر نہیں تو لسانی ہی کرو۔ یہ بھی خالی از نفع نہیں۔ اور یہی ذکر لسانی ذکر قلبی کا بھی ذریعہ ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات سے یہ عبارت سنائی۔

"اور جس قدر ہوسکے اگرچہ قلیل ہو اُس کو اسی ہی تشویش سے مخلوط کرکے کرتا رہے۔ اگر پریشانی خاطر ہے تو فقط لسانی ہی سہی کہ اگر لطیفۂ قلب معطل رہا و غافل ہوا تو زبان تو معطل و غافل نہیں۔ ما لا یدرک کله لا یترک کله (جس چیز کو کل نہ پاسکے تو یہ بھی نہ کرے کہ کل ہی کو چھوڑ دے) ذکر ایسی شئی ہے کہ اگر اس کو کرتا رہے اگرچہ بیہوشی خاطر و پریشانی تعلقات میں محض تحریک لسانی ہو نافع اور موجب نورانی قلب کے ہوتا ہے۔ ہرچند "ذکر قلبی" ہی ہے اور ذکر کامل وہی ہے کہ تمام لطائف کو شاغل بنادے۔ مگر یہ نہ ہو تو فقط لسان کو بھی کیوں بیکار کردیوے۔ یہ محض لسانی غفلت کا ذکر کشاں کشاں قلب تک پہونچا دیتا ہے۔ عضو لسان اگر جنت میں جائے گا تو کیا دیگر جملہ اعضاء محل نار رہ سکتے ہیں؟ ذکر وہ شئی ہے کہ اگر کسی جزو انسانی سے متصل ہوئے گا تمام جسد کو اپنی طرف کھینچ لیوے گا۔ زنہار کہ آپ التزام شغل کے واسطے فرصت کا انتظار کریں۔ اگرچہ پانچ چار منٹ ہی ہو مگر شغل کو شروع کرو اور خیر العمل مادیم علیہ کو پیش نظر کرکے اس ہی پانچ منٹ پر التزام کریں اگرچہ محض لسانی بھاگتے دوڑتے ہو۔ پس اس تحریر کو مبالغہ نہ تصور فرمادیں اور اپنا کام ان ہی کاموں میں بالالتزام شروع فرماویں جب پانچ منٹ کا التزام ہوگا وہ زائد ہوجاوے گا"۔ والسلام (مکتوبات رشیدیہ ص۳۵)

حضرت گنگوہیؒ کی یہ عبارت سنا کر فرمایا کہ — دیکھئے حضرت کے اس ارشاد میں ذکر لسانی اور ذکر قلبی دونوں کا مفہوم واضح ہوگیا۔ یعنی یہ کہ ذکر لسانی تو اسے کہتے ہیں کہ محض زبان سے ذکر کیا جائے اور قلب کی اس میں مطلقاً شرکت نہ ہو بلکہ ذکر کے برعکس اس میں غفلت موجود ہو یعنی بالکل معطل اور مشوش ہو۔ اور ذکر قلبی اس کا نام ہے کہ زبان سے جو کچھ ذکر کیا جائے تو اس میں قلب کو بھی شریک کیا جائے۔ یعنی قلب سے بھی ذکر کا قصد

کیا جائے اور قلب کو ذکر کی جانب متوجہ کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ذکر لسانی میں فقط لسان سے ذکر ہوتا ہے قلب کی اس میں مطلقاً شرکت نہیں ہوتی اسی طرح ذکر قلبی میں یہ ضروری نہیں کہ وہ محض قلب ہی سے ہو اور لسان کا اسمیں کچھ بھی دخل نہ ہو۔

نیز حضرت نے یہ جو فرمایا کہ "عضو لسان اگر جنت میں جائے گا تو کیا دیگر جملہ اعضاء محل نار ہو سکتے ہیں" تو صاحب فتح الباری نے جو نقل فرمایا ہے کہ "حدیث شفاعت میں ہے کہ دوزخ کی آگ مسلم کے مواضع سجود کو نہیں کھائے گی اور اس کی زبان بھی آگ کے اثر سے اس لئے محفوظ رہے گی کہ وہ دنیا میں ناطق بالتوحید تھی" حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا ماخذ یہی ہے۔ اگر حضرتؒ یہاں اس حدیث کو بھی ذکر فرما دیتے تو یہ مضمون حدیث سے بھی مؤید ہو جاتا۔

اس موقع پر مجرد ذکر لسانی کو بیکار ثابت کرنے کے لئے بعض لوگ یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ؎

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر   ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر [a]

اور اس شعر کو مثنوی مولانا رومؒ کا ظاہر کرتے ہیں حالانکہ یہ کسی اور کتاب [a] کا شعر ہے جو مثنوی ہی کی بحر میں ہے، اس لئے سننے والوں کو دھوکا ہو سکتا ہے لیکن محققین کے نزدیک اس کا مضمون صحیح نہیں ہے۔ اسی لئے حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا سا تصرف فرما کر اس طرح کر دیا ہے کہ ؎

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

(ذکر قلبی کی تحقیق)

اور یہ کہ اس کا سبب عادی ذکر لسانی ہے!

ذکر لسانی اور ذکر قلبی کی اس مختصر سی تشریح کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء اور مشائخ کے کلام سے اس پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کر دی جائے کیونکہ اس زمانہ میں گو اسباب علم زیادہ ہیں لیکن اس کے باوجود لوگ حقائق و معارف سے ناواقف ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ لوگ برسہا برس تک جس چیز میں رہتے ہیں اس کی بھی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے۔

چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ لوگ طریق میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور بزرگوں کے احوال و کیفیات معلوم کر کے چاہتے ہیں کہ اپنے اندر بھی ان احوال کو دیکھیں لیکن یہی حقیقت سے ناواقفیت ان کو اس سے محروم رکھتی ہے۔

[a] اس کتاب کا نام "نان و حلوہ" ہے جو ایک شیعہ کی تصنیف ہے۔

چنانچہ ذکر قلبی جس کی تعریف آپ کو ابھی معلوم ہو چکی ہے اس کے متعلق مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ طریق کی اصل ہے اور اس راہ میں جتنے بھی مدارج اور مراتب کسی کو حاصل ہوتے ہیں وہ اسی سے طے ہوتے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ اس کا عمل میں لانا اور قلب کا اس سے اتصاف تو الگ رہا آج کتنے ہیں جو اس کی حقیقت اور اس کے حصول کے طریقہ سے بھی واقف ہیں؟ حالانکہ نہ صرف علمائے باطن بلکہ علمائے ظاہر بھی اس ذکر قلبی کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ "افضل الذکر" ہے اور جملہ انواع اذکار کے لئے مصحح ہے جیسا کہ آگے آتا ہے:-

ہم یہاں اپنے اس قول کے اثبات کے لئے ابوبکر جصاص رازیؒ کی مشہور و معروف کتاب احکام القرآن سے آیۂ کریمہ فَاذْكُرُونِي اور أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ کی تفسیر نقل کرتے ہیں وھو ہٰذا

وفاذكروني قد تضمن الامر بسائر وجوه الذكر منها سائر وجوه طاعته وهو اعم الذكر۔ ومنها ذكره باللسان على وجه التعظيم والثناء عليه۔ والذكر على وجه الشكر والاعتراف بنعمته ومنها ذكره بدعاء الناس اليه والتنبيه على دلائله وحججه ووحدانيته وحكمته وذكره بالفكر في دلائله وآياته وقدرته وعظمته وهذا افضل الذكر وسائر وجوه الذكر مبنية عليه وتابعة له وبه يصح معناها لان اليقين والطمانينة به يكون قال الله تعالى الا بذكر الله تطمئن القلوب يعني والله اعلم ذكر القلب الذي هو الفكر في دلائل الله تعالى وحججه وآياته و بيناته وكلما ازداد فيها فكرا ازداد طمانينة وسكونا [illegible]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد فاذکرونی میں ذکر کا جو امر ہے وہ تمام طرق ذکر کو متضمن ہے۔ منجملہ ان کے حق تعالیٰ کی جملہ طاعات ہیں اور یہ ذکر سب اذکار سے عام ہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا بطور ثنا اور تعظیم کے بھی ذکر ہے۔ اور بطور شکر ذکر کرنا اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرنا یہ بھی ذکر ہے۔

نیز منجملہ ذکر ہی کے کسی شخص کا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دینا اور اس کے وجوب وجود کے دلائل پر تنبیہ کرنا اور اس کی حکمتوں کو بیان کرنا بھی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے دلائل اور انکی آیات اور قدرت و عظمت میں تفکر کرنا یہ بھی ذکر ہے بلکہ افضل الذکر ہے۔ اور دیگر وجوہ ذکر اسی پر مبنی اور اس کے تابع ہیں چنانچہ اسی کے ذریعہ ان سب کے معنی کی صحت ہوتی ہے اس لئے کہ یقین اور طمانینت اسی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے تو یوں تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں باقی معنی اسکے یہی ہیں کہ ذکر قلب جس کا مطلب اللہ تعالیٰ کے دلائل اور اس کے حجج اور آیات اور اس کی بینات میں غور و فکر کرنا ہے۔ اسی ذکر قلبی سے قلوب کو اطمینان ہوتا ہے۔ تم ان سب میں جس قدر زیادہ اپنی فکر کو بڑھاؤ گے اسی قدر

افضل الذکر لان سائر الاذکار انما یصح ویثبت حکمھا بثبوتہ	طمانیت اور سکون بھی بڑھتا ہوا پاؤ گے اور یہی افضل الذکر ہے اس لئے کہ اور دوسرے اذکار کی صحت اور ان کے حکم کا ثبوت اسی سے ہوتا ہے۔

(احکام القرآن صفحہ ۳۹۳ ج ۱)

دیکھئے یہاں امام رازیؒ نے ذکر کے اقسام بیان فرمائے کہ اس کی ایک قسم جملہ طاعات یعنی نماز روزہ زکوٰۃ و حج وغیرہ بھی ہے۔ اسی طرح ایک قسم ثنا اور تعظیم کے طور پر زبان سے ذکر کرنا بھی ہے۔ نیز لوگوں کو اپنے وعظ و تبلیغ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دینا یا اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کرنا، یہ سب بھی ذکر میں داخل ہیں۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے دلائل و آیات، اس کی قدرت و عظمت میں فکر کرنا یہ فکر بھی، ذکر ہی کی ایک قسم بلکہ اسکی اعلیٰ فرد ہے۔ اور جملہ انواع ذکر سے افضل ہے کیونکہ بقیہ اور قسمیں ذکر کی اسی قسم پر مبنی اور اسی کے تابع ہیں بلکہ ان سب کے معنی کی صحت اسی سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ذکر کا جو اثر ہے یعنی یقین قلبی اور طمانینت، اس کا حصول اسی ذکر قلبی سے ہوتا ہے جس کا دوسرا نام فکر ہے۔

اسی فکر کے متعلق صاحب دلیل الفالحین شارح ریاض الصالحین لکھتے ہیں کہ:۔

لاعبادۃ کالتفکر وقیل الفکرۃ تذھب الغفلۃ وتحدث للقلب الخشیۃ کما یحدث الماء للزرع النبات وما جلیت القلوب بمثل الاحزان ولا استنارت بمثل الفکرۃ۔	فکر کی طرح کوئی دوسری عبادت نہیں ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ تفکر غفلت کو دور کرتی ہے اور قلب میں خشیت پیدا کرتی ہے جس طرح کہ پانی کھیت میں پودا اُگاتا ہے۔ اور حزن (رنج و غم) سے بڑھ کر کوئی شئی قلب کا جلا کرنے والی نہیں۔ اور فکر سے زیادہ کوئی چیز قلب کے لئے روشنی بخش نہیں۔
وقد روی ان یونسؑ کان یرفع فی کل یوم مثل عمل اھل الارض قالوا انما کان ذلک التفکر فی امر اللہ الذی ھو عمل القلب لان احدًا لا یقدر ان یعمل بجوارحہ فی الیوم مثل عمل اھل الارض۔	روایت ہے کہ حضرت یونسؑ کا اتنا عمل ہر روز اوپر کو اٹھایا جاتا تھا جتنا کہ روئے زمین بھر کے لوگوں کا عمل ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ وہی تفکر فی امر اللہ ہے جو کہ ایک قلبی عمل ہے اس لئے کہ کوئی شخص بھی اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء بدن سے ایک دن میں سارے روئے زمین والوں کے عمل کے برابر عمل تو کر ہی نہیں سکتا (لا محالہ یہ کوئی دوسرا ہی عمل ہے)

بہر حال فکر کی یہ تشریح کہ اس کا دوسرا نام ذکر قلبی ہے اور مطلق ذکر کا یہ افضل ترین فرد ہے۔ علماء ظاہر کے کلام سے بیان کی گئی۔

اب آپ کے سامنے لسان صوفیہ سے ذکر و فکر کا مفہوم پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد بیان کریں گے کہ

یہ حضرات بھی قریب قریب وہی بات فرماتے ہیں جو علمائے ظاہر کے کلام سے آپ نے معلوم کیا۔

ایک عالم محقق اور صوفی کامل فرماتے ہیں:۔

"جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی محبت حاصل ہونے کا سبب عادی ذکر و فکر ہے۔ یعنی عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ انسان جب ذکر و فکر طریقہ سے کرتا ہے تو اس سے اسکے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر اس محبت کی دو قسمیں ہیں حب عشقی اور حب ایمانی اور ان دونوں میں سے ہر ایک نوع کی محبت کے تحصیل کا ذکر و فکر دوسری نوع کے ذکر و فکر سے جدا ہے مثلاً حب ایمانی کے حصول کا طریق تلاوت قرآن شریف اور عمل بالسنۃ وغیرہ ہے۔ اور حب عشق کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کرنے والا جب زبان سے اللہ اللہ کرتا ہے تو یہ لفظ مبارک اللہ (جو نشار الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے) اس کے تالو اور دہان، زبان اور کان سب اعضاء کو نور اور سکینہ اور لذت سے مالامال کردیتا ہے۔ (اور یہ سب ذکر بالجہر میں ہوتا ہے جب کہ اُسے صوفیائے کرام کے معہود طریق پر کیا جاوے کیونکہ ذکر جہر موضوع ہی ہے وساوس کو دفع کرنے، خاطر کو جمع کرنے اور ارواح کی توفیق کے لئے) اسی طرح سے اس ذکر کا یہ اثر بھی ہوتا ہے کہ وہ ذاکر کے خیال کو بالکل گم اور مضمحل کردیتا ہے (اور یہ سب ذکر خفی میں ہوتا ہے جبکہ اُس کو مشائخ کے مقررہ طور پر کیا جاوے۔ اس لئے کہ ذکر خفی میں خلوت ہوگی سکوت ہوگا اور اختلاط ناس سے اجتناب ہوگا اور یہ سب چیزیں ان امور کے لوازم ہیں)

الغرض کبھی صرف اللہ اللہ کے ذکر سے یہ بات حاصل ہوجاتی ہے (چنانچہ یہی وہ لفظ ہے جس کے بارے میں بہت سے علماء اور مشائخ فرماتے ہیں کہ یہی اسم اعظم ہے) اور صاحب مقام کے لئے یہ ایک ایسا ذکر ہے کہ اس کے اوپر اور کوئی ذکر نہیں۔ اسی کے متعلق شرح تحریر میں ہے کہ:۔

روی هشام عن محمد عن ابی حنیفة رح انه اسم الله الاعظم وبه قال الطحاوی وکثیر من العلماء واکثر العارفین حتی انه لا ذکر عندهم لصاحب مقام فوق الذکر به (الرسائل حضرت ولی)

حضرت ہشام امام محمدؒ سے اور وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ یہی لفظ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ طحاوی نے بھی یہی فرمایا ہے اور بہت سے علماء اور اکثر عارفین اسی کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ صاحب مقام کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ذکر ہی نہیں۔

عہ قال العارف الرومیؒ ؎ اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام ؛ شیر و شکر می شود جانم تمام

پھر اس کے بعد طالب کو ترقی ہوتی ہے اور وہ لفظ سے اس کے مفہوم کے تصور کی جانب منتقل ہوتا ہے یا منتقل کر دیا جاتا ہے یعنی حق تعالیٰ کی اس تجلی کی جانب متوجہ ہوتا ہے یا کر دیا جاتا ہے جو کہ نشاۃ علم کے اندر ہے اور یہ تجلی حق تعالیٰ کی تجلیات میں سے سب سے اعلیٰ اور الطف اور حضرت حق سبحانہٗ کی ذات والاصفات سے قریب تر ہے پھر جب یہ تجلی یعنی اس لفظ اللہ اللہ کا مفہوم جو کہ بسیط اور مجرد محض ہے ذاکر کے ذہن میں اس طرح مستقر اور جاگزیں ہو جاتا ہے کہ اس کی ظاہری نہیں بلکہ بصیرت کی آنکھ اس کے مفہوم کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتی ہے اور اس طرح سے ہمہ تن اُدھر متوجہ ہو جاتی ہے کہ ماسوا کی جانب قلبی توجہ اور التفات اصلاً باقی نہیں رہ جاتا (جیسا کہ ایک عارف فرماتے ہیں ؎

گئے دن باندھنے کے ٹکٹکی کے　　اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

اس میں پہلے مصرع میں اسی درجہ کی جانب اشارہ ہے اور دوسرے میں ترقی کے بعد دوسری حالت کا ذکر ہے) اور اگر بالفرض کبھی ماسوا کا گذر ہوا بھی تو اس کا درجہ خطرہ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی بس آیا اور چلا گیا۔ (چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ خلف رشید حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوب میں کسی کو لکھتے ہیں کہ:-

در احوال مشارٌ الیہ نوشتہ اند کہ بے تعلقی دل بہم رسیدہ است و خطرۂ ماسوا بدل نمی گذرد ایں حال بسے شریف است ومعتبر است بہ فناء قلب و قدم اول است در اطوار ولایت

(مکتوبات معصومیہ ص۲۵۷)

آپ نے اپنے حالات کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ دل کی بے تعلقی بخوبی حاصل ہو گئی ہے اور اب دل میں ماسوا کا خطرہ تک نہیں گذرتا تو یہ حال نہایت ہی عمدہ ہے اسی کو صوفیا فناء قلب کہتے ہیں اور یہی مدارج ولایت میں پہلا قدم ہے

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے صوفیاء بھی فکر اسی چیز کو فرما رہے ہیں جس کی ابتداء اور پہلی منزل ذکر ہی تھی اس سے معلوم ہوا کہ علماء ظاہر اور مشائخ کے طرز بیان اور تعبیر میں کچھ فرق ہو تو ہو باقی حقیقتہً ذکر ہی کی ایک قسم کا نام فکر ہونے پر فریقین کا اتفاق ہے۔ چونکہ یہ درجہ کہ ذاکر لفظ سے معنی کی جانب متوجہ ہو جائے۔ پہلے درجہ سے اعلیٰ اور اتم ہے اس لئے اس کا نام بدل کر بجائے ذکر کے فکر رکھ دیا گیا بلکہ مشائخ کے کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی فکر کو ذکر قلبی بھی کہتے ہیں اور اسی کو حضور اور یادداشت سے بھی تعبیر کرتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ اپنے ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:-

"جب مراقبہ خوب قائم ہو جاتا ہے اُس وقت سب ذکر لسانی ہو یا قلبی، جلی ہو یا خفی مثل مراقبہ ایک درجہ مساوی میں آجاتے ہیں اور وہ کیفیت کہ اپنے آپ کو

روبرو مالک معبود کے جانے اور شرم وحیا طاری ہو جائے اس کا نام حضور اور یاد داشت ہے۔ اسی کو لسانِ شرع میں احسان کہتے ہیں اور یہی نسبت معتبرہ ہے کہ مسلسل چلی آرہی جب خوب اس کا ملکہ ہو جائے تو یہی امر ہے کہ قابل اجازت تلقین کے بناتی ہے اور اس کا ہی نام ذکر قلبی ہے اور اس سے پہلے سب مقدمات اس کے ہیں" (مکتوبات رشیدیہ صفحہ ۹۵)

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ کے کلام میں بھی اس کی تصریح ہے کہ اس مقام کا نام فنا قلب ہے اور طریق میں یہ پہلا قدم ہے ـــــ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

"دراحوال مشارٌالیہ نوشتہ بودندکہ بے تعلقی دل بہم رسیدہ است وخطرۂ ماسوا بدل نمی گذرد ایں حال بسے شریف است ومعتبر است بفنا قلب وقدم اول است دراطوار ولایت۔ (مکتوبات معصومیہ صفحہ ۲۵)

یہ گفتگو تو اس امر میں تھی کہ علما ظاہر جس کو فکر کہتے ہیں مشائخ بھی اسی کو فکر کہتے ہیں۔ چنانچہ جب ذکر کے معنی قلب میں خوب راسخ ہو جاتے ہیں اور ماسوا کی جانب التفات کرنے کی قلب کو فرصت ہی نہیں ملتی تو اس کا نام فکر ہے۔ آگے پھر مشائخ کا کلام نقل کرتا ہوں :۔

حاصل یہ کہ جب طالب کو اپنے ادراک وہمت سے اس مفہوم میں کامل استغراق حاصل ہو جاتا ہے اور وہ تجلی اس کی جز و جان ہو جاتی ہے یہانتک کہ سالک کا جو لطیف ترین جز و ہے یعنی روح الٰہی یہ تجلی اس کو اپنا آشیانہ بنا لیتی ہے اور اس کے ساتھ اتصال اور امتزاج حاصل کر کے ایسا امتزاج جو مصداق ہوتا ہے من کا کہ ع او درمن ومن دراو چوں بو بہ گلاب اندر) اس کو بھی اپنی اصل کی طرف کھینچنا چاہتی ہے حالانکہ یہ روح الٰہی خود بھی عالم پاک ہی کی چیز تھی قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي اس کی شان میں وارد ہے لیکن مُشت خاک میں محبوس ہونے کے سبب اس نے اپنی اصل کو بھلا دیا اور اس کے ادراک کا آئینہ زنگ آلود ہو گیا مگر جب اس کے نور کی وجہ سے وہ روح الٰہی مصقل اور مصفا ہو جاتی ہے اور کمالات الٰہی کا عکس اپنے اندر دیکھتی ہے جیسا کہ ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ تو اس کو اپنا بھولا ہوا وطن یاد آکر اپنی اصل تک پہونچنے کا تقاضا پیدا ہوتا ہے۔ پس ادھر تو یہ تجلی اس روح کو جذب کرتی ہے اور ادھر روح اسمیں منجذب ہو جاتی ہے بسبب اس کے کہ وہ منتہی ہوئی ہے اس تیقظ کی طرف جس کو اس نے اس تجلی کے استغراق سے حاصل کیا تھا جس کی بنا پر اب اس میں تقاضا حظیرۃ القدس کی طرف چڑھنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کا پیدا ہو جاتا ہے لیکن بشریت کا غبار حظیرۃ القدس کے ساتھ لاحق ہونے سے مانع ہوتا ہے تو چار ونا چار روحانی ونفسانی تقاضوں میں باہم کشاکشی واقع ہو جاتی ہے

جس کے سبب ایک شورش اور غلغلہ اور گرمی نسمہ میں جو کہ روح طبی ہے واقع ہوجاتی ہے اور یہ شورش اور گرمی بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ غصہ کے وقت انسان میں گرمی پیدا ہوجاتی ہے یا جیسا کہ خوشی کے وقت ایک انبساط اور انشراح انسان کو حاصل ہوجاتا ہے۔

غرضکہ یہی غلغلہ اور شورش جو کہ روح انسانی میں پیدا ہوجاتی ہے وہی طالب کو دیوانہ اور مستانہ بنا دیتی ہے اور اس کے عقل و فکر کے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسکو حدود شرع اور قانونِ ادب سے بھی خارج کر دیتی ہے اور اسی شدت اور حدت کی وجہ سے طالب وحشت کے ساتھ جنگل اور میدانوں میں مارا مارا پھرتا ہے اور مجالس اور مساکن سے اُسے وحشت ہوتی ہے اور بزبان حال کہتا ہے کہ ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل　　　اب کہاں لیجا کے بٹھیں ایسے دیوانہ کو ہم

نیز اسی کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ اس کے چہرہ کا رنگ زردی مائل اور آنکھوں سے ہر وقت آنسو رواں رہتے ہیں، یہی وہ کیفیت ہے جس کا نام عشق ہے۔ چنانچہ جس قدر کہ یہ کیفیت روح حیوانی میں زیادہ ہوگی اسی قدر یہ عشق زیادہ ہوگا اور اس کو حُبّ نفسانی کے ساتھ موسوم کیا جائیگا اور یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی ہے یہانتک کہ طالب اپنے حجاب بشری کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور اس کا نفسانی غبار پاش پاش ہوجاتا ہے اور بالآخر اس حب (یعنی حب عشقی) کا ثمرہ (فنائے نفس) مرتب ہوجاتا ہے (انتہیٰ صراط مستقیم ص)

حاصل یہ کہ یہی وہ حب عشقی ہے جس کے حصول کا طریق ذکر و فکر کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جس کی ابتدا ذکر لسانی سے ہوکر کے درمیانی مدارج ذکر قلبی اور فنائے قلب وغیرہ طے کرتے ہوئے طالب فنائے نفس تک پہونچتا ہے۔ جو کہ اس راہ میں قدم ثانی ہے جیسا کہ حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

این کوہ الوند بکلند کلمہ طیبہ از بیخ و بن برکندہ شود و انانیت و معادات کہ بمولائے خود دارد منتفی شود و این حالت معبر بفنائے نفس است و قدم ثانی است دریں راہ۔
(مکتوبات معصومیہ ص۲۵۶)

اس کوہ الوند کو (مراد اس سے اپنا نفس ہے) کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے تیشہ سے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جاسکتا ہے اور اسی کے ذریعہ انسان کی انانیت اور معادات جس کو وہ اپنے مولائے حقیقی کے ساتھ رکھتا ہے نیست و نابود ہوجاتی ہے۔ اور اس حالت کو فنائے نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی اس طریق کا دوسرا قدم ہے۔

دیکھئے حضرت خواجہ صاحبؒ کے اس ارشاد میں تصریح ہے کہ یہی کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) وہ کلمہ ہے کہ نفس کے کوہ الوند کو اس کے تیشہ سے پاش پاش کرکے اس کو بیخ و بن سے اکھاڑا جاسکتا ہے اسی معنیٰ

کو کسی عارف نے یوں کہا ہے کہ ؎

زسی در سرائے الا اللہ   تا بجاروب لا نروبی راہ

(ترجمہ) جب تک کہ لا کی جھاڑو سے راستہ صاف نہ کرو گے الا اللہ کی سرائے میں جگہ نہ پاسکوگے۔
اور یہ جو فرمایا کہ اسی حالت کا نام فناءِ نفس ہے اور یہ طریق کا دوسرا قدم ہے تو اس کے متعلق بھی سنئے
سالک کے لئے یہ فنا ضروری ہے ورنہ بدون اس کے بارگاہ کبریا تک رسائی ناممکن ہے۔ حضرت معروفی
نے کیا خوب کہا ہے ؎

نیست رہ در بارگاہ کبریا   ہیچکس را تا نہ گردد او فنا

(ترجمہ) کوئی بھی ہو جب تک کہ وہ اپنے آپ کو فنا نہ کردیگا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی رسائی نہیں ہوگی۔
مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

بے فنائے خویش و بے جذب قوی   کے حریم وصل را محرم شوی

یعنی بدون اپنے کو فنا کئے ہوئے اور بدون اُدھر سے جذب قوی کے آئے ہوئے تم حریم وصل کے محرم (یعنی واصل محبوب
حقیقی) کب ہو سکتے ہو؟
یہاں تک تو کلام اس پر تھا کہ ذکر قلبی کی حقیقت کیا ہے؟ وہ کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اور اس پر
ثمرہ کیا مرتب ہوتا ہے؟ چنانچہ ماقبل کی تفصیل سے اس کی حقیقت معلوم ہو گئی، نیز اس کے تحصیل کا طریقہ
بھی معلوم ہو گیا کہ سبب عادی اس کا ذکر لسانی ہے اور آخر میں ثمرہ بھی اس کا بیان کیا گیا کہ فناءِ نفس ہے۔
اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان کا نفس فنا ہو جاتا ہے تو اس کے سارے اخلاق رذیلہ بھی زائل ہو جاتے
ہیں کیونکہ یہ سب رذائل خودی اور دعویٰ ہستی سے پیدا ہوتے ہیں اور نفس کے فنا ہونے سے دعویٰ
ہستی اور خودی وغیرہ سب چیزیں ہی فنا ہو جاتی ہیں۔
پس اب اس مقام پر یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ جس طرح سے اخلاق رذیلہ کا ازالہ ذکر و شغل سے
ہوتا ہے اس طور پر کہ اس سے حق تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہوتی ہے اور اس کے غلبہ کی وجہ سے ہستی
اور خودی مضمحل ہو جاتی ہے اور پھر سب اخلاق ذمیمہ جو اسی خودی اور دعویٰ ہستی سے پیدا ہوتے ہیں
زائل ہو جاتے ہیں اور اس علاج کا نام علاج کلی اور طریق جذب ہے۔ اسی طرح سے رذائل کے دور کرنے
کا ایک اور طریقہ بھی ہے اور وہ علاج جزوی کہلاتا ہے اور اس کو طریق سلوک کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہر
بد خلق کا جدا جدا علاج کیا جائے تو کوئی شخص بالخصوص اس زمانہ میں کسی ایک طریقہ کو لیکر دوسرے سے
مستغنی نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے ذکر و شغل بھی کرے

اور رذائل کے ازالہ کے لئے معالجۂ اخلاق بھی کرے۔

میرے نزدیک تو اس زمانہ میں اصلاح اسی طریق میں منحصر ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے ایک طالب کا خط اور اس کا جواب نقل کرتا ہوں، ناظرین کی بصیرت کے لئے انشاء اللہ کافی وافی ہوگا۔

(نقل خط مع جواب)

حال (۱) حضرت اقدس (مولینا تھانوی) قدس سرہٗ نے التکشف حصہ سوم ص۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ "اخلاق ذمیمہ کے دو علاج ہیں، ایک جزئی یعنی خاص (الیٰ قولہ) دوسرا کلی یعنی عام وہ یہ کہ ذکر و شغل سے یا جس طرح شیخ کامل تجویز کرے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا کیجائے، جب اس کا غلبہ ہوگا اپنی ہستی و خودی مضمحل ہونا شروع ہوگی اور سب اخلاق ذمیمہ جو اسی خودی اور دعویٰ ہستی سے پیدا ہوتے ہیں، سب زائل ہو جائیں گے۔" الخ

(۲) اور الافاضات الیومیہ ص۳۲ ج، میں ہے کہ ـــــ "ایسی ہی ایک دوسری غلطی ہے کہ ذکر اصلاح کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے (الیٰ قولہ) یہ بالکل کھلی بات ہے کہ محض ذکر سے اصلاح تو کیا ہوتی بعضوں کا نفس اور بگڑ جاتا ہے۔" الخ

حضرت والا! کیا ان دونوں ارشادات میں تعارض ہے؟ یا مطابقت ہو سکتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو کس طرح سے؟ معلوم کرنے کا اشتیاق ہے۔

تحقیق۔ حضرت کی رائے پہلی وہی ہوگی (جو التکشف میں ہے) بعد میں بدلی ہے۔

حال۔ نیز اخلاق ذمیمہ کا علاج کلی کیا دور حاضر میں ہو سکتا ہے؟

تحقیق۔ جب اصلاح کی تکلیف اس دور میں بھی ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اصلاح نہیں ہو سکتی۔

حال۔ میں تو اجمالی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ طبیعتوں میں آزادی اس قدر آگئی ہے کہ اس قسم کے علاج سے لوگ اصلاح پذیر نہیں ہو سکیں گے۔

تحقیق۔ بیشک ایسا ہی ہے۔

حال۔ ہاں سلیم الطبع مخلص جس کی فطرت ہی میں خلوص پہلے سے ہو شاید ہی کوئی ایسا ہو اس کے لئے مفید ہو تو ہو۔

تحقیق۔ صحیح ہے۔

حال - بہرحال حضرت اقدس (حکیم الامۃ) قدس سرہٗ کے کلام میں اس کو دیکھکر کچھ خلجان سا پیدا ہوا کہ صراط مستقیم کی عبارت یعنی موجودہ زمانہ کے سالکین کو باوجود سلوک منضبط کے تمام کر دینے فائدہ نہ ہونے کا سبب جو بیان فرمایا ہے (اس میں) نیز حضرت اقدس قدس سرہٗ کے اس کے سوا دوسری کتابوں کے ارشادات نیز حضرت والا (مدظلہ العالی) کے خصوصی طرز تربیت و اصلاح میں اور التکشف کی مذکورہ بالا عبارت میں مطابقت ہوسکتی ہے؟

تحقیق - میں نے لکھدیا (یعنی حضرت مولینا تھانویؒ کی پہلی رائے وہی ہوگی بعد میں بدلی۔)

حال - الحمدللہ حضرت اقدس (حکیم الامۃ) قدس سرہٗ اور حضرت والا (مدظلہ) کے طرز تربیت و اصلاح سے پوری طرح اطمینان و تسلی ہے۔

تحقیق - الحمدللہ۔

حال - میرا عقیدہ ہے کہ اس خصوصی طرز کے سوا دوسرے کسی اور طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اس زمانہ میں عبث اور عمر عزیز کو ضائع کرنا ہے، واقعات اور تجربے اس پر شاہد ہیں۔

تحقیق - الحمدللہ۔

حال - حضرت اقدس قدس سرہٗ نے الافاضات الیومیہ صـ ۲۶۶ ج ، پر جو ارشاد فرمایا ہے کہ "میں نے بڑے بڑے مشائخ کے خاص خاص مریدوں سے (جنھوں نے یہاں آکر تعلیم کا سلسلہ جاری کرنا چاہا) پوچھا کہ تم کو شیخ نے کیا بتلایا تھا، جہاں جہاں اور جس جس سے تحقیق کیا بس اوراد و وظائف ہی کی تعلیم معلوم ہوئی اصلاح کا پتہ نہیں . . . .

. . . حضرت! میں نے علماء کو دیکھا ہے کہ بعضے ان میں مشائخ کی طرف سے صاحب اجازت بھی ہیں مگر غلطیوں میں مبتلا ہیں" —— بعینہ اس کا مشاہدہ اب ہو رہا ہے کہ اور مشائخ کے بعض اجازت یافتہ کا حال یہ ہے کہ کیفیات نفسانیہ کو طریق اور مقصود سمجھے ہوئے ہیں باقی اخلاق کی اصلاح وغیرہ کا قصہ بالکل صاف ہے، اس سے بحث ہی نہیں ہے" التکشف میں جو طریقہ ہے اس کے متعلق محض بصیرت کے لئے حضرت والا کی زبان مبارک سے کچھ معلوم کرنے کا اشتیاق ہے دوسروں سے الجھنے کے لئے نہیں بلکہ محض اپنے لئے اور اپنے احباب خاص کے لئے۔

تحقیق - بالکل صحیح آپ کی رائے ہے۔

(اس خط کو حضرت والا نے مجلس میں سنایا اور اس کے بعد اس مسئلہ پر ایک تقریر فرمائی جسے ضبط کر لیا گیا اور حضرت والا کی تصحیح و تصویب کے بعد مولوی صاحب موصوف کو بھی بھیجی گئی چونکہ وہ

بھی تتمہ جواب ہے اس لئے یہاں بھی نقل کیجاتی ہے ناقل عفی عنہ) وہو ہذا ۔

از جواجی ـــــ ماشاء اللہ آپ نے نہایت ہی عمدہ اور بہت ہی ضروری سوال کیا کیونکہ اس زمانہ میں یہ مسئلہ بہت سے لوگوں کے لئے غلط فہمی کا سبب بنا ہوا ہے حضرت والا دامت برکاتہم نے اس کا ایک جواب تو تحریر ہی فرمادیا ہے یعنی یہ کہ محض ذکر و شغل سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو کر خودی اور دعویٰ کا خاتمہ ہو جانا اور پھر انسان کی اصلاح ہو جانا یہ حضرت مولینا تھانویؒ کی پہلی رائے تھی لیکن بعد میں حضرتؒ کی رائے بدلی اور یہ ہو گئی کہ محض ذکر سے اصلاح تو کیا ہوتی بعضوں کا نفس اور بگڑ جاتا ہے، جیسا کہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ التکشف تو بہت پہلے کی تصنیف ہے اور الافاضات الیومیہ جلد سات میں بعد کا اور آخری قول درج ہے ۔ اور قول آخر اول کے لئے ناسخ ہوتا ہے ۔ نہایت واضح یہ جواب ہے ۔

لیکن علاوہ اس جواب کے حضرت والا نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت زبانی بھی فرمائی حسب استعداد اس کو ضبط کر کے آپ کو لکھ رہا ہوں ۔ نہایت ہی محققانہ کلام ہے ، اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو اس مسئلہ کی جانب سے انسان ایک بصیرت میں ہو جائے ، اور یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت کیجائے ۔

آگے حضرت والا کا ارشاد نقل کرتا ہوں :۔

فرمایا کہ ـــــ ذکر و شغل سے حصول محبت اور پھر اس سے اصلاح کا ہونا نہ صرف حضرت کے التکشف ہی سے معلوم ہوتا ہے بلکہ قدماء مشائخ میں سے بہت سے حضرات نے اسے لکھا ہے اور یہی مشائخ متقدمین کا معمول بھی رہا ہے ۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے ، لوگوں نے ذکر و شغل کیا ہے جس کی وجہ سے خودی اور دعویٰ کا بالکلیہ خاتمہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور صحیح تعلق لوگوں کو حاصل ہوا ہے لیکن یہ اس وقت تھا جبکہ طبائع میں بالعموم سلامتی اور قلوب میں اخلاص تھا ، لوگ مشائخ سے تعلق کرنے سے پہلے رذائل اور معاصی کو ترک کر کے آتے تھے یا کم از کم ان کے ترک کرنے کی ہمت کر کے طریق میں قدم رکھتے تھے ۔

پس جب ایسا خلوص تھا تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ان کے لئے وصول کا ذریعہ بن جاتا تھا ، اور اب چونکہ طبائع ویسے نہیں رہے اور حضرت نے اپنی بصیرت اور تجربہ سے جب لوگوں کا یہ حال دیکھا کہ ذکر و شغل کرنے کے بعد کچھ کیفیت اور احوال تو لوگوں کو حاصل ہو جاتے ہیں ، لیکن نفس ان کا جہاں تھا وہیں رہتا ہے اور قلبی رذائل باقی رہتے ہیں حتیٰ کہ بعضوں کو مشائخ کی جانب سے اجازت بھی ہو جاتی ہے مگر نفس رذائل محمکہ سے پاک نہیں ہوتا ۔ تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو منصب تجدید بھی عطا فرمایا تھا اور حضرت محقق عالم ربانی بھی تھے اس لئے حضرت نے فرمایا کہ اب اس زمانہ میں محض ذکر وصول کے لئے کافی نہیں

کیونکہ نہ تو نفوس میں سلامتی باقی رہی اور نہ اس زمانہ میں کوئی شخص متقدمین کا سا ذکر ہی کرسکتا ہے اور نہ اس مقام تک پہونچ ہی سکتا ہے جہاں پہونچکر دعویٰ وغیرہ ختم ہوجاتا ہے اور خودی وہستی کا اضمحلال ہوجاتا ہے۔ اور اِدھر نفوس میں رذائل بیشمار موجود ہیں، تو اگر اس کا انتظار کیا جائے کہ ذکر سے محبت پیدا ہو اور محبت سے دعویٰ اور خودی فنا ہوجائے جس کے بعد رذائل کی اصلاح ہوجائے تو یہ تو "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود" کا مصداق ہوگا، کیونکہ جب تک یہ درجہ حاصل ہو رذائل نفس جو کہ غالب ہیں، انسان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیں گے بلکہ اور ترقی کرکے کہا جاسکتا ہے کہ قلب میں رذائل موجود ہونے کی وجہ سے ذکر کی برکت ہی نہ حاصل ہوگی، اور ان رذائل کی نحوست سے تھوڑا بہت حال جو حاصل بھی ہوا ہوگا وہ بھی ضائع ہوجائے گا اور اس مقام تک پہونچے گا ہی نہیں جہاں پہونچکر خودی کا خاتمہ ہوجاتا ہے کیونکہ اس زمانے میں زبان سے تو یہ کہدینا آسان ہے کہ ہم میں دعویٰ اور خودی نہیں ہے لیکن عملی طور پر اس پر پورا اترنا بہت مشکل ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

تا در تو زِ پندار ہستی باقی ست — می داں بیقیں کہ بت پرستی باقی ست
گفتی بتِ پندار شکستم رستم — آں بت کہ زِ پندار شکستی باقی ست

"یعنی تیرے اندر جبکہ اپنی ہستی کا کچھ بھی پندار باقی ہے تو یقیناً یہ سمجھ لے کہ تیرے اندر بت پرستی موجود ہے۔ اگر تو یہ کہے کہ میں نے اپنے پندار کے بت کو توڑدیا اور اس سے خلاصی پاگیا تو یہ سمجھ لے کہ جس بت کو تو نے پندار کے ساتھ توڑا وہ باقی ہے یعنی پندار تو اب بھی باقی ہے اس سے تو کہاں نکلا" (از ناقل)

لہٰذا جب نفس میں یہ سب خباثتیں اور رذائل موجود ہیں جن کے دور کرنے کا انسان مکلّف ہے تو اب ان کے ہوتے ہوئے کوئی عالم دین یہ کیسے کہہ سکتا ہے اور اس کو یہ کہنا جائز بھی کب ہے؟ کہ بس تم ذکر وشغل کئے جاؤ، یہ رذائل خود بخود دور ہوجائیں گے، بلکہ ایک عالم دین کا تو یہ فرض ہوگا کہ وہ لوگوں کو متوجہ کرے کہ یہ رذائل جو تمہارے اندر موجود ہیں ان کو بالقصد والارادہ دور کرو اور ایک منٹ کے لئے بھی ان کی جانب سے غافل نہ ہو بلکہ ان کے ازالہ کو بھی شرعاً مقصود سمجھو۔

اسی کے پیشِ نظر حضرت حکیم الامت مولینا تھانویؒ کے دوسرے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر وشغل تنہا اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اب اس زمانہ میں سالکین کو چاہئے کہ وہ ذکر وشغل بھی کریں اور اس کے ساتھ ساتھ معالجۂ اخلاق بھی کریں یعنی نفس کی اصلاح کریں، ذکر کا وہ درجہ جو رذائل کو اکھاڑ پھینکے اس درجہ تک نہ لوگ آسانی سے پہونچ سکتے ہیں اور نہ کسی کی اتنی ہمت اور اتنا شوق کہ وہ اتنا مجاہدہ کرے ادھر اخلاق بد (یعنی رذائل نفس) کی جانب سے ہمیشہ یہ کھٹکا کہ نہ معلوم کس مقام

پر سے قعر میں گرادیں، اس لئے نہ تنہا اس پر اکتفا کرے اور نہ تنہا ذکر ہی پر بلکہ دونوں کو بیک وقت ساتھ ساتھ لیکر چلے، اس زمانہ میں اصلاح اسی طریقہ میں منحصر ہے۔

پس حضرتؒ کی آخری رائے کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر و اشغال مطلقاً ذریعہ وصول ہی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے طبائع کے بگاڑ نے، اور رذائل کی زیادتی نے اس زمانہ میں تنہا ذکر کو غیر نافع، بلکہ بعض صورتوں میں تو مُضر اور مہلک بنا دیا ہے جس پر تجربہ شاہد ہے، ورنہ تو فی نفسہ ذکر اگر اپنے جملہ شرائط اور حدود کے ساتھ پایا جائے تو آج بھی اسمیں وصول الی اللہ کی صلاحیت موجود ہے۔ مگر کرنے والے کہاں؟ اور اس کے درجہ کے مطابق صدق وخلوص اور مجاہدہ اس زمانہ میں کتنے لوگوں میں پایا جاتا ہے؟ اور پھر محض ذکر وشغل کرنے کی وجہ سے رذائل کی تو اصلاح معاف نہ ہوجائیگی بلکہ جب رذائل کسی کے نفس میں موجود ہیں تو یہی کہا جائیگا کہ اس کی اصلاح ضروری اور واجب ہے۔ انتہیٰ

حاصل اس کا یہ ہوا کہ حضرتؒ کے دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ وصول الی اللہ کے لئے قدما مشائخ کے یہاں جو طریق رائج تھا وہ عشق ومحبت ہی کا طریق تھا۔ چنانچہ حضرتؒ بھی ایک مدت تک اسی طریق پر رہے، اور وہ حضرات اس عشق کو اپنے اوپر اس درجہ مسلط کر لیتے تھے کہ پھر اس سے ان کے رذائل کی بھی اصلاح ہوجاتی تھی اور ان کو اس کے لئے الگ سے کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا (اس طریق کے متعلق میں آئندہ کچھ کلام کروں گا)

لیکن حضرت نے بعد میں جب یہ دیکھا، اور لوگوں کے حالات سے اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہوگیا کہ اب لوگوں میں اس درجہ کا عشق ومحبت پیدا کرنے کا حوصلہ اور اس کی ہمت ہی نہیں جو کہ ان حضرات کے نزدیک معتبر تھا یعنی عشق ومحبت کامل جس سے رذائل فنا ہوجائیں اور وصول ہوجائے، دوسرے لفظوں میں یہ کہئے کہ وہ عشق جو قلب سے متجاوز ہوکر نفس میں پیدا ہوجائے، اب اس سے لوگ بھاگتے ہیں اور ذکر وغیرہ کرکے صرف عشق ومحبت سے کچھ قلب کو متاثر کر لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صوفی بھی ہوجاتے ہیں مگر نفس کے رذائل باقی رہتے ہیں۔ تو حضرتؒ کے منصب تجدید کا تقاضا تھا کہ حضرتؒ اس کی اصلاح فرمائیں چنانچہ اسی سلسلہ کا ایک کارنامہ یہ ہوا کہ فرمایا کہ جس طرح سے لوگ ذکر کی جانب بالذات توجہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے اُن میں گو کچھ حالات اور کیفیات بھی پیدا ہوجاتی ہیں مگر عشق ومحبت کے ناتمام ہونے کی وجہ سے نفس نہیں مرتا اور اگر اس کے اور عیوب سے نجات بھی ہوجاتی ہے تو کم ازکم خودی اور دعویٰ تو باقی ہی رہتا ہے۔ اسی طرح سے اب اس زمانہ میں ضرورت ہے کہ لوگ ذکر کے ساتھ ساتھ (اس کو ترک کرکے نہیں) نفس کی بھی اصلاح کریں، اور نفس مریگا تو عشق کامل اور محبت ہی سے، تاہم

جب تک یہ مقام حاصل ہو اس وقت تک نفس کی اصلاح معاف تو نہ رہے گی، بلکہ آدمی رذائل کے دور کرنے کا شرعاً مکلف رہیگا، لہٰذا اس کی جانب بھی بالقصد ویسی ہی توجہ کرنا چاہئے جیسی کہ اب تک ذکر کی جانب کرتا رہا ہے اور یہ مانا کہ اس وقت محنت و مشقت بڑھ جائیگی اور کام دوگنا ہو جائے گا مگر کیا کیا جائے جو کام ضروری ہے اسے تو کرنا ہی ہوگا ہاں جب عشق کامل ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے نفس کے رذائل سب سوختہ ہو جائیں گے اس وقت اصلاح کی مشقت سے بھی یہ چھوٹ جائے گا اور اب یہ کہا جائیگا کہ تنہا یہی عشق و محبت کافی ہے کیونکہ محبت ناقص کے ساتھ تو رذائل باقی رہ سکتے ہیں لیکن جب عشق کامل ہو جاتا ہے تو ان سب کا بالکلیہ خاتمہ ہو جاتا ہے، اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد | او ز حرص و عیب کلّی پاک شد

اب یہ سنئے کہ حضرت مولانا نے جو بات فرمائی ہے اس میں حضرت متفرد نہیں بلکہ اپنے اپنے وقت میں مشائخ اور محققین سب کہتے چلے آئے ہیں۔ رسالہ قشیریہ میں ہے:-

ولیس من آداب المریدین کثرۃ الاوراد بالظاھر فان القوم فی مکابدۃ اخراج خواطرھم ومعالجۃ اخلاقھم ونفی الغفلۃ عن قلوبھم لا فی تکثیر اعمال البر الخ

(رسالہ قشیریہ صفحہ)

مریدین کے آداب میں سے ظاہری وظیفے اور وظائف کی کثرت نہیں ہے اس لئے کہ قوم (صوفیہ) تو درپے اس کے ہے کہ اپنے قلوب و ما فی سے ردیہ کو نکالے اور اپنے اخلاق رذیلہ کا علاج کرے اور قلب سے غفلت دور کرکے اس میں ذکر پیدا کرے نہ یہ کہ اعمال بر یعنی نوافل وغیرہ کی کثرت کرے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ رذائل کا معالجہ بھی منجملہ مریدین کے وظائف کے ہے اور قلب میں غفلت کی جگہ ذکر پیدا کرنا یہ بھی ضروری ہے اور وساوس سے اس کو خالی کرنا بھی لازم ہے۔۔۔ تو امام یہ کیوں فرماتے ہیں؟ ضرور قوم سے اس باب میں کچھ تساہل دیکھی ہوگی اسی لئے تو یہ فرمایا۔

بس اسی طرح حضرت نے بھی جب یہ دیکھا کہ وظیفے وظائف تو بہت ہیں اور قلب کی لوگوں کو تو کچھ فکر بھی ہے لیکن نفس کی جانب اصلا التفات نہیں اس لئے شدّ و مد کے ساتھ یہ فرمایا اور ہر زمانہ کے مصلح کا یہ کام ہی ہے کہ جس باب میں لوگوں میں تساہل دیکھے تو اس کا نہایت ہی شدّ و مد کے ساتھ بیان کرے۔

بہر حال امام قشیریؒ تو اپنے وقت کے امام ہیں وہ بھی وہی فرما رہے ہیں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس باب میں دونوں اماموں کی ایک رائے ہے۔

صاحب رسالہ قشیریہ کے کلام میں نفی غفلت کا جو ذکر ہے تو اس کی ضرورت کو قرآن و حدیث سے بیان کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ، مَا يَأْتِيهِمْ مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ	ان منکر لوگوں سے ان کا وقت حساب نزدیک آپہونچا اور یہ ابھی غفلت ہی میں پڑے ہیں اور اس سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ آتی ہے تو یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہیں ۔ ان کے دل متوجہ نہیں ہوتے یعنی اس سے غافل ہوتے ہیں ۔

اس میں بیان ہے کہ لوگوں میں غفلت بھی ہوتی ہے اور "لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ" سے معلوم ہوا کہ وہ غفلت قلب میں ہوتی ہے کیونکہ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ یہ غفلت ہی کی دوسری تعبیر ہے ۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۔ "وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا نہ اطاعت کیجئے اس کی جس کے قلب کو ہم نے غافل بنادیا ہے"۔ اس میں تو تصریح ہی فرما دی کہ غفلت قلبی چیز ہے اور اس کا محل قلب ہوتا ہے ، حدیث شریف میں ہے :۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيبُ الدُّعَاءَ عَن قَلْبٍ لَاهٍ "یعنی اللہ تعالیٰ غافل دل سے کی ہوئی دعا نہیں قبول فرماتے ۔" نیز ایک روایت میں شیطان کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ انسان کے قلب کو غافل پاتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے ۔

مَا مِن مَّوْلُودٍ إِلَّا عَلَىٰ قَلْبِهِ الْوَسْوَاسُ فَإِذَا عَمِلَ فَذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَإِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (فتح الباری ص۲۵ ج۱۰)	کوئی بچہ نہیں پیدا ہوتا مگر یہ کہ اس کے قلب پر وسواس ہوتا ہے جب وہ عمل کرتا ہے یعنی ذکراللہ کرتا ہے تو وہ چھپ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوجاتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے ۔

ان سب نصوص سے معلوم ہوا کہ غفلت ایک مذموم شئی ہے اور اس کا تعلق انسان کے قلب سے ہوتا ہے بس اسی غفلت کو قلب سے دور کرنے کو یہ حضرات فرماتے ہیں اور چونکہ یہ غفلت ذکر کی ضد ہے تو اس کے دور کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ قلب کو ذاکر بنایا جائے ، جب قلب میں ذکر پیدا ہوجائے گا اسی وقت یہ غفلت زائل ہوگی کیونکہ ایک قلب دو متضاد صفات کا محل نہیں بن سکتا ، اور یہی ذکر جب قلب میں اتر جاتا ہے تو اس کا ہی نام فکر ہے ۔ فکر اور ذکر قلبی ایک چیز ہے ۔ جیسا کہ اس پر کلام کر چکے ہیں۔

بہرحال یہ غفلت قلبی جسے زائل کرنے کو محققین نے ہر زمانہ میں فرمایا ہے مشکل چیز ہے لیکن دوسری چیز یعنی معالجۂ اخلاق بھی ضروری ہے اور اس سے زیادہ مشکل ہے ۔ اور اس کا درجہ بھی اس سے مقدم ہے ۔ آج یہی نہیں سمجھا جاتا اور کام طریقہ اور ترتیب سے نہیں کیا جاتا اسی لئے کامیابی نہیں ہوتی ورنہ تو لوگ آج

جس قدر محنت کرتے ہیں اگر اصول سے کام کریں تو اس سے کم میں کامیاب ہو جائیں۔

یہی صاحب رسالہ قشیریہ کتاب کے آخر میں باب الوصیۃ للمریدین میں فرماتے ہیں۔

فاول قدم للمرید فی هٰذه الطریقة ینبغی ان یکون علی الصدق لیصح له البناء علیٰ اصل صحیح فان الشیوخ قالوا انما حرموا الوصول لتضییعهم الاصول (رسالہ قشیریہ صہ ۱۹۷)	اس طریق میں مرید کا پہلا قدم صدق پر ہونا چاہئے تاکہ اس کو ایک اصل صحیح پر بنا قائم کرنا ممکن ہو سکے کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ وصول (الی اللہ) سے اسلئے محروم ہیں کہ انھوں نے اصول طریق کو ضائع کر دیا ہے یعنی اس کو استعمال نہیں کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصول میں علماء نے سب سے پہلے صدق و خلوص کو فرمایا ہے، حضرت فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ ؎

در ارادت باش صادق اے فرید　　تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(یعنی اے فرید ارادت اور عقیدت میں سچے ہو تاکہ گنج عرفان کی کنجی پا سکو ۱۲ ہ ہ)

اور یہ جو فرمایا "تاکہ اصل صحیح پر بنا ہو سکے" تو یہ اس لئے کہ اگر بنیاد ہی غلط ہو گی تو ساری دیوار ہی خراب رہے گی، شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

خشت اول چوں نہد معمار کج　　تا ثریا میرود دیوار کج

(جب پہلی ہی اینٹ معمار غلط رکھے گا تو آخر تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی ۱۲ ہ)

پھر صدق کے بعد اصلاح نفس اور معالجۂ اخلاق ہے پھر اس کے بعد ذکر کا درجہ ہے اور ذکر میں سے بھی پہلے لسانی ہے پھر قلبی پھر اس کے بعد قلب مع اللہ ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم نے امام غزالی کے بیان سے زیادہ مرتب اور واضح بیان نہیں دیکھا اس لئے احیاء العلوم سے اس کو اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں، ربع المهلکات بیان شروط الارادت و مقدمات المجاہدہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ :-

اما شروط التی لابد من تقدیمها فی الارادة فهی رفع السد والحجاب الذی بینه وبین الحق	بہرحال وہ شرطیں کہ ارادت میں جن کی تقدیم ضروری ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ اپنے اور خالق کے درمیان جو آڑ اور حجاب ہے اس کو دور کرے۔

پھر اس کے بعد اخلاق رذیلہ کا حجاب اور سد ہونا بیان فرما کر اور اس کے ترک کا طریقہ بیان کر کے لکھتے ہیں کہ :-

فاذا انمحی ذلك او ضعف بالمجاهدة ولم یبق فی قلبه علاقة تشغله بعد ذلك یلزم قلبه علی الدوام و یمنعه من تکثیر الاوراد الظاهرة بل یقتصر علی الفرائض والرواتب ویکون ورده وردًا واحدًا اعنی ملازمة القلب لذکر الله تعالیٰ۔

پس جب نفس کے رذائل ختم ہوجائیں اس مجاہدہ کی وجہ سے یا ضعیف ہوجائیں اور اب اس کے قلب میں کوئی مشغول کرنے والا علاقہ نہ رہا تو اس کے بعد علی الدوام اپنے قلب کو لازم پکڑے اور اسکو کثرت وظائف ظاہری سے روکے بس صرف فرائض وواجبات اور سنن موکدہ پر مقصور رکھے۔

اور اس کا وظیفہ بس ایک ہی وظیفہ ہو یعنی قلب سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔

وهذا التجرد لا یحصل الا مع صدق الارادة و استیلاء حب الله تعالیٰ علی القلب حتی یکون فی صورة العاشق المستهتر الذی لیس له الا هم واحد اذا کان کذلك الزمه الشیخ زاویة وعند ذلك یلقنه ذکرًا من الاذکار حتی یشتغل به لسانه وقلبه فیجلس و یقول مثلاً الله الله او سبحان الله سبحان الله فلا یزال یواظب علیه حتی تسقط حرکة اللسان وتکون الکلمة کانها جاریة علی اللسان من غیر تحریك ثم لا یزال کذلك حتی یمحی عن القلب حروف اللفظ و صورته وتبقی حقیقة معناه لازمة للقلب حاضرة معه غالبة علیها قد فرغ من کل ما سواه...

لیکن یہ خلاصی بدون صدق ارادہ کے حاصل نہ ہوگی۔ نیز بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت کے قلب پر اس طرح تسلط کئے کہ دیکھنے میں یہ شخص ایک ایسا حیران و سرگرداں عاشق معلوم ہوتا ہے جس کا بجز ایک مقصد کے دوسرا کوئی مقصد نہ ہو جب ایسا ہوجائے تب اس کے لئے شیخ کوئی نہ کوئی گوشہ تجویز کردے اور اذکار میں سے کسی ذکر کی تلقین فرمادے جس کے ساتھ اس کی زبان اور قلب مشغول رہے، پس بیٹھ کر زبان سے یوں کہے مثلاً اللہ اللہ یا سبحان اللہ سبحان اللہ اور اس پر مداومت برتے یہاں تک کہ زبان کی حرکت ساقط ہوجائے۔ اور ذکر کا کلمہ اب اس کی زبان پر بدون تحریک لسان کے جاری رہے پھر ایسا ہی کرتا رہے یہاں تک کہ قلب سے بھی لفظ کے حروف اور اس کی صورت مٹ جائے اور اس کے معنیٰ کی حقیقت باقی رہے اس طرح سے کہ وہ قلب کو لازم ہوجائے اور اس کے ساتھ حاضر رہے اس پر غالب رہے اور یہ شخص ماسوا سے فارغ ہوجائے۔

... فاذا حصل قلبه مع الله تعالےٰ انکشف له جلال الحضرة الربوبية وتجلی له الحق وظهر له لطائف الله تعالےٰ ما لا یجوز ان یوصف بل لا یحیط به الوصف اصلاً

(احیاء العلوم ص۲۲۴ ج۳)

پھر جب اس طرح سے قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے گا تو اس کے لئے حق تعالیٰ کا جلال اور اس کی تجلی منکشف ہوگی اور لطائف ربانی میں سے ایسی ایسی چیزیں اس کے لئے ظاہر ہونگی کہ جن کا بیان نہ تو سالک کے لئے جائز ہے اور نہ اس کے احاطۂ توصیف کی میں آسکتی ہیں۔

دیکھئے امام نے سالک کے کام کو کس قدر ترتیب وار بیان فرمایا یعنی سب سے پہلے وہ ذکر کے سد اور حجاب کو دور کرے اور نفس کو مجاہدہ کے ذریعہ ختم کرے یا ضعیف کرے اس کے بعد ملازم ذکر رہے اور اس ملازمتِ قلبی کو اپنا واحد وظیفہ جانے۔ جب اتنا کر لے تب شیخ اسکو کوئی ورد تلقین فرما دے جسے پہلے تو وہ زبان سے کہے اور پھر قلب میں اتارے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس قدر کثرت سے ذکر کرے کہ زبان کی حرکت ساقط ہو جائے اور کلمۂ ذکر بدون تحریک لسان ہی کے گویا زبان پر جاری ہو جائے۔ پھر اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ الفاظ کے حروف اور اسکی صورت قلب سے بھی محو ہو جائے اور صرف اس کے معنی کی حقیقت [illegible] اسی کا نام ذکر قلبی ہے اور یہی درجہ مطلوب ہے۔ اس مرتبہ پر پہونچکر قلب من اللہ [illegible] سے قلب سالک پر حق تعالیٰ کی جو تجلی اور الطاف ہوتے ہیں اس کو وہ کیا جانتا ہے۔ وہ احاطۂ وصف سے بالاتر ہے۔

نیز امام نے اس سلسلہ میں مجاہدہ، ملازمتِ قلب لذکر اللہ اور مواظبت علی الذکر وغیرہ جو فرمایا تو سمجھنا چاہئے کہ ان امور کو ہر زمانہ میں مشائخؒ نے بیان کیا ہے اور ان پر زور دیا ہے چنانچہ مجاہدہ کے متعلق شیخ اکبر ابن عربیؒ کیا فرماتے ہیں سنئے:-

۱- اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ-

ومن شرطه ان یحاسب المرید علی انفاسه وحرکاته ویضیق علی قدر صدقه فی اتباعه فانه طریق الشدة لیس للرخاء فیه مدخل لان الرخص انما هی للعوام لانهم قنعوا بکونهم

اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کے ہر سانس اور حرکت کا محاسبہ کرے اور جہاں تک زیادہ اسکو مطیع و متبع دیکھے اس پر معاملہ میں تنگی کرے کیونکہ یہ راستہ ہی شدت کا ہے اس میں نرمی کو دخل نہیں اس لئے کہ رخصتیں تو عوام کے لئے ہیں اس لئے کہ وہ تو صرف اس پر قناعت کرتے ہیں کہ ان کا

ينطق عليهم اسم الايمان خلصة مؤديين لما فرض الله عليهم ومن طلب الا نفس والزيادة على مرتبة العوام فلابد ان يذوق الشدائد فى نيل ذلك فانه من اراد ان يرى الدرة فى بحره فلابد ان يقاسى ظلمة بحره يعنى روح الحياة عن سريانه فان الغاطس فى البحر لابد يمسك نفسه (آداب الشيخ والمريد صـ)	ایمان اور اسلام کا نام آجائے اور صرف ان چیزوں کو ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں۔ اور جو شخص اعلیٰ درجہ کو اور عوام سے مرتبہ میں زیادتی کو طلب کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں سختیاں برداشت کرے، اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سینہ پر موتیوں کا ہار دیکھے اس پر ضروری ہے کہ قعر دریا کی ظلمت کو برداشت کرنے اور روح حیات یعنی سانس کو چلنے سے روک دے کیونکہ دریا میں غوطہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی سانس کو روکے۔

دیکھئے شیخ نے مثالوں کے ذریعہ طریق کی کیسی عظمت بیان فرمائی اور یہ کہ جو چیز عظیم القدر ہوتی ہے اس کے حصول کا طریق بھی دشوار ہوتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر

۲- اسی طرح سے ملازمت لذکر اللہ جس کا دوسرا نام شغل باطن بھی ہے اس کے متعلق صاحب رسالہ قشیریہ بھی فرماتے ہیں کہ:-

الذى لابد لهم اقامة الفرائض والسنن الراتبة فاما الزيادات من الصلوات النافلة فاستدامة الذكر بالقلب اتم لهم (رسالہ قشیریہ)	اور جو ان کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ فرائض و واجبات اور سنن موکدہ بجالائیں، رہی اور نوافل وغیرہ کی زیادتی تو اس سے مقدم ان کے لئے یہ ہے کہ قلب کو دوام ذکر کے ساتھ متصف رکھیں۔

اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں کہ

"ونیز سالک را باید کہ بر اوامر شریعت استحکام دارد و از ممنوعات او بہ پرہیزد و تقویٰ و پرہیزگاری را شعار خود سازد" پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں کہ "اوقات خود را بعد ادائے فرائض و واجبات و سنن در شغل باطن گذارد و بر زیادتی نوافل و اوراد نہ پردازد بلکہ مشغولی باطن را فرض دائمی داند و گاہی غافل نشود"

(قصد السبیل صـ)

دیکھئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب مشائخ ایک ہی بات کو بیان کئے چلے جاتے ہیں

۳۔ تیسری چیز مواظبت علی الذکر کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں تو کلام نہیں ہے کہ طریق میں جس نے بھی جو پایا ہے وہ اسی کی بدولت پایا ہے۔ چنانچہ خود حضرتؒ فرماتے تھے کہ "اپنے پہلے لوگوں میں اور بعد میں آنے والوں میں فرق دیکھتا ہوں، پہلے کے لوگ ذکر وغیرہ کرتے تھے اب لوگ ذکر نہیں کرتے"، تو یہ تو بالکل صحیح ہے کہ ذکر کے انوار ہی کچھ اور ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ تو ذکر کرنے ہی سے ملیں گے تاہم کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس زمانے میں قویٰ ضعیف ہو چکے ہیں اور پہلے زمانہ میں لوگوں کے قویٰ قوی تھے، تو وہ لوگ جن شدائد اور مجاہدات کا تحمل کر لیتے تھے آج ہم انکی ریس میں اگر کریں گے تو نقصان اٹھا جائیں گے۔ کتنے لوگوں نے ذکر کی کثرت کی اور اپنا دماغ ہی خراب کر لیا، اس لئے اس باب میں کسی شیخ کامل کی رہنمائی ضروری ہے، اپنی طرف سے یا کسی کتاب وغیرہ میں دیکھکر کوئی ذکر ہرگز ہرگز نہ تجویز کریں ورنہ ضرر میں پڑ جائیں گے۔ یہی وہ موقع ہے جہاں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے علاوہ طریق میں اور نہ معلوم کتنی گھاٹیاں آتی ہیں کہ شیخ کی ضرورت پڑتی ہے اسی لئے سالک کے لئے اختیار شیخ ناگزیر ہے۔

یہ تنبیہ تو ان کے مناسب حال ہے جو کہ اس باب میں افراط سے کام لیتے ہیں لیکن ایک اور جماعت بھی ہے جو اس سلسلہ میں تفریط سے کام لینا چاہتی ہے یعنی بعض لوگ اس کے خواہاں ہوتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا درنا نہ پڑے بس شیخ ہی توجہ کر دے جس سے وصول ہو جائے تو اس مسلک کے لوگوں کو حضرت مولانا گنگوہیؒ کا یہ ارشاد جو کسی طالب کے خط کے جواب میں حضرت نے تجویز فرمایا تھا برابر پیش نظر رکھنا چاہیے، فرماتے ہیں کہ

" ولایت نظری کے یہ معنیٰ ہیں کہ بعض وقت بدون اختیار عارف کے ایسا آجاتا ہے کہ عارف کی نظر میں اور توجہ میں اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس پر ایک اثر پڑتا ہے جس سے وہ ملون ہو جاتا ہے مثل آفتاب کے کہ جب وہ نمایاں ہوتا ہے تو ہر شے پر اس کی شعاع ہوتی ہے مگر جو طبع مصفیٰ قابل ہوتی ہے تو انوار کا عکس آجاتا ہے اور نہیں تو حرارت کا اثر ہوتا ہے، اس میں بھی تفاوت استعداد ہے آئینہ پر نور زیادہ اور عاج (یعنی ہاتھی کے دانت) پر کم۔ پتھر پر گرمی زیادہ اور گارے (یعنی کیچڑ) پر کم۔ علیٰ ہذا۔ پھر جو وہ عکس بزرگ کا قائم ہو گیا، فبہا، اور جو زائل ہو گیا تو پھر ویسا ہی رہ گیا یہ بھی تفاوت رکھتا ہے تو یہ امر اتفاقی ہے، اب

اختیاری اس پر کوئی انتظار کرکے نہیں بیٹھا۔ اپنا سر مارنا اور مجاہدہ مشروط ہے اور اپنا ہی کیا حال قائم دائم لاتا ہے۔" (مکتوبات رشیدیہ ص۵۹)

دیکھئے حضرت نے کس عمدہ طریقہ سے اتنے بڑے خندق سے لوگوں کو نکال دیا ہے۔ واقعی آج اس قسم کے لوگ بہت ہیں جو اسی انتظار میں ہیں کہ شیخ کی جہاں توجہ ہوئی نہیں کہ ہم پہونچے نہیں حضرت نے اس کو امر اتفاقی اور غیر اختیاری فرمایا اور یہ فرمایا کہ میاں کس تلبیس ابلیس میں پڑکر راستہ چلنے سے رُکے ہوئے ہو۔ چلو راستہ تو اپنے ہی چلنے سے طے ہوگا اور اگر بالفرض کسی کو توجہ شیخ کی حاصل بھی ہوگئی تو اس سے پیدا شدہ حال کا قائم و دائم رہنا ضروری نہیں۔ شیخ کی روشنی میں کچھ دور چل لوگے مگر پھر اندھیرا، لہٰذا خود ذکر و مجاہدہ کرکے اپنے اندر ذاتی طور پر حال پیدا کرو، تو یہ حال قائم و دائم رہیگا۔

امام غزالیؒ کے کلام سے متعلق ضروری تشریح کے بعد اب اور بعض اکابر کا کلام نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معالجۂ اخلاق کا درجہ ذکر و اذکار سے مقدم ہے۔

۲۔ سنئے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں کہ۔

"نفس کو فنا کرنے سے پہلے کثرت نوافل اور تلاوت قرآن سے قرب الٰہی میں ترقی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یعنی ہاتھ نہ لگائیں اس کو مگر طہارت والے لوگ" چنانچہ طہارت ظاہری نماز کی شرط ہے۔ رذائلِ نفس سے پاک ہوئے بغیر نماز اور تلاوت کی برکتیں حاصل نہیں کی جاسکتیں"

اس کا بھی حاصل وہی ہے کہ اصلاح نفس ضروری ہے بدون اس کے انسان طاعات کے انوار و برکات سے محروم رہتا ہے۔

۳۔ اور سنئے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ آداب الشیخ والمریدین میں فرماتے ہیں کہ

ان الزمان مشحون بالدعاوی الکاذبۃ العریضۃ فلا مرید صادق ثابت القدم فی سلوکہ ولا شیخ محقق ینصح فیخرجہ من رعونۃ نفسہ واعجابہ برأیہ ویعزب لہ عن طریق الحق فالمرید یدعی الشیخوخۃ والریاسۃ وھذا کلہ تخبیط وتلبیس (ص۵)	زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعووں سے بھرا ہوا ہے نہ کوئی مرید ہی صادق اور سلوک میں ثابت القدم نظر آتا ہے نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے جو مرید کی خیر خواہی کرے اور اس کو نفس کی رعونت اور خود رائی سے نکالے اور طریق حق اس کے سامنے ظاہر کردے پس مرید شیخوخت اور بڑائی کا مدعی ہوجاتا ہے اور یہ سب خبط اور تلبیس ہے۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ سلوک میں سب کچھ طے ہو جانے کے بعد جو عقبہ سالک کو پیش آجاتا ہے وہ دعویٰ اور خودی ہے جس کا منشا ر بھی ظاہر ہے کہ نفس کی اصلاح کا نہ ہونا ہے۔

۵۔ اور سنئے صاحب روح المعانی آیۃ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا کے تحت فرماتے ہیں کہ :-

وقال ابو الحسن الوراق هذا مثل ضربه الله تعالىٰ لمن لم يصحح احوال الارادة فارتقى من تلك الاحوال بالدعاوى الى احوال الاكابر فكان يضيئ عليه احوال ارادة لو صححها بملازمة آدابها فلما مزجها بالدعاوى اذهب الله تعالىٰ عنه تلك الانوار وبقى فى ظلمات دعاويه لا يبصر طريق المخرج منها نسأل الله تعالىٰ العفو والعافية ونعوذ به من الحور بعد الكور

(روح المعانی ج۱ ص۱۵۵)

حضرت ابو الحسن وراقؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک مثال ہے جو اس شخص پر بھی منطبق ہے جس نے ہنوز اپنی ارادت کی بھی تصحیح نہ کی ہو اور ان احوال کی وجہ سے جو اسے ابتداءً میں حاصل ہوئے ہوں اکابر طریق کے احوال تک چڑھ گیا ہو یعنی اپنے لئے اسے ثابت کرتا ہو تو یہ شخص ایسا تھا کہ اگر ارادت کی تصحیح کر لیتا اس کے آداب کا لحاظ کر کے تو ارادت کے احوال اس پر روشن ہوتے لیکن جب اس نے اس میں آمیزش دعاوی کاذبہ کی کر لی تو اللہ تعالےٰ نے اس سے اس کے نور کو سلب فرمایا اور وہ اپنے دعویٰ کی تاریکی میں پڑا رہ گیا اس طرح سے کہ اسے اسکو نکلنے کی بھی سبیل سجھائی نہیں دیتی، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور عافیت کا سوال کرتے ہیں اور کمال کے بعد نقصان سے پناہ مانگتے ہیں

(روح المعانی ج۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ سالک کو جو احوال حاصل بھی ہوتے ہیں تو آداب کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے وہ سلب بھی ہو جاتے ہیں اور وہی بے ادبی اس کے لئے وصول سے مانع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا مانع اور حجاب اکبر یہی دعویٰ ہے جس کا منشا اس کا نفس ہوتا ہے۔

۶۔ اور سنئے صراط مستقیم میں ہے کہ :-

از قوی ترین موانع نزول فیض رحمانی وورود عنایات یزدانی بر سالکین راہ حق تلوث نفوس بہیمہ ایشان ست بر ذائل اخلاق مثل بخل وکبر وحرام وغیبت وکینہ وریا وکذب وطمع وحرص۔ سلف صالحین تزکیہ ازیں ذائل

سالکین پر فیض رحمانی کے نزول اور عنایات یزدانی کے ورود کا، ایک بڑا مانع اُن کے نفوس حیوانی کا رذائل اخلاق مثلاً بخل۔ حسد۔ کبر۔ حرام مال کھانا۔ غیبت۔ جھوٹ۔ کینہ ریا اور حرص وطمع وغیرہ سے ملوث ہونا ہے۔
سلف صالحین، ان رذائل سے تزکیہ کو سب امور سے

مقدم تر و مہم تر میدانستند و آنرا صرف بنا بر رضاجوئی حق تعالیٰ از دل خود منقطع و منقمع می کردہ اند تا اثرے ازاں باقی نمی ماند و دلہائے ایشاں مصفی می گردد لہٰذا مورد عنایات بیغایات می شدند و ہمیں تصفیہ کہ ارضاء اللہ تعالیٰ بعمل می آوردند مقبول می گشتند۔

و ہر کہ باوجود طے مراتب سلوک منضبط مورد آثار عنایات نشود آثار ایں ہمہ رذائل یا بعض آں در وے البتہ محسوس خواہد بود پس وجود ایں رذائل اخلاق مانع ورود عنایات الٰہی است۔　　(صراط مستقیم ص۳۶)

اہم اور مقدم سمجھتے تھے اور ان کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کی خاطر اپنے قلب سے نکالتے اور ان کا بالکل قلع قمع کرتے تھے تاکہ کوئی اثر باقی نہ رہے اور ان کے قلوب مصفی ہو جائیں اسی لئے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عنایات کے مورد ہوتے تھے اور اسی تصفیہ قلب کی وجہ سے جسے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کرتے تھے مقبول خلق و خالق ہوتے تھے۔

اور جو شخص کہ باوجود سلوک کے مراتب منضبط طے کرنے کے عنایات حق تعالیٰ سبحانہ کا مورد نہ ہو تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان تمام رذائل کا یا ان میں سے بعض کا اثر ابھی اس کے قلب میں موجود ہے پس ان ہی رذائل اخلاق کی موجودگی عنایات حق تعالیٰ کے نزول سے مانع ہوتی ہے۔

دیکھا آپ نے اسمیں بھی حضرت مولانا دہلویؒ نے رذائل نفس کو مانع فیض رحانی فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسی لئے اسلاف کا دستور تھا کہ وہ تزکیۂ اخلاق کو اہم اور اقدم سمجھتے تھے اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کا سلوک مشائخ کے معہودہ طریق پر طے بھی ہو چکا ہو لیکن اگر اسمیں رذائل کلاً یا بعضاً موجود رہے تو راستہ نہیں کھلے گا۔'

یہی مطلب ہے حضرت حاجی صاحبؒ کے اس ارشاد کا کہ " جب تک رذائل نفس کی اصلاح نہیں ہو جاتی آدمی میں وصول الی اللہ کی استعداد تک نہیں پیدا ہوتی۔ میری سمجھ میں اسکی وجہ یہ آتی ہے کہ رذائل میں سے کبر۔ حسد۔ اعجاب۔ جاہ۔ غصہ۔ حرام مال کی خواہش ریا وغیرہ یہ سب ام الامراض ہیں اور یہ سب اخلاق یا تو ابلیس کے ہیں یا کفار کے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں پس مبغوضین کے اخلاق رکھتے ہوئے کوئی شخص ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب کیسے ہو سکتا ہے۔

الغرض مشائخ محققین اور علماء ربانیین کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ نفس کا روڑا وصول الی اللہ میں نہایت سخت روڑا ہوتا ہے اسی لئے مصلحین امت نے جب بھی قوم کو اسکی جانب سے سست پایا تو نہایت اہتمام کے ساتھ اس پر تنبیہ فرمائی جیسا کہ صاحب رسالہ قشیریہ، امام غزالیؒ، شیخ اکبرؒ، قاضی ثناء اللہ صاحبؒ اور حضرت دہلویؒ کے کلام میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ پس اس آخری دور میں چونکہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مولانا تھانویؒ بھی تھے اس لئے حضرتؒ نے بھی وہی طریقہ پیش فرمایا جو اپنے اپنے زمانہ میں ہر امام طریق اور ہر مصلح امت نے پیش فرمایا تھا۔

یہاں تک تو کلام اس شبہہ کے ازالہ میں تھا جو ان مولوی صاحب کو حضرتؒ کی دو مذکورۂ بالا عبارتوں میں تھا جن میں بظاہر تعارض سا معلوم ہوتا تھا۔ باقی میں بھی چونکہ حضرتؒ کی خدمت میں ایک مدت رہا ہوں اس لئے دیکھا بھی ہے کہ حضرتؒ آخر میں اصلاحِ نفس ہی پر زیادہ زور دیتے تھے جو شخص کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ پہلے نفس کی اصلاح کرو جہاں کسی نے وظائف دریافت کئے فرماتے کہ پہلے نفس سے رذائل دور کرو۔

اس سلسلہ میں مجھے بھی ایک اشکال رہا اور بہت دنوں تک رہا۔ لیکن میں نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا، بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ یا اللہ یہ بات سمجھا دیجئے، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد خود حضرتؒ ہی کے مضامین سے وہ زائل بھی ہو گیا۔ میں نے ایک عالم کے سامنے (جو حضرت ہی کے لوگوں میں سے ہیں) اپنا اشکال اور پھر اس کا جواب بیان کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ واقعی اشکال تو ہوتا ہے، اور جواب بھی آپ نے خوب سمجھا۔ آپ بھی سنئے۔

مجھے یہ خلجان تھا کہ حضرت اصلاحِ نفس کا مطالبہ مبتدی سے بھی فرماتے ہیں تو نفس اور رذائلِ نفس کا معاملہ تو بڑا ہی غامض اور ادق ہے، جس شخص نے ابھی آج ہی طریق میں قدم رکھا ہے وہ غریب کیا جانے کہ نفس کیا ہوتا ہے اور رذائل کیا ہوتے ہیں؟ نفس کی اصلاح تو منتہیوں تک پر دشوار ہوتی ہے پھر مبتدی بھلا اس میں کیا چل سکتا ہے۔

یہی خلجان تھا جس میں بہت دنوں تک غلطاں اور پیچاں تھا لیکن بعد میں حضرتؒ ہی کی برکت سے حضرت ہی کے مضامین سے اس کا جواب سمجھ میں آ گیا وہ یہ کہ مبتدی کو جب ابتدا میں ذکر وغیرہ بتایا جاتا ہے تو ذکر کرنے کی وجہ سے اس کو کچھ حالات اور کیفیات حاصل ہو جاتی ہیں جن میں اس کو حظ بھی آتا ہے اس لئے اس کی نظر بس انہیں میں مقصور ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ اپنے کو کامل سمجھ لیتا ہے۔ اصلاحِ نفس سے غافل ہو جاتا ہے، اور جب نفس باقی رہتا ہے تو ہر وقت اندیشہ کہ نہ معلوم کس گھاٹی میں اس کو ڈھکیل دے۔

اس لئے ضرورت ہوئی کہ ابتداءً ہی اس کو بجائے اوراد و وظائف میں لگانے کے نفس کی اصلاح کی جانب متوجہ کیا جائے اور اس کے رذائل اس کے پیشِ نظر کئے جائیں۔ اب معرفت اور بصیرت نیز استعداد کی کمی سے گو اس کی اصلاح جلدی نہ ہو سکے تاہم نفس اصلاح کی ضرورت تو اس کے نفس کو مسلّم ہو جائیگی، پھر اب اس کے بعد اگر ذکر وغیرہ کریگا تو اس کے ضرر سے محفوظ رہیگا۔ کیونکہ اس کو حال خواہ کیسا ہی کیوں نہ مل جائے، چونکہ نفس اور اس کے رذائل کی اُسے فی الجملہ معرفت ہو چکی ہے اور اصلاح کی ضرورت بھی تسلیم ہو چکی ہے اس لئے اس کی جانب سے بیفکری اس کو کبھی نہ ہو گی۔

اس سے سمجھ میں آیا کہ مبتدی سے نفس کی بحث چھیڑنے اور اس سے اصلاحِ اخلاق کا مطالبہ کرنے میں یہ مصلحت تھی جو بالکل صحیح اور عین تجربہ پر مبنی ہے۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ اب اس زمانہ میں دونوں چیزوں کو ساتھ لیکر چلنا چاہئے، نہ تنہا ذکر پر اکتفا کرے اور نہ تنہا اصلاحِ نفس پر اور اب اصلاح کے لئے یہی طریق متعین ہے

حضرت کے ارشادات میں تطبیق کے متعلق جو کلام تھا سو الحمد للہ کہ وہ بالتفصیل ختم ہوا اب (جیسا کہ میں نے وعدہ کیا تھا) طریق عشق پر بھی کچھ کلام کر دینا چاہتا ہوں تاکہ بحث اپنے تمام گوشوں کے اعتبار سے مکمل ہو جائے طالب کو نفع پہونچے اور کسی کو اس سلسلہ میں بھی اگر کچھ خلجان ہو تو وہ رفع ہو جائے۔ سنئے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ:۔

"راہ وصول کا خلاصہ خودی کو چھوڑنا ہے کہ علاج اس کا وہ ہے جو منہاج العابدین میں مذکور ہے، اور متاخرین کے نزدیک کثرت ذکر، کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، اور کم خلق سے ملنا، اسکی اصل ہے کہ غلبہ ذکر میں سب صفائی ایک ساتھ ہی ہو جاتی ہے۔ (مکتوبات یعقوبیہ ص)

دیکھئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بھی وصول کا خلاصہ ترک خودی کو فرمایا، باقی یہ کہ وہ خودی زائل کیسے ہو؟ اس کے علاج کے متعلق فرمایا کہ منہاج العابدین میں مذکور ہے۔ اب منہاج العابدین تو میرے پاس موجود نہیں کہ اس میں اس کا طریقہ دیکھوں۔ اس لئے خیال یہ ہے کہ ایسی ہی چیزیں ہوں گی جن سے خودی پاش پاش ہو کر ختم ہو جاتی ہوگی۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ اس خودی کے ترک کے لئے سب سے زیادہ آسان اور اقرب طریقہ عشق و محبت ہی ہے کیونکہ یوں محنت اور مجاہدہ کر کے اور نفس کے جزئی جزئی امراض کی اصلاح کر کے کسی درجہ میں نفس کو مغلوب کر لو تو کر لو لیکن نفس مرتا نہیں جب تک کہ عشق و محبت کے کوچہ میں نہیں گذرتا۔ کما قال العارف الرومی۔ ؎

ھر کرا جامہ زعشقے چاک شد   او زحرص و عیب کلی پاک شد

(یعنی جس شخص کا جامہ عشق سے چاک ہو جاتا ہے تو وہ حرص اور تمام عیوب سے بالکلیہ پاک ہو جاتا ہے۔

تو حضرت اگر بالکلیہ پاکی چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ تو عشق ہی ہے اگرچہ اسمیں بھی کلام ہے کہ آیا نفس سے رذائل بالکل ختم ہی ہو جاتے ہیں یا نفس تابع اور مغلوب ہو جاتا ہے، اپنے تقاضے پر عمل نہیں کر پاتا، باقی رذائل کے ملکات اندر اندر موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو اس کی ذاتیات ہیں اور ذاتیات شے شے سے جدا نہیں ہوا کرتی۔

اس پر حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحبؒ کی ایک مثال یاد آئی بڑی عمدہ مثال دی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اسی قسم کے علوم عطا فرمائے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو ٹھنڈا ہونا پانی کا ذاتی امر ہے جو کہ اس سے کسی حال میں منفک نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ آپ پانی کو گرم کیجئے اور خوب کھولا لیجئے ایسا کہ اگر بدن پر پڑ جائے تو اس کو جلادے لیکن اگر اسی پانی کو آپ آگ پر ڈالدیں تو اسکو بجھا دیگا کیونکہ اسکی گرمی جو ہے وہ عارضی ہے جو کہ ہمارے لئے تو آگ کا کام کر رہی ہے مگر برودت اس کی ذاتی ہے جو اسمیں اس حال میں بھی موجود ہے اسی لئے تو اس نے آگ کو بجھا دیا، بس یہی نفس کا حال ہے کہ عشق و محبت کی گرمی کیوجہ سے اسمیں ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے

کہ وہ مرضی الٰہی کی مخالفت نہیں کرتا، باقی یہ کہ اس کے اندر مخالفت کا ملکہ بھی نہ رہ جاتا ہو یہ ضروری نہیں اور اسمیں ہمارا نقصان بھی کیا ہے پانی میں اگر آگ پر رکھنے کے بعد بھی ذاتی برودت موجود ہے تو رہے ہمارا کھانا پکانے کے لئے تو اس کی عارضی گرمی بھی کافی ہے۔ لہٰذا اب ہم اس کا غم کیوں کریں کہ اس کی ذات میں برودت کیوں موجود ہے؟۔

بہر حال، عشق کی وجہ سے نفس کا بالکل خاتمہ ہو جاتا ہو یا اُس کے تقاضے ختم ہو جاتے ہوں، ہمارا کام بنانے کے لئے دونوں ہی کافی ہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ نفس کی خودی وغیرہ کے ختم کرنے کا آسان اور مختصر راستہ یہی عشق و محبت ہے۔ بزرگانِ دین یہی کہتے آئے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ محبت جب کامل ہو جاتی ہے تو پھر وہ سوائے محبوب کے اور کسی دوسری چیز کے لئے قلب میں جگہ چھوڑتی نہیں، عرفاء کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے اس مضمون کو جتنا عمدہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے کم دیکھنے میں آیا ہے، مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ

"محبت میں یہی اصل ہے کہ محبوب کے سامنے محو ہو جائے اور سب خواہشوں کو گم کر دے ورنہ محبت ناقص ہے کیونکہ اس صورت میں محبوب وہ خواہشیں ہیں نہ وہ یار دلنواز"

(مکتوبات ص۱۱)

سبحان اللہ، کیسے عمدہ اور کیسے دلکش عنوان سے محبت کا یہ کارنامہ بیان فرمایا ہے کہ اصل اس میں یہ ہے کہ محب محبوب کے سامنے محو ہو جائے، اسی کا نام فنا ہے، یہ خودی بھی ہے اور یہ خودی بھی ایک روڑا ہی ہوتا ہے اس کو جب آدمی درمیان سے ہٹاتا ہے تب ہی کامیاب ہوتا ہے۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں کہ ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست　　　تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

یعنی عاشق معشوق کے درمیان میں (بجز عاشق کی خودی کے اور) کوئی چیز حائل نہیں ہے لہٰذا اے حافظ تم بھی اپنی خودی کو درمیان سے ہٹاؤ۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں انت الحجاب علیٰ شمسك لیکن یہ روڑا بدون عشق و محبت پیدا کئے درمیان سے ہٹنے کا نہیں، رہی یہ بات کہ یہ محبت اور عشق حاصل کس طرح سے ہو؟ تو اس کے متعلق یہ سمجھئے کہ اس کے لئے اہل محبت اور اہل عشق کی صحبت سے بڑھکر کوئی چیز نہیں ہے اور اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ عشق و محبت کا ذکر اتنا کیا جائے کہ آدمی کو محبت ہی سے محبت اور عشق ہی سے عشق ہو جائے، پہلے انسان کو عشق ہی سے محبت ہوتی ہے اور محبت سے عشق ہوتا ہے پھر اس کے بعد محبوب سے محبت ہوتی ہے اسی کو کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

غم چہ ایستادۂ بر در ما　　　اندر آ یار ما، برادر ما

(یعنی اے غم (یعنی غم عشق) تو دروازہ پر کیا کھڑا ہوا ہے، اے میرے یار لے میرے بھائی اندر آجا)

حضرت مولانا رومؒ یا اور دیگر عرفاء کے کلام میں بار بار جو عشق کا ذکر آیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ کامل کو چاہیئے کہ وہ عشق و محبت کے فضائل اتنی کثرت سے بیان کرے کہ آدمی کو اس کی وجہ سے اس کے حاصل کرنے کی طلب اور رغبت علی وجہ الکمال پیدا ہو جائے۔

یہی حُبِ عشقی چونکہ سالک کو محبوب حقیقی سے واصل کرتی ہے اسی لئے مشائخ اور صوفیاء نے ہر زمانہ میں اپنی تحریر و تقریر میں اس کی ترغیب دی ہے۔ اسی لئے صوفیاء محققین کا کلام عشق کی تعریف و مدح سے بھرا ہوا ہے مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علتہائے ما

(یعنی خوش رہ اے عشق کہ تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہوتے ہیں اور تجھ سے تمام امراض کا علاج ہو جاتا ہے) آگے فرماتے ہیں کہ ؎

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

(یعنی تجھ سے نخوت و ناموس کا دفعیہ ہوتا ہے لہٰذا تو ہی میرے لئے افلاطون اور تو ہی میرے حق میں جالینوس ہے)

یہاں ایک نکتہ ابھی ذہن میں آیا۔ میرے خیال میں اچھا نکتہ ہے، وہ یہ کہ، ہوتا تو یہ ہے کہ طبیب الگ ہوتا ہے اور دوا الگ ہوتی ہے لیکن یہاں مولانا نے عشق ہی کو طبیب بھی فرمایا اور اسی کو دوا بھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مریض کو دونوں ہی چیزوں کی حاجت ہوتی ہے طبیب کی بھی اور دوا کی بھی، طبیب کی تو اس لئے کہ وہ فرماں روا ہوتا ہے اور امراض کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور دوا کی اس لئے کہ وہ مزیل مرض ہوتی ہے اور یہاں عشق ہی کو طبیب بھی کہا ہے اور اسی کو دوا بھی سو اس لئے کہ عشق ہی سے امراض باطنی کا انکشاف ہوتا ہے جس طرح سے کہ طبیب جسمانی کے ذریعہ امراض بدنی کا علم ہوتا ہے اس لئے وہ طبیب ہوا اور اسی سے وہ سب امراض دور بھی ہوتے ہیں جس طرح سے ظاہری امراض دوا سے زائل ہوتے ہیں اس لئے وہی دوا بھی ہے ——— پس طریق میں عشق ہی طبیب ہے اور عشق ہی دوا ہے۔ دوا ہونے کی وجہ سے مزیل مرض دعویٰ و خودی وغیرہ ہے اور طبیب ہونے کی حیثیت سے رہبر و رہنما اور نفس کا فرمانروا بھی ہے۔

حضرت سعدیؒ نے بوستاں میں ایک عنوان قائم فرمایا ہے کہ "گفتار اندر ثبوت عشق حقیقی، بدلیل مجازی" اور اسمیں فرماتے ہیں کہ ؎

چو عشقے کہ بنیاد او بر ہواست چنیں فتنہ انگیز و فرماں رواست

اس میں عشق مجازی کو فتنہ انگیز اور فرماں روا فرمارہے ہیں جب مجازی کا یہ حال ہے تو حقیقی عشق کیسا ہوگا؟ کیا وہ فرماں روا اور فتنہ انگیز نہ ہوگا؟

اس سے معلوم ہوا کہ عشق جب انسان میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ حاکم ہوتا ہے اور وہ شخص اس کا محکوم ہو جاتا ہے۔ عشق اس کو پکڑ لیتا ہے اور گرفتار کر لیتا ہے اور محبوب کے خلاف اس کو چلنے نہیں دیتا۔ فرماں روا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی سرتابی جو روح سے ہوتی ہے، جب نفس میں عشق اثر کر جاتا ہے تو اس کی یہ سرتابی ختم ہو جاتی ہے اور وہ روح کا مطیع اور تابع ہو جاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے راستے میں محبت کے بال و پر سے آدمی پرواز کرنے لگتا ہے ورنہ تو اس سے پہلے آہستہ آہستہ راہِ باطن طے کرتا رہتا ہے۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ

تامل در آئینہ دل کنی　　صفائی بتدریج حاصل کنی

مگر بوئے از عشق سستت کند　　طلبگار عہد الستت کند

بپائے طلب رہ بدینجا بری　　وزینجا بہ بال محبت پری

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کچھ راہ تو طلب سے طے کرتا ہے لیکن اس کے بعد جب عشق آجاتا ہے تب ہی منزل مقصود تک رسائی ہوتی ہے اسی کو میں کہتا تھا کہ یہ راستہ بدون عشق کے طے نہیں ہوتا۔ اور اس پر تعجب نہ کیجئے یہ راستہ تو اللہ تعالیٰ راستہ ہے، عشاق مجازی نے جب اپنی سواری کو سست گام پایا ہے اور مقصود میں مزاحم دیکھا ہے تو اس کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ اب ہمارا راستہ سواری سے نہیں طے ہوگا بلکہ عشق سے طے ہوگا۔ کلام کو کچھ طویل ضرور ہو جائے گا مگر جس مقصد کے لئے یہ سب باتیں بیان کر رہا ہوں اس کے عین مناسب اور معین ہونے کی وجہ سے مجنوں کا ایک واقعہ لکھتا ہوں جسے مولانا رومؒ نے مثنوی میں بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ مجنوں ایک دفعہ لیلیٰ سے ملاقات کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر چلا اونٹنی کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا جو پیچھے رہ گیا جب اس نے میاں مجنوں کو لیلیٰ کی یاد میں کھویا ہوا پایا تو اپنے بچے کو ہمراہ لینے کے لئے پیچھے لوٹ آئی جب ان کو کچھ ہوش آیا تو دیکھا کہ اونٹنی بجائے آگے جانے کے پیچھے کی جانب چل رہی ہے، سمجھ گئے کہ اپنے بچہ کی خاطر لوٹی ہے، اس کی مہار پھیر دی اور تیز چلایا، تھوڑی دیر میں بچہ پھر زیادہ پیچھے ہو گیا اور ادھر مجنوں پھر بے ہوش ہو گئے، اونٹنی نے پھر بچہ کی جانب رُخ کیا۔ پھر مجنوں کو ہوش آیا اور اس نے دوبارہ اس کو موڑ دیا۔

الغرض یہی ہوتا رہا، یہ چاہتا تھا کہ جلدی سے وصال محبوب ہو اور اونٹنی اس غم میں تھی کہ اپنے محبوب سے فراق نہ ہو جائے، بالآخر مجنوں جب اس کشاکش سے تنگ آگیا تو اس نے کہا کہ میرا محبوب آگے ہے اور میری ناقہ کا محبوب پیچھے ہے، لہٰذا ہمارا اور اس کا راستہ مختلف ہے، پھر ہمارا اس کا ساتھ کیسے ہو سکتا ہے، اور یہ بھی کہا کہ اب یہ محبوب کی راہ اس سواری سے طے نہیں کروں گا، بلکہ عشق کو سواری بناؤں گا، اور اب

یہ راہ اسی سے طے ہو گی. یہ کہا اور اپنے کو اترنے کی مہلت بھی نہیں دی بلکہ اسی طرح سے اونٹنی پر سے گرا دیا جس کی وجہ سے زخمی بھی ہو گیا اور پیر میں چوٹ آ گئی اس نے کہا کہ اب میں عشق کو چوگان بناؤں گا اور خود گیند بنوں گا اور اس طرح سے دور دراز کا راستہ ایک آن میں طے کروں گا۔

مولانا رومؔ جو قصوں سے تصوف کے مسائل نکالنے کے امام ہیں یہ حکایت بیان کر کے فرماتے ہیں کہ بس اسی طرح سے سمجھو کہ ہمارا یہ جو جسم ہے یہ بھی ایک سواری (ناقہ) ہے اور رُوح اس پر سوار ہے اور جس طرح سے کہ یہاں سوار یعنی مجنوں کا مطلوب اور تھا اور سواری یعنی ناقہ کا محبوب اور، اسی طرح سے یہاں جسم جو کہ ناسوتی شے ہے وہ تو خواہشات کی عاشق ہے اور روح چونکہ عالم ملکوت سے تعلق رکھتی ہے اس لئے وہ خدا کی عاشق ہے، اس لئے ان دونوں میں بھی باہم تزاحم، اختلاف اور کشاکشی ہے، وہ اپنی طرف لیجانا چاہتی ہے اور یہ اپنی طرف آخر میں مولانا رومؔ بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں کہ ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

(یعنی تم نے دیکھا کہ مجنوں نے جب راستہ کو عشق کے ذریعہ طے کرنا چاہا تو اپنے کو سواری سے گرا دیا اور زخمی ہو کر لیٹے ہی لیٹے ادھر کو سرکنے لگا اور کہا کہ اب عشق میرا چوگان ہو گا اور میں اس کا گیند ___ تو جب اس نے لیلیٰ کے عشق میں یہ سب کیا تو مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کیا کم ہے، پھر اس کے لئے سالک کیوں چوگانِ عشق کا گیند نہیں بن جاتا حالانکہ اس کے لئے تو گیند بن جانا لائق تر ہے)

میں یہی کہہ رہا تھا کہ یہ نفس کی مزاحمت مجاہدہ و ریاضت سے ختم نہیں ہو گی اس کے ختم کرنے کا آسان طریقہ عشق پیدا کر لینا ہے، کیونکہ ایک تو سلوک ہوتا ہے اور ایک جذب، سلوک سے راستہ طے نہیں ہوتا اور جو ہوتا بھی ہے تو بہت دیر لگتی ہے، آدمی چلتا ہے پیچھے ہٹ جاتا ہے، پھر چلتا ہے پھر پیچھے رہ جاتا ہے اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ جتنا چلتا ہے اس سے زیادہ پیچھے آ جاتا ہے۔ اس لئے عشق و محبت اختیار کرو وہ فرماں روا ہے وہ تم کو پیچھے نہیں آنے دیگا۔ اور ذراسی دیر میں تم کو کہیں سے کہیں پہونچا دیگا۔

یہی سب حضرات کہتے چلے آئے ہیں بلکہ یہ حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ جو سلوک عشق و محبت سے خالی ہو وہ اخلاق رذیلہ سے کبھی خالی ہی نہیں ہو سکتا بلکہ اسمیں کچھ نہ کچھ اثر رذائل کا باقی ہی رہ جاتا ہے اسی لئے سلوک کے لئے ضروری ہے کہ عشق بھی پیدا کیا جائے بدون اس کے نفس کے امراض رہ جاتے ہیں اگر دوسرے امراض نہ رہے تو خودی تو باقی رہی جاتی ہے۔ اسی لئے بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ بغیر عشق کے جو سلوک ہو وہ ابتر ہے یعنی دُم بریدہ اور ناقص ہے اور عشق کامل جب ہی سمجھا جائے گا جب کہ خودی ختم ہو جائے۔

پھر جب خودی ختم ہو کر عشق کامل ہو جاتا ہے تو نفس کو خلاف محبوب چلنے نہیں دیتا اور محبت تام

ہو جاتی ہے تو محب کو نچائے نچائے پھرتی ہے۔ اس پر ایک واقعہ سنئے :-

ایک عالم تھے جو ایک بزرگ پر کچھ اعتراض کیا کرتے تھے یعنی ان کے مریدوں سے ان کی خیریت اس طرح دریافت کرتے تھے کہ کہو تمھارے نچنیا پیر کیسے ہیں مریدین نے ایک دن حضرت سے کہدیا کہ ہمارے یہاں ایک مولانا صاحب ہیں جو اس اس طرح کہتے ہیں اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اب کے اگر کہیں تو یوں کہنا کہ وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا مولانا نے پھر وہی کہا، کہ تمھارے نچنیا پیر کیسے ہیں؟ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں اس جملہ کا سننا تھا کہ مولانا پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنے اسی جبہ و دستار کے ساتھ ناچنے لگے اور ناچتے ناچتے کئی کوس کا راستہ طے کر کے ان بزرگ کے پاس پہونچے انھوں نے فرمایا کہ کہئے مولانا یہ آپ ناچ کیوں رہے ہیں؟ اور یہ آپ خود نہیں ناچ رہے ہیں بلکہ کوئی نچا رہا ہے تو ناچتے ہیں، اسی طرح ہم کو بھی کوئی نچاتا ہے تب ناچتے ہیں۔

جانتے ہیں یہاں نچانے والی چیز کیا ہے؟ یہی محبت ہے، آدمی میں جب تک محبت نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک اس کا اعتبار نہیں کہ کب بگڑ جائے

آج لوگ جو بزرگوں کو نہیں مانتے تو اسی لئے کہ یہ چیزیں نہیں دیکھتے اگر آج بھی یہ حضرات اسی طرح سے وارنٹ بھیجکر پکڑوا بلوائیں تو مجال ہے کہ لوگ انکار کر سکیں، بہر حال اب لوگوں نے بھی طریق سے گویا عشق و محبت کو خارج ہی کر دیا ہے، اسی لئے ناقص رہتے ہیں اور کچھ ملتا ملاتا نہیں۔ اسی سے لوگوں کو ہمت و جرأت ہوتی ہے کہ وہ ہماری حجامت بنائیں۔ دوسرے لوگ تو ہمارے نقصان کو محسوس کرلیں اور سمجھ جائیں کہ یہ کچھ نہیں ہیں مگر افسوس کہ خود ہماری نظر اپنے نقصان پر نہیں ہے مرید سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کامل نہیں ہیں اور پیر صاحب کو ذرا افسوس اپنے نقصان کا نہیں ؎

روتی ہے خلق میری تباہی کو دیکھکر روتا ہوں میں کہ ہائے مری چشم نم نہیں

پہلے کے لوگ ایسے نہیں ہوتے تھے مجال نہیں تھی کہ کوئی ان پر ہنس سکے اور کوئی ہنستا تھا تو سزا دیا جاتا تھا۔ کلام طویل ہو گیا۔ بات میں بات نکل آئی مگر الحمد للہ ہیں یہ سب مفید مضامین۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ عرفاء نے ہر زمانہ میں عشق کی مدح فرمائی ہے تاکہ لوگ اسکی جانب بھی توجہ کریں اسی سلسلہ میں مثنوی کا یہ شعر بیان کیا تھا

ع شاد باش اے عشق سودائے ما الخ

اور سنئے، مولانا فرماتے ہیں کہ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو ماسوا معشوق کے ہر چیز کو جلا دیتا ہے)

بالکل صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نفس کو کتنا ہی مارو گے اسی کو غالب پاؤگے اور وہ تم سے اور لپٹ جائیگا اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب تم کسی کو قتل کرنا چاہو گے تو بالآخر وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو گا، ایک دفعہ تو تم سے چٹ ہی جائے گا یہی نفس کا حال ہے کہ جب تم اس کو مارنا چاہو گے تو وہ بھی لپٹ جائے گا اس لئے اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آگ روشن کرو۔ دیکھئے اگر آپ کسی درخت کو خاکستر کرنا چاہیں تو اس کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اس کو تلوار اور کلھاڑے سے کاٹئے بلکہ ایک ماچس لگا دیجئے وہ جل کر خاک ہو جائیگا ورنہ اگر صرف عبادت کے ذریعہ اس کو مارنا چاہو گے تو قسم خدا کی نفس مرے گا نہیں بلکہ خودی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

آگ ظاہری کو تو پانی سے بجھایا بھی جا سکتا ہے لیکن نار عشق کسی طرح بجھتی نہیں بلکہ وہ اور بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ آپ اگر صرف ایک ایک مرض کو لیں گے اور اسکی اصلاح کریں گے تو اس کے لئے شاید عمر نوح بھی کافی نہ ہو، تب بھی کچھ نہ کچھ نفس باقی رہیگا۔ اور عشق پیدا کرلیں تو یہ ایک منٹ میں غیر محبوب کو جلا کر رکھدے گا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے "العشق نار یحرق ما سوی المحبوب"

اور سنئے مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

(یعنی لا کی تلوار کو غیر اللہ کے قتل کے لئے چلاؤ یعنی لا الٰہ کہو اور پھر دیکھو کہ لا کے بعد کیا باقی رہا)

آگے خود ہی فرماتے ہیں کہ ؎

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

(یعنی صرف اللہ باقی رہا اور اس کے ماسوا سب ختم ہو گیا۔ اے عشق تجھ پر مرحبا کہ تو بہت ہی شرکت سوز ہے)

اور فرماتے ہیں کہ ؎

عشق آں زندہ گزیں کو باقی است وز شراب جانفزایت ساقی است

(ترجمہ۔ اگر عشق اختیار کرنا ہے تو اس ذات کا اختیار کرو جو باقی ہے اور شراب جاں فزا سے تیرا ساقی ہے)

اور فرماتے ہیں کہ ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد او ز حرص و عیب کلی پاک شد

(جس کا جامہ عشق سے چاک ہوا یعنی جس نے عشق کا طریق اختیار کیا تو اس کی بد دلت وہ حرص اور جمیع نقائص سے اور اخلاق ذمیمہ سے بالکلیہ پاک ہو جاتا ہے)

مولانا نے یہاں یہ جو فرمایا کہ "ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد" تو اس عشق سے جامہ چاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفس تک عشق پہونچ جائے کیونکہ آدمی عیب سے بالکلیہ اسی وقت پاک ہوتا ہے جبکہ عشق سے نفس متاثر ہو جائے اور یہ اس لئے کہ نفس ہی منشا اور محرک ہوتا ہے رذائل کے صدور کا اور وہی امارہ بالسوء ہے لہذا جب یہی عاشق ہوتا ہے تب ہی کام بنتا ہے اور اصل بھی یہی ہے کہ نفس عاشق ہو، کیونکہ روح تو پہلے سے عاشق ہے اب اس کو عشق حاصل کرنے کی کیا ضرورت اس کو تو نفس ہی نے اپنے کام سے روکدیا ہے لہٰذا جب نفس بھی عاشق ہو جائے گا تو اس کی مزاحمت رُوح کے ساتھ ختم ہو جائے گی اور دونوں کا راستہ ایک ہو جائے گا اور اب مقصد میں اتحاد کی وجہ سے دونوں ہم مشرب ہم مسلک ہو جائیں گے۔ کام آسان ہو جائے گا۔

اب جو ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود عشق ہونے کے نفس کی مزاحمت ختم نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق صرف قلب ہی تک پہونچا ہوتا ہے نفس تک اس کی رسائی ابھی نہیں ہوئی ہوتی، یعنی عشق ناقص اور ناتمام ہوتا ہے۔ ورنہ تو عشق جب نفس تک پہونچ جاتا ہے اس وقت تو نفس کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے، اب اس سے مزاحمت متصور ہی نہیں ہو سکتی، اسی کو صراط مستقیم میں مولانا نے فرمایا تھا کہ

"یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی ہے یہاں تک کہ طالب اپنے حجاب بشری کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور اس کا نفسانی غبار پاش پاش ہو جاتا ہے"۔

پس ہو سکتا ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کا عشق نفس تک پہونچ جاتا ہو اس لئے ان کی اصلاح ہو جاتی ہو اور اس زمانہ میں عشق کو نفس تک نہ پہونچایا جاتا ہو بلکہ ذکر وغیرہ کے ذریعہ سے صرف قلب تک ہی پہنچایا جاتا ہو اس لئے نفس کی اصلاح نہ ہوتی ہو حالانکہ عشق کی ضرورت نفس ہی کو ہے تاکہ وہ پاش پاش ہو جائے روح کو نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے عاشق ہے۔ باقی رہا یہ کہ عشق کو نفس تک پہونچانا ذرا آسان بھی نہیں ہے اور نہ ہر بوالہوس کے بس کی بات ہے۔

سعدیا کنگرۂ عشق بلند است بلند دست ہر بوالہوس آنجا بہ فضولے نرسد

(یعنی سعدی عشق کا کنگرہ بلند ہے، اور بہت بلند ہے ہر جھوٹے عاشق کا ہاتھ وہاں تک یونہی آسانی سے نہیں پہونچ سکتا)

نفس کو خدائے تعالیٰ کا عاشق تو وہی شخص بنا سکتا ہے جو موفق من اللہ ہو اور خون دل اور لخت جگر کو اپنی

غذا بنانے کے لئے تیار ہو چکا ہو ؎

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

آپ کو اس تقریر سے عشق و محبت کا کچھ درجہ معلوم ہو گیا ہوگا، نیز یہ کہ طریق میں اس کا کیا مقام ہے اس کا بھی اندازہ ہوا ہوگا، میں کہتا ہوں کہ آج ہماری دینی گاڑی ہو یا دنیوی جو رُکی پڑی ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ ہم نے محبت ہی کو ختم کر دیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ عبادات کی مشقت محبت ہی سے ختم ہوتی ہے۔

ع از محبت تلخہا شیریں شود

مصلحین فرماتے ہیں کہ دنیوی تعلقات کے بھی درست کرنے اور اس کے باقی رکھنے کا طریقہ محبت ہے۔ جس شخص کے ساتھ نباہ نہ ہوتا ہو لیکن اس کے ساتھ نباہ کرنا ضروری بھی ہو تو اسکی محبت اپنے قلب میں پیدا کرے "ضرب الحبیب زبیب" چونکہ محبوب کی مار بھی کشش ہوتی ہے اس لئے ناگواریاں گوارا ہو جائیں گی اور تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے۔ بزرگوں کی بات بھی کیسی ہوتی ہے۔ ایک شخص کے خط کے جواب میں مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ

"دعا کرو کہ حق تعالیٰ مجھکو اپنی حب دیوے تو اس کے حُب سے حُب اس کے اولیاء اللہ کی ہووے اور پھر اس حُب سے حُب برادران دینی کی ہووے" (مکاتیب رشیدیہ)

دیکھئے حضرت مولانا تو دعا کر رہے ہیں کہ اللہ و رسول کی، اولیاء اللہ کی اور برادران دینی کی محبت نصیب ہو اور ہم آج جتنے اسباب محبت کے ختم کرنے کے ہیں ایک ایک کر کے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان میں کونسی راہ درست ہے اس کا فیصلہ خود آپ فرمائیے۔

بہر حال محبت کا جب غلبہ ہوتا ہے تو آدمی کی طبیعت پر وہ حاکم ہو جاتی ہے اور طبعی ہو جاتی ہے اور خود اس کو نیز دوسروں کو ذوق سے اس کا پتہ بھی چل جاتا ہے اور محبت تو در اصل وہی ہے جو طبعی ہو۔ عقلی محبت بھی کوئی محبت ہے۔ حضرات صحابۂ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طبعی محبت تھی ورنہ تو کسی انسان کا تیر و تلوار کے رُخ پر اپنے بدن کو کر دینا کیا عقل کے موافق بات ہے؟

ہم تو دیکھتے ہیں کہ فطری امر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپکی آنکھ کی طرف انگلی سے اشارہ کرے تو پلک جھپک جائیگی اور گردن ادھر سے پھر جائیگی، لیکن حدیث میں آیا ہے کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غزوہ میں اس طرح حفاظت فرمائی کہ جس جانب سے تیر آتا تھا اپنے بدن کو اسپر کر لیتے تھے اور اس تیر کو اپنے ہاتھ اور سینے پر لیتے تھے۔ سبحان اللہ۔ یہ محبت طبعی ہی میں ہو سکتا ہے۔

حاصل یہ کہ محبت جب انسان کے نفس میں گھر کر جاتی ہے تو طبیعت پھر مخالفت نہیں کرتی اور آدمی

کی ترقی کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے ابتک جو راستہ اختیار کیا، کیا، اب کچھ دنوں کے لئے بطور تجربہ ہی کے راہ محبت کو بھی اختیار کر کے تو دیکھئے کامیابی ہوتی ہے یا نہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش — آزموں را یک زمانہ خاک باش

(تم سالہا سال تک دل خراش پتھر رہے ہو، آزمانے کے لئے سہی کچھ دنوں کیلئے ذرا خاک ہو کر تو دیکھو)

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ — خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

(موسم بہار میں پتھر کہاں سر سبز شاداب ہوتا ہے، مٹی ہو جاؤ تاکہ اسمیں سے رنگ برنگ کے پھول کھلیں)

میں سمجھتا ہوں کہ عشق و محبت پر اب مفصل کلام ہو چکا ہے۔ لہٰذا آخر میں پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ اس کے حصول کا ذریعہ اہل محبت کی صحبت ہے اور محبت کوئی کتابی چیز نہیں ہے بلکہ ایک ذوقی کیفیت کا نام ہے اس لئے یہ محبت والوں ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ کتاب وغیرہ سے نہیں ملے گی جس طرح کہ دین دینداری کی صفت ہے کتاب کی نہیں، اس لئے دین کسی دیندار ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، اسی طرح محبت بھی اہل محبت سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے یوں کسی کتاب وغیرہ سے کسی شخص کو کوئی حال مل جائے تو یہ شاذ و نادر بات ہے جس پر حکم کلی نہیں لگایا جا سکتا باقی عام عادت اللہ تو یہی جاری ہے کہ انسان میں جو بھی کمال پیدا ہوتا ہے وہ کسی صاحب کمال ہی کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے کتاب وغیرہ سے جو حال ملتا ہے وہ ناقص ہوتا ہے۔

اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ کتاب سے جو حال ملتا ہے وہ بھی کتاب کی صفت نہیں ہے بلکہ وہ بھی صاحب کتاب کے حال کا اثر ہے۔ کیونکہ کسی شخص کے قلبی حالات کا اثر اس کے کلام میں بھی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم کسی عارف کا ایک شعر سنتے ہیں تو اس سے قلب پر اثر پڑتا ہے اور غیر عارف کے کلام میں یہ بات نہیں ہوتی۔ دیکھئے دنیوی ہوا و ہوس کو ترک کرنے اور دل کی سیر کرنے کی جانب ایک عارف کس طرح سالکین کو متوجہ کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ — تو زغنچہ کم ندمیدۂ، در دل کشا بہ چمن درآ

(یعنی بہت ہی ظلم کی بات ہے اگر تم کو ہوئی و ہوس سرو سمن (یعنی ظاہری باغ) کی سیر و تفریح کی جانب متوجہ کرے، تم خود شگفتہ غنچہ سے کیا کم ہو، اپنے دل کا دروازہ کھولو اور چمن کے اندر آجاؤ کیونکہ مومن کا قلب بھی ایک چمن ہے)

اسی مضمون کو ہمارے حاجی صاحبؒ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ؎

وسعت دل کی کیا کرتے ہیں سیر اے امداد — کہ یہی باغ ہے اپنا، یہی میدان اپنا

ایک اور صاحب دل فرماتے ہیں کہ ؎

خلوت گزیدہ را بتماشہ چہ حاجت است　　چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

(یعنی جو شخص کہ خلوت اختیار کئے ہوئے ہو اس کو اور کسی دنیوی تماشہ کی کیا ضرورت ہے جب محبوب کی گلی موجود ہے تو پھر صحرا اور بیاباں میں جانے کی کیا حاجت ہے)

اسی طرح ایک اور عارف، اہل اللہ کے قلب کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ؎

پر تو حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں　　در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

(یعنی آپ کے حسن کا پرتو تو آسمان اور زمین میں بھی نہیں سما سکتا، پھر میرے حریم سینہ میں آپ کیونکر جاگزیں ہیں مجھے اس پر سخت حیرت ہے)

الحمد للہ کہ طریق عشق و محبت، اور محبت پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے، ان سب پر مفصل بحث ہو چکی ہے لہٰذا اب آخر میں مضمون ذکر کی مناسبت سے دو اور ضروری امور کا ذکر بے محل نہ ہوگا کیونکہ لوگ اس کو اکثر مجھ سے دریافت کیا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نماز میں دل لگنے کا طریقہ کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ صفائی قلب اور دل میں نور کس طرح سے حاصل کیا جائے؟ اس کے لئے کونسا عمل کرنا چاہئے؟ چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے پہلا سوال کیا تو میں نے انھیں یہ لکھا کہ

"نماز میں دل لگنے کے متعلق بہت لوگ دریافت کرتے ہیں میں سب کو یہی بتاتا ہوں کہ نماز سے باہر دل کو خدا کی طرف توجہ کرو تب یہ توجہ خارج میں بڑھیگی تو نماز میں بھی باقی رہیگی بزرگوں نے اسیطرح اپنی نماز کو ٹھیک کیا ہے اور اس کے لئے وظیفہ بھی پڑھا ہے کہ جس سے دل خدا کی کی طرف ہو جائے چنانچہ تمام بزرگان دین کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا بہ کثرت ذکر کیا کرتے ہیں۔ اس سے ایمان کی تجدید ہوا کرتی ہے اور اس میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس کی کثرت کریں انشاء اللہ تعالیٰ دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا پھر نماز میں بھی متوجہ رہیگا۔ دعا میں بھی کرتا ہوں"

اور ایک دوسرے صاحب نے قلب کی صفائی کا طریقہ مجھ سے پوچھا تو میں نے لکھا

"قلب کا نور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اس وقت قلب میں جاگزیں ہوگی جبکہ غیر اللہ سے اس کو فارغ کیا جائے دنیوی تمام تعلقات جن میں پڑکر آدمی کا دل ہمیشہ بارہ بانٹ رہتا ہے ان کو اگر فوراً ختم نہ کر سکے تو کم کرنے کی سعی کرے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس برتن میں پہلے سے کوئی چیز موجود ہو تو بدون خالی کئے ہوئے اس کے اندر دوسری

۔ بیسے بھری جاسکتی ہے؟ اسی لئے بزرگوں نے ہر زمانہ میں قلب کے روشن کرنیکا طریقہ تلقین فرمایا ہے کہ آدمی کے لئے طاعات ضروریہ کی پابندی اور معاصی سے نفرت تو ازبس ضروری ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ زید وعمرو وبکر کے تعلقات سے بھی اپنے قلب کو پاک کرے رذائل کی اصلاح کرے اور فراغت قلب کے ساتھ کچھ ذکر اللہ بھی کیا کرے پھر اس کے بعد صفائی قلب اور دل میں نور پیدا ہونے کی امید رکھے کیونکہ مخلوقات کے تعلقات کی کدورت کو صفائی باطن کے ساتھ ضد کی نسبت ہے دونوں ایک قلب میں جمع نہیں ہوسکتیں حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

چوں ہر ساعت از تو بجائے رود دل بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی

(یعنی جب ہر وقت تمہارا دل کسی نہ کسی طرف جائے گا تو تنہائی کی حالت میں بھی تم اپنے قلب میں صفائی نہ پاسکوگے)

بزرگوں نے اسی طرح صفائی پیدا کی ہے اس لئے آج بھی اس کا وہی طریقہ ہے باقی اس کے لئے وظیفہ بھی معین ہے۔ تمام بزرگوں نے کلمہ طیبہ کا ذکر کیا ہے اور اسی سے قلب میں صفائی پیدا ہوئی ہے آپ بھی یہی کیجئے" ۔ والسلام

(احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ نے یہاں سالکین کو ان دو باتوں کی جانب متوجہ فرمایا ہے کہ۔ ذکر میں دل لگنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور یہ کہ کون سا ذکر کیا جائے جس سے قلب میں صفائی پیدا ہو تو اس میں شک نہیں کہ نہایت ہی کام کی باتیں ہیں اور آج عام طور سے لوگ بزرگوں کے پاس ان امور کے طالب رہتے ہیں۔ باقی ہے چونکہ یہ طریق عملی ہے اس لئے کشود کار تو عمل کرنے ہی سے ہوگا اسی سے راہ کھلتی ہے اور اسی سے ترقی ہوتی ہے۔ لہذا سالک اور طالب کو چاہیے کہ کام پر لگے اور دور تک راستہ کا اتا پتا دریافت کرنے کے لئے بجائے تھوڑا سا جو راستہ نظر آرہا ہے بس اس پر چلنا شروع کر دے۔ اللہ تعالیٰ اپنے طالب کی مدد فرماویں گے۔ آگے اس رسالہ کا خاتمہ بھی حضرت اقدس کا ارشاد فرمودہ ہے ملاحظہ فرمائیے۔ جامی)

خاتمہ

اس مضمون کی ابتدا بخاری شریف کی حدیث ما من احد یشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله صدقاً من قلبه الا حرمه الله علی النار سے ہوئی ہے اس لئے اس افتتاح کے مناسب اختتام پر بھی اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث بیان کر کے اس رسالہ کو اسی پر ختم کرتا ہوں تاکہ افتتاح اور اختتام میں توافق ہو جائے اور حسن ابتدا کے ساتھ ساتھ حسن خاتمہ بھی نصیب ہو، یہ حدیث میں نے ایک قلمی کتاب میں دیکھی ہے۔ وہو ہذا

قال فی الصواعق لما دخل علی الرضا نیشابور کما فی تاریخها وشق سوقها وعلیه مظلة لا یری من ورائها تعرض له الحافظان ابو زرعة الرازی ومحمد بن اسلم الطوسی ومعهما من طلبة العلم والحدیث من لا یحصی فتضرعا ان یریهم وجهه ویروی لهم حدیثاً عن آبائه فاستوقف البغلة فامر الغلمان بکشف المظلة واقر عیون تلك الخلائق برؤیة طلعة المبارکة فکانت ذوائبتان مدلیتان علی عاتقه والناس بین صارخ وباك ومتمرغ فی التراب ومقبل لحافر بغلته فصاحت العلماء معاشر الناس انصتوا فانصتوا واستملی منه الحافظان المذکوران فقال حدثنی ابی موسی الکاظم عن ابیه جعفر الصادق عن ابیه محمد الباقر عن ابیه زین العابدین عن ابیه الحسین عن ابیه علی بن ابی طالب رضی

صواعق میں ہے کہ جب حضرت علی رضا نیشاپور میں داخل ہوئے اور اس کے بازار سے گذرے تو ان کے چہرہ پر نقاب پڑی تھی جس کے اندر سے وہ نظر نہیں آتے تھے اتنے میں حافظ ابوزرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی آگے بڑھے اور ان کے پیچھے پیچھے علم حدیث کے بہت سے طلباء تھے ان دونوں نے نہایت ہی لجاجت کے ساتھ حضرت سے یہ درخواست کی کہ اپنے چہرۂ انور کی زیارت کرا دیں اور اپنے آباء کی سند سے کوئی حدیث بیان فرما دیں یہ سنکر آپ نے سواری ٹھہرائی اور دو غلاموں سے فرمایا کہ پردہ ہٹا دو چنانچہ جتنے لوگ موجود تھے ان سب کی آنکھوں کو اپنے چہرۂ مبارک کی زیارت سے ٹھنڈا کیا اور آپ کے دونوں گیسو آپ کے کندھے پر لٹک رہے تھے اور ادھر لوگوں کا یہ حال تھا کہ کوئی چیخ رہا تھا اور کوئی رو رہا تھا اور کوئی زمین پر لوٹ رہا تھا اور کوئی آپ کی سواری کے پاؤں اور کھر ہی کو بوسہ دے رہا تھا علماء نے یہ شور و شغب دیکھ کر بلند آواز سے کہا کہ لوگو خاموش ہو جاؤ جب سب لوگ چپ ہوگئے تو ان دونوں حافظوں نے حضرت سے حدیث املا کرانیکی درخواست کی آپنے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کیا میرے والد موسیٰ کاظم نے اپنے والد جعفر صادق رضی سے اور وہ اپنے والد محمد باقر رضی سے اور وہ اپنے والد

الله عنهم قال حدثني حبيبي وقرة عيني رسول الله صلى الله عليه وسلم قال حدثني جبرئيل سمعت رب العزة سبحانه يقول لا اله الا الله حصني فمن قالها دخل حصني ومن دخل حصني امن عذابي ثم ارخى الستر وسار (مضامین تصوف)

زین العابدین سے اور وہ اپنے والد حضرت حسین رض سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی بن ابی طالب سے انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے حبیب اور محبوب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ نے فرمایا کہ مجھ سے بیان کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہ انھوں نے رب العزت سبحانہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو شخص اس کو کہہ لیگا وہ میرے قلعہ میں داخل ہو جائیگا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے مامون ہو گیا۔ یہ فرمایا اور پردہ گرایا اور روانہ ہو گئے۔

سبحان اللہ، حضرت نے حدیث بھی کیسی منتخب فرمائی نہایت جامع اور کتنی موثر۔ ایک حدیث کیا سنائی کہ جنت کی کنجی ہی دیدی (آخر تھے بھی کس گھرانے کے)

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ذکر اللہ کو قلوب کے قفل کی کنجی فرمایا ہے اس لئے بس اس دعا پر مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ۔

اللهم افتح اقفال قلوبنا بذكرك واتمم علينا نعمتك وافض علينا من فضلك واجعلنا من عبادك الصالحين ۝ اے اللہ ہمارے دلوں کے تالے کو کھول دیجئے بذریعہ اپنے ذکر کے اور تمام کر دیجئے ہم پر اپنی نعمتوں کو اور ہم پر اپنے فضل کی بارش برسائیے اور کر دیجئے ہمکو اپنے صالحین بندوں میں سے۔

حسن منزل الہ آباد ۱۵ر رمضان المبارک سنہ ھ

تاریخ طبع ھذا :- سنہ ۹۲ ہجری مطابق سنہ [illegible]۲ عیسوی

(فائدہ) امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند کو اگر کسی مجنون پر پڑھا جائے تو اگر خدا نے چاہا تو اس کو جن یا جنون سے نجات ہو جائے گی۔ (ناقل عفی عنہ)

وصیۃ الذکر

از افاضات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہ

ناشر
دفتر ماہنامہ معرفت حق ۲۳ بخشی بازار الہ آباد ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مضمون وَصِیَّۃُ الذِّکْر

ایک عرصہ سے جی چاہتا تھا کہ ذکر و فکر جس کا کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں بکثرت ذکر آیا ہے اور علماء ربانی اور مشائخ حقانی نے اپنے کلام میں جس کی حقیقت اقسام اور تفاصیل پر دل کھول کر خوب ہی خوب کلام فرمایا ہے۔ اس پر ایک مضمون لکھوں جس سے طالبین کو نفع پہنچے۔ چنانچہ اب سے بہت پہلے اپنے ایک رسالہ **مضمون ذکر** میں اس موضوع پر کچھ کلام بھی کیا تھا۔ اور الحمد للہ دیکھا کہ لوگوں کو اس سے نفع ہوا۔ بہت سے اللہ کے بندوں نے اس کو پسند کیا اور دلچسپی کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا اور دور دور سے خطوط آئے کہ اس کتاب سے بہت فائدہ ہوا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس زمانہ میں اس قسم کے مضامین بھی پہنچانے کی اشد ضرورت ہے اس لئے کہ طریق سے اور مسائل طریق سے اس قدر لوگوں کو بعد ہو گیا ہے کہ عوام تو عوام بہت سے خواص باطنی چیزوں کے علم سے بالکل کورے ہیں۔ جہل کے سبب کسی اہم سے اہم شے کی بھی عظمت قلب میں نہیں رہ گئی ہے اس لئے اس کے معلوم کرنے کی بھی فکر نہیں ہے۔ رسوم پر قناعت کئے ہوئے ہیں اور حقیقت کی جانب سے بالکل بے غم ہیں۔ قلبی غفلت نے اس احساس کو بھی ختم کر دیا ہے کہ روحِ دین ہم میں موجود نہیں ہے، اس کو معلوم کرنا چاہئے اور اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ جب آدمی کسی چیز کو معلوم ہی نہ کرے گا تو وہ از خود کیسے معلوم ہو جائے گی اور اہل علم ہی جب کسی شے سے ناواقف ہوں گے تو عوام اس سے کس طرح واقف ہو جائیں گے۔ جب کہ ان کے علم کے لئے یہی حضرات واسطہ ہیں۔

اس لئے طبیعت چاہی کہ ذکر و فکر کا دین میں جو درجہ ہے اور جیسی کچھ اس کی اہمیت اور عظمت ہے اس کے شایان شان مزید کچھ کلام کر دیا جائے اور اس کی ضرورت اور حقیقت کو مسلمانوں کے سامنے ایسے عنوان سے بیان کیا جائے کہ یہ مضمون ناظرین کو فرسودہ نہ معلوم ہو بلکہ طرز بیان ایسا موثر ہو کہ حقیقت ذکر منکشف ہو کر ان کے قلوب کو اس طرح متاثر کر دے کہ پھر کسی کے لئے مجال انکار باقی نہ رہے۔ اور انکار کیا معنیٰ ان کے قلب میں ذکر اللہ کا ایک شوق

اور داعیہ پیدا ہوجائے جو قلب کو ذاکر بنادے اور انسان کو اپنے دل کے اندر سے غفلت کو دور کرنے کی فکر لاحق ہوجائے اس لئے کہ اصل چیز جو زائل کرنے کی ہے وہ قلب ہی کی غفلت ہے۔ یہ غفلت ذکر کی ضد ہے اس لئے ایک قلب میں یہ دونوں جمع نہیں ہوتیں۔ مومن کے قلب میں ایمان اور ذکر ہوتا ہے اس لئے اس کے قلب میں غفلت نہیں ہوتی جیسا کہ صاحب الادب النبوی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

وَلَعَلَّكَ عَرَفْتَ بِهٰذَا اَنَّ الْاِيْمَانَ لَا يَتَّفِقُ وَالْغَفْلَةُ بَلْ يَقْتَضِي الْحَذَرَ وَالْحِيْطَةَ۔ وَاَنَّ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَضْحَكُ عَلَيْهِمْ وَلَا يَتَّعِظُوْنَ بِالْمَاضِيْ وَلَا يَسْتَفِيْدُوْنَ مِنَ التَّجَارِبِ، لَمْ يَكْمُلِ الْاِيْمَانُ بَعْدُ فِيْ نُفُوْسِهِمْ وَاِنْ كَانُوْا قَائِمِيْنَ بِرُسُوْمِ الْعِبَادَةِ (الادب النبوی ص۱۸۲)

اور شاید کہ تم نے ہمارے اس بیان سے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ ایمان اور غفلت ایک قلب میں جمع نہیں ہوتے بلکہ ایمان تیقظ اور احتیاط کو چاہتا ہے باقی یہ لوگ جن پر دنیا ہنستی ہے اور جو واقعات ماضیہ سے سبق نہیں حاصل کرتے اور نہ ہی تجربات سابقہ سے مستفید ہوتے ہیں ابھی تک ایمان ان کے نفوس میں راسخ نہیں ہوا ہے اگرچہ بظاہر رسوم عبادت کے ساتھ یہ لوگ متصف بھی ہیں۔

اور کافر کے قلب میں غفلت ہوتی ہے اس لئے ذکر سے اسے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا بلکہ یہی غفلت ہی اس کے کفر کا سبب بنتی ہے جس طرح سے مومن کے قلب کا ذکر اس کے ایمان کا ذریعہ اور باعث ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب غفلت کفر کا سبب بن جائے تو یہ خود بھی کفر ہی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ ذکر قلبی ایمان کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے حسب قاعدہ مقدمۃ الواجب واجبٌ اس ذکر کا حصول بھی واجب بلکہ فرض ہوگا۔

اب آپ خود غور فرمائیے کہ جو چیز کہ اللہ و رسول کے نزدیک ایک فرض اور واجب کا درجہ رکھتی ہو اس کی جانب سے مسلمانوں کی اس قدر بے اعتنائی کس قدر حق تعالیٰ کے سخط اور مقت کے لئے جالب ہوگی۔ اور بایں حالت کہ قلب اپنے وظیفہ سے تو غافل رہے وہ کس طرح مورد الطاف ربانی ہوسکتا ہے۔ میرے نزدیک اس وقت قوم کے عدم فلاح کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ جو صفات کفار کی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان فرمائی تھیں آج مسلمان ان کے ساتھ متصف ہیں۔ حق تعالیٰ نے کافروں اور منکروں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی تھی کہ:۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ٥ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ٥ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ۔ الآیۃ

ان منکر لوگوں سے ان کا وقتِ حساب نزدیک آپہنچا اور یہ غفلت میں ہی اعراض کئے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ آتی ہے یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہیں۔ ان کے دل متوجہ نہیں ہوتے۔

یہ غفلت، اعراض، ہنسی اڑانا اور دل کا متوجہ نہ ہونا جو صفات کفار کی تھیں آج کون سی صفت ان میں سے ایسی ہے جس کے ساتھ مسلمان کے اکثر و بیشتر افراد متصف نہیں ہیں۔ غفلت ان کے اندر موجود ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس کے درجات مختلف ہیں۔ کافر میں جو غفلت ہوتی ہے وہ تو بالکل کفر ہی ہوتی ہے لیکن جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کا بھی مدعی ہو اور کام اس کے خلاف کرے بجز یہ گو کفر نہیں تاہم اس کے فسق اور حرام ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہے۔ اس کی دلیل سنئے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں ضَلٰلاً مُّبِيْنًا کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ اَيْ بَيِّنَ الْاِنْحِرَافِ عَنِ الصَّوَابِ فَاِنْ كَانَ عِصْيَانَ رَدٍّ وَّاِنْكَارٍ فَهُوَ ضَلَالُ كُفْرٍ وَاِنْ كَانَ عِصْيَانَ فِعْلٍ مَعَ قَبُوْلِ الْاَمْرِ وَاِعْتِقَادِ الْوُجُوْبِ فَضَلَالُ فِسْقٍ۔

(ص۳۴۷ مظہری پ۲۲)

اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔ یعنی اس کا یہ ضلال راہ صواب سے کھلا ہوا انحراف ہے اب اگر انکار اور رد کی صورت کا عصیان ہے تب تو یہ ضلال کفر ہے یعنی ایسی گمراہی ہے جو کفر کے مرادف ہے اور اگر صرف ترک عمل ہی ہے اور دل سے حکم شرع قبول کرتا ہے اور اس کے وجوب کا معتقد ہے تو یہ ضلال فسق ہے یعنی ایسی گمراہی ہے جو فسق کے درجہ کو تو پہنچی ہی ہوئی ہے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ ضلال کی دو قسمیں ہیں ایک ضلال کفر ہوتا ہے اور ایک ضلال فسق۔ پس جس طرح سے کافر کے قلب میں غفلت کا انتہائی اور اعلیٰ فرد یعنی کفر موجود ہوتا ہے اسی طرح سے مومن عاصی کے قلب میں بھی غفلت موجود ہوتی ہے اگرچہ وہ کفر نہ ہو فسق ہو اور کافر کی غفلت سے اس کا درجہ کم ہوتا ہم ہے تو وہ بھی غفلت ہی کا فرد۔ اور یہ بھی حرام ہے۔

اسی طرح سے امور دینیہ سے اور احکام شرعیہ سے اعراض بھی آج عام طور سے شاہد ہے

اسی طرح سے دل کا متوجہ نہ ہونا یہ مرض بھی مسلمانوں میں فی زمانہ عام طور سے پایا جارہا ہے۔ جس کو دیکھئے اس کا شکار ہے۔ جیسے دیکھئے نماز میں دل نہ لگنے کا۔ شاکی ہے کیا یہ سب آثار دلی توجہ حاصل ہونے کے ہیں۔ باقی رہا ہنسی اڑانا اور سخریہ و استہزاء کرنا تو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اسے کافروں کا شیوہ بتایا ہے مگر افسوس ہے کہ آج مسلمان اس صفت میں دوسروں سے کہیں آگے نظر آتا ہے۔ دیکھئے کافر ہمارے دین کا منکر ہے اس سے اس کو کلی اختلاف ہے مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ سارے دینی امور کے ساتھ وہ استہزاء نہیں کرتا بلکہ برخلاف اس کے نماز و نمازی کے ساتھ کچھ عظمت اور احترام ہی کا معاملہ کرتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اسی دین کی حقانیت کے قائل ہیں مگر ان کے لئے دین اور اہل دین سے استہزاء کرنا ضروری ہے۔ نماز کا مذاق، روزہ کا مذاق، سادہ وضع اور لباس کے ساتھ تمسخر ان کا گویا ہر وقت کا مشغلہ ہے۔ بہرحال میں کہہ یہ رہا تھا کہ سب سے بڑی شئے جو اور بہت سی دوسری خرابیوں کی بھی جڑ ہے وہ ہے قلب کا غافل ہونا۔ اس لئے جملہ دینی مفاسد سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اس غفلت کو دور کرے۔ اور غفلت دور ہوتی ہے ذکر سے۔ اور ذکر بھی وہ جو قلب سے ہو اس لئے کہ غفلت قلب کی صفت ہے اور ذکر لسانی مجرد زبان کا فعل ہے۔ اور یہ عقلی مسئلہ ہے کہ جس جگہ مرض ہو اسی جگہ دوا کو بھی پہنچنا چاہئے۔ پس مرض تو ہو قلب میں اور آپ اس کی دوا لگائیں زبان پر ظاہر ہے کہ یہ صحیح طریقہ علاج کا نہ ہوگا۔ لہذا جہاں غفلت موجود ہے یعنی قلب میں وہیں ذکر کو بھی پہنچانا چاہئے یعنی ذکر قلبی کرنا چاہئے تب غفلت زائل ہوگی۔ اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ چونکہ ذکر لسانی ہے اس لئے وہ بھی ضروری ہے۔

اب قبل اس کے کہ میں ذکر کے معنی اور اس کے اقسام لسانی و قلبی کو کچھ تفصیل سے بیان کروں پہلے اس کی فرضیت اور ضرورت پر کچھ کلام کرنا چاہتا ہوں۔ سنئے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی جو اپنے وقت کے ایک زبردست عالم، مفسر، محدث، فقیہ اور صوفی کامل تھے۔ اپنی تفسیر میں آیت شریفہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا یعنی اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّهٗ لَمْ یَفْرِضِ اللّٰهُ عَلٰی عِبَادِهٖ فَرِیْضَةً اِلَّا جَعَلَ لَهَا حَدًّا مَعْلُوْمًا ثُمَّ عَذَرَ اَهْلَهَا فِیْ حَالِ الْعُذْرِ غَیْرَ الذِّکْرِ فَاِنَّهٗ	حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی فریضہ ایسا نہیں مقرر فرمایا جس کی حدود متعین نہ کردی ہو اور حالت عذر میں اس کے اہل کو ترک پر معذور نہ قرار دیا ہو سوائے ذکر کے کہ یہ ایک ایسا فریضہ ہے

لَمْ يَجْعَلْ لَهُ حَدًّا يُنْتَهٰى إِلَيْهِ وَلَمْ يَعْذِرْ أَحَدًا فِيْ تَرْكِهِ إِلَّا مَغْلُوْبًا عَلٰى عَقْلِهِ فَأَمَرَ بِهِ فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا فَقَالَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ وَقَالَ اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَالصِّحَّةِ وَالسُّقْمِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ (تفسیر مظہری)

کہ اس کے ختم کی کوئی حد ہی نہیں بیان فرمائی اور نہ کسی کو اس کے ترک پر معذور ہی قرار دیا بجز مجنون کے چنانچہ تمام اوقات میں کرنے کا اس کو حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کھڑے کھڑے بھی بیٹھے بیٹھے بھی اور پہلو پر لیٹے لیٹے بھی اور یہ فرمایا کہ اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو یعنی رات میں، دن میں، خشکی میں، سمندر میں، صحت کی حالت میں اور بیماری میں، پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور سے۔

علامہ نوویؒ نے اپنی کتاب ریاض الصالحین کے خطبہ میں فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ مُكَوِّرِ اللَّيْلِ عَلَى النَّهَارِ تَذْكِرَةً لِأُولِي الْقُلُوْبِ وَالْأَبْصَارِ وَتَبْصِرَةً لِذَوِي الْأَلْبَابِ وَالْاِعْتِبَارِ الَّذِيْ أَيْقَظَ مِنْ خَلْقِهِ مَنِ اصْطَفَاهُ فَزَهَّدَهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدَّارِ وَشَغَلَهُمْ بِمُرَاقَبَتِهِ وَإِدَامَةِ الْأَفْكَارِ وَمُلَازَمَةِ الْاِتِّعَاظِ وَالْاِدِّكَارِ الخ

تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جو یکتا ہے اور قاہر ہے غالب ہے اور ستار الذنوب ہے۔ رات کو دن پر داخل کرنے والا ہے تاکہ یہ امر اصحاب قلوب اور اہل بصیرت کے لئے تذکرہ کا سبب بنے نیز عقلاء اور اہل فہم کے لئے سبب بصیرت ہو وہ خدا جس نے کہ اپنی مخلوقات میں سے ایک جماعت کو منتخب کرلیا اور ان کو اس دنیا دنی سے زاہد اور بے رغبت بناکر ان کو اپنے ہی ذات کے مراقبہ اور اپنی مصنوعات میں ادامۃ فکر کے لئے اور ہر واقعہ سے نصیحت حاصل کرنے نیز ہر بھول کے بعد یاد کرنے اور ہر غفلت کے بعد متنبہ ہوجانے میں مشغول فرمادیا۔

اس میں افتکار کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں تفکر کرنا اور ان سے حق تعالیٰ کی الوہیت اور ان کے قدرت عظیمہ پر استدلال کرنا۔ اس کے تحت صاحب دلیل الفالحین لکھتے ہیں کہ:

قَالَ تَعَالٰى إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بیشک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں نشانیاں ہیں اہل فہم کے لئے۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں حالت قیام میں کبھی اور

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْآيَة. وَفِي الْحَدِيْثِ تَفَكَّرُوْا فِيْ آلَاءِ اللّٰهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ. وَجَاءَ بِلَفْظِ تَفَكَّرُوْا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي الْخَالِقِ فَاِنَّكُمْ لَا تَقْدِرُوْنَ قَدْرَهٗ وَفِي الْحَدِيْثِ اَيْضًا مَرْفُوْعًا كَمَا فِي الْكَشَّافِ بَيْنَمَا رَجُلٌ مُسْتَلْقٍ فِيْ فِرَاشِهٖ اِذْ رَفَعَ رَأْسَهٗ اِلَى النُّجُوْمِ وَاِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ لَكَ رَبًّا وَخَالِقًا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ فَنَظَرَ اللّٰهُ اِلَيْهِ فَغَفَرَ لَهٗ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عِبَادَةَ كَالتَّفَكُّرِ وَقِيْلَ الْفِكْرَةُ تُذْهِبُ الْغَفْلَةَ وَتُحْدِثُ لِلْقَلْبِ الْخَشْيَةَ كَمَا يُحْدِثُ الْمَاءُ لِلزَّرْعِ النَّبَاتَ وَمَا جُلِيَتِ الْقُلُوْبُ بِمِثْلِ الْاَحْزَانِ وَلَا اسْتَنَارَتْ بِمِثْلِ الْفِكْرَةِ.

حالت قعود میں بھی اور پہلو پر لیٹے ہوئے بھی اور آسمانوں اور زمینوں میں تفکر کرتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کیا کرو لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات میں مت تفکر کرو نیز ان لفظوں میں بھی وارد ہے کہ خلق میں تفکر کرو اور خالق میں نہیں اس لئے کہ تم اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے جیسا کہ کشاف میں ہے کہ ایک شخص شب کے وقت اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ اچانک اس نے اپنی نظر کو تاروں کی جانب اٹھایا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک تیرا کوئی رب ضرور ہے پھر کہا کہ اے اللہ مجھے بخش دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جانب نظر رحمت فرمائی اور اس کی مغفرت فرمادی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فکر کی طرح کوئی دوسری عبادت نہیں ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ تفکر غفلت کو دور کرتا ہے اور قلب میں خشیت پیدا کرتا ہے جس طرح کہ پانی کھیت میں پودا اگاتا ہے۔ اور حزن یعنی رنج وغم سے بڑھ کر کوئی شے قلب کا جلا کرنے والی نہیں۔ اور فکر سے زیادہ کوئی چیز قلب کے لئے روشنی بخش نہیں۔

377762

وَقَدْ رُوِيَ اَنَّ يُوْنُسَ كَانَ يُرْفَعُ لَهٗ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِثْلُ عَمَلِ اَهْلِ الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ التَّفَكُّرُ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ الَّذِيْ هُوَ عَمَلُ الْقَلْبِ لِاَنَّ اَحَدًا لَا يَقْدِرُ اَنْ يَعْمَلَ بِجَوَارِحِهٖ فِي الْيَوْمِ مِثْلَ عَمَلِ اَهْلِ الْاَرْضِ.

روایت ہے کہ حضرت یونس کا اتنا عمل ہر روز اوپر کو اٹھایا جاتا تھا جتنا کہ روئے زمین بھر کا عمل ہوتا تھا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ وہی تفکر فی امر اللہ ہے جو کہ ایک قلبی عمل ہے اس لئے کہ کوئی شخص بھی اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء بدن سے ایک دن میں تمام روئے زمین والوں کے برابر عمل تو کر ہی نہیں سکتا (لامحالہ یہ کوئی دوسرا ہی عمل ہے)۔

25MAR1979

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَاَبُو الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ قَالَ السَّرِيُّ السَّقَطِيُّ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ تَحُلَّ اَطْنَابَ خَيْمَتِكَ فَتَجْعَلَهَا فِي الْجَنَّةِ (دلیل الفالحین ص۱۹۵)	حضرت ابن عباسؓ اور ابو دردارؓ سے مروی ہے کہ گھڑی بھر کی فکر ساری رات کے قیام سے بہتر ہے حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ایک سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے اور اس کی مثال بس ایسی سمجھو کہ جیسے تم اپنے خیمے کی رسیاں کھولو اور جنت میں اس کو نصب کر دو۔

علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ تفکر جو کہ ایک قلبی عمل ہے اس کا درجہ کس قدر ہے کہ عمل جوارح میں سے کوئی اس کو نہیں پا سکتا یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بھی جگہ جگہ اس کا حکم دیا ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (پ ۲۴ ع ۲)	اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی کہ جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد تک کے لئے رہا کر دیتا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں دلائل ہیں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (پ ۱۴ ع ۱۵)	اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں کو چوستی پھر۔ پھر اپنے رب کے رستوں میں چل جو آسان ہیں۔ اس کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۱۴ ع ۸)

وہ ایسا ہے جس نے تمھارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور جس سے درخت ہیں جن میں تم چرنے کو چھوڑ دیتے ہو اس سے تمھارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل ہے۔

ایک اور جگہ یوں فرماتے ہیں کہ:

وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۱۳ ع ۷)

اور وہ ایسا ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کیں اور اس میں ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسم کے پیدا کیے شب سے دن کو چھپا دیا ان امور میں سوچنے والوں کے واسطے دلائل ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۱۱ ع ۷)

بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۝ (پ ۲۵ ع ۱۸)	اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے مسخر بنایا بیشک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلیل ہے جو غور کرتے رہتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۝ (پ ۲۱ ع ۶)	اور اسی کی نشانیوں میں یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے۔ اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

دیکھئے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دلائل بیان کر کے ہر جگہ آخر میں یہ فرمایا کہ یہ دلائل اس قوم کے لئے ہیں جو فکر کرتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ایک قوم ہمیشہ ایسی موجود رہے گی جس کا کام ہی ذکر و فکر کرنا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ قوم یہی حضرات صوفیہ ہیں۔

مشائخ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک لسانی دوسرا قلبی۔ ان میں ذکر لسانی کو تو سب جانتے ہیں کہ زبان سے ذکر کرنے کو ذکر لسانی کہا جاتا ہے لیکن ذکر قلبی کی حقیقت سے کم لوگ واقف ہیں اس کا مفہوم عوام تو عوام بہت سے خواص اور اہل علم بھی نہیں جانتے اور چونکہ لسانی ذکر آسان ہے اس لئے لوگ اسی پر قناعت کرتے ہیں اور دشوار ہونے کی وجہ سے ذکر قلبی کی حقیقت معلوم کرنے کی بھی فکر نہیں ہوتی۔ حالانکہ اللہ کے نیک بندوں کا ذکر کبھی ایسا نہیں رہا کہ وہ صرف زبان سے ذکر کر لیتے ہوں اور قلب تک اس کو پہنچانے کی کوشش نہ کرتے ہوں۔

دیکھتا ہوں کہ آج پڑھے لکھے لوگ بھی ذکر کا تعلق صرف لسان سے سمجھے ہوئے ہیں اور جہاں ذکر قلبی کا نام سنا اور گھبرا گئے مشکل ہونے کے سبب اس پر آتے نہیں اور اس کو سمجھنا بھی نہیں

چاہتے کیونکہ جس گاؤں جانا نہیں اس کا رستہ کیا پوچھنا۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایسا کچھ دشوار نہ تھا۔ حضرات صوفیہ جس چیز کو نسبت ملکہ یادداشت اور ذکر قلبی کہتے ہیں علماء ظاہر اس کو فکر کہتے ہیں اور اہل دنیا کے نزدیک اسی چیز کا نام محبت ہے۔ دھیان تعلق اور ربط وغیرہ ہے۔ پھر جب اہل محاورہ اپنی زبان میں دلی تعلق قلبی محبت اور رشتہ دل وغیرہ کے الفاظ بولتے ہیں اور اس کو سمجھا جاتا ہے تو اگر خدا کے ذکر کا تعلق بھی قلب سے جوڑ کر اس کو ذکر قلبی کہہ دیا جائے تو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی؟

بات یہ ہے کہ طریق سے بے مناسبتی اور اہل طریق کی کمی کی وجہ سے یہ سب امور آج ہمارے لئے اجنبی ہو کر رہ گئے ہیں حالانکہ یہی فکر اور ذکر قلبی جسکی حقیقت آپ نے ابھی معلوم کی۔ سب اذکار کی اصل ہے اور جملہ امور اسی پر دائر ہیں اور قلب کی حقیقی آبادی اسی کی وجہ سے ہے۔ یہی مومن کا وہ ایمان ہے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں دعا فرمائی تھی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسے ایمان کا جو بذات خود قلب کو ابھارے اور آمادہ کرے اور ظاہر ہے کہ جب ایمان قلب کو برابر حرکت دیتا رہے گا تو پھر اس کے بعد اس قلب میں غفلت کیسے باقی رہ سکتی ہے اور خوف و خشیت سے ایسا قلب کیسے خالی رہ سکتا ہے۔

چنانچہ جس طرح علماء نے فکر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ افضل الذکر ہے اور سائر وجوہ ذکر اسی پر مبنی ہیں۔ اسی طرح سے مشائخ نے ایمان کے متعلق بھی لکھا ہے کہ سلوک میں بھی اصل رہبر یہی ایمان ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی فتح الربانی میں فرماتے ہیں:

یَا غُلَامُ تَحْتَاجُ اِلَی اِیْمَانٍ یَسِیْرُ بِکَ اِلٰی طَرِیْقِ الْحَقِّ عَزَّوَجَلَّ وَاِلٰی اِیْقَانٍ یُثَبِّتُکَ فِیْھَا۔ ([illegible])

صاحبزادے! تم کو اولاً ایمان کی حاجت ہے جو تمہیں طریق حق کی جانب لے چلے اسی طرح سے تمہیں ایقان کی بھی ضرورت ہے جو تمہیں اس طریق میں ثابت قدم رکھے۔

اس سے بحمد اللہ ہمارا مدعا باحسن وجوہ ثابت ہو گیا کہ ایمان خود ذکر قلبی ہے اسی طرح سے میں کہتا ہوں کہ تَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ میں جو رجاء اور خشیت کا ذکر آیا ہے یا یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ میں جو رجاء اور خوف کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ یہ سب کیفیات قلبیہ کے نام ہیں کیونکہ رجاء امید اور خوف و خشیت یعنی وہ ڈر جو کسی ضرر کے احتمال سے مومن کے قلب میں ہوتا ہے یہ سب چیزیں بھی ذکر قلبی ہی کا فرد ہیں۔

الغرض مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ ذکر قلبی حضرات صوفیہ کی اپنی کوئی جدید اصطلاح نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت ہی میں آئی ہوئی چیز ہے۔ باقی ان حضرات کو چونکہ قلب کا زیادہ اہتمام رہتا ہے اس لئے اس کی بحث ان کے یہاں اکثر اور مہتم بالشان ہو جاتی ہے۔

ناقل عرض کرتا ہے کہ

حضرت والا اکثر فرماتے تھے کہ جی چاہتا ہے کہ ذکر پر مفصل کلام کروں چنانچہ مختلف مجالس میں فرماتے بھی تھے لیکن جس بسط کے ساتھ اس پر سیر حاصل کلام فرمانا چاہتے تھے اس کا موقع نہ آتا۔ یہاں تک کہ بمبئی کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ انھیں دنوں ایک صاحب نے اپنے ایک عزیز کا (جو کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں) خط سنایا اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ:

"حضرت صاحب کے رسائل یہاں احباب نے بہت پسند کئے بعض دوستوں نے مجھ سے انھیں طلب بھی کیا ہے۔ لہذا آنے والے حاجی صاحبان سے ہر کتاب کے چند نسخے بھجوا دیں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ دستی ہی بھیجیں ڈاک سے نہیں اس لئے کہ یہاں کی حکومت کا تصوف کے بارے میں کچھ خیال اچھا نہیں ہے۔ اس لئے ایسی کتابیں روک دی جاتی ہیں۔ مجھے نہ مل سکیں گی۔"

ان صاحب نے تو اس خیال سے خط پیش کیا تھا کہ حضرت والا اس سے مسرور ہوں گے لیکن حضرت کو اس سے تکلیف ہوگئی۔ خط پڑھ کر فرمایا کہ: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؎

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اور حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آخر یہ حکومت تصوف کے کیوں خلاف ہے۔ تصوف میں کون سی بری بات ہے۔ پھر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نجدی لوگ بالکل ناواقف ہیں کسی حقیقی صوفی سے ان کی بھینٹ نہیں ہوئی اور تحقیق کی ان کو فرصت کہاں؟ اچھا اگر میں چل کر تصوف ہی پر گفتگو کروں اور اس کے ثبوت میں قرآن و حدیث پڑھنے لگوں تو کیا وہ لوگ اس کا بھی انکار کر دیں گے؟ اچھا قرآن شریف میں جو آتا ہے کہ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ یہ کیا ہے؟ یا یہ آتا ہے کہ ھُمْ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ یہ کیا ہے؟ اسی طرح سے یہ جو فرمایا ہے کہ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ یہ کیا ہے؟

اور حدیث شریف میں جو آتا ہے کہ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ الخ یہ کیا ہے؟ اور فرمایا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یہ کیا ہے؟

اور امام مالک صاحب جو کہ تابعی ہیں مدنی ہیں امام دارالھجرۃ ہیں وہ جو فرما رہے ہیں کہ مَنْ تَفَقَّہَ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ یہ کیا ہے؟ اس سے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی تصوف کی

ضرورت کے قائل ہیں پھر یہ بدعت کیونکر ہوا۔ غرض اس طرح سے انتہائی جوش میں تاثرات کا دیر تک اظہار فرماتے رہے۔

حسن اتفاق کہ ان ہی دنوں مجلس میں ذکر اللہ پر گفتگو کئی دنوں سے چل رہی تھی اور حضرت والا نے اپنی خواہش دیرینہ کے مطابق ہم لوگوں کو ہدایت فرما رکھی تھی کہ اس مضمون کو اہتمام کے ساتھ لکھیں۔ اس واقعہ کے بعد راقم سے فرمایا کہ وہ ذکر اللہ کا مضمون تم لکھ رہے ہو یا نہیں؟ اس پر حاضرین میں سے کوئی صاحب بولے کہ سبحان اللہ ذکر کا مضمون نہایت ہی عمدہ بیان ہو رہا ہے۔ یکجا جمع ہو جانا نہایت ضروری ہے۔ یہ سن کر ان صاحب سے فرمایا کہ پھر آپ ہی ان سے کہئے کہ اس کو یہ لکھیں۔ شاید آپ کے کہنے سے یہ لکھ لیں۔ پھر راقم کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا اس کو جلد لکھو اور مجھے دکھلاؤ میں جلد سے جلد اس کو شایع کرنا چاہتا ہوں اور اسی کو لے کر وہاں چلوں گا اور اہل عرب کے سامنے اس کو پیش کروں گا۔ وہ لوگ زبان داں ہیں ان مضامین کو وہ لوگ خوب سمجھیں گے۔

راقم نے بمعیت مولانا عبد الحلیم صاحب اس مضمون کو صاف کیا اور حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت والا نے حرف بحرف ملاحظہ کر کے فرمایا کہ ٹھیک تو ہے۔ قریب قریب سب باتیں آگئیں۔ الحمد للہ اس سلسلہ میں جو چاہتا تھا وہ سب کلام یکجا جمع ہو گیا ہے۔ اور پھر فرمایا اچھا اس کو جلد طبع کراؤ۔

ظاہر ہے کہ اگر قیام الہ آباد میں ہوتا تو جلد سے جلد طبع کرایا جا سکتا تھا لیکن بمبئی میں ہونے کی وجہ سے جن لوگوں کے تعلقات کاتب اور پریس والوں سے تھے ان سے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ وقت بہت تنگ ہے۔ اتنی مدت میں اتنے طویل مضمون کی طباعت تو کیا کتابت بھی ناممکن ہے اس لئے اس وقت تو یہ مضمون طبع نہ ہو سکا اور سفر سے واپسی کے بعد اب تک بھی اس کی نوبت نہ آسکی۔ سچ ہے کل امر مرھون باوقاتہ۔ جب کسی کام کا وقت آتا ہے تبھی وہ انجام کو پہنچتا ہے۔ الحمد للہ کہ آج ہم حضرت اقدس کے اس گراں قدر مضمون کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اور حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے دیگر رسائل کی مناسبت سے اس کا نام **وصیۃ الذکر** مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور جس طرح سے کہ یہ مضمون (ذکر اللہ) حضرت کا آخری مضمون ہے اسی طرح ہم سب مسلمانوں کا آخری کلام بھی اپنے ذکر کو بنائے۔

جب دم واپسیں ہو یا اللہ لب پہ ہو لا الہ الا اللہ

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام قارئین کے قلوب کو اپنے ذکر کے انوار سے بھر دے اور ہم سب کو ذکر قلبی کی دولت سے مالامال فرمائیں بجاہ سید الانبیا افضل الرسل رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

وَصِیَّۃُ الذِّکْرُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت آئی ہے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْوَرَقِ وَخَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تم کو ایک ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تمھارے سب اعمال سے بہتر ہو اور تمھارے مالک کے نزدیک سب میں پسندیدہ ہو اور تمھارے درجات کا بڑھانے والا ہو اور تمھارے لئے چاندی اور سونے کے خرچ کرنے سے کہیں بہتر ہو۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ہو کہ تم اپنے دشمنوں سے ملو اور ان کی گردنیں مارو اور وہ تمھاری گردنیں ماریں (یعنی خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے بھی بڑھ کر ہے) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ضرور ارشاد فرمایئے آپ نے فرمایا کہ وہ عمل ذکر اللہ ہے۔

اب جب کہ حدیث شریف میں ذکر اللہ کی اتنی فضیلت آئی ہے تو پھر تو ہم کو اس کا مفہوم سمجھنا ہوگا۔

علماء نے بھی ذکر اللہ کے متعلق نہایت عمدہ کلام کیا ہے چنانچہ صاحب ترصیع لکھتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ اَسْرَعَ الطَّاعَاتِ فِیْ جَلَاءِ الْقَلْبِ وَتَنْوِیْرِہٖ وَتَبْدِیْلِ الْاَوْصَافِ الرَّدِیَّۃِ بِالْاَوْصَافِ الْحَمِیْدَۃِ ذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَقَالُوْا اِنَّ عَمَلَ الذِّکْرِ فِیْ جَلَاءِ الْقَلْبِ عَمَلُ الرَّمَلِ فِیْ جَلَاءِ النُّحَاسِ وَعَمَلُ بَقِیَّۃِ الطَّاعَاتِ فِیْ جَلَائِہٖ عَمَلُ الصَّابُوْنِ

فی جلاءِ النحاس (ترمیح صنا)

یعنی قلب کے جلار اور اس کی تنویر اور اس کے رذائل کو مبدل بفضائل کرنے میں سب طاعتوں سے بڑھ کر موثر ذکر اللہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نماز تمام خواہش اور برائیوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑی چیز ہے۔ علمار نے فرمایا ہے کہ قلب کی صفائی کے باب میں ذکر وہ کام کرتا ہے جو تانبا کے صاف کرنے میں ریت کرتی ہے اور دیگر طاعات کا اثر جلار قلب کے باب میں ایسا ہوتا ہے جیسے تانبے کی صفائی کے لئے صابون استعمال کیا جائے۔ مطلب یہ کہ اس کے ذریعہ اوپر اوپر کی تو صفائی ہو جائے گی مگر ریت تو اس کے جمے ہوئے زنگ کو کھرچ کر نکال پھینکتا ہے اور اس کو چمکا دیتا ہے۔

اس سلسلے میں جستجو ہوئی کہ ذکر اللہ کا مصداق معلوم کیا جائے تو سب سے عمدہ اور جامع بیان ابوبکر جصاص رازیؒ کا ملا جسے انھوں نے آیۃ کریمہ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ اور اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ وھو ہذا۔

(فَاذْکُرُوْنِیْ) قَدْ تَضَمَّنَ الْاَمْرُ بِسَائِرِ وُجُوْہِ الذِّکْرِ مِنْھَا سَائِرُ وُجُوْہِ طَاعَتِہٖ وَھُوَ اَعَمُّ الذِّکْرِ وَمِنْھَا ذِکْرُہٗ بِاللِّسَانِ عَلٰی وَجْہِ التَّعْظِیْمِ وَالثَّنَاءِ عَلَیْہِ وَالذِّکْرُ عَلٰی وَجْہِ الشُّکْرِ وَالْاِعْتِرَافِ بِنِعَمِہٖ وَمِنْھَا ذِکْرُہٗ بِدُعَاءِ النَّاسِ اِلَیْہِ وَالتَّنْبِیْہُ عَلٰی دَلَائِلِہٖ وَحُجَجِہٖ وَوَحْدَانِیَّتِہٖ وَحِکْمَتِہٖ وَذِکْرُہٗ بِالْفِکْرِ فِیْ دَلَائِلِہٖ وَاٰیَاتِہٖ وَقُدْرَتِہٖ وَعَظْمَتِہٖ وَھٰذَا اَفْضَلُ الذِّکْرِ وَسَائِرُ وُجُوْہِ الذِّکْرِ مَبْنِیَّۃٌ عَلَیْہِ وَتَابِعَۃٌ لَہٗ وَبِہٖ یَصِحُّ مَعْنَاھَا لِاَنَّ الْیَقِیْنَ وَالطُّمَانِیْنَۃَ بِہٖ تَکُوْنُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یَعْنِیْ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ذِکْرُ الْقُلُوْبِ الَّذِیْ ھُوَ الْفِکْرُ فِیْ دَلَائِلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَحُجَجِہٖ وَاٰیَاتِہٖ وَبَیِّنَاتِہٖ وَکُلَّمَا ازْدَادَتْ فِیْھَا فِکْرًا ازْدَادَتْ طُمَانِیْنَۃً وَسُکُوْنًا وَھٰذَا ھُوَ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لِاَنَّ سَائِرَ الْاَذْکَارِ اِنَّمَا یَصِحُّ وَیَثْبُتُ حُکْمُھَا بِثُبُوْتِہٖ۔ (احکام القرآن ص۹۳ ج۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاذْکُرُوْنِیْ میں ذکر کا جو امر ہے وہ تمام طرق ذکر کو متضمن ہے منجملہ ان کے حق تعالیٰ کی جملہ طاعات ہیں اور یہ ذکر سب اذکار سے عام ہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا بطور ثنا اور تعظیم کے یہ بھی ذکر ہے اور بطور شکر کے ذکر کرنا اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرنا یہ بھی ذکر ہے نیز منجملہ ذکر ہی کے کسی شخص کا لوگوں کو اللہ

تعالیٰ کی جانب دعوت دینا اور اس کے وجوب وجود کے دلائل پر تنبیہہ کرنا اور اس کی حکمتوں کو بیان کرنا بھی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے دلائل اور ان کی آیات اور قدرت وعظمت میں تفکر کرنا یہ بھی ذکر ہے بلکہ افضل الذکر ہے اور دیگر وجوہ ذکر اسی پر مبنی اور اس کے تابع ہیں چنانچہ اسی کے ذریعہ ان سب کے معنی کی صحت ہوتی ہے اس لئے کہ یقین وطمانیت اسی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے تو یوں تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں باقی معنی اس کے یہی ہیں کہ ذکر قلب جس کا دوسرا نام اللہ تعالیٰ کے دلائل اس کے حجج اور آیات اور اس کی بینات میں غور وفکر کرنا ہے۔ اسی ذکر قلبی سے قلوب کو اطمینان ہوتا ہے۔ تم ان سب میں جس قدر زیادہ اپنی فکر کو بڑھاؤ گے اسی قدر طمانیت اور سکون کو بڑھتا ہوا پاؤ گے اور یہی افضل الذکر ہے اس لئے کہ اور دوسرے اذکار کی صحت اور ان کے حکم کا ثبوت اسی سے ہوتا ہے۔

دیکھئے یہاں امام رازیؒ نے ذکر کے اقسام بیان فرمائے اور اس کی ایک قسم جملہ طاعات یعنی نماز روزہ زکوٰۃ وحج وغیرہ بھی ہے اسی طرح ایک قسم ثنا اور تعظیم کے طور پر زبان سے ذکر کرنا بھی ہے نیز لوگوں کو اپنے وعظ وتبلیغ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دینا یا اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کرنا یہ سب ہی ذکر میں داخل ہیں۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے دلائل وآیات، اس کی قدرت وعظمت میں فکر کرنا یہ فکر بھی ذکر ہی کی ایک قسم بلکہ اس کی اعلیٰ فرد ہے۔ اور یہ جملہ انواع ذکر سے افضل ہے کیونکہ بقیہ اور قسمیں ذکر کی اسی قسم پر مبنی اور اسی کے تابع ہیں بلکہ ان سب کے معنی کی صحت اسی سے ہوتی ہے اس لئے کہ ذکر کا جو اثر ہے یعنی یقین قلبی اور طمانیت اس کا حصول اسی ذکر قلبی سے ہوتا ہے جس کا دوسرا نام فکر ہے۔

امام رازیؒ کی اس تفسیر سے بڑی بصیرت ہوئی وہ یہ کہ ذکر کے متعلق تفصیلی معلومات ہوگئیں کہ مطلق ذکر کی بہت سی انواع ہیں ان سب پر ذکر کا اطلاق ہوتا ہے گو ان چیزوں میں سے بعض زبان کا وظیفہ ہیں بعض دیگر جوارح کا اور بعض قلب کا کیونکہ اس میں جملہ طاعات کو بھی ذکر کہا گیا ہے اور ثنا وتعظیم کے طور پر زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے آیات اور اسکی قدرت میں فکر کرنے کو بھی ذکر کہا گیا ہے اور اس آخری قسم کو سب سے افضل اس لئے کہا ہے کہ یہ قلب کا وظیفہ ہے اور قلب امیر البدن اور رئیس الجوارح ہے اور امیر کی صلاح سے رعیت کی صلاح وابستہ ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

ذکر قلبی افضل الذکر ہے

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (بخاری شریف)

یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو سارا بدن فاسد ہو جاتا ہے اور سن لو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا انسان کا قلب ہے۔

اس کے تحت صاحبِ فتح الباری لکھتے ہیں:

وَخُصَّ الْقَلْبُ بِذَالِكَ لِأَنَّهُ أَمِيرُ الْبَدَنِ وَبِصَلَاحِ الْأَمِيرِ تَصْلُحُ الرَّعِيَّةُ وَبِفَسَادِهِ تَفْسُدُ وَفِيهِ تَنْبِيهٌ عَلَى تَعْظِيمِ قَدْرِ الْقَلْبِ وَالْحَثُّ عَلَى صَلَاحِهِ وَالْمُرَادُ الْمُتَعَلِّقُ مِنَ الْفَهْمِ الَّذِي رَكَّبَهُ اللّٰهُ فِيهِ (فتح الباری ط۹۶ ج ۱)

یعنی قلب کو اس مرتبہ کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ وہ امیر البدن ہے اور امیر کی صلاح سے رعیت کی صلاح وابستہ ہوتی ہے آگے صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قدر قلب کی تعظیم پر تنبیہ ہے یعنی انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو قلب عطا فرمایا ہے تم اس کی قدر کرو اور اسے کوئی معمولی چیز نہ سمجھو بلکہ یہ بہت عظیم المرتبت چیز ہے اور جوارح کی اصل اور ان کا امیر ہے اس لئے اس کی صلاح کی فکر کرو باقی مراد یہاں قلب سے قلب کی وہ فہم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس میں ودلیعت فرمایا ہے۔

پس قلب چونکہ تمام اعضاء کا سردار ہے اس لئے اس کا وظیفہ یعنی ذکر جس کا دوسرا نام ذکر قلبی بھی ہے جملہ انواع اذکار سے بڑھا ہوا ہے اور ان کا منتہا ہے اور ذکر کا جو حقیقی اثر ہے یعنی یقین قلبی اور طمانینت وہ اسی ذکر قلبی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے حضرت جصاص رازیؒ نے اس کو اصل اور مبنیٰ اور دیگر انواع اذکار کو اس کا تابع فرمایا ہے۔

الغرض جب ذکر ان تمام انواع کو شامل ہے اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عام تشریع فرما رہے ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ یہاں بھی ذکر سے اس کے عام معنی مراد ہیں جو ذکر لسانی کو بھی شامل ہے اور ذکر قلبی اگرچہ درجہ میں اس سے بڑھا ہوا ہے لیکن ذکر لسانی بھی کچھ کم چیز نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اس کو درمیان سے مطلقاً ساقط کر دیا ہے نصوص اور تصریحات علماء محققین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

(اور یہ بالکل ظاہر بات بھی ہے کیونکہ ذکر لسانی جبکہ اس ادراک درمیا دہے ذکر قلبی کی اور اسکے حصول کا ذریعہ ہے تو ذکر کے مفہوم سے وہ خارج کیونکر ہو جائیگا۔ ذکر کا فرد تو وہ بھی ہے لیکن اصل اور اعلیٰ فرد اس کا بہر حال ذکر قلبی ہے جس طرح

ہے کہ بنیاد اور دیواریں بھی جزو مکان تو ہیں مگر اصل مکان تو اندر اور اوپر ہی کا حصہ کہلاتا ہے جس کا تعلق رہائش سے ہوتا ہے)

چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی اپنے ایک مکتوب میں کسی طالب کو تحریر فرماتے ہیں کہ ذکر ایسی شے ہے کہ اگر اس کو کرتا رہے اگرچہ بہوشی خاطر اور پریشانی تعلقات میں محض تحریک لسانی ہو نافع اور موجب نورانیت قلب کے ہوتا ہے... یہ محض لسانی غفلت کا ذکر کشاں کشاں قلب تک پہونچا دیتا ہے۔ عضو لسان اگر جنت میں جائیگا تو کیا دیگر اعضا محل نار ہو سکتے ہیں، ذکر وہ شے ہے کہ اگر کسی جزو انسانی سے متصل ہو ویگا تمام جسد کو اپنی طرف کھینچ لیوے گا۔

نیز صاحب فتح الباری تصریح فرماتے ہیں کہ مومن کی لسان پر دوزخ کی آگ کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ ناطق بالتوحید رہ چکی ہے۔ اب اس سے بڑھ کر ذکر لسانی کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذکر لسانی بھی معتبر ہے اور ذکر تو حقیقۃً لسان ہی کا وظیفہ ہے اور قلب سے جو ذکر ہوتا ہے اس کا نام فکر ہے۔ لیکن احکام القرآن سے ابھی جو ذکر لسانی کے معنی میں نے بتائے اس میں اتنی قید ضرور ہے کہ زبان سے جو ذکر کیا جائے وہ علی وجہ التعظیم والثناء ہو یا علی وجہ الشکر والاعتراف ہو اس لئے کہ فقدان تعظیم نام خدا کو علماء نے عبادت کے لئے مخل قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم کو لا علی وجہ الخشوع و لا علی وجہ التعظیم لینے سے بچانے کو واجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا دہلوی نے صراط مستقیم میں جو بیان فرمایا ہے وہ بہت ہی عمدہ کلام ہے۔ ذکر لسانی کی فضیلت پر میں نے اس سے بہتر کلام نہیں دیکھا یہاں اس کو نقل کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ:-

از عمدہ مخلات عبادت فقدان محبت و تعظیم نام خداست ہر چند ہر شخص را محبت و تعظیم نام خدا می باشد اما بہ حدیکہ موجب کامیابی شود و بوضعیکہ اکابر دین را بود نمی باشد۔ (صراط مستقیم ص ۱۸)

یعنی عبادت کے لئے سب سے بڑا مخل جو امر ہے وہ حق تعالیٰ کے نام مبارک کی تعظیم اور محبت سے قلب عابد (ذاکر) کا خالی ہونا ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور عظمت سے کوئی بھی انسان خالی نہیں ہے مگر اتنی محبت جو کہ موجب کامیابی بن جائے اور ایسی محبت جیسی اکابر دین کو تھی سب کے اندر نہیں ہوتی۔

حاصل یہ کہ ذکر و عبادت سے انسان کا جو مقصود ہوگا اور جس درجہ کی اس میں نیت کریگا اسی درجہ کی تعظیم اور محبت حق تعالیٰ کی اس کے قلب میں پیدا ہوگی اور اس باب میں لوگوں کے مدارج مختلف ہیں اس لئے کہ

اغراض مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کی دنیوی ہوتی ہیں بعض کی دینی ہوتی ہیں۔ پھر ان دونوں میں مراتب بیشمار ہیں اس کے بعد چند دینی و دنیوی اغراض بیان کرکے آخر میں فرماتے ہیں کہ:۔

پس بہترین نیات و اغراض در محبت و تعظیم نام پاک وے رضاجوئی وے است بنا مش جز رضائے وے ہیچ نخواہد و ہیچ مطلبے دینوی و اخروی اجرت خود نداند بلکہ کمال انعام جلیل القدر کہ مقابل آں ہیچ نعمت دنیا و آخرت نتواند شد ہمین است کہ توفیق و قوت ذکر نام پاک او یافت ہمیں انعام را بشرح وبسط تمام کہ صرف بقوت و توفیق اوست فہمیدہ در دل خود جا دادہ از تہ دل شاداں و ممنون احسان ایزدی باشد۔ (صراط مستقیم ص۹۳)

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک لیتے وقت سب سے عمدہ نیت اور بہترین غرض محبت اور تعظیم کے باب میں بس ان کی رضاجوئی کا خیال رکھنا ہے یعنی خدا کا نام لے کر اس کے ذریعہ بجز اس کی رضا اور خوشنودی کے اور کچھ نہ طلب کرے۔ (سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے کہ ؎

خلاف طریقت بود کا ولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

یعنی طریقت کے خلاف یہ بات ہے کہ اولیا اللہ تعالیٰ سے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ چاہیں) اور دنیا و آخرت کی کسی حاجت کو اپنے ذکر و طاعت کا صلہ نہ جانے بلکہ سب سے بڑا انعام گرانقدر جس کے مقابلہ میں دنیا و آخرت کی کوئی دوسری نعمت نہیں ہوسکتی اسی کو سمجھے کہ اس نے اپنے نام پاک کے لینے کی توفیق اور قوت عطا فرمائی۔ پس حق تعالیٰ کے اسی انعام کو جو کہ محض ان ہی کی توفیق اور قوت دینے سے حاصل ہوا ہے۔ جس قدر شرح و بسط کے ساتھ چاہیں سمجھ لیں اور اپنے دل میں اس کو جگہ دے کر بصمیم قلب مولیٰ تعالیٰ کے احسان کے ممنون ہوں اور اسکے انعام پر شاداں و فرحاں رہیں آگے اس شرح و بسط کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

شرح و بسط کے ساتھ قلب میں مستحضر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ذاکر پہلے ذکر کے مبادی و اسباب میں غور کرے کہ یہ سب چیزیں خدائے تعالیٰ ہی کا عطیہ ہیں۔ یعنی اس کے تمام جوارح جن میں لسان و قلب بھی داخل ہے اسی طرح سے

حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ غرض جن جن اُمور کو ذکر میں دخل ہے وہ سب خدائی انعام عام ہیں اور آخر میں توفیق ذکر جو کہ خواص بندگان پر حق تعالیٰ کا خاص انعام ہوتا ہے وہ بھی ادھر ہی سے ہوا کرتی ہے۔ (ان سب امور میں غور کرے اگر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھ کر مزید شکر کا داعیہ پیدا ہو اور مزید توفیق حاصل ہو)۔

کیونکہ کسی کی جانب سے انعام دیکھ کر اسکا ممنون احسان ہونا اور اس کا شکر ادا کرنا ایک فطری امر ہے اور شکر میں لسان یا قلب کی تخصیص نہیں ہے بلکہ انسان جب کسی کو اپنا محسن سمجھ لیتا ہے تو اسکا ہر بن مو اپنے محسن کا شکر گذار ہو جاتا ہے۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے خوب ادا کیا ہے کہتا ہے کہ ؎

اَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءُ مِنِّي ثَلَاثَةً
يَدِي وَلِسَانِي وَالضَّمِيرَ الْمُحَجَّبَا

یعنی فائدہ پہونچایا تم کو تمہارے انعامات نے میری جانب سے تین چیزوں کا میرے ہاتھ کا میری زبان کا اور میرے مخفی قلب کا یعنی اس کی وجہ سے میں ہاتھ سے بھی تمہارا شکر ادا کر رہا ہوں اور میری زبان بھی شکر گذار ہے اور میرا قلب بھی ادائے شکر میں مصروف ہے۔ پس اپنے انعام کرنے کی وجہ سے آپ نے گویا مجھے ہی خرید لیا اور اب میرے تمام اعضاء میرے نہیں رہے بلکہ آپکے ہو گئے۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ ادائے شکر کا ایک ذریعہ زبان بھی ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ شکر کے سارے طریقوں سے زبان کا شکر زیادہ ظاہر ہے کیونکہ ہاتھ کی حرکت میں دوسرے احتمالات بھی ہو سکتے ہیں اور قلب کا فعل دوسرے کو نظر نہیں آتا البتہ زبان سے جو شکر ادا کیا جاتا ہے وہ نہایت واضح ہوتا ہے اور اس کی دلالت اپنے معنی پر مطابقی ہوتی ہے۔ پس جب مخلوق کا شکر ادا کرنے میں زبان کا یہ مقام ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اگر کوئی ذکر لسانی کرے تو وہ کیوں غیر معتبر ہوگا ہاں بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے جیسا کہ احکام القرآن میں ہے کہ وہ ذکر لسانی علی وجہ التعظیم والثناء اور ذکر علی وجہ الشکر والاعتراف والخشوع ہو اور یہ داعیہ پیدا ہوگا مبادی واسباب میں غور کرنے سے۔ یعنی یہ کہ انعام عام یعنی درستگی حواس ظاہرہ و باطنہ اور انعام خاص یعنی توفیق یہ سب خدا تعالےٰ

کی طرف سے ہے اگر ان کی توفیق شامل حال نہ ہو تو قلب و زبان فہم و دانش سب رکھی رہ جائے گی چنانچہ آگے فرماتے ہیں کہ :۔

بسا شخص است کہ ہمہ اعضاء و قویٰ و دل و زبان و فہم و دانش او درست باشد و ہزار ہا تقاریر دنیوی و افکار معاشی بر زبان و دل او می گذرد و ہمتیکہ ارادہ ذکر زبانی یا فکر قلبی کردہ توجہ بخدائے تعالیٰ نماید ثقلے در زبان و وہمے در دلش پدید می آید کہ ہرگز بذکر و فکر نمی آید۔ (صراط مستقیم ص۸۳)

چنانچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کے تمام اعضاء و قویٰ دل و زبان فہم و دانش یہ سب چیزیں ٹھیک ہوتی ہیں اور دنیوی ہزاروں تقریریں اور امور معاش کی سیکڑوں اسکیمیں ان کے قلب و زبان پر رہتی ہیں لیکن ذکر زبانی یا فکر قلبی کے ذریعہ خدائے تعالیٰ کی جانب توجہ کرنے کا جب ارادہ کرتے ہیں تو زبان میں ثقل اور دل میں اِدھر اُدھر کے خیالات کچھ اس طرح سے مسلط ہو جاتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے وہ ذکر و فکر پر قادر ہی نہیں ہوتے۔ یعنی ذکر کی توفیق ہی سلب کر لی جاتی ہے اس لئے ہزار فہم و دانش اور صحت و قوت کے باوجود زبان پر اللہ کا نام نہیں آتا۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے صرف زبان ہی پر اللہ تعالیٰ کا نام آجائے تو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ اُدھر سے توفیق ہوئی ہے اس لئے یہ ذکر لسانی بھی کچھ چیز نہ ہوئی جیسا کہ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ :۔

وبالجملہ صرف جریان نام خدا بر زبانِ انسان نعمتے است عظیم ہمیں انعام را بہترین انعامات دانستہ از طلب جزائے ثواب دیگر اغماض نماید باین وجہ تعظیم و محبت اصل و بنیاد ہمہ کمال است۔ (صراط مستقیم ص۸۳)

حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے نام مبارک کا صرف انسان کی زبان پر جاری ہو جانا ہی بہت بڑی نعمت ہے۔ بس اس نعمت کو اور دوسری تمام نعمتوں سے بہتر سمجھتے ہوئے کسی اور ثواب و جزا کی خواہش اور طلب سے چشم پوشی اختیار کرنی چاہیے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی تعظیم و محبت جملہ کمالات کی اصل اور بنیاد ہے اسی لئے علامہ جصاص رازیؒ نے ذکر لسانی میں علیٰ وجہ التعظیم والثناء کی قید لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح سے زبان سے یاد کرنا کہ قلب خشوع اور تعظیم سے بھی خالی ہو۔ نفس میں

اس پر کبیر آئی ہے جیسا کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی کی تفسیر میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ :۔

صَوْنُهٗ عَنِ الْاِبْتِذَالِ وَالتَّلَفُّظِ فِیْ مَحَلٍّ لَا یَلِیْقُ بِهٖ كَالْخَلَاءِ وَحَالَةِ التَّغَوُّطِ وَذِكْرِهٖ لَا عَلٰی وَجْهِ الْخُشُوْعِ وَالتَّعْظِیْمِ۔

(روح المعانی ص۱۰۶ ج ۳۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو بے وقعت ہونے سے بچاؤ اور ایسے محل میں اس کا نام لینے سے بچاؤ جو اس کے شایانِ شان نہ ہو مثلاً پیشاب پاخانہ کے وقت اسی طرح سے اس کے نام پاک کو لا علی وجہ الخشوع ولا علی وجہ التعظیم لینے سے بھی بچاؤ۔

صاحب روح المعانی کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ سبح اسم ربک میں لفظ اسم مقحم (یعنی زائد) نہیں ہے بلکہ اسم رب کی بھی تعظیم کرنا اور نامناسب اُمور سے اس کی صیانت وحفاظت واجب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اسم رب الفاظ ہی کے قبیل سے ہے اس لئے یہاں مطلب یہی ہے کہ انکا ذکر لسان پر بھی جولاؤ تو عظمت وخشوع کے ساتھ لاؤ۔

اس مقام پر صاحب روح المعانی نے قدرے طویل کلام کیا ہے لیکن اچھا کلام کیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین بھی اس سے مستفید ہوں اس لئے اس کو نقل کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ :۔

(سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی) اَیْ نَزِّهْ اَسْمَاءَهٗ عَزَّ وَجَلَّ عَمَّا لَا یَلِیْقُ فَلَا تُؤَوِّلْ مِمَّا وَرَدَ مِنْهَا اسْمًا مِنْ غَیْرِ مُقْتَضٍ وَلَا تُبْقِهٖ عَلٰی ظَاهِرِهٖ اِذَا كَانَ مَا وُضِعَ لَهٗ مِمَّا لَا یَصِحُّ لَهٗ تَعَالٰی وَلَا تُطْلِقْهُ عَلٰی غَیْرِهٖ سُبْحَانَهٗ اَصْلًا اِذَا كَانَ مُخْتَصًّا كَالْاِسْمِ الْجَلِیْلِ اَوْ عَلٰی وَجْهٍ یُشْعِرُ بِاَنَّهٗ تَعَالٰی وَالْغَیْرُ فِیْهِ سَوَاءٌ اِذَا لَمْ یَكُنْ مُخْتَصًّا فَلَا تَقُلْ لِمَنْ اَعْطَاكَ شَیْئًا مَثَلًا هٰذَا رَازِقِیْ عَلٰی وَجْهٍ یُشْعِرُ بِذٰلِكَ

وَصَوْنُهٗ عَنِ الْاِبْتِذَالِ وَالتَّلَفُّظِ بِهٖ فِیْ مَحَلٍّ لَا یَلِیْقُ بِهٖ كَالْخَلَاءِ وَحَالَةِ التَّغَوُّطِ۔

[illegible]

وَذِکْرُہٗ لَا عَلٰی وَجْہِ الْخُشُوْعِ وَالتَّعْظِیْمِ وَرُبَّمَا یُعَدُّ مِمَّا لَا یَلِیْقُ ذِکْرُہٗ عَنْ مَنْ یَکْرَہُ سَمَاعُہٗ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ اِلَیْہِ۔

وَعَنِ الْاِمَامِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا لَمْ یَجِدْ مَا یُعْطِی السَّائِلَ یَقُوْلُ مَا عِنْدِیْ مَا اُعْطِیْکَ اَوْ اُسْتَلْنِیْ فِیْ وَقْتٍ آخَرَ اَوْ نَحْوُ ذَالِکَ۔

وَلَا یَقُوْلُ نَحْوَ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ یَرْزُقُکَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَوْ یَبْعَثُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَکَ اَوْ یُعْطِیْکَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَوْ نَحْوَہٗ۔

فَسُئِلَ عَنْ ذَالِکَ فَقَالَ اِنَّ السَّائِلَ اَثْقَلُ شَیْءٍ عَلٰی سَمْعِہٖ وَاَبْغَضُہٗ اِلَیْہِ قَوْلُ الْمَسْئُوْلِ لَہٗ مَا یُفِیْدُہٗ رَدَّہٗ وَحِرْمَانَہٗ وَاَنَا اُجِلُّ اِسْمَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ اَنْ اَذْکُرَہٗ لِمَنْ یَکْرَہُ سَمَاعَہٗ وَلَوْ فِیْ ضِمْنِ جُمْلَۃٍ وَھٰذَا مِنْہُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ غَایَۃٌ فِی الْوَرَعِ۔

(روح المعانی صـ۱۰۲ پ ۳۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی یعنی آپ اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء کو اُن امور سے جو اُنکے شایان شان نہیں ہیں منزہ رکھئے مثلاً جو نام اللہ تعالیٰ کے شرع میں آئے ہیں ان کو اُن کے ظاہر سے بلا وجہ مت پھیریئے یا اگر کوئی ایسا نام اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جاتا ہو کہ اُس کے ظاہر کا اطلاق حق تعالیٰ کے لئے شرعاً درست نہ ہو تو آپ اس کو اُس کے ظاہر پر نہ رکھئے بلکہ اُس میں تاویل کر لیجئے اسی طرح سے اگر حق تعالیٰ کا کوئی مخصوص نام ہو جیسے اللہ تو اس کو غیر اللہ پر ہرگز نہ بولئے یا اگر خاص نہ ہو تو ایسے طور پر اسکا اطلاق نہ کیجئے جس سے شبہ ہو کہ شاید اللہ تعالیٰ اور وہ غیر دونوں اس وصف میں معاذ اللہ برابر ہیں۔ مثلاً اگر کسی نے تم کو کوئی چیز دی تو اُس کے متعلق یہ مت کہو کہ یہ میرا رازق ہے کیونکہ رازق تو حقیقتاً خدا ہے اس لئے اس کہنے میں شرک کا ایہام ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام کو بے وقعت ہونے سے بھی بچاؤ اور ایسے مقامات پر اسکا تلفظ نہ کرو جو اُس کے لئے مناسب نہیں ہے۔ مثلاً بیت الخلاء یا وقت قضاء

اللہ تعالیٰ کے اسماء کو انکے ظاہر سے نہ پھیرے

اللہ تعالیٰ کا مخصوص نام غیر اللہ پر نہ بولے

وغیرہ. یعنی پیشاب پاخانہ کرتے میں یا پیشاب خانے اور پاخانے میں بھی اس کا نام مت لو۔
اسی طرح سے خود کو اس سے بھی بچاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا نام بدون خشوع اور تعظیم کے لو اور تنزیہ میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ایسے شخص کے سامنے بلاضرورت نہ لیا جائے جو کہ اُسکا سننا پسند نہ کرتا ہو جیسا کہ امام مالکؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ اُنکے پاس جب سائل کے دینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہوتی تھی تو اُس سے یوں فرماتے کہ بھائی اس وقت تم کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے. یا کبھی یوں فرماتے کہ جاؤ کسی دوسرے وقت آنا یا اس کے مثل کچھ اور فرما دیتے. باقی جیسا کہ عام لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ایسے موقعہ پر جواب میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ جاؤ بھائی اللہ تم کو روزی دے یا یہ کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حصہ بھیجیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیں یا اس کے مثل کوئی اور کلمہ امام مالک صاحبؒ نہ فرماتے۔
کسی نے آپ سے پوچھا کہ حضرت آپ کا جواب عام لوگوں کے جواب سے مختلف کیوں ہوتا ہے. فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ سائل کے کانوں پر سب سے زیادہ شاق اور انتہائی ناپسند یدہ لوگوں کا وہ جواب ہوتا ہے جس میں اس کا رد اور حرماں ہو تو بھائی میں تو اللہ تعالیٰ کے نام کو اس سے کہیں اعلیٰ اور ارفع سمجھتا ہوں کہ اس کو کسی شخص کے ساتھ ایسے کلام میں استعمال کروں جس کا سننا بھی اُسے ناگوار ہو. اگرچہ یہ نام جملہ کے ضمن ہی میں کیوں نہ آجائے۔

(روح المعانی صہ ۱۰۲ جلد ۳۰)

سبحان اللہ یہ امام مالک صاحب کا ادب تھا اور انکا اعلیٰ درجہ کا ورع تھا۔
دیکھئے صاحب روح المعانی نے اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کی کیسی کیسی صورتیں بیان فرمائی ہیں اور امام مالک کے واقعہ سے تو حیرت ہی ہوتی ہے. سبحان اللہ یہ حضرات کس درجہ اللہ تعالیٰ کی عظمت پیش نظر رکھتے تھے یہی وہ ادب تھا جس نے ان حضرات کے مراتب کو دارین میں چمکایا۔
میں کہتا ہوں کہ امام مالکؒ کا تو کہنا ہی کیا وہ تو امام المتقین تھے ہی اللہ تعالیٰ کے نام کی جیسی کچھ بھی عظمت فرمائیں انکا حق ہے. ایک نحوی کا بھی قصہ مشہور ہے کہ لفظ اللہ میں جو مشہور اختلافات ہیں یعنی یہ کہ آیا یہ مشتق ہے یا غیر مشتق ہے اور اس کی یہ اصل ہے یا وہ اصل ہے. اس کو سُن کر اُس نے کہا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ لفظ اللہ علم ذات باری ہے اور جس طرح سے کہ اس کی ذات تبدل اور تغیر سے منزہ ہے اسی طرح سے اسکا اسم بھی مثل اسم سے تغیر اور تبدل سے پاک ہے. چنانچہ اُس کے انتقال کے بعد کسی نے اسکو خواب

میں دیکھا پوچھا کیا معاملہ ہوا۔ کہا میں نے یہ جو کہا تھا کہ لفظ اللہ مستقل ہے تغیر و تبدل سے بے نیاز ہے جس طرح سے کہ اس کی ذات منزہ ہے بس یہی بات حق تعالیٰ کو پسند آگئی۔ حکم ہوا کہ جاؤ تمھارے اس ادب اور تعظیم کے صلہ میں تم کو بخش دیا۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ کے محض اسم کی تعظیم اور لفظ کے ادب کا اس کو یہ صلہ ملا۔ جس سے تعظیم کی اہمیت معلوم ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا کس طرح سے بدون عظمت و خشوع کے مقبول ہوگا۔ ذاکرین کے لئے یہ واقعہ تازیانۂ عبرت ہے۔ ذکر خواہ لسان ہی سے ہو قلب کی اتنی شرکت تو بہرحال اس میں ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کا نام خشوع اور تعظیم کے ساتھ لیا جائے اور خشوع و تعظیم قلب کی کیفیت کا نام ہے۔ اس طرح پر دونوں عضو ذکر میں شریک ہو جائیں گے۔ باقی قلب کی شرکت کے یہ معنی نہیں کہ قلب سے کوئی آواز آنے لگے۔ بس تنہا ذکر لسانی وہ معتبر نہیں ہے جس میں قلب کی مطلقاً شرکت نہ ہو بلکہ ظاہر کے خلاف قلب کے اندر موجود جیسے کافر یا منافق کلمے کا اجرا اپنی زبان سے کرتا ہے اور دل میں اس کے بالکل خلاف یا انکار لئے رہتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں۔

چنانچہ بخاری کی حدیث شریف میں جو یہ آتا ہے کہ مَا مِنْ اَحَدٍ یَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔

یعنی کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ صدق دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ پر حرام فرما دینگے۔ تو اس میں صدقاً کی تشریح کرتے ہوئے صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ فِيْهِ اِحْتِرَازٌ مِّنْ شَهَادَةِ الْمُنَافِقِ یعنی صدقاً من قلبہ کی قید لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کے اقرار سے احتراز فرمایا یعنی اسکا محض لسانی اقرار کافی نہیں ہے اس لئے کہ اس کے قلب میں انکار موجود ہوتا ہے اور مومن کا قلب چونکہ مصدق ہوتا ہے اس لئے اسکا تنہا اقرار لسانی اُس کے قلب کے خلاف نہیں ہوتا اس لئے وہ معتبر ہے کیونکہ اس کی غفلت کافر و منافق کی طرح نہیں ہوتی۔

حدیث میں صدقاً من قلبہ، اقرار منافق سے احتراز کے لئے ہے

یہاں اس موقعہ پر صاحب فتح الباری نے ایک اشکال نقل کیا ہے اور پھر اُس کے متعدد جوابات دئے ہیں۔ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تصدیق قلبی کے ساتھ کہہ لیگا اللہ تعالیٰ اُس پر نار جہنم حرام فرما دیں گے۔ لیکن اہل سنت

والجماعت کے نزدیک دلائل قطعیہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گنہگا مومنین کو عذاب ہوگا پھر اس کے بعد شفاعت کے ذریعہ وہ لوگ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ ان دونوں باتوں میں صریح تعارض معلوم ہوتا ہے۔

آگے خود صاحب فتح الباری نے اسکے بہت سے جوابات نقل فرمائے ہیں:۔

(۱) منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ یہاں ایک قید اور شرط محذوف ہے یعنی جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا بشرطیکہ اعمال صالحہ بھی اختیار کرے۔

(۲) دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جس نے اپنے سابق دین سے توبہ کرتے ہوئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اور پھر اُسی حالت میں اسکا انتقال ہوگیا وہ جنت میں جائے گا۔

(۳) اور ایک جواب یہ دیا ہے کہ یہ فرائض اور احکام کے نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

(۴) اور ایک جواب یہ دیا ہے کہ یہ غالب حالات کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے کیونکہ ایک موحد کا غالب حال یہی ہوتا ہے کہ وہ طاعت پر عمل کریگا اور معصیت سے اجتناب کریگا۔

(۵) اور ایک جواب یہ دیا ہے کہ دوزخ پر حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسکا خلود حرام ہوگا۔ یعنی خلود کی نفی ہے دخول کی نہیں پس ہوسکتا ہے کہ کوئی گنہگار کلمہ گو کفارۂ سیئات کے لئے نار میں داخل کیا جائے اور پھر تطہیر کے بعد جنت میں داخل کردیا جائے۔

(۶) اور ایک جواب یہ دیا ہے کہ جہنم کے کئی طبقے ہیں ایک طبقہ عُصاۃ مُومنین کے لئے ہے اور ایک طبقہ کافرین کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ پس یہاں تحریم نار سے مراد نار کا وہ طبقہ ہے جو کفار کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ وہ قائل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر حرام ہوگا۔

(۷) ایک جواب یہ دیا ہے کہ مراد نار پر حرام ہونے سے اُس کا فی الجملہ حرام ہونا ہے یعنی اس کلمہ کے قائل کا پورا جسم نہیں بلکہ فی الجملہ جسم حرام ہوگا کیونکہ اُس کے بعض اعضا نار پر حرام ہونگے۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ سارا ہی جسم حرام ہو چنانچہ یہ ثابت ہے کہ آگ مومن کے اعضاء سجود کو نہیں کھائے گی جیسا کہ حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح سے اس کی زبان بھی جلنے سے محفوظ رہیگی کیونکہ وہ دنیا میں ناطق بالتوحید رہ چکی ہے۔

حدیث شریف میں شفاعت کے بیان میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ دوزخ میں ایسے ہونگے کہ آگ اُنکے

اعضاء سجود اور زبان پر کچھ اثر نہ کرے گی اور ان کے یہ اعضاء چمکتے ہونگے اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پہچان لیں گے اور انکی سفارش فرمائیں گے۔ پس اس حدیث میں لسان کے متعلق جو یہ معلوم ہوا کہ وہ جلنے سے مستثنیٰ ہوگی تو یہ اثر ذکر لسانی ہی کا تو ہوا اب اس سے بڑھ کر ذکر لسانی کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

بہرحال ذکر لسانی بھی معتبر ہے اور حق تعالیٰ کا اسم پاک زبان پر آجانا ہی بڑی دولت ہے اسکے مقابلہ میں دوسری نعمتیں ہیچ ہیں اس کے ہوتے ہوئے کسی اور شے کی جانب توجہ کرنا ظلم ہے چنانچہ خواص کا یہی حال ہوتا ہے اس وقت اسی حالت کا غلبہ ہوتا تھا جو آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت رابعہ بصریہؒ ایک مرتبہ ایک ہاتھ میں آگ لئے اور دوسرے میں پانی لئے چلی جارہی تھیں کسی نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کہاں جارہی ہیں اور یہ آگ و پانی کیسا ہے۔ فرمایا کہ جارہی ہوں دوزخ کو بجھانے اور جنت کو آگ لگانے اس لئے کہ لوگ میرے پروردگار کی عبادت جنت اور دوزخ کی وجہ سے کرتے ہیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ اسکے قصہ ہی کو ختم کردوں ؎

يَعْبُدُوْنَ اللهَ خَوْفًا مِّنْ لَظٰى ۔۔۔ فَلَظٰى قَدْ عَبَدُوْا لَا رَبَّنَا

وَلِدَارِ الْخُلْدِ صَلَّوْا لَا لَهٗ ۔۔۔ شِبْهَ قَوْمٍ يَّعْبُدُوْنَ الْوَثَنَا

یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں دوزخ کے ڈر سے یہ تو دوزخ کی پرستش ہوئی میرے رب کی تو عبادت نہیں ہوئی اور حصول جنت کی خاطر نماز پڑھتے ہیں خدا کے لئے نہیں یہ تو ایسا ہوا جیسے کوئی قوم بت پرستی کرے یعنی غیر اللہ کو اپنا مقصود بنائے۔

غرض بزرگان دین تو یہ لکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صرف نام انسان کی زبان پر جاری ہوجانا نعمت عظیمہ ہے تو یہ ذکر لسانی ہی کے بارے میں فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کو محض زبان پر آجانے کی قدر نکو کرار رہے ہیں۔

آپ سے کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں ذکر کے متعلق صاف آتا ہے کہ یہ لسان کی صفت ہے۔ سنئے:-

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ

وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِہٖ نَزَلَتْ فِی الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ لَوْعَلِمْنَا اَیُّ الْمَالِ خَیْرٌ فَنَتَّخِذَہٗ فَقَالَ اَفْضَلُہٗ لِسَانٌ ذَاکِرٌ وَقَلْبٌ شَاکِرٌ وَزَوْجَۃٌ مُؤْمِنَۃٌ تُعِیْنُہٗ عَلٰی اِیْمَانِہٖ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۱۶۹)

حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ نازل ہوئی تو اس کے بعد ہم ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ سونے اور چاندی کے بارے میں تو یہ آیت نازل ہوگئی جس سے ہم نے اُنکا حکم اور انکی مذمت کو تو پہچان لیا لیکن اگر کاش ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ بہترین مال کونسا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل مال لسان ذاکر اور قلب شاکر اور وہ مومنہ بیوی ہے جو اس کے دین پر اسکی معین ہو یعنی انسان کو نماز روزہ یاد دلاوے اور عبادات وخیرات کی ترغیب دے اور زنا اور جملہ محرمات سے اس کو باز رکھے۔

صاحب مرقاۃ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ طیبی کے سامنے جو نسخہ تھا اُس میں قلب شاکر لسان ذاکر پر مقدم آیا ہے چنانچہ طیبی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قلب شاکر کے افضل مال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ سے مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ کو مستثنیٰ فرمایا ہے اور قلب جب آفات سے سالم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے پس وہ شکر زبان کی طرف سرایت کر جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ حمد وثنا کرتا ہے اور یہ سب اُمور بدون فراغ قلب اور معاونت رفیق کے حاصل نہیں ہوتے اس لئے تیسری چیز زوجہ مومنہ تعینہ علی ایمانہ کو فرمادیا۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ اور جس نسخہ میں لسان ذاکر مقدم ہے وہاں یوں تقریر کی جائیگی کہ جب انسان زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریگا تو یہ زبان ہی تک محدود نہیں رہیگا بلکہ قلب میں بھی سرایت کر جائے گا پس بندہ اللہ تعالیٰ کے احسان پر شکر ادا کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مونس مقرر فرمادیں گے جو اس کے ایمان پر اس کی اعانت کرتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہی مریدین کا طریقہ ہے اور اکثر سالکین کا مسلک ہے اور طیبی نے جو بیان کیا ہے وہ مرادین اور اہل جذب کا طریقہ ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ اور فرمایا ہے کہ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔

خیر الاموال لسان ذاکر اور قلب شاکر

علامہ طیبی کی شرح

صاحب مرقات کی شرح

[illegible]

بہرحال مجھے اس حدیث سے یہاں صرف یہی بیان کرنا تھا کہ دیکھئے یہاں ذکر کو لسان کا وظیفہ قرار دیا ہے اور قلب کا وظیفہ فکر کو قرار دیا ہے اور ذاکر حقیقتاً لسان ہی ہوتی ہے پس ذکر لسانی کو کس طرح درمیان سے ساقط کیا جاسکتا ہے خاص کر جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امر کی تشریع فرما رہے ہیں اور زیادہ لوگ ایسے ہی ہیں جن کے ذکر کی ابتدا لسان ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ صاحب مرقاۃ نے فرمایا ہے کہ قلبی ذکر والے بہت کم ہیں وقلیل ماھم اور سنئے۔

حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ أَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ اور ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ کہہ لوں یہ مجھے ان تمام اشیاء سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج نکلتا ہے۔ دیکھئے پہلی دونوں روایات میں کلام کا لفظ اختیار فرمایا اور آخری روایت میں قول کا لفظ لائے ہیں

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضل و ثواب ذکر لسانی ہی کا بیان فرمانا مقصود ہے کیونکہ کلام بھی زبان سے کیا جاتا ہے اور قول بھی زبان ہی کے فعل کا نام ہے۔

اسی طرح سے ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے صبح کے وقت اور شام کے وقت سبحان اللہ وبحمدہ سو سو مرتبہ کہہ لیا تو قیامت میں اس سے افضل عمل کسی کا نہ ہوگا۔ بجز اس شخص کے جس نے اتنے ہی بار یا اس سے زیادہ اس کلمہ کو کہا ہوگا۔

دیکھئے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کے پڑھنے کی تعداد بیان فرمائی اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تعداد الفاظ و لسان ہی کے اعتبار سے ہوتی ہے قلبی یاد کو عدد اور تعداد سے کیا تعلق۔

الغرض احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر کی ترغیب اور فضائل بیان کرتے ہوئے اعداد کا بھی لحاظ رکھا ہے جو اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ انکو لسان سے

افضل الکلام اربع

اذکار کی تعداد کی لسان ہی کا وظیفہ ہے

ادا کرنا بھی مطلوب ہے۔ پھر اب ان تصریحات کے بعد ذکر لسانی کی مشروعیت اور اس کی مطلوبیت بلکہ محبوبیت میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

اور سنیئے۔

حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گذرا کرو تو وہاں چر لیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ ذکر اور مکان ذکر مطلق بیان کیا گیا ہے اور مراد اس سے وہی ہے جو دوسری روایت میں آیا ہے وہ یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ریاض جنت سے گذرو تو چر لو میں نے عرض کیا کہ ریاض جنت کونسی جگہ ہے آپ نے فرمایا کہ مساجد۔ پھر میں نے عرض کیا کہ وہاں چرنے سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہی سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ کہنا۔

دیکھئے اس حدیث میں بھی ان کلمات کو زبان سے کہنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے پھر ذکر لسانی کو لغو و بیکار کیسے کہہ سکتے ہیں۔

صاحب مرقاۃ نے اس کے تحت علامہ نوویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح سے ذکر مستحب ہے اسی طرح سے ذاکرین کے حلقے میں بیٹھنا بھی مستحب ہے۔ آگے ذکر کی قدرے توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

وَهُوَ قَدْ يَكُوْنُ بِالْقَلْبِ وَقَدْ يَكُوْنُ بِاللِّسَانِ جَمِيْعًا فَاِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى اَحَدِهِمَا فَالْقَلْبُ اَفْضَلُ وَيَنْبَغِيْ اَنْ لَّا يَتْرُكَ الذِّكْرَ بِاللِّسَانِ مَعَ الْقَلْبِ بِالْاِخْلَاصِ خَوْفًا مِّنْ اَنْ يُّظَنَّ بِهِ الرِّيَاءُ وَقَدْ نُقِلَ عَنِ الْفُضَيْلِ تَرْكُ الْعَمَلِ لِاَجْلِ النَّاسِ رِيَاءٌ وَالْعَمَلُ لِاَجْلِ النَّاسِ شِرْكٌ وَالْاِخْلَاصُ اَنْ يُّخَلِّصَكَ اللہُ مِنْهُمَا لٰكِنْ لَّوْ فَتَحَ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَابَ مُلَاحَظَةِ النَّاسِ وَالْاِحْتِرَازِ عَنْ طُرُقِ ظُنُوْنِهِمِ الْبَاطِلَةِ لَانْسَدَّ عَلَيْهِ اَكْثَرُ اَبْوَابِ الْخَيْرِ (مرقاۃ ص۱۴)

فرماتے ہیں کہ ذکر کبھی قلب سے ہوتا ہے کبھی لسان سے لیکن افضل ان دونوں سے وہ ہے جو قلب و

حدیث ریاض الجنۃ

صوفیہ کا ذکر لسانی کو مفید سمجھنا

لسان دونوں سے ہو اور اگر صرف ایک ہی پر اقتصار کرنا چاہتا ہے تو پھر ذکر قلبی افضل ہے لیکن مناسب ہے کہ ذکر قلبی کے ساتھ ساتھ اخلاص کے ساتھ ذکر لسانی بھی کیا کرے اور ریاء کے اندیشہ سے اس کو نہ چھوڑ دے۔ اس لئے کہ حضرت فضیلؒ سے منقول ہے کہ جس طرح سے لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے اسی طرح سے لوگوں کے ڈر سے ترک عمل بھی ریاء ہی ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے تمہیں نکال دے۔ یعنی نہ تو مخلوق کی خاطر عمل ہو اور نہ ان کے ڈر سے ترک عمل۔ اس لئے کہ اگر انسان اپنے اوپر لوگوں کے لحاظ کا دروازہ کھولے گا اور انکے ظنون باطلہ سے بچنے کی فکر میں رہیگا تو اپنے اوپر اکثر و بیشتر خیر کا دروازہ ہی بند کر لیگا۔ آگے صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ :-

وَرُوِیَ اَنَّ بَعْضَ الْمُرِیْدِیْنَ قَالَ لِشَیْخِہٖ اَنَا اَذْکُرُ اللّٰہَ وَقَلْبِیْ غَافِلٌ فَقَالَ لَہٗ اُذْکُرْ وَاشْکُرْ اَنْ شَغَلَ عُضْوًا مِنْکَ بِذِکْرِہٖ وَاسْئَلْہُ اَنْ یُحْضِرَ قَلْبَکَ۔ (مرقاۃ ۱۲ ج ۳)

فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ کسی مُرید نے اپنے شیخ سے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوں مگر میرا قلب غافل رہتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اسی طرح سے ذکر کئے جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھارے ایک عضو کو تو اپنی یاد میں مشغول کر رکھا ہے اور اس کی دُعا کرو کہ تمہیں حضور قلب بھی نصیب ہو جائے۔

میں کہتا ہوں کہ ھٰذَا ھُوَ الْمَعْرِفَۃُ فِیْ ھٰذَا الْمَقَامِ وہ بزرگ بھی کوئی عارف تھے، حقیقت سے واقف تھے جانتے تھے کہ ذکر قلبی تک پہونچنے کا ذریعہ یہی ذکر لسانی ہے اس لئے اس کی بھی قدر کرائی مگر اس پر قانع بھی نہیں ہونے دیا۔

اور سنئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ لوگوں میں سب سے بہتر کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خوشخبری ہو اس کے لئے کہ جس کی عمر زیادہ ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ پھر اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو اس حال میں چھوڑو کہ تمھاری زبان ذکر اللہ سے تر ہو۔

دیکھئے یہاں بھی ذکر کی نسبت زبان ہی کی جانب کی گئی ہے۔ یعنی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمھارے دل میں خدا کی یاد بھی ہو اگرچہ ذکر سے زبان کے تر ہونے کے لئے قلب میں یاد کا ہونا ضروری ہے۔

دوسروں کے خیال سے عمل یا ترک عمل ریا ہے

ایک مرید کا کہنا کہ میں ذکر کرتا ہوں اور قلب میرا غافل رہتا ہے

ان نصوص اور علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ ذکر لسانی کی توفیق بھی بسا غنیمت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر کا اعلیٰ فرد یہی ہے کہ ذکر لسانی اس طرح سے کیا جائے کہ اس میں قلب بھی شریک ہو کیونکہ مجرد ذکر لسانی جو غفلت کے ساتھ ہو اگرچہ بیکار وہ بھی نہیں ہے اس لئے کہ اذکار و ادعیہ اور تلاوت کی صحت نیت پر موقوف نہیں ہے تاہم اگر ذکر لسانی سے مقصد تقرب الی اللہ ہو اور اس کو عظمت و خشوع کے ساتھ کیا جاوے تو اسکا ثواب یقیناً زیادہ ہوتا ہے اور نفع بھی اس کا کثیر ہے. چنانچہ فتح الباری میں ہے کہ :-

ذکر و تلاوت میں نیت شرط نہیں

اَلنِّیَّۃُ اِنَّمَا تُشْتَرَطُ فِی الْعِبَادَۃِ الَّتِیْ لَا تَتَمَیَّزُ بِنَفْسِہَا وَاَمَّا مَا یَتَمَیَّزُ بِنَفْسِہٖ فَاِنَّہٗ یَنْصَرِفُ بِصُوْرَتِہٖ اِلٰی مَا وُضِعَ لَہٗ کَالْاَذْکَارِ وَالْاَدْعِیَۃِ وَالتِّلَاوَۃِ لِاَنَّہَا لَا تَتَرَدَّدُ بَیْنَ الْعِبَادَۃِ وَالْعَادَۃِ .. .. وَمَعَ ذٰلِکَ فَلَوْ قَصَدَ بِالذِّکْرِ الْقُرْبَۃَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی لَکَانَ اَکْثَرَ ثَوَابًا۔

وَمِنْ ثَمَّ قَالَ الْغَزَالِیُّ حَرْکَۃُ اللِّسَانِ بِالذِّکْرِ مَعَ الْغَفْلَۃِ عَنْہُ تُحَصِّلُ الثَّوَابَ لِاَنَّہٗ خَیْرٌ مِّنْ حَرْکَۃِ اللِّسَانِ بِالْغِیْبَۃِ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ مِّنَ السُّکُوْتِ مُطْلَقًا اَیِ الْمُجَرَّدِ عَنِ التَّفَکُّرِ قَالَ وَاِنَّمَا ھُوَ نَاقِصٌ بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی اَمْرِ الْقَلْبِ انتہیٰ۔

(فتح الباری ص۱۰ ج ۱)

ذکر لسانی اگرچہ غفلت کیساتھ ہو تحصیل ثواب ہے

یعنی نیت ان عبادات میں شرط ہے جو بذات خود عادات سے متمیز نہیں ہیں اور جو کہ متمیز ہیں تو اس کی صورت ہی سے اسکا موضوع لہ مراد ہوتا ہے جیسے اذکار. ادعیہ اور تلاوت. اس لئے کہ یہ امور عبادت اور عادت میں دائر نہیں ہیں بلکہ عبادت ہی کے لئے موضوع ہیں بایں ہمہ اگر ذکر سے تقرب الی اللہ کی نیت کی تو اسکا ثواب اور نفع اور زیادہ بڑھ جائے گا۔

اسی لئے امام غزالی نے فرمایا ہے کہ صرف زبان کا حرکت کرنا ذکر کے ساتھ باوجودیکہ قلب اس سے غافل ہو موجب ثواب ہے کہ وہ زبان پر غیبت وغیرہ کے الفاظ لانے سے تو بہتر ہی ہے بلکہ غفلت آمیز ذکر لسانی مطلق سکوت سے یعنی جو سکوت کہ تفکر سے خالی ہو اس سے بھی بہتر ہے اور یہ کہا کہ ہاں

یہ ضرور ہے کہ ذکر لسانی عمل قلب سے یقیناً درجہ میں کم ہے۔

دیکھئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فن کے امام ہیں اور محققین میں انکا شمار ہے وہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ذکر لسانی سے غفلت قلبی کے باوجود ثواب ملتا ہے۔ امام کا یہ ارشاد حجت ہے ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ ذکر لسانی میں کوئی ثواب نہیں ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى کے تحت لکھا ہے کہ :-

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ اَىْ بِلِسَانِهٖ وَقَلْبِهٖ لَا بِلِسَانِهٖ مَعَ غَفْلَةِ الْقَلْبِ اِذْ مِثْلُ ذَالِكَ لَا ثَوَابَ فِيْهِ فَلَا يَنْبَغِىْ اَنْ يَّدْخُلَ فِيْمَا يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ الْفَلَاحُ (روح المعانی پ۳۰)

یعنی اپنے رب کا نام لیا زبان سے بھی اور قلب سے بھی نہ یہ کہ صرف زبان سے اور قلبی غفلت کے ساتھ اس لئے کہ اس جیسے ذکر میں کوئی ثواب نہیں پس نہیں مناسب ہے کہ یہ ان امور میں شمار کیا جاوے جن پر فلاح مرتب ہوتی ہے۔

اسی طرح سے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً ط کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

قَالَ الْاِمَامُ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِىْ نَفْسِهٖ اَنْ يَّكُوْنَ عَارِفًا بِمَعْنَى الْاَذْكَارِ الَّتِىْ يَقُوْلُهَا بِلِسَانِهٖ مُسْتَحْضِرًا بِصِفَاتِ الْكَمَالِ وَالْعِزِّ وَالْعَظَمَةِ وَالْجَلَالِ وَذَالِكَ لِاَنَّ الذِّكْرَ بِاللِّسَانِ عَارِيًا عَنِ الذِّكْرِ بِالْقَلْبِ كَانَّهٗ عَدِيْمُ الْفَائِدَةِ بَلْ ذَكَرَ جَمْعٌ اَنَّ الذِّكْرَ اللِّسَانِىَّ السَّاذَجَ لَا ثَوَابَ فِيْهِ اَصْلًا۔

(حوالہ بالا)

امام فرماتے ہیں کہ مراد ذکر فی نفسہ سے یہ ہے کہ جن اذکار کو زبان سے کہہ رہا ہے انکے معانی کو سمجھا بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ اور عزت اور عظمت وجلال کا استحضار رکھنے والا ہو اور یہ اس لئے کہ وہ ذکر لسانی جو ذکر قلبی سے عاری ہو تقریباً غیر مفید سا ہے بلکہ ایک جماعت نے تو یہ بیان کیا ہے کہ مجرد ذکر لسانی میں کوئی ثواب ہی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ غفلت بُری چیز ہے اور بہت بُری ہے۔ کافر کی صفت ہے مومن کے شایانِ شان نہیں۔ اُس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے قلب سے اسکو دور کرے لیکن اگر کسی کے اندر غفلت کا کچھ حصہ موجود ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ قلبی توجہ کے بغیر محض زبان سے خدا کا نام لیتا ہے تو آپ نے دیکھا کہ اس کے متعلق ایک فریق نے تو یہ کہا کہ اسمیں مطلقاً ثواب ہی نہیں اور علماء محققین کی ایک جماعت نے اسے بھی سراہا ہے جن میں امام غزالیؒ اور صاحب مرقاۃ اور صاحب فتح الباری جیسے حضرات بھی ہیں نیز اسی جماعت میں مولانا دہلویؒ بھی ہیں جنھوں نے یہ فرمایا تھا کہ "صرف جریانِ نامِ خدا بر زبان انسان لختے است فخیم" اور اسی جماعت کا خیال صحیح ہے چنانچہ ہر زمانہ میں محققین نے سالکین کو ذکر لسانی پر اُبھارا اور آمادہ کیا ہے اور ذکر قلبی کی ترغیب دی ہے مگر اُسکا ذریعہ ذکر لسانی ہی کو قرار دیا ہے اور یہ بالکل صحیح مسلک ہے اسلئے کہ ذکر قلبی حاصل کر لینا فوری طور پر انسان کے اختیار میں نہیں ہے مگر اسکا ذریعہ یعنی ذکر لسانی کرنا یہ البتہ انسان کے اختیار میں ہے کیونکہ ذکر کے معنی ہیں یاد کے اور قلبی کے معنی ہیں دل کے پس ذکر قلبی کے معنی ہوئے دلی یاد۔ یعنی جس طرح سے آپ کے کسی دوست یا عزیز کی یاد آپ کے قلب میں ہوتی ہے۔ یعنی زبان سے آپ کچھ نہیں کہتے مگر دل میں اس کی یاد بسی ہوتی ہے اسی طرح سے اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کا نام زبان سے لیتے لیتے اس کی یاد قلب میں بس جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قلب اور زبان میں ایک تعلق رکھا ہے پس جس طرح سے کہ زبان قلب کی ترجمان ہوتی ہے یعنی قلب سے زبان پر کلام آتا ہے اسی طرح سے اگر کوئی شخص ہزاروں ہزار بار اللہ تعالیٰ کا نام زبان سے لیگا تو نہیں ہو سکتا کہ وہ صرف زبان ہی تک محدود رہ جائے اور اس کا قلب ذرا بھی متاثر نہ ہو۔

زبان کا اثر قلب پر ضرور پڑتا ہے اور اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ اللہ والوں کو اس کے ذریعہ قدرے سکون اور ایک گونہ تسلی حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام تو بڑی چیز ہے۔ عشاق مجازی نے تو اپنے محبوب کے نام لکھ لکھ کر اس سے تسلی حاصل کی ہے چنانچہ مجنوں کا واقعہ لکھا ہے کہ ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیاباں غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم — می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلےٰ میکنم — خاطر خود را تسلی می دہم

یعنی کسی صحرا سے گذرنے والے نے مجنوں کو دیکھا کہ اپنے غم کے بیابان میں تنہا بیٹھا ہوا اور ریت کو کاغذ اور اپنی انگلیوں کو قلم بنائے ہوئے کسی کے نام خط لکھ رہا تھا۔ اس جانے والے نے پوچھا کہ اے مجنون شیدا یہ کیا ہو رہا ہے اور کس کے نام یہ خط لکھا جا رہا ہے؟

اس نے کہا کہ خط وط نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر کے اپنے قلب حزین کو تسکین دے رہا ہوں۔

تو دیکھئے جب عشاق مجازی کے لئے اس طرح سے محض ریت پر محبوب کا نام لکھنا موجب تسلی ہو سکتا ہے تو طالبین خدا کے لئے اس کا نام زبان پر جاری ہونا باعث تسلی کیوں نہ ہوگا۔ اور نہ صرف تسلی ہی۔ بلکہ مولانا رومؒ تو ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام محض زبان سے لینا رہبر وصال ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

از ہوا ھاکے رہی بے جام ہو — اے ز ہو قانع شدہ با نام ہو
از صفت از نام چہ زاید خیال — واں خیالش ہست دلالِ وصال

اوپر بیان فرمایا تھا کہ علم کسی وصول الی اللہ کا وسیلہ بنتا ہے ترک ہوئی اور ابتغاء رضا سے اسی کی شرح فرماتے ہیں کہ —— ہوائے نفسانی سے بدون جام محبت حق نجات نہیں ہوتی اور تم صرف نام حق پر قناعت کئے ہوئے ہو یعنی صرف ذکر وطاعت ظاہری تصفیہ وصول کے لئے کافی نہیں جب تک محبت نہ ہو۔ لیکن اس سے ذکر لسانی اور طاعت ظاہری کو عبث مت سمجھ لینا کیونکہ قناعت کی شکایت کی گئی ہے نہ ذکر کی۔ ورنہ تو خود طریقۂ محبت یہی ذکر ہے۔ اس طرح سے کہ صفت اور اسم کے ذکر سے جبکہ بقصد اثر باطنی کیا جاوے۔ تصور اور خیال مذکور مسمیٰ و موصوف کا پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ تصور رہبر وصال بن جاتا ہے۔ اس طرح کہ زبان سے نام لینے سے شدہ شدہ وہ تصور غالب ہوتا جاتا ہے اور دوسرے تصورات کم ہوتے جاتے ہیں اور تصورات کی کمی سے تعلقات گھٹتے جاتے ہیں اور سبب سے فصل ہوتا جاتا ہے یہی وصل ہے۔

سبحان اللہ مولانا رومؒ نے اسم کے ذکر (یعنی ذکر لسانی) کے نفع کو کیسا مدلل بیان فرمایا ہے اسی لئے محققین نے غفلت پر تو نکیر کی ہے مگر ذکر لسانی پر نکیر نہیں کی بلکہ اس پر شکر ادا کرنے کو فرمایا ہے کہ اس اتنے کی توفیق ہو جانا بھی خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں نے ذکر لسانی پر نکیر کیا ہے اور

اس کو شور وشغب ، جسم کا ہلانا اور گردن کے جھٹکا رنے سے تعبیر کیا ہے ۔ تو اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ محقق نہیں ہیں اور طریق کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں ۔

غافلین کو ذکر قلبی تک پہونچانا کوئی کھیل نہیں ہے ۔ اب ہم لوگوں کو ذکر قلبی تک تو پہونچا نہ سکیں اور ذکر لسانی سے بھی انکو روک دیں اور یہ کہدیں کہ اس میں کچھ ثواب ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ اب انکے لئے کامیابی کی کیا سبیل ہے ۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کا ذکر لسانی پر نکیر کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آجکل دیکھا جاتا ہے کہ تلاوت قرآن کو بلا فہم معنی بیکار اور غیر نافع کہدیا کرتے ہیں تو اس کے متعلق بھی میں یہی کہتا ہوں کہ حقیقی تلاوت کرنے والے اور قرآن شریف کے کما حقہ سمجھنے والے اس زمانہ میں کتنے لوگ ہیں ؟ آپ فہم معنی تک بھی لوگوں کو نہ پہونچا سکیں اور زبانی تلاوت سے بھی انھیں یہ کہہ کر روک دیں کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے تو پھر اب مسلمانوں کو قرآن سے کیا تعلق رہ جائے گا ؟

پس جس طرح سے تلاوت محض کو بیکار بتلا کر قرآن سے مسلمانوں کو بے تعلق کرنا ہوا ۔ اسی طرح سے ذکر لسانی کو کوئی درجہ نہ دے کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ایک جم غفیر کو بے تعلق بنانا ہوا اسی لئے محققین نے ہر زمانہ میں ذکر لسانی کی ترغیب دی ہے اور اس کو سراہا ہے ۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں کہ جس کا کچھ حصہ پہلے نقل کر چکا ہوں ، پوری عبارت یہ ہے کہ :-

> اور جس قدر ہو سکے اگرچہ قلیل ہو اس کو انھیں تشاویش سے مخلوط کر کے کرتا رہے اگر پریشانی خاطر ہے تو فقط لسانی ہی سہی کہ اگر لطیفۂ قلب معطل رہا دغافل ہوا تو زبان تو معطل وغافل نہیں ۔ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ (جس چیز کو کل نہ پا سکے تو یہ بھی نہ کرے کہ اس کو بالکل ہی چھوڑ دے) ذکر ایسی شے ہے کہ اگر اس کو کرتا رہے اگرچہ بیہوشی خاطر و پریشانی تعلقات میں تحریک لسانی ہو نافع اور موجب نورانیت قلب کے ہوتا ہے ۔

ہر چند ذکر قلبی ہی ہے اور ذکر کامل وہی ہے کہ تمام لطائف کو شاغل بنا دے مگر یہ نہ ہو تو فقط لسانی کو بھی کیوں بیکار کر دیوے ۔ یہ محض لسانی غفلت کا ذکر کشاں کشاں قلب تک پہنچا دیتا ہے ۔ عضو لسان اگر جنت میں جائیگا تو

کیا دیگر جملہ اعضاء محل نار ہو سکتے ہیں۔ ذکر وہ شے ہے کہ اگر کسی جزو انسانی سے متصل ہوگا، تمام جسد کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ (مکتوبات رشیدیہ صہ)

دیکھئے حضرت مولانا گنگوہیؒ صاف فرما رہے ہیں کہ ذکر لسانی صرف لسان ہی تک محدود نہیں رہیگا بلکہ وہ قلبی بھی ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر لسانی ہی سہی اس کی بھی توفیق بسا غنیمت ہے۔ باقی اس میں تو کلام ہی نہیں کہ جب اس لسانی کے ساتھ ذکر قلبی بھی پایا جائے گا تو سبحان اللہ کیا کہنا وہ تو عین مطلوب اور مقصود ہی ہے اور نور علیٰ نور کا مصداق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو قلب و لسان دونوں کے وظیفے پر عامل ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

اَلَّذِیْنَ آتَیْنَاهُمُ الْکِتَابَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔

یعنی جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے رہے جس طرح تلاوت کا حق ہے کہ قوت علمیہ کو فہم مضامین میں صرف کیا اور قوت ارادیہ کو عزم اتباع حق میں استعمال کیا ایسے لوگ البتہ آپ کے اس دین حق اور علم وحی پر ایمان لے آتے ہیں۔ (بیان القرآن صہ)

دیکھئے یہاں حق تلاوت پر منصفین اہل کتاب کی مدح فرمائی ہے اور حق تلاوت اس کو فرمایا کہ لسان کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اپنی قوت علمیہ کو فہم مضامین میں صرف کرتے ہیں اور قوت ارادیہ کے ذریعہ عزم کرتے ہیں کہ اس پر عمل بھی کریں گے۔ پس حق تلاوت میں صرف قلبی تدبر کو نہیں فرمایا بلکہ لسانی کو بھی لیا ہے۔ صاحب روح المعانی حق تلاوت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :۔

(یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ) ای یقرأونه حق قرأته وھی قراءۃ تاخذ بمجامع القلب فیراعی فیها ضبط اللفظ وحق الامر والنھی۔

(روح المعانی صہ ۳۳۳ ج ۱)

حق تلاوت کی شرح روح المعانی سے

نہایت عمدہ شرح فرمائی، فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اس کو تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے اور حق قراءت یہ ہے جو کہ مجموعہ قلب سے ہو یعنی قلب کا گوشہ گوشہ اس میں شریک ہو اور ہمہ تن متوجہ ہو۔ آگے اس کی مزید شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس قلبی قراءت کا یہ مطلب نہیں کہ زبان کا اس میں کوئی حصہ

نہ ہو اور محض تصور معنیٰ ہوں ایسا نہیں بلکہ لفظوں کی پوری پوری رعایت ہو معنیٰ کا تامل اور تدبر ہو اور امر و نہی کا جو حق اور تقاضا ہے یعنی اتباع و امتثال اسکا پورا عزم ہو، یہ ہے حق تلاوت۔

اسی طرح سے میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جس ذکر اللہ کی یہاں مدح فرمائی ہے اور اس کے فضائل و مراتب بیان فرمائے ہیں کہ وہ خیر اعمال اور انفاق ذہب و فضہ سے بھی بہتر اور جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر ہے اس سے مراد وہی ذکر ہے جو مجامع قلب سے ہو یعنی جس میں لسان و قلب دونوں کو شاغل بنایا جائے باقی انسان جب مشاغل دنیویہ میں منہمک رہتا ہے تو اس کے لئے اپنے قلب کو فوراً فارغ کر لینا اور خدا کی یاد کو اس میں بسا لینا آسان نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے اب آدمی عمل تو نہ کرے اور ذریعہ کو نہ اختیار کرے اور منتہیٰ تک پہونچنا چاہے یہ کیسے ہو سکتا ہے اسکا نام ہوس ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے باب بیان شروط الارادۃ میں بعض سیاحین کا قول نقل کیا ہے انھوں نے کہا کہ میں نے بعض ابدال سے جو مخلوق سے منقطع ہو چکے تھے دریافت کیا کہ کیف الطریق الی التحقیق۔ یعنی حقیقت تک رسائی کی کیا سبیل ہے اور کبھی یہ کہا کہ میں نے ان سے سوال کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس کی وجہ سے میں اپنے قلبی تعلق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ علی الدوام پاؤں۔ انھوں نے فرمایا کہ ہاں اس کے لئے عمل ہے وہ یہ کہ تم مخلوق کی طرف نظر نہ کرو اس لئے کہ انکی طرف نظر کرنا ظلمت ہے میں نے کہا کہ یہ تو بہت مشکل ہے۔ فرمایا کہ اچھا تو پھر انکا کلام نہ سنو اس لئے کہ انکا کلام موجب قسوت ہے میں نے کہا کہ یہ بھی مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ اچھا تو انکے ساتھ کوئی معاملہ نہ کرو اس لئے کہ انکے ساتھ کوئی معاملہ کرنا سبب وحشت ہے۔ میں نے کہا کہ میرا تو انھیں کے ساتھ رہنا سہنا ہے اس لئے معاملہ تو ناگزیر ہے۔ فرمایا کہ اچھا اتنا تو کرو کہ ان سے مل کر تسکین قلبی اور سکون روحانی نہ حاصل کرو اس لئے کہ پھر مخلوق سے سکون حاصل کرنا باعث ہلاکت ہے۔

سائل نے یہ سن کر کہا کہ ہاں بس بس معلوم ہو گیا یہی علت ہے۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ بندۂ خدا خیال تو کر غافلین کی جانب تو نظر کرے۔ جاہلین کے کلام کی طرف تو کان لگا دے اور بطالین کے ساتھ تو معاملہ رکھے اور پھر یہ بھی چاہے کہ تجھے ذکر قلبی حاصل ہو جائے یعنی تیرا تعلق قلبی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دائمی ہو جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

(احیاء ۳۸۰ ص ۳۴)

اسی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ صرف موٹے موٹے الفاظ بولنے سے کام نہیں چلے گا۔ اور بزرگوں کی اصطلاح اور اُنکے الفاظ یاد کرنے سے حقیقت حاصل نہ ہو جائے گی۔ اگر ذکر قلبی کے تحصیل کا شوق ہے تو اسکا طریقہ اختیار کرو۔ تمام مشائخ اور محققین علماء کہتے چلے آئے ہیں کہ اسکا ذریعہ ذکر لسانی ہے اور اس ذکر لسانی میں اتنا تو ضروری ہے کہ قلبی تعظیم و خشوع کے ساتھ ہو باقی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد قلب کا حال ہو جائے اور ذکر اس میں رچ جائے اور بس جائے تو یہ تو کچھ دنوں کے بعد ہی ہوگا۔ یعنی ابتدا میں تو زبان ہی سے ذکر کرنا ہوگا اسی کو ذکر لسانی کہتے ہیں باقی اسی طرح کرتے کرتے قلب کو خدا کی یاد کا ایک ملکہ ہو جائے گا۔ اسکا نام ذکر قلبی ہے۔ ذکر ایک شے ہے دو مختلف محل کے اعتبار سے اس کے دو نام الگ الگ ہو گئے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیۃ اَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ط کے تحت توبہ و استغفار کے متعلق فرمایا ہے کہ۔

اَلتَّوْبَةُ مِنْ اَفْعَالِ الْقَلْبِ فِي الْاَصْلِ وَالْاِسْتِغْفَارُ مِنْ اَفْعَالِ اللِّسَانِ وَبِهٰذَا ظَهَرَ وَجْهُ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا فَنِسْبَةُ الْاِسْتِغْفَارِ اِلَى التَّوْبَةِ لِنِسْبَةِ الْاِقْرَارِ اِلَى التَّصْدِيْقِ وَكِلَاهُمَا وَاجِبٌ۔

(بیان القرآن صفحہ ۴۹ ج ۳)

یعنی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ کیا پھر بھی یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے تو یہاں توبہ و استغفار دونوں کا ذکر ہے اور فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ توبہ در اصل قلب کا فعل ہے اور استغفار فعل ہے لسان کا اسی سے دونوں کے جمع ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ پس استغفار کو توبہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو اقرار کو تصدیق کے ساتھ ہے۔ یعنی جس طرح سے ایمان میں ایک تو اقرار کا درجہ ہوتا ہے اور ایک تصدیق قلبی ہوتی ہے اسی طرح سے استغفار تو بمنزلہ اقرار کے ہے اور توبہ کی حیثیت تصدیق کی سی ہے اور واجب دونوں ہیں اقرار بھی اور تصدیق بھی

چنانچہ درمختار میں ہے کہ

(اَلْاِیْمَانُ) وَھُوَ تَصْدِیْقُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَمِیْعِ مَاجَاءَ بِہٖ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی مِمَّا عُلِمَ مَجِیْئُہٗ ضَرُوْرَۃً وَھَلْ ھُوَ فَقَطْ اَوْھُوَ مَعَ الْاِقْرَارِ قَوْلَانِ وَاَکْثَرُ الْحَنَفِیَّۃِ عَلَی الثَّانِیْ وَالْمُحَقِّقُوْنَ عَلَی الْاَوَّلِ وَالْاِقْرَارُ شَرْطٌ لِاِجْرَاءِ الْاَحْکَامِ الدُّنْیَوِیَّۃِ بَعْدَ الْاِتِّفَاقِ عَلٰی اَنَّہٗ یَعْتَقِدُ مَتٰی طُوْلِبَ بِہٖ اَتٰی بِہٖ۔ فَاِنْ طُوْلِبَ بِہٖ فَلَمْ یُقِرَّ فَھُوَ کُفْرُ عِنَادٍ (شامی)

ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا یعنی ان تمام اُموروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرنا یعنی ان کو حق اور سچ جاننا اور دل سے ماننا جنھیں آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لے آئے ہیں اور آپ کا انھیں لانا بداہۃً معلوم ہے ایمان کہلاتا ہے۔

پھر ائمہ کا اختلاف ہے کہ ایمان آیا صرف اسی تصدیق کا نام ہے (جو کہ فعل قلب ہے) یا فعل قلب اور فعل لسان کے مجموعہ کا نام ہے۔ یعنی اقرار بھی اس میں داخل ہے تو اکثر حنفیہ ثانی کے قائل ہیں یعنی یہ فرماتے ہیں کہ اقرار بھی جزو ایمان ہے یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ ساتھ زبان سے اقرار کرنا بھی واجب ہے مگر محققین حنفیہ فرماتے ہیں کہ نہیں ایمان تو صرف تصدیق قلبی ہی کا نام ہے۔ رہا اقرار تو وہ احکام دنیویہ کے اجزاء کے لئے شرط ہے مثلاً اس کی نماز جنازہ پڑھنا یا اس کے پیچھے نماز پڑھنا یا مقابر مسلمین میں اسکا دفن کیا جانا وغیرہ۔

مگر یہ کہ جو حضرات اقرار باللسان کو جزو ایمان نہیں بھی مانتے وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ یوں چاہے زبان سے اقرار نہ کرے مگر یہ اسکا اعتقاد رکھتا ہو کہ جب اس سے اظہار ایمان کا مطالبہ کیا جاویگا تو فوراً اقرار کرلے گا اس وقت اقرار واجب ہے اگر مطالبہ کے بعد بھی زبان سے اقرار نہ کیا تو کافر قرار دیا جائے گا اور اس کا یہ کفر کفر عناد ہوگا۔

پس دیکھئے ایک قول کی رو سے ایمان کے اندر بھی دو واجب ہوئے۔ تصدیق اور اقرار۔ اسی کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ استغفار تو بمنزلہ اقرار کے ہے اور توبہ بمنزلہ تصدیق کے دونوں واجب یعنی دونوں ہی واجب ہیں۔

اقرار جزو ایمان نہیں بلکہ احکام دنیویہ کی شرط ہے

عند المطالبہ اقرار واجب ہے

اسی طرح میں یہاں کہتا ہوں کہ ذکر لسانی کو مانند اقرار اور استغفار کے سمجھو کہ وہ زبان کا وظیفہ ہے
اور ذکر قلبی کو توبہ و تصدیق کی طرح جانو کہ وہ قلب کا وظیفہ ہے۔ علماء نے ذکر لسانی کو جو معتبر مانا ہے
تو اسی لئے کہ وہ ذکر قلبی کا ذریعہ ہے۔ انسان ذکر قلبی تک ایک ہی دن میں نہیں پہونچ جاتا بلکہ سالکین
کو یہ درجہ اور یہ مقام بہت محنت اور مجاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ ذکر اول ہی دن قلب
میں راسخ نہیں ہوجاتا بلکہ ابتدا میں وہ صرف لسانی ہی ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ قلب کی شرکت ہونے
لگتی ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہی ذکر قلب کا حال بن جاتا ہے یعنی لسان ساکت بھی ہوجاتی
ہے تب بھی قلب اپنا کام کرتا رہتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہی ذکر قلبی طریق کی اصل ہے اور اس
راہ میں جتنے بھی مراتب و مدارج کسی کو حاصل ہوتے وہ اسی سے حاصل ہوتے ہیں باقی یہ کہ ذکر قلبی
کیا ہے اور قلب کس طرح ذکر کرتا ہے تو اس کے متعلق یہ سمجھئے کہ انسان کا قلب اس طرح سے ذکر
کرنے لگ جائے جس طرح اس کی زبان کرتی ہے تو یہ مقام تو کسی کسی اللہ کے بندے کو حاصل ہوتا ہوگا
باقی یہ کہ قلب میں ذکر کے معنی کا یا حق تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا استحضار ہوجائے یہی ذکر قلبی کا عام
مفہوم ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى کے تحت لکھا ہے کہ

اَیْ بِلِسَانِهٖ وَقَلْبِهٖ لَا بِلِسَانِهٖ مَعَ غَفْلَةِ الْقَلْبِ۔

پھر اس کے ذرا آگے لکھتے ہیں کہ

وَالذِّكْرُ الْقَلْبِیْ بِاسْتِحْضَارِ اِسْمِهٖ تَعَالٰی فِی الْقَلْبِ وَاِنْ كَانَ مَحْمُوْدًا
بِلَا شُبْهَةٍ اِلَّا اَنَّ اِرَادَتَهٗ بِخُصُوْصِهٖ مِمَّا ذُكِرَ خِلَافُ الظَّاهِرِ۔

(روح ص۱۰۹ پ۳۰)

اس میں اس امر کی تصریح ہے کہ ذکر قلبی اللہ تعالیٰ کے نام کو قلب میں مستحضر رکھنے کو کہتے ہیں اسی طرح سے
اُذْكُرْ رَبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

وَقَالَ الْاِمَامُ اَلْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِیْ نَفْسِهٖ اَنْ يَّكُوْنَ عَارِفًا بِمَعَانِی
الْاَذْكَارِ الَّتِیْ يَقُوْلُهَا بِلِسَانِهٖ مُسْتَحْضِرًا لِصِفَاتِ الْكَمَالِ وَالْعِزِّ وَالْعَظَمَةِ
وَالْجَلَالِ

(روح ص۱۳۶ پ۹)

یہاں ذکر فی النفس یعنی ذکر قلبی سے مراد یہ فرماتے ہیں کہ جن اذکار کو زبان سے کہہ رہا ہے انکے

معانی کو سمجھنے والا ہو اور حق تعالےٰ کی صفات کمالیہ اور عزت و جلال کو قلب میں مستحضر رکھنے والا ہو۔

ذکر قلبی کا یہ مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب یہ سمجھئے کہ جس طرح سے یہ قاعدہ ہے کہ من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ یعنی جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو اسکو اکثر یاد کیا کرتا ہے۔ اسی طرح سے یہ بھی اصول ہے کہ جو شخص کسی کو کثرت سے یاد کرتا ہے تو اس سے اسکو محبت بھی ہو جاتی ہے یعنی ذکر اور یاد جس طرح سے کہ محبت کا اثر اور ثمرہ ہے اسی طرح سے اس کا سبب اور ذریعہ بھی ہے۔ اس لحاظ سے جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان سے بکثرت کرتا ہے تو اس سے اسکو ایک قسم کا لگاؤ اور تعلق ہو جاتا ہے جسکو اصطلاح صوفیہ میں نسبت کہتے ہیں۔ جب یہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے تو قلب میں اسکے بعض آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک اثر یادداشت بھی ہے یعنی تکثیر ذکر کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا ایک ایسا ملکہ راسخہ سالک کے قلب میں پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کے سبب سے وہ اپنے کو ہمیشہ مالک حقیقی کے روبرو حاضر اور موجود پاتا ہے یعنی دوام حضور اسکو حاصل ہو جاتا ہے اسی کا نام ذکر قلبی ہے اور اسی کا نام احسان ہے اس کے متعلق اکابر فن کے ارشادات سنئے :۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ القول الجمیل میں شیخ کی تیسری شرط یہ بیان فرماتے ہیں کہ :۔

اَنْ یَّکُوْنَ زَاھِدًا فِی الدُّنْیَا رَاغِبًا فِی الْاٰخِرَۃِ مُوَاظِبًا عَلَی الطَّاعَاتِ الْمُؤَکَّدَۃِ وَالْاَذْکَارِ الْمَاثُوْرَۃِ الْمَذْکُوْرَۃِ فِیْ صِحَاحِ الْاَحَادِیْثِ مُوَاظِبًا عَلٰی تَعَلُّقِ الْقَلْبِ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَکَانَ یَادْدَاشْتُ لَہٗ مَلَکَۃً رَاسِخَۃً۔ (شفاء العلیل ص۲)

یعنی تیسری شرط بیعت لینے والے کی یہ ہے کہ وہ دنیا کا تارک ہو۔ آخرت کا راغب ہو طاعات مؤکدہ پر محافظ ہو اور اذکار منقولہ پر جو صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں مداوم ہو اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق رکھتا ہو اور یادداشت اس کا ملکہ بن چکا ہو۔

یادداشت ترجمہ اسی ذکر قلبی ہی کا ہے اسکو حضرت شاہ صاحب شیخ کیلئے شرط قرار دے رہے ہیں۔ اور سنئے!

۲۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اور وہ کیفیت کہ روبرو مالک معبود کے جانے اور شرم و حیا طاری ہو جاوے اس کا

نام حضور اور یاد داشت ہے اسی کو لسان شرع میں احسان کہتے ہیں اور یہی نسبت معتبرہ ہے کہ مسلسل چلی آتی ہے جب اس کا خوب ملکہ ہو جاوے تو یہی امر ہے کہ قابل اجازت تلقین کے بناتی ہے اور اس کا ہی نام ذکر قلبی ہے اور اس کے پہلے سب مقدمات اس کے ہیں۔"

(مکاتیب رشیدیہ صفحہ ۹۵)

دیکھئے اس میں تو حضرت نے صراحۃً ہی فرمادیا کہ یادداشت احسان نسبت معتبرہ اور ذکر قلبی یہ سب ایک ہی معنون کے مختلف عنوان ہیں۔ اور سنئے :۔

۴۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قصد السبیل میں فرماتے ہیں کہ :۔

" علامت حصول نسبت باطنی کے دو امر ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر یا دداشت کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ کسی وقت ذہول نہ ہو اور اس میں ذرا تکلف نہ کرنا پڑے دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادۃً و معاملۃً و خلقاً و اقوالاً و افعالاً اسکو ایسی رغبت اور منہیات و مخالفات سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی مرغوبات و مکروہات طبیعہ سے ہوتی ہے۔ اور حرص دنیا کی قلب سے نکل جائے۔ کان خلقہ القرآن اس کی شان بنجائے یہی درجہ یادداشت اور فرمانبرداری کا جو علامت ہے نسبت باطنی کی حاصل ہے محبت حق کا۔ (قصد السبیل صفحہ ۱۰)

دیکھئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح حضرت مولانا گنگوہی رح اور حضرت مولانا تھانوی رح یہ سب حضرات ایک ہی بات فرما رہے ہیں، وہ یہ کہ ذکر قلبی وہی چیز ہے جسے حضرات صوفیہ اپنی اصطلاح میں یادداشت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور سنئے :۔

۵۔ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

" اوقات خود را بعد ادائے فرائض و واجبات و سنن در شغل باطن گذارند و بر زیادتی نوافل و اوراد نپردازد بلکہ مشغولی باطن را فرض دائمی داند گاہے غافل نہ شود و چوں ذوق و لذت بدل یابد شکر الٰہی بجا آورد و داند گم را لبسیار شمارد۔

(قصد السبیل صفحہ ۳)

یعنی فرماتے ہیں کہ فرائض واجبات وسنن کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو شغل باطن میں گذاریں اور

کثرت نوافل و دیگر اوراد کے درپے نہ ہوں بلکہ مشغولیٔ باطن کو اپنا دائمی وظیفہ جانیں اور کبھی اس سے غافل نہ ہوں۔ اور جب اس کی لذت اور اس کا ذوق پادیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اسکی تھوڑی مقدار کو بھی بہت جانیں۔

دیکھئے یہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ اسی یادداشت کو شغل باطن سے تعبیر فرمارہے ہیں اور اس کو فرض قرار دے رہے ہیں اور نوافل سے زیادہ نافع فرما رہے ہیں۔ اور سنیئے :۔

۵۔ اسی مضمون کو صاحب رسالہ قشیریہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ :۔

وَلَیْسَ مِنْ آدَابِ الْمُرِیْدِیْنَ کَثْرَۃُ الْاَوْرَادِ بِالظَّاھِرِ فَاِنَّ الْقَوْمَ فِیْ مُکَابَدَۃِ اِخْلَاءِ خَوَاطِرِھِمْ وَمُعَالَجَۃِ اِخْلَاقِھِمْ وَنَفْیِ الْغَفْلَۃِ عَنْ قُلُوْبِھِمْ لَا فِیْ تَکْثِیْرِ اَعْمَالِ الْبِرِّ۔ اَلَّذِیْ لَابُدَّ لَھُمْ مِنْہُ اِقَامَۃُ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ الرَّاتِبَۃِ فَاَمَّا الزِّیَادَاتُ مِنَ الصَّلٰوۃِ النَّافِلَۃِ فَاسْتِدَامَۃُ الذِّکْرِ بِالْقَلْبِ اَتَمُّ لَھُمْ۔ (قشیریہ صفحہ ۳۰)

یعنی مریدین کے آداب میں سے ظاہری اوراد کی کثرت نہیں ہے اس لئے کہ یہ قوم تو صرف تین ہی چیزوں کے درپے ہے۔ اولاً قلب کو وساوس و خواطر ردیہ سے خالی کرنا۔ ثانیاً اپنے اخلاق کو درست کرنا۔ ثالثاً اپنے قلب سے غفلت کو زائل کرنا نہ کہ اعمال بر کی تکثیر کیونکہ جو چیز ان کے لئے ضروری ہے وہ صرف فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا اور سنن مؤکدہ کا ادا کرنا ہے۔ رہیں اور چیزیں مثلاً نوافل وغیرہ تو اپنے قلب میں ذکر کو دائمی طور پر قائم کرنا یہ ان کے لئے سب چیزوں سے زیادہ نافع ہے۔

دیکھئے یہ بھی وہی فرمارہے ہیں جو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا تھا مگر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے شغل باطن کا لفظ فرمایا تھا اور انھوں نے اسکو استدامۃ ذکر سے تعبیر کیا ہے۔

الحاصل ہیں یہ سب وہی چیز جسے اہل طریق یادداشت کہتے ہیں اسکی تعریف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ :۔

وَاَمَّا یَادْ دَاشْتْ فَعِبَارَۃٌ عَنِ التَّوَجُّہِ الصِّرْفِ الْمُجَرَّدِ عَنِ الْاَلْفَاظِ وَالتَّخَیُّلَاتِ اِلٰی حَقِیْقَۃِ وَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْحَقِّ الَّذِیْ لَا یَسْتَقِیْمُ اِلَّا بَعْدَ الْفَنَاءِ التَّامِّ وَالْبَقَاءِ السَّابِغِ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۝

(شفاء العلیل صفحہ ۸۰)

دوام ذکر

آداب مریدین

یادداشت کے معنی

یعنی یادداشت عبارت ہے واجب الوجود کے حقیقت کی طرف ایسی خالص توجہ کرنے سے جو کہ الفاظ وتخیلات سے خالی ہو اور اس میں شک نہیں کہ ایسی توجہ استقامت اور مداومت کیساتھ حاصل نہیں ہوتی مگر فنا تام اور بقائے کامل کے بعد۔

مترجم کہتے ہیں کہ حاصل یہ کہ یادداشت ذات مقدس کے دھیان کا نام ہے جو بلا واسطہ الفاظ وتخیلات کے ہو اور یہ دولت منتہیان ولایت کو حاصل ہوتی ہے جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنْھُمْ بِرَحْمَتِہٖ اَوْ سَیِّعَتِہٖ۔ آمین انتہی۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ ذکر قلبی منتہیوں کا وظیفہ ہے اور بڑی اہم اور عظیم الشان چیز ہے اور مشکل سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ علماء اور اہل فن تو یہ فرمارہے ہیں اور اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے کہ بس ذکر قلبی کی تحقیق کے پیچھے پڑے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ دوام ذکر اور حضور دائم کے تو خواب دیکھو اور ذکر لسانی تک کا بھی التزام نہ کرو اسی کا نام ہوس ہے انسان کو اپنے درجہ ہی پر رہنا چاہیئے۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ ذکر قلبی تک پہونچنے کا ذریعہ بھی ذکر لسانی ہے۔ چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے۔

قَالَ الْاُسْتَاذُ (اَبُوْعَلِیْ دَقَّاقٌ) اَلذِّکْرُ رُکْنٌ قَوِیٌّ فِیْ طَرِیْقِ الْحَقِّ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی بَلْ ھُوَ الْعُمْدَۃُ فِیْ ھٰذَا الطَّرِیْقِ وَلَا یَصِلُ اَحَدٌ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اِلَّا بِدَوَامِ الذِّکْرِ وَالذِّکْرُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ ذِکْرُ اللِّسَانِ وَذِکْرُ الْقَلْبِ وَالتَّاثِیْرُ لِذِکْرِ الْقَلْبِ فَاِذَا کَانَ الْعَبْدُ ذَاکِرًا بِلِسَانِہٖ وَقَلْبِہٖ فَھُوَ الْکَامِلُ۔

(قشیریہ ص۱۰)

استاد ابو علی دقاق نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ذکر ایک رکن قوی ہے بلکہ طریق میں سب سے اعلیٰ اور عمدہ چیز یہی ہے اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ تک دوام ذکر کرکے بغیر نہیں پہونچ سکتا۔ اور ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ذکر لسانی اور ذکر قلبی اور ذکر لسانی ہی کے ذریعہ بندہ ذکر قلب کے دوام اور ذکر مؤثر فی القلب تک پہونچتا ہے پھر جب سالک کی زبان اور اس کا قلب دونوں ذاکر ہو جائیں تو یہ شخص اپنے وصف میں کامل ہے۔

اسی طرح حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کسی طالب کو لکھتے ہیں کہ:۔

"در احوال مشار الیہ نوشتہ اند کہ بے تعلقی دل بہم رسیدہ است وخطرہ ماسوی

دولت یادداشت منتہی کو حاصل ہوتی ہے

بدون دوام ذکر کے وصول الی اللہ نہیں ہوتا

بدل نمی گذرد بسے شریف است و معتبر است بفنائے قلب و قدم اول است
در اطوار ولایت۔ (مکتوبات معصومیہ صفحہ ۲۵)

فنائے قلب

یعنی آپ نے اپنے حالات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ دل کی بے تعلقی بخوبی حاصل ہوگئی ہے اور اب دل میں ماسوا کا خطرہ تک نہیں گذرتا (الحمدللہ) یہ حال نہایت ہی عمدہ ہے اسی کو صوفیہ فنائے قلب کہتے ہیں اور یہی مدارج ولایت میں پہلا قدم ہے۔

اسی طرح سے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

فنائے نفس

ایں کوہ الوند یہ کلمۂ طیبہ از بیخ و بن برکندہ شود و انانیت و معاداۃ کہ بمولائے خود دارد منفی شود ایں حالت معبر بفنائے نفس است و قدم ثانی است در ایں راہ۔ (حوالہ بالا)

یعنی اس کوہ الوند کو (مراد اس سے اپنا نفس ہے) کلمۂ طیبہ لاالہ الا اللہ کے تیشہ سے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جا سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ انسان کی انانیت اور عداوت جو وہ اپنے مولائے حقیقی کیساتھ رکھتا ہے۔ نیست و نابود ہو جاتی ہے اور اس حالت کو فنائے نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی اس طریق کا دوسرا قدم ہے۔

نفس کے مارنے کا بڑا ذریعہ ذکر ہے

اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ دوام ذکر جس حالت کا نام ہے وہ بدون فنائے نفس کے نہیں حاصل ہوتی اب لوگ ذکر قلبی تک تو پہونچنا چاہتے ہیں اور نفس میں ذرا ہاتھ نہیں لگاتے نفس ان کا اسی طرح زندہ رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے نفس کے مارنے کا بڑا ذریعہ ذکر ہی کو بنایا ہے اور نفس کے مارنے میں ذکر کو بڑا دخل اس لئے ہے کہ نفس کی صفت غفلت ہے اور ذکر غفلت کی ضد ہے جس قلب میں ذکر آجاتا ہے وہاں سے غفلت زائل ہو جاتی ہے۔ ؏ ہر جا کہ سلطان خیمہ زد غوغا نماند عام را۔

اس مضمون کو خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی عمدہ بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ :۔

باید دانست کہ صورت ایمان چنانچہ موقوف است بر نفی آلہہ آفاقی کہ اصنام و سائر معبودات کفرہ است حقیقت ایمان موقوف است بر نفی آلہہ انفسی کہ عبارت از ہوائے نفسانی است و گرفتاری است بما دون حق جل و علا آنچہ

کریمہ اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ ۝ شاہد ایں معنی است۔ بزرگان گفتہ اند کہ ہرچہ مقصود تست معبود تست پس طالب حق را جل وعلا از تکرار آں چارہ نیست لہذا اہل اللہ ایں کلمہ طیبہ را برائے سلوک وتسلیک اختیار فرمودہ اند تا سالک بتکرار ایں کلمہ از ہواہائے نفسانی و وساوس شیطانی و مقاصد انسانی بتمام برآید و مقصود و معبود و محبوب او غیر از ذات منزہ نماند و فنا حاصل شود۔ بیت ؎

ہیچکس را تا نگردد او فنا　　نیست رہ در بارگاہ کبریا

.... آرے اسم ذات جذب محبت می آرد وقسمے از فنا می بخشد و لیکن کلمہ نفی واثبات برائے سلوک در رفع علائق ناگزیر است تا فنائے حقیقی حاصل شود و حجب تمام مرتفع گردد ؎

تا بجاروب لا نروبی راہ　　نرسی در سرائے الا اللہ

(مکتوبات معصومیہ ص۲۴۰)

فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ جس طرح صورت ایمان آلہہ آفاقی یعنی اصنام اور کفار کے تمام معبودات کے نفی کرنے پر موقوف ہے اسی طرح سے حقیقت ایمان انفسی معبودات کی نفی پر موقوف ہے اور نفس کے معبودات سے مراد نفسانی خواہشات اور غیر حق کے ساتھ قلب کا لگاؤ ہے چنانچہ آیۃ قرآنیہ اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ۔ یعنی کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا کہ اپنا معبود اپنی خواہشات کو بنا رکھا ہے اس معنی پر شاہد عدل ہے (کہ اس میں بھی ھوی کو الٰہ فرمایا گیا ہے) بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو تمہارا مقصود ہے وہی تمہارا معبود ہے پس طالب حق کو اس کلمہ کے تکرار سے چارہ نہیں ہے اسی واسطے اہل اللہ نے اس کلمہ کو خاصکر سلوک وتسلیک کیلئے منتخب فرمالیا ہے تاکہ سالک اسکے تکرار کے ذریعہ ہوائے نفسانی وساوس شیطانی اور مقاصد انسانی سے بالکلیہ نکل جائے اور اس کا مقصود و معبود اور محبوب سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کچھ نہ رہ جائے اور اسکو فنائے تام حاصل ہوجائے ؎

کسی شخص کو جب تک کہ وہ فانی نہ ہوجائے بارگاہ کبریا میں رسائی نہیں ہوتی۔

پھر ذرا آگے فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اسم ذات جذب محبت کا باعث ہوتا ہے اور ایک قسم کا فنا بھی بخشتا ہے لیکن کلمہ نفی واثبات سلوک کیلئے اور ازالہ علائق کے لئے ناگزیر ہے تاکہ فنائے حقیقی حاصل ہو

اور حجابات بالکلیہ مرتفع ہو جائیں کسی نے خوب کہا ہے۔

جب تک کہ لا کے جھاڑو سے راستہ کو صاف نہ کرو گے الا اللہ کے سرائے میں داخل نہ ہوسکو گے۔

اصل میں تو آدمی واصل ہوتا ہے حق تعالیٰ کے جذب فرمانے سے لیکن یہ جذب مرتب ہوتا ہے نفس کے فنا کر دینے پر جس کا طریق ذکر ہے اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

بے فنائے خویش و بے جذب قوی ۔۔۔ کے حریم وصل را محرم شوی

یعنی بغیر اپنے کو فنا کئے ہوئے اور بدون اودھر ہی سے جذب قوی کے آئے ہوئے تم حریم وصل کے محرم یعنی واصل بمحبوب حقیقی کب ہو سکتے ہو۔

میں نے جو حدیث شروع میں بیان کی ہے اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ الحدیث تو اب اسکی شرح مرقات سے بیان کرتا ہوں۔ صاحب مرقاۃ نے ابن ملک کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں جو ذکر اللہ آیا ہے تو

اَلْمُرَادُ الذِّکْرُ الْقَلْبِیُّ فَاِنَّہٗ ھُوَ الَّذِیْ لَہٗ الْمَنْزِلَۃُ الزَّائِدَۃُ عَلٰی بَذْلِ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ لِاَنَّہٗ عَمَلٌ نَفْسِیٌّ وَفِعْلُ الْقَلْبِ الَّذِیْ ھُوَ اَشَقُّ مِنْ عَمَلِ الْجَوَارِحِ بَلْ ھُوَ الْجِھَادُ الْاَکْبَرُ لَا الذِّکْرُ بِاللِّسَانِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰی صِیَاحٍ وَّانْزِعَاجٍ وَّشِدَّۃِ تَحْرِیْکِ الْعُنُقِ وَاعْوِجَاجٍ کَمَا یَفْعَلُہٗ بَعْضُ النَّاسِ زَاعِمِیْنَ اَنَّ ذٰلِکَ جَالِبٌ لِّلْحُضُوْرِ وَمُوْجِبٌ لِّلسُّرُوْرِ وَحَاشَا لِلّٰہِ بَلْ سَبَبُ الْغَیْبَۃِ وَالْغُرُوْرِ۔

(مرقاۃ ص ۱۲ ج ۳)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذکر اللہ کو جو خیر العمل فرمایا تو مراد اس سے ذکر قلبی ہے اس لئے کہ بذل اموال اور بذل انفس سے وہی مرتبہ میں بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ نفس کا عمل اور قلب کا فعل ہے جو کہ عمل جوارح سے زیادہ دشوار ہوتا ہے بلکہ وہ تو جہاد اکبر ہے ذکر لسانی مراد نہیں ہے جو کہ مشتمل ہوتا ہے چیخ و پکار پر بدن کے اینٹھنے اور گردن کو زور زور سے ہلانے اور ٹیڑھا کرنے پر جیسا کہ بعض لوگ کیا کرتے ہیں اور اپنے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضور کیلئے معین اور سرور کا موجب ہے خدا اس جہل سے بچائے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تو ان کے لئے اور زیادہ بُعد اور غرور کا سبب ہو جاتا ہے۔ انتہی

ابن ملک کے اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر قلبی سراپا محمود و مقبول اور ذکر لسانی قطعاً مذموم اور ناقابل التفات چیز ہے۔ صاحب مرقاۃ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

ثُمَّ لَا شَكَّ أَنَّ الذِّكْرَ يُطْلَقُ عَلَى الْجَنَانِيِّ وَعَلَى اللِّسَانِيِّ وَأَنَّ الْمَدَارَ عَلَى الْقَلْبِ الَّذِي يَتَقَلَّبُ بِسَبَبِ ذِكْرِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْغَيْبَةِ إِلَى الْحُضُوْرِ وَإِنَّمَا اللَّفْظِيُّ وَسِيْلَةٌ لِحُصُوْلِ الْوُصُوْلِ وَصِلَةٌ وَاخْتَلَفَ الْمَشَائِخُ فِي أَيِّهِمَا أَفْضَلُ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الذِّكْرِ الْقَلْبِيِّ وَأَمَّا الْأُمُوْرُ الْبِدْعِيَّةُ وَالْأَغْرَاضُ الدُّنْيَوِيَّةُ فَخَارِجَةٌ عَنِ الْأَنْوَاعِ الذِّكْرِيَّةِ وَلَا رَيْبَ أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا أَكْمَلُ وَفِي تَحْصِيْلِ الْمَثُوْبَةِ أَفْضَلُ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ الْمُرَادُ هٰهُنَا۔ (حوالہ بالا)

یعنی بلاشبہ ذکر کا اطلاق جنانی اور لسانی دونوں پر کیا جاتا ہے لیکن اعتبار اور مدار قلب ہی کا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اس کی وجہ سے غیبت سے حضور کیجانب لوٹ آتا ہے۔ رہا لفظی ذکر تو یہ وصول کے حصول کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بنتا ہے (اس لئے اس کا بھی اپنی جگہ پر ایک درجہ ہے)

آگے فرماتے ہیں کہ مشائخ کا باہم اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ مبتدی کیلئے کونسا ذکر افضل وبہتر ہے۔ لفظی یا قلبی تاہم اس پر اتفاق ہے کہ منتہی کے ذکر کی انتہا قلبی ہی پر ہوتی ہے۔ باقی ذکر لسانی ہو یا قلبی کسی میں اگر امور بدعیہ اور اغراض دنیویہ کی آمیزش ہوجائیگی تو وہ انواع ذکر ہی سے خارج شمار ہوگا۔ اور اس میں تو کلام ہی نہیں کہ دونوں ذکروں کا جمع کرلینا کمال اور اکمل حال ہے اور تحصیل ثواب میں افضل ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہاں یہی مراد ہے۔ آگے اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ مجاہدہ مذکور اور مقاتلہ مشکور جنکا ذکر حدیث میں گذرا ہے وہ ذکر قلبی سے خالی نہیں ہوتا مگر یہ کہ حدیث کی تقریر یوں کیجائے کہ ایسے شخص کا ذکر قلبی جوکہ ایک جہاد باطنی ہے اسی کے جہاد ظاہری سے افضل ہے۔ پس اس حدیث کا مضمون ایسا ہوگیا جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرا ارشاد ہے کہ ایک شخص اپنے دامن میں درہم بھرے ہوئے اسکو تقسیم کر رہا ہے دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے تو یہ ذکر کرنے والا اس صدقہ کرنے والے سے افضل ہوگا۔

آگے فرماتے ہیں کہ اس توجیہ نے ابن حجرؒ کے تحیر کو بھی ختم کردیا کیونکہ وہ بہت پریشان تھے۔ کہ ذکر میں اگر قرآن کو بھی شامل کرلیا جاوے تب تو وہ بلاشبہ دیگر اعمال لسانیہ سے افضل ہے لیکن دوسری انواع عبادات مثلاً انفاق مال اور بذل النفس وغیرہ سے اس کا افضل ہونا محل نظر ہے کیونکہ ہمارے ائمہ کے کلام سے اس کے خلاف کا پتہ چلتا ہے۔ (انتہی کلامہ)

صاحب مرقاۃ کا ارشاد ہے

دونوں ذکروں کا جمع کرلینا اکمل حال ہے

ابن حجرؒ کا تحیر

اسکے جواب میں شیخ الاسلام عزالدین بن عبد السلام نے فرمایا کہ یہاں حدیث سے یہ نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ کسی عبادت کا ثواب بقدر تعب و مشقت کے ملا کرتا ہے یہاں تو صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی امر قلیل پر اجر جزیل عطا فرما دیتے ہیں اور یہ تفاوت ثواب عبادت کے شرف مراتب کے تفاوت پر مرتب ہوتا ہے صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام نے یہ بات بالکل صحیح فرمائی۔

آگے صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ ابن حجر نے ایک اور عجیب بات کہی وہ یہ کہ انفاق مال... سے تو بخل کا رذیلہ دور ہوتا ہے اور بذل نفس سے ازالہ جبن ہوتا ہے رہا ذکر اللہ تو اس سے مقصود کی یاد ضرور تازہ ہو جاتی ہے مگر بخل اور جبن جیسے رذائل کے ازالہ میں (جن سے بڑھکر کوئی رذیلہ نہیں) اسے کوئی دخل نہیں ہے۔ انتہی۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ ابن حجر کا یہ کہنا ذکر کے معنی اور اسکی حقیقت سے ناواقفیت پر مبنی ہے ورنہ تو انسان کی ظاہری اور باطنی جتنی بھی بیماریاں ہیں سب کا مداوا ذکر اللہ ہے مگر ہاں ایسا ذکر جو قلب غافل سے نہ ہو بلکہ قلب میں جو کہ سلطان الاعضا اور امیر البدن ہے اثر کرنیوالا ہو تو اسی کیوجہ سے قلب میں بذل مال اور بذل نفس کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اسمیں اخلاص آتا ہے ورنہ بدون اسکے بذل مال خسارہ مالی سے زیادہ کچھ نہیں اور بذل نفس ضیاع نفس کا مصداق ہے کیونکہ جب کوئی عمل خدا کیلئے نہ ہوگا تو ظاہر ہے نفع سے بھی خالی ہوگا۔

اسی وجہ سے ایک اور شارح نے اس مقام پر یہ لکھا ہے کہ۔

وَلَعَلَّ الْخَيْرِيَّةَ وَالْاَرْفَعِيَّةَ فِي الذِّكْرِ لِاَجْلِ اَنَّ سَائِرَ الْعِبَادَاتِ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمِنْ مُلَاقَاتِ الْعَدُوِّ وَالْمُقَاتَلَةِ مَعَهُمْ اِنَّمَا هِيَ وَسَائِلُ وَوَسَائِطُ يَتَقَرَّبُ الْعِبَادُ بِهَا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَالذِّكْرُ اِنَّمَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ الْاَسْنٰى وَالْمَطْلُوْبُ الْاَعْلٰى۔

(مرقاۃ ص۱۳ ج ۳)

فرماتے ہیں کہ شاید کہ ذکر کا خیر ہونا اور ارفع ہونا اور ازکی ہونا اسوجہ سے ہو کہ اور دیگر عبادات مثلاً انفاق مال اور ملاقات عدو اور مقاتلہ کفار وغیرہ یہ سب وسائل اور وسائط ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اور ذکر اللہ تو مقصود اصلی اور مطلوب اعلیٰ ہے

(اسکے بعد صاحب مرقاۃ نے ذکر کی فضیلت بیان کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ)۔

جواب شیخ الاسلام ابن عبد السلام

ابن حجر کا اشکال

صاحب مرقاۃ کا جواب

ذکر کی خیریت اور ارفعیت کی وجہ

وَنَاهِيكَ عَنْ فَضِيلَةِ الذِّكْرِ قَوْلُهُ تَعَالَى فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَأَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي (الحدیث)

وَلِذَا قَالَ الْغَزَالِيُّ بَعْدَ مَا دَخَلَ فِي مَقَامِ الذِّكْرِ ضَيَّعْتُ قِطْعَةً مِّنَ الْعُمْرِ فِي الْوَجِيزِ وَالْوَسِيطِ وَالْبَسِيطِ بَلْ يَعُدُّونَ الْعَارِفُونَ الْغَفْلَةَ مِنْ أَنْوَاعِ الرِّدَّةِ وَلَوْ خَطْرَةً عَلَى سَبِيلِ الْمُبَالَغَةِ كَمَا قَالَ شعر

وَلَوْ خَطَرَتْ لِي فِي سِوَاكَ إِرَادَةٌ		عَلَى خَاطِرِي سَهْوًا حَكَمْتُ بِرِدَّتِي

یعنی اور کافی ہے تمہارے لئے ذکر کی فضیلت کے بیان میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا اور یہ ارشاد کہ انا جلیس من ذکرنی یعنی میں اپنی یاد کرنیوالے کا ہمنشین ہوں اور یہ ارشاد کہ انا معہ اذا ذکرنی یعنی میں ذکر کرنیوالے کا ساتھی ہوں جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف اَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُ اسکے ماتحت صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ میں اسکے ساتھ ہوں یعنی توفیق کے ساتھ اور حفاظت اور معونت کے ساتھ یا ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے میں سنتا ہوں یا یہ کہ اسکے حقیقت حال سے واقف ہوں اور اسکی کوئی بات مجھ پر مخفی نہیں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے یعنی قلب و لسان دونوں سے چنانچہ جب وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے یعنی خفیہ اور پوشیدہ طور پر یا مطلب یہ ہے کہ صدق اور اخلاص کے ساتھ تو میں بھی اپنے نفس میں اسکو یاد کرتا ہوں یعنی اسکے ثواب کو مخفی رکھتا ہوں جیسا کہ اس نے اپنے عمل کو مخفی رکھا یا یہ کہ اسکے ثواب دینے کا خود متولی ہوتا ہوں کسی دوسرے کے حوالہ اسے نہیں کرتا اور اگر وہ مجھکو مجمع میں یاد کرتا ہے یعنی مومنین کی جماعت کے ساتھ یا انکے مجمع میں تو میں اسکو ثنا جمیل کے ساتھ یا اجر جزیل کے ساتھ اور حسن قبول اور توفیق وصول کے ساتھ ایک ایسے مجمع میں یاد کرتا ہوں جو اس کے مجمع سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے اسلئے کہ وہ فرشتوں کا مجمع ہوتا ہے اور وہ معصوم ہوتے ہیں اور انھیں طاعت کی بڑی قوت حاصل ہوتی ہے اور اسرار الٰہیہ پر انھیں کامل اطلاع ہوتی ہے اور انوار ملکوتیت کے وہ لوگ مشاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

طیبیؒ نے کہا ہے کہ وہ مجمع ہوتا ہے ملائکہ مقربین کا اور ارواح مرسلین کا اور ظاہر ہے کہ یہ مجمع انسانوں کے مجمع سے بہتر ہی ہے۔ (مرقاۃ صہ ج ۳)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو یاد فرمانا اسکے لئے کسقدر فخر و شرف کی بات ہے چنانچہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اسی قول نے ابھارا کہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کیونکہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ذاکر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مذکور ہوتے ہیں لیکن اسکے ذکر کرنے کیوجہ سے جب اللہ تعالیٰ اسکا ذکر فرماتے ہیں تو بندہ مذکور اور اللہ تعالیٰ ذاکر ہو جاتے ہیں۔ سبحان اللہ ذاکرین کے لئے کتنی بڑی خوشخبری ہے۔

ع۔ بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

اسی کو کسی شاعر نے یوں کہا ہے کہ ؎

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

غرض اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اسکا اجر دونوں لذیذ ہیں چنانچہ علماء ظاہر نے جب ذکر کے مقام میں قدم رکھا ہے اور اس سے لذت آشنا ہوئے ہیں تب انھیں اسکی قدر ہوئی ہے اور پھر اپنی سابق زندگی پر جو کہ اس سے خالی گذری تھی بہت افسوس کیا بلکہ اپنی اس عمر کو انھوں نے ضائع سمجھا جیسا کہ صاحب مرقاۃ آگے امام غزالیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ اسی واسطے امام غزالیؒ نے مقام ذکر میں داخل ہونے کے بعد فرمایا کہ افسوس میں نے اپنی عمر کا ایک معتد بہ حصہ وجیز۔ وسیط اور بسیط کے لکھنے میں ضائع کیا (کہ ذکر کے فضائل و کمالات سے عاری رہا) بلکہ عارفین نے تو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کو ایک قسم کی ردّت شمار کیا ہے اور غفلت تو الگ رہی غفلت کے خطور کو بھی مبالغۃً ردّت ہی جانا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ اگر میرے دل میں تیرے علاوہ کسی غیر کا خطرہ بھی گذرے تو میں اپنے پر مرتد ہونے کا حکم لگاؤں۔ (مرقاۃ حوالۂ بالا)

میں کہتا ہوں کہ اللہ والوں کو دار دنیا ہی میں اپنی غفلت اور ترک ذکر پر جب اسقدر قلق ہوتا ہے تو اسی سے تصدیق ہوگئی اس مضمون کی جو حدیث میں آتا ہے اور مشائخ بھی بیان کرتے ہیں مثلاً ارشاد الطالبین میں ہے کہ

برصوفی لازم است کہ اوقات خود را بذکر الٰہی معمور دارند و در بطالت نگذارند۔ در حدیث آمدہ کہ اہل جنت حسرت نکنند مگر بر ساعتے کہ ذکر خدا نکردہ باشند۔ (ارشاد الطالبین صہ ۳۶)

فرماتے ہیں کہ سالکِ راہ خدا پر لازم ہے کہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھے اور بیکاری میں اپنا وقت نہ گذارے اسلئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت میں کسی چیز پر اہل جنت کو حسرت نہ ہوگی بجز اسوقت کے ضیاع پر کہ دنیا میں جسمیں اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا ہوگا اسپر وہ حسرت و افسوس کرینگے۔

مطلق ذکر کی فضیلت بیان کرنے کے بعد آگے صاحب مرقاۃ افضل الذکر کے فضائل و برکات خواص اور آثار بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

ثُمَّ لَا ارْتِیَابَ اَنَّ اَفْضَلَ الذِّکْرِ قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهِیَ الْقَاعِدَةُ الَّتِیْ یُبْنٰی عَلَیْهَا اَرْکَانُ الدِّیْنِ وَهِیَ الْکَلِمَةُ الْعُلْیَا وَهِیَ الْقُطْبُ الَّذِیْ یَدُوْرُ عَلَیْهَا رَحَی الْاِسْلَامِ وَهِیَ الشُّعْبَةُ الَّتِیْ اَعْلٰی شُعَبِ الْاِیْمَانِ قَالَ الطِّیْبِیُّ بَلْ هُوَ الْکُلُّ وَلَیْسَ غَیْرُهُ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اِذِ الْوَحْیُ مَقْصُوْرٌ عَلَی اسْتِیْثَارِ اللّٰهِ تَعَالٰی بِالْوَحْدَانِیَّةِ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ الْاَعْظَمَ مِنَ الْوَحْیِ هُوَ التَّوْحِیْدُ وَسَائِرُ التَّکَالِیْفِ مُتَفَرِّعٌ عَلَیْهِ۔

ثُمَّ قَالَ وَلِاَمْرٍ مَا تَجِدُ الْعَارِفِیْنَ وَاَرْبَابَ الْقُلُوْبِ وَالْیَقِیْنِ یَسْتَاْثِرُوْنَهَا عَلٰی سَائِرِ الْاَذْکَارِ بِمَا رَاَوْا فِیْهَا خَوَاصَّ لَیْسَ الطَّرِیْقُ اِلٰی مَعْرِفَتِهَا اِلَّا الْوِجْدَانُ وَالذَّوْقُ (مرقاۃ ص۱۳ ج۳)

فرماتے ہیں کہ اسمیں شک نہیں کہ سب ذکروں سے بڑھکر ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور یہ بمنزلہ اس بنیاد کے ہے جس پر ارکان دین کی بنا رکھی گئی ہے اور یہی وہ بلند کلمہ اور قطب ہے جس پر اسلام کی چکی گھومتی ہے نیز یہی کلمہ اسلام کے شعبوں میں سے سب سے بڑا شعبہ ہے اور علامہ طیبیؒ کہتے ہیں بڑا شعبہ کیا بلکہ یہی کل ہے اسکے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں (اور اسکی دلیل میں یہ آیت پڑھی) قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امر فرمایا کہ آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر وحی کیگئی کہ جز این نیست کہ تمہارا معبود اللہ وحدہٗ لاشریک ہے تو دیکھو کہ اسمیں وحی کو منحصر کردیا توحید یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک جاننے میں اسلئے کہ وحی کا مقصود اعظم تو توحید ہی ہے اور دیگر تکالیف شرعیہ اسی پر متفرع ہوتی ہیں اور کلمہ طیبہ میں توحید ہی بیان کی گئی ہے۔ بس کہہ سکتے ہیں کہ اجمالی طور پر گویا کل دین توحید ہی میں ہے۔ اس سے بھی کلمہ کی فضیلت ثابت ہوئی

میں یہ کہتا ہوں کہ علامہ طیبیؒ نے یہ جو فرمایا کہ بَلْ هُوَ الْكُلُّ وَلَيْسَ غَيْرُهُ بالکل صحیح فرمایا
اسی بات کو ایک دوسرے عنوان سے یوں سمجھئے کہ :-

ارباب طریق میں یہ امر منقول چلا آرہا ہے کہ ان کے یہاں چار چیزیں ہیں ۔ شریعت طریقت ۔ حقیقت اور معرفت تو اسی کلمہ لا الہ الا اللہ میں یہ سب موجود ہیں ۔ دیکھئے قرآن شریف میں یہ کلمہ مذکور ہے حدیث شریف میں اسکا ذکر آیا ہے اسلئے تو یہ شریعت ہوئی اور ذاکر اپنے قلب سے رذائل کے تخلیہ یعنی غیر اللہ کو اپنے قلب سے نفی کرنے کے لئے اسکا پیہم ذکر کرتا ہے تو اسکا نام طریقت ہوا کیونکہ طریقت کہتے ہیں شریعت پر چلنے کو ۔ اور پھر اس نفی کے بعد قلب سے غیر اللہ کا انتفاء ہو جاتا ہے یہ حقیقت ہے اور گو اس مرتبہ کا حصول سالک کے لئے غیر اختیاری ہے تاہم حسب وعدہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا حق تعالیٰ اپنے فضل سے نفی پر اس انتفاء کو مرتب فرما دیتے ہیں ۔ پس جب سالک پر حقیقت منکشف ہوگی تو پھر اسکے لئے معرفت کا حصول بھی لازم ہو جاتا ہے اسلئے کہ تحصیل حقیقت اور حصول معرفت میں تلازم ہے اسطرح سے اسی ایک کلمہ میں شریعت ۔ طریقت ۔ حقیقت اور معرفت سب ہی کچھ موجود ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین نے ہر زمانہ میں اسکا اہتمام فرمایا ہے اور تمام اذکار پر اسکو ترجیح دی ہے جیسا کہ خود صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ

آخر کوئی بات تو ہے کہ تم عارفین کو اور ارباب قلوب و یقین کو دیکھتے ہو کہ تمام اذکار پر اسکو ترجیح دیتے ہیں اسلئے کہ انھوں نے اسکے اندر ایسے خواص دیکھے ہیں کہ جنکے پہچاننے کا بجز وجدان اور ذوق کے اور کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حضرات اس کلمہ کے ذکر کی کثرت سے وجدان اور ذوق تک پہنچے ہیں اور پھر وجدان اور ذوق کے ذریعہ سے اسکی برکات کا ان پر انکشاف ہوا اب اگر میں اس پر یہ شعر پڑھوں تو کچھ بیجا نہ ہوگا ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را　　　　چہ شناسی زبانِ مرغاں را

ظاہر ہے کہ اب اس صورت میں علم ہونیکا ذریعہ یہی ہے کہ یا تو خود انسان ایسا وجدان اور ذوق اپنے اندر پیدا کرے اور اسکی وجہ سے خواص و برکات کا خود مشاہدہ کرلیوے اور اگر اتنی ہمت نہیں تو پھر جو لوگ کہ اہل ذوق اور اہل وجدان ہیں یعنی جنھوں نے کہ ذوق و وجدان کو اپنے اندر پیدا کیا ہے اور اسکے بعد اسکے ذریعہ سے انکے قلب پر انکشاف ہوا اور انھوں نے

[illegible] (vertical margin note)

اسکی خبر دی ہے اسکی تصدیق کرے اور اگر خود بھی حاصل نہیں کیا اور نہ حاصل کرنیوالوں کی تصدیق کی تو پھر اس چیز کے ان تک پہونچنے کی کوئی صورت نہیں۔

علماء نے محسوسات میں اسکی ایک مثال دی ہے کہ جیسے ثبوت ہلال کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان خود اسکا مشاہدہ کرے اور اگر انسان ضعیف البصر اور فاقد البصر ہے تو خود چاند نہیں دیکھ سکتا تو اب اسکے لئے متعین ہے کہ جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے انکی رویت کی تصدیق کرے لیکن اگر کوئی شخص نہ تو خود چاند دیکھ سکتا ہو اور نہ دیکھنے والوں کی تصدیق کرے تو ظاہر ہے اسکے لئے رویت ہلال کی کوئی صورت نہیں ہے۔

پس جب عارفین اور ارباب قلوب ویقین فرما رہے ہیں کہ ہم نے کلمہ طیبہ کے ذکر میں کچھ خواص دیکھے ہیں اور کچھ برکات دیکھے ہیں جو دیگر اذکار میں نہیں ہیں اور اسی لئے ان حضرات نے اس کلمۂ شریف کو سلوک وتسلیک کیلئے تجویز فرمایا ہے تو اور لوگوں کو اسکی تصدیق کرنی چاہیئے۔

آگے صاحب مرقاۃ کلمۂ طیبہ کے خواص وبرکات کو ایک واقعہ سے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

سید علی بن میمون کا واقعہ

وَمِمَّا يُوْضِحُ لَكَ ذَالِكَ اَنَّ السَّيِّدَ عَلِيَّ ابْنَ مَيْمُوْنِ الْمَغْرِبِيَّ لَمَّا تَصَرَّفَ فِي الشَّيْخِ عُلْوَانِ الْحَمَوِيِّ وَهُوَ كَانَ مُفْتِيًا مُدَرِّسًا فَنَهَاهُ عَنِ الْكُلِّ وَاشْغَلَهُ بِالذِّكْرِ فَطَعَنَ الْجُهَّالُ فِيْهِ بِاَنَّهُ اَضَلَّ شَيْخَ الْاِسْلَامِ وَمَنَعَهُ عَنْ نَفْعِ الْاَنَامِ ثُمَّ بَلَغَ السَّيِّدَ اَنَّهُ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ اَحْيَانًا فَمَنَعَهُ مِنْهُ فَقَالَ النَّاسُ اِنَّهُ زِنْدِيْقٌ يَمْنَعُ مِنْ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ الَّذِيْ هُوَ قُطْبُ الْاِيْمَانِ وَغَوْثُ الْاِيْقَانِ لٰكِنْ طَاوَعَهُ الْمُرِيْدُ اِلٰى اَنْ حَصَلَ لَهُ الْمَزِيْدُ وَانْجَلَتْ مِرْآةُ قَلْبِهٖ وَحَصَلَ لَهُ مُشَاهَدَةُ رَبِّهٖ فَاَذِنَ لَهُ فِيْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فَلَمَّا فَتَحَ الْمُصْحَفَ فُتِحَ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَاتُ الْاَزَلِيَّةُ وَالْاَبَدِيَّةُ وَظَهَرَ لَهُ كُنُوْزُ الْمَعَارِفِ وَالْعَوَارِفِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنِيَّةِ فَقَالَ السَّيِّدُ اَنَا مَا كُنْتُ اَمْنَعُهُ عَنِ الْقُرْآنِ وَاِنَّمَا كُنْتُ اَمْنَعُهُ عَنْ لَقْلَقَةِ اللِّسَانِ وَالْغَفْلَةِ عَمَّا فِيْهِ مِنَ الْبَيَانِ فِيْ هٰذَا الشَّانِ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

فرماتے ہیں کہ اور تمہارے لئے کلمہ طیبہ کے خواص اور آثار ظاہر کرنیوالے واقعات کے منجملہ ایک

واقعہ یہ ہے کہ سید علیؒ بن میمون مغربی نے جب شیخ علوانؒ حموی میں تصرف کیا جس وقت کہ وہ مفتی اور مدرس تھے تو انھیں سب مشاغل سے روکدیا اور ذکر میں انکو لگا دیا (میں کہتا ہوں کہ سیاق و سباق سے ظاہر یہی ہے کہ شیخ نے انکے لئے نفی و اثبات ہی کا ذکر تجویز فرمایا ہوگا) اس پر جاہل عوام نے شور مچایا اور اعتراض کیا کہ سید علی بن میمون نے تو شیخ الاسلام کو گمراہ کردیا اور خلق خدا کو نفع پہونچانے سے انکو روکدیا کچھ دنوں بعد سید علیؒ کو یہ اطلاع ملی کہ شیخ علوان کبھی کبھی تلاوتِ قرآن بھی کیا کرتے ہیں پس اس سے بھی روکدیا۔ اب تو جاہلوں کو اور موقع ملا اور آپسمیں چرچا کیا کہ سید علی تو زندیق ہوگیا اسلئے کہ قرآن جو کہ قطب الایمان اور غوث الایقان ہے انکی تلاوت سے بھی منع کرتا ہے۔ غرض ادہر لوگ اعتراض کرتے رہے مگر مرید رشید نے شیخ کا انقیاد کیا اور انکی تعلیم کا اتباع کیا یہاں تک کہ انھیں بڑے بڑے مراتب ملے اور انکے قلب کا آئینہ منور ہوگیا اور رب کا مشاہدہ حاصل ہوا اسکے بعد شیخ نے تلاوت قرآن کی اجازت دیدی چنانچہ اب جو مصحف کھولا تو اپنے اوپر فیوض ازلیہ و ابدیہ کا ظہور دیکھا اور ظاہری و باطنی عوارف اور معارف کے خزانوں کو کھلا ہوا پایا اس وقت سید علیؒ نے کہا کہ اب تو تمہاری بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ میں نے تم کو تلاوت قرآن سے نہیں روکا بلکہ یہ پسند نہیں تھا کہ تم اسکو محض زبان سے پڑھو اور اسمیں جو مضامین عالیشان بیان فرمائے گئے ہیں اس سے تمہارا قلب غافل رہے۔ اسی سے تم کو نکالنا تھا اب (الحمد للہ) تم اس سے نکل گئے جاؤ اب خوب تلاوت کرو۔

آپ نے دیکھا کہ ذکر اللہ کی برکت سے شیخ علوان حموی کتنے بڑے عقبہ سے نکل گئے اسی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ ذکر اللہ کے لئے خواص و برکات ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ وہ برکت یہی ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت سے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور عشق و محبت کا خاصہ ہی یہ ہے کہ جب وہ کسی قلب میں جاگزیں ہوجاتی ہے تو وہاں سے رذائل کا خاتمہ ہوجاتا ہے مولینا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ؎

ازالۂ رذائل محبت کا خاصہ ہے

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد — او ز حرص و عیب کلی پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما — اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما — اے تو افلاطون و جالینوس ما

یعنی عشق حاصل ہوجانے کے بعد آدمی حرص اور جمیع نقائص اور اخلاق ذمیمہ سے بالکل پاک ہوجاتا ہے آگے مولینا عشق کو مجازاً مخاطب کرکے فرما رہے ہیں کہ اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات

درست ہوجاتے ہیں اور تجھ سے سب امراض کا علاج ہوجاتا ہے اور نخوت وناموس کا دفعیہ ہوتا ہے کیونکہ عشق کیلئے ذلت لازم ہے۔ اور ذلت وناموس جمع نہیں ہوتے ایک کے غلبہ سے دوسرا جاتا رہتا ہے آگے عشق کی کارفرمائی کو بعض واقعات سے بیان کرتے ہیں ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جان طور آمد عاشقا طور مست وخر موسیٰ صاعقا

جسم خاک سے مراد جسد مبارک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور افلاک پر جانے سے مراد معراج ہے اور کوہ کا رقص میں آنا اشارہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصۂ خواہش دیدار کی طرف مطلب یہ کہ آپ کا معراج میں تشریف لیجانا بوجہ عشق ہی کے ہوا کیونکہ آپ محبوب تھے اور محبوب کو قرب وعروج عطا ہی ہوتا ہے اسی طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصۂ دیدار بھی بدولت عشق ہی کے ہوا۔ کیونکہ اس واقعہ میں آپ محب تھے اسی کی وجہ سے آپ نے دیدار کی درخواست کی جس سے تجلی ہوئی اور پہاڑ حرکت میں آگیا جس کو یہاں مجازاً مستی سے تعبیر کیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے۔ غرض ایک اثر محبوبیت کا تھا اور دوسرا محبیت کا اسمیں بھی عشق کی مدح کرنا مقصود ہے (کلید مثنوی ج ۱ ص ۲)

یہ حضرات عشق ومحبت کی مدح اسلئے کرتے ہیں تاکہ انسان کو اس سے محبت ہوجائے اور وہ اسکی تحصیل کی فکر میں لگ جائے کیونکہ محبت کارفرما ہوتی ہے اور ماسوائے محبوب ہر شئے کو قلب سے نکالدیتی ہے اسی کو مولانا رومؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوجاتا ہے تو پھر علاوہ معشوق کے سب چیزوں کو خاکستر کرکے رکھدیتا ہے۔ جن میں رذائل بھی داخل ہیں۔ پس جب قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت آجاتی ہے تو رذائل سب فنا ہوجاتے ہیں۔

یہاں تو مولینا رومؒ نے یہ فرمایا ہے اور ایک دوسرے مقام پر ذکر اللہ کا ازالۂ رذائل کا سبب ہونا ایک دوسری جہت سے بیان فرمایا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ بہت خوب فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ ؎

ذکر حق پاک است وچوں پاکی رسید رخت بر بندد برون آید پلید
میگریزد ضدہا از ضدہا شب گریزد چوں بر افروزد ضیا
چوں برآید نام پاک اندر دہاں نے پلیدی ماند وتے آں دہاں

یعنی حق تعالیٰ کا ذکر ایک پاک چیز ہے اور جب کسی جگہ پاکی پہونچ جاتی ہے تو پھر وہاں سے پلیدی اپنا بوریہ بستر باندھکر رخصت ہو جاتی ہے۔ جب حق تعالیٰ کا پاک نام منھ میں آجاتا ہے یعنی زبان پر جاری ہو کر قلب تک پہونچ جاتا ہے تو پھر نہ وہاں پلیدی ہی رہجاتی ہے اور نہ اب وہ منھ ہی پہلے جیسا باقی رہ جاتا ہے۔

سبحان اللہ کیا عمدہ بات بیان فرمائی ہے اور کیسی مثل بیان فرمائی ہے۔ پس یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ جو ذکر کہ موثر فی القلب ہو وہ رذائل کا ازالہ کر دیتا ہے اور یہ کہنا کہ ذکر اللہ کو ازالۂ رذائل میں کوئی دخل نہیں بلاشبہ ذکر کے معنی اور اسکی حقیقت سے ناواقفیت ہی پر مبنی ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے ابن حجرؒ کا یہ قول بھی مقام ذکر میں قدم رکھنے سے پہلے کا ہو اس لئے کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے طریق میں قدم بعد میں رکھا۔ اس سلسلہ میں انکا ایک واقعہ علامہ شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

وَقَدْ شَرَحَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ بَعْضَ اَبْيَاتٍ مِنْ تَائِيَةِ ابْنِ الْفَارِضِ وَقَدَّ مَهَا اِلَى سَيِّدِى الشَّيْخِ مَدْيَنَ لِيَكْتُبَ لَهٗ عَلَيْهَا اِجَازَةً فَكَتَبَ لَهٗ عَلٰى ظَهْرِهَا مَا اَحْسَنَ مَاقَالَ بَعْضُهُمْ ؎

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّبًا ۔ شَتَّانَ بَيْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبٍ

ثُمَّ اَرْسَلَهَا اِلَى الْحَافِظِ فَتَنَبَّهَ لِاَمْرٍ كَانَ عَنْهُ غَافِلًا ثُمَّ اَذْعَنَ لِاَهْلِ الطَّرِيْقِ وَصَحِبَ سَيِّدِىْ مَدْيَنَ اِلٰى اَنْ مَاتَ۔

(الیواقیت ص۱۵)

اوپر سے صاحب یواقیت یہ فرماتے چلے آرہے ہیں کہ کسی کے کلام کی شرح کرنے کے لئے اسکی مراد سے واقفیت ضروری ہے چنانچہ جو شخص صوفیہ کی مراد سے ناواقف ہوگا وہ انکے کلام کی شرح نہیں کر سکتا اسی لئے یہ واقعہ لکھا ہے کہ علامہ ابن حجرؒ نے ابن فارضؒ کے قصیدہ تائیہ کے چند اشعار کی شرح لکھکر اسکو شیخ مدینؒ کی خدمت میں تصدیق اور تقریظ کیلئے پیش کیا تو انھوں نے اسی کے سرورق پر یہ لکھکر حافظ ابن حجر کو واپس کر دیا کہ

کسی نے کیا خوب بات کہی ہے کہ محبوبہ نے تو مشرق کا رخ کیا اور میں مغرب کی جانب چلدیا۔ پس مشرق اور مغرب کے جانیوالوں میں کتنا فاصلہ ہو جاتا ہے۔

مطلب شیخ مدینؒ کا یہ تھا کہ آپ علوم ظاہر کے ماہر ہیں چنانچہ حدیث کی شرح آپنے لکھدی لیکن امور باطن سے

آپکو مناسبت نہیں ہے اسلئے اسمیں دخل نہ دیجئے اور ان چیزوں کو جو اسکے اہل ہیں انھیں کیلئے رہنے دیجئے چنانچہ انکی اس تحریر سے ابن حجر کو تنبہ ہوا اور اپنی خامی کو سمجھ گئے اور طریق اور اہل طریق کی تصدیق کی اور انھیں شیخ مدین کی صحبت میں رہ پڑے اور انھیں کی صحبت میں زندگی گذار دی دیکھئے اسمیں تصریح ہے کہ حافظ ابن حجر کا ابتدائی دور طریق سے غفلت میں گذرا بالآخر ایک شیخ وقت نے انھیں ٹھیک کیا جس طرح کہ شیخ علوان حموی کو شیخ علی بن میمون نے درست کیا تھا۔

خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذکر اللہ کی کثرت سے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت تمام چیزوں سے بڑھکر ہے اور مومن کے لئے اسکی تحصیل فرض ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں ذکر اللہ کو خیر اعمال یعنی افضل اعمال اور ازکی عمل یعنی انمیٰ اور انقیٰ عمل اور انفاق ذہب وورق سے بھی بڑھکر اور بذل النفس فی سبیل اللہ سے بڑھکر فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ مورث محبت ہوتا ہے اور کسی چیز کے ذریعہ وسبب کا بھی وہی درجہ ہوتا ہے جو اس چیز کا ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دنیا وما فیہا سے بڑھکر ہے تو اسکے متعلق تو خود نص میں آتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

آپ ان سے کہدیجئے کہ اگر تمھارے باپ تمھارے بیٹے تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جسمیں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن میں رہنے کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب چیزیں تم کو اللہ سے اور اسکے رسول سے اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو انکے مقصود تک نہیں پہونچاتے۔

(بیان القرآن ص۱۰۳ پ۱۰)

دیکھئے اس آیت میں ان امور دنیویہ کی اجنبیت پر نکیر ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو غیر اللہ کی محبت پر غالب کرنے کی ترغیب اور اسکے ترک پر سخت وعید ہے۔

اور ابھی مفصل بیان کرچکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب عادی ذکر اللہ ہے اسلئے

یہاں حدیث میں ذکر کو جملہ طاعات سے اور انفاق مال اور بذل نفس سے افضل فرمایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت سب کی اصل ہے اور ذکر اسکا سبب ہے اور سبب کا بھی وہی درجہ ہوتا ہے جو مسبب کا ہوتا ہے۔ اسلئے ذکر اللہ کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔

حضرت سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصال حق کا مقناطیس ہے۔ قرب کا ذریعہ ہے۔ جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ اللہ تک پہونچ گیا۔

(البنیان المشید)

دیکھئے سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی کیسی ترغیب دی ہے اور اسکو وصال حق کا مقناطیس فرما رہے ہیں یعنی جس طرح مقناطیس میں اثر ہوتا ہے کہ اپنی طرف کشش کر لیتا ہے اسی طرح ذکر اہل ذکر کو کھینچ کر اللہ تعالیٰ تک پہونچا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

وصال حق طلبی ہم نشین نامش باش ببیں وصال خدا در وصالِ نام خدا

یعنی اگر تم حق تعالے کا وصال چاہتے ہو تو اسکے نام کی ہمنشینی اختیار کرو پھر حق تعالے کا وصال نام کے وصال میں دیکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نام خدا سے وصال ہی عین وصال حق ہے۔

ذکر کی فضیلت کے بیان کے بعد اب آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اذکار مسنونہ بیان کر دئے جائیں تاکہ طالبین کو انتخاب میں سہولت ہو اور غیر مسنونہ اذکار کی جانب توجہ نہ کریں کیونکہ شیطان کی اس زمانہ میں یہ بھی ایک رہزنی ہے کہ اس نے عوام کو اذکار مسنونہ سے غیر مسنونہ اوراد میں لگا دیا ہے۔ جیسا کہ صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ

وَالْعَوَامُّ يَتْرُكُوْنَهَا وَيَتَّبِعُوْنَ مُوَاظَبَةَ الْاَسْمَاءِ الْغَرِيْبَةِ وَالدَّعَوَاتِ الْعَجِيْبَةِ الَّتِيْ غَالِبُهَا لَا اَصْلَ لَهَا فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔

یعنی عوام اوراد مسنونہ کو تو ترک کر دیتے ہیں اور ایسے اسماء غریبہ اور دعوات عجیبہ کا اتباع کرتے ہیں جن میں اکثر و بیشتر ایسے ہوتے ہیں کہ کتاب و سنت میں انکی کوئی اصل نہیں ہوتی۔

پھر اذکار مسنونہ بھی کتاب و سنت میں بیشمار آئے ہیں۔ اتنے ہیں کہ اگر آپ ان سب کا احاطہ کرنا چاہیں گے تو پریشان ہو جائیں گے اور یہ سمجھ ہی میں نہ آئیگا کہ کس کو لیں اور کس کو نہ لیں جیسا کہ ایک

صحابیؓ کا واقعہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ شرائع اسلام کی کثرت سے گھبرا کر انھوں نے یہ عرض کیا

يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهِ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

یعنی یارسول اللہ اسلام کے اعمال مشروعہ مجھ پر بہت زیادہ ہوگئے ہیں لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم فرمائیے کہ جس کو میں مضبوطی کے ساتھ پکڑلوں (اور کامیاب ہوجاؤں) آپ نے فرمایا کہ بس اسکا لحاظ رکھو کہ تمھاری زبان ہر وقت ذکر اللہ سے تر رہے۔

اس پر صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ

قَوْلُهُ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ الْمُرَادُ مَا شَرَعَ اللّٰهُ وَ ظَهَرَهُ لِعِبَادِهِ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِهَا هُنَا النَّوَافِلُ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ أَيْ غَلَبَتْ عَلَيَّ بِالْكَثْرَةِ حَتّٰى عَجَزْتُ عَنْهَا لِضُعْفِي بِشَيْءٍ أَيْ بِشَيْءٍ قَلِيلٍ مُوجِبٍ لِجَزَاءٍ جَزِيلٍ أَسْتَغْنِي بِهِ عَمَّا يَغْلِبُنِي وَيَشُقُّ عَلَيَّ۔ قَالَ الطِّيبِيُّ مَعْنَاهُ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ يَسِيرٍ مُسْتَجْلِبٍ لِثَوَابٍ كَثِيرٍ (أَتَشَبَّثُ بِهِ) مِنْ عِبَادَةٍ جَامِعَةٍ غَيْرِ شَاقَّةٍ مَانِعَةٍ فِي مَكَانٍ دُونَ مَكَانٍ وَزَمَانٍ دُونَ زَمَانٍ وَحَالٍ دُونَ حَالٍ مِنْ قِيَامٍ وَقُعُودٍ وَأَكْلٍ وَشُرْبٍ وَمُخَالَطَةٍ وَاعْتِزَالٍ وَشَبَابٍ وَهَرَمٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَيَكُونُ جَابِرًا عَنْ بَقِيَّتِهَا مُشْتَمِلًا عَلٰى كُلِّيَّتِهَا۔

یعنی شرائع اسلام سے مراد وہ فرائض اور سنن ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مشروع فرمایا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ مراد یہاں اس سے نوافل ہیں یعنی امور نافلہ اس قدر کثیر ہیں کہ اپنی کثرت کی وجہ سے گویا وہ مجھ پر غالب آگئے ہیں اور میں اپنے ضعف کے سبب ان کے کرنے سے عاجز اور مغلوب ہوگیا ہوں لہٰذا مجھے کوئی ایسی مختصر سی چیز بتلا دیجئے جو عملاً تو قلیل ہو مگر ثواب کے اعتبار سے جزیل ہو اور جملہ نوافل سے بے نیاز کردینے والی ہو۔ طیبی فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی شے موجود تو یسیر ہو لیکن ثواب اسکا کثیر ہو یعنی ایسی کوئی عبادت ہو جو جامع بھی ہو نفس پر شاق بھی نہ ہو اور ایسی نہ ہو جو کسی جگہ یا کسی زمانہ میں ہوسکے اور کہیں نہ ہوسکے یا ایک حال میں تو کی جاسکے اور دوسرے حال میں اسکو نہ کرسکیں۔ یعنی قیام و قعود، اکل و شرب، خلوت و جلوت، جوانی اور بڑھاپے وغیرہ۔ غرض کہ سب حالات میں وہ کیجا سکے اور دوسری بقیہ جو

ترک ہو جائیں گی انکے ترک کا اس سے جبر بھی ہو جائے اور ایسی کلی عبادت ہو کہ سب جزئیات پر مشتمل ہو۔

دیکھئے یہاں ان صحابی کے حسب حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اللہ اللہ کرنے کی تلقین فرمادی حالانکہ وہ شرائع اسلام کی کثرت کیوجہ سے پریشان ہو گئے تھے۔ اسی طرح سے کہیں آپؐ نے فرمایا کہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ اور کہیں فرمایا کہ افضل الکلام اربع۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اور کہیں سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم کی فضیلت بیان فرمادی اور کہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کو جنت کا خزانہ فرمایا۔ غرضیکہ ذکر کی تو بہت سی صورتیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں لیکن روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سب سے سہل اللہ اللہ کہنا ہے اور سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ ہے اور تلاوتِ قرآن کہ وہ بھی ذکر ہی ہے وہ افضل ہونے کے ساتھ ساتھ ذرا مشکل بھی ہے اس لئے وہ خواص اور منتہیوں کا ذکر ہے۔ کیونکہ تلاوت وہ زیادہ مفید ہے جو باطنی تاثر کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ کی تفسیر میں ابھی بیان کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ قلب کو شریک کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور نہ ہر شخص کے بس کی بات ہے۔ کوئی کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ ایسا ہوتا ہے جس کو اس سے مناسبت تامہ حاصل ہوتی ہے اور قلبی لگاؤ ہو جاتا ہے۔ وہی تو جب قرآن کو پڑھتا ہے تو دل سے پڑھتا ہے باقی عوام اور بتدی لوگ تو انکے لئے قلب کا شریک کرنا اور تدبر و تفکر فی المعنی تو بجائے خود رہے صرف اسکا تلفظ ہی دشوار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ۔ سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اللہ۔ کہنا انکے لئے بہ نسبت ایک آیت قرآنیہ کی تلاوت کے آسان ہوتا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کے ہوتے ہوئے اور اسکے افضل الذکر ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مختلف اذکار کی تعلیم بھی امت کو فرمائی تاکہ ہر شخص اپنی سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے ان میں سے جس ذکر کو اپنے مناسب حال سمجھے اختیار کرے۔ نیز تاکہ ذاکرین کیلئے ذریعہ تفنن رہے کہ ایک ذکر کرکے کچھ کلال و ملال ہوا تو دوسرا ذکر شروع کردیا دوسرے میں ہوا تو تیسرا شروع کردیا اسیطرح کُلُّ جَدِیدٍ لَذِیذٌ ہونیکی وجہ سے ہمیشہ انکی طبیعت میں نشاط اور انشراح بھی رہیگا اور انکا زیادہ وقت ذکر میں بھی گذر سکیگا۔

سبحان اللہ کیا شان کریمی ہے کہ امت کے ضعفاء اور اقویاء سب ہی کی رعایت فرمائی کہ خواص کیلئے تلاوت قرآن کو اگر سکون قلب اور طمانینت باطن کا ذریعہ بنایا تو عوام کے لئے

اللہ اللہ ہی کہنے کو سبب تسلی بنا دیا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ محبوب کے نام کی تکرار سے بھی محب کو تسلی ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں تو یہ آتا ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ "افضل الذکر لا الہ الا اللہ" یعنی لا الہ الا اللہ افضل الذکر ہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اسکی قدر لوگوں کو نہیں اسکو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ جب کسی چیز کے ساتھ ہمارا اعتقاد ہی درست نہ ہوگا تو اسکا فیض ہمکو کیا ملیگا۔ انکار کا انجام خسران ہے۔

حالانکہ اس کلمہ کی فضیلت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ اسکے ذریعہ سے انسان کفر سے نکلکر اسلام میں داخل ہوتا ہے اور جس طرح سے اسکے ذریعہ سے کفر ظاہری سے انسان نکلتا ہے اسی طرح سے کفر باطنی سے نکلنے کا ذریعہ بھی یہی کلمہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں:۔

پیش از فنائے نفس بکثرت نوافل وتلاوت قرآن ترقی در قرب دست ندہد حق تعالیٰ می فرماید لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یعنی قرآن را بدون پاکی مس نہ کنند۔ چنانچہ طہارت ظاہری شرط نماز است۔ بدون طہارت از رذائل نفس برکات نماز وتلاوت حاصل نتواں کرد۔ چنانچہ در ظاہر ازالۂ کفر بکلمۂ لا الہ الا اللہ است۔ ہم چنیں ازالۂ کفر باطنی از کلمۂ لا الہ الا اللہ می شود۔ رسولؐ کریم می فرماید جددوا ایمانکم یعنی ایمان خود را تازہ کنید۔ مردم پرسیدند چہ گونہ ایمان را تازہ کنیم؟ فرمود بہ تکرار لا الہ الا اللہ۔ جمیع مشائخ سلاسل برائے مریدان ذکر لا اِلٰہ اِلَّا اللہ مقرر داشتہ۔

(ارشاد الطالبین ص۳۶)

فرماتے ہیں کہ نفس کو فنا کرنے سے پہلے کثرت نوافل اور تلاوت قرآن سے قرب الٰہی میں ترقی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یعنی ہاتھ نہ لگائیں اسکو مگر طہارت والے لوگ چنانچہ طہارت ظاہری نماز کی شرط ہے اور رذائل نفس سے پاک ہوئے بغیر نماز وتلاوت کی برکتیں حاصل نہیں کیجا سکتیں۔

جس طرح ظاہر میں کفر کا ازالہ کلمۂ لا الہ الا اللہ سے ہوتا ہے اسی طرح باطنی کفر کا ازالہ بھی لا الہ الا اللہ ہی سے ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جددوا ایمانکم

یعنی اپنے ایمان کو تازہ کرو۔ صحابہؓ نے دریافت کیا ایمان کو کس طرح تازہ کریں؟ فرمایا کہ بار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے پڑھنے سے۔

چنانچہ تمام سلسلوں کے مشائخ نے اپنے مریدوں کے لئے اسی کلمہ لا الہ الا اللہ کا ذکر مقرر کیا ہے (بعض جہراً کرتے ہیں بعض سراً)

میں کہتا ہوں کہ سلاسل اربعہ میں اسی ذکر کا خاص معمول ہے چنانچہ بزرگان دین نے اسکے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے اسکے دیکھنے سننے کے بعد ایک عجیب حقیقت کا انکشاف ہوجاتا ہے وہ یہ کہ اسکے تکرار سے جس طرح آدمی موحد ہوکر شرک سے بری ہوجاتا ہے اسی طرح تمام درجات سلوک تک رسائی بھی اسی سے ہوتی ہے۔ شرط اخلاص ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس کلمہ کی عظمت کے ظہور کے لئے اسکے کہنے والے کے قلب میں اسکی عظمت کا ہونا ضروری ہے جس درجہ عظمت اسکے کہنے میں ہوگی اسی قدر عظمت و برکت کا بھی ظہور ہوگا۔

اس علم کے بعد اپنے حرمان کی وجہ بھی معلوم ہوجاتی ہے اور طالبین راہ جو بھٹکتے پھرتے ہیں وہ راہ پر بھی لگ سکتے ہیں۔

اس کلمہ کی فضیلت کے سلسلے میں ایک اور حدیث سنئے:۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

(رواہ الترمذی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے بہتر دعا الحمد للہ ہے۔

اسکے تحت صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں

وَفِیْ رِوَایَۃٍ ھِیَ اَفْضَلُ الْحَسَنَاتِ رَوَاہُ اَحْمَدُ لِاَنَّہٗ لَا یَصِحُّ الْاِیْمَانُ اِلَّا بِہٖ قَالَ الطِّیْبِیُّ ذَکَرَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِیْنَ اِنَّہٗ اِنَّمَا جَعَلَ التَّہْلِیْلَ اَفْضَلَ الذِّکْرِ لِاَنَّ لِلتَّہْلِیْلِ تَاثِیْرًا فِیْ تَطْہِیْرِ الْبَاطِنِ عَنِ الْاَوْصَافِ الذَّمِیْمَۃِ الَّتِیْ ھِیَ مَعْبُوْدَاتٌ فِیْ بَاطِنِ الذَّاکِرِ قَالَ تَعَالٰی اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰہَہٗ ھَوَاہُ فَیُفِیْدُ نَفْیَ عُمُوْمِ الْاِلٰہِ بِقَوْلِہٖ لَا اِلٰہَ وَیُثْبِتُ الْوَاحِدُ بِقَوْلِہٖ اِلَّا اللّٰہُ وَیَعُوْدُ الذِّکْرُ مِنْ ظَاہِرِ

لِسَانِهٖ اِلٰی بَاطِنِ قَلْبِهٖ فَیَتَمَکَّنُ فِیْهِ وَیَسْتَوْلِیْ عَلٰی جَوَارِحِهٖ وَجَدَ حَلَاوَةَ هٰذَا مَنْ ذَاقَ ۔

(مرقات ص۵۲ ج ۲)

یعنی امام احمد کی روایت میں بجائے افضل الذکر کے افضل الحسنات آیا ہے اور اسکے افضل الذکر یا افضل الحسنات ہونیکی وجہ یہ ہے کہ ایمان کی صحت بدون اسکے نہیں ہوتی ۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ لا الہ الا اللہ کو افضل الذکر اسلئے کہا گیا ہے کہ تہلیل کے لئے باطن کی تطہیر میں خاص تاثیر ہے یعنی ذاکر کے باطن کو اوصاف ذمیمہ سے جو کہ اسکے باطن میں معبودات ہیں بالکل پاک وصاف کردیتا ہے (پس یہ اپنے ذات کے اعتبار سے تو ذکر ہے اور اثر کے اعتبار سے مطہر ہے باطن کا) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے ہوائے نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ۔

پس مومن لا الہ کہکر تو تمام معبودان باطل کی نفی کرتا ہے اور الا اللہ کہکر ایک ذات وحدہٗ لاشریک کا اثبات کرتا ہے (اسی لئے اصطلاح میں اسکو ذکر نفی و اثبات کہتے ہیں) اور ذکر سالک کے ظاہر لسان سے باطن قلب کی جانب لوٹتا ہے اور اسمیں متمکن ہوجاتا ہے پھر اسکے جوارح پر مستولی ہوجاتا ہے ۔ اور اسکی حلاوت تو وہی پائیگا جو اسکو چکھے گا ۔ (وَمَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ اور جس نے نہیں چکھا وہ اسکی لذت کو کیا سمجھ سکتا ہے) ۔

ایک اور حدیث سنئے :۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ یَارَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُكَ بِهٖ اَوْ اَدْعُوْكَ فَقَالَ یَا مُوْسٰی قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ یَارَبِّ کُلُّ عِبَادِكَ یَقُوْلُ هٰذَا اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِهٖ قَالَ یَا مُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ کِفَّةٍ وَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِیْ کِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔

(مرقاۃ ص۵۲ ج ۲)

حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے

یہ حدیث مشکوۃ شریف کی ہے صاحب مشکوۃ نقل کرتے ہیں کہ

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے میرے رب! مجھ کو کوئی ذکر تعلیم فرمائیے جس کے ذریعہ آپ کو یاد کیا کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ لا الٰہ الا اللہ کہو۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا کہ اے میرے رب! اس کو تو آپ کے سب ہی بندے کہتے ہیں۔ میں ایسی چیز چاہتا ہوں کہ مجھ ہی کو آپ اس کے ساتھ خاص فرمائیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور اس کے آباد کرنے والے سوا میرے اور ساتوں زمین اور اس کے بسنے والے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو البتہ انکے مقابلہ میں لا الٰہ الا اللہ کا پلہ جھک جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس کی شرح کرتے ہوئے صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ ــــــ یہ جو فرمایا کہ اے موسیٰ لا الٰہ الا اللہ کہو تو یہ اس لئے کہ یہ اپنے علاوہ ہر ذکر اور ہر دعا کو متضمن ہے بلکہ مع شئی زائد ہے اور وہ یہ کہ اس میں توحید ذات کا بھی بیان ہے اور حق تعالیٰ کی صفات کا بھی تذکرہ ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ حضرت موسیٰ نے تو ایسی چیز طلب فرمائی جس سے کہ دوسروں پر فائق ہو جائیں (اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو جو کہ ایک عام ذکر تھا) تو سوال و جواب میں مطابقت کیا ہوئی؟ تو میں کہوں گا کہ مطابقت تو ظاہر ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے گویا یہ جواب دیا کہ اے موسیٰ تم نے ایک محال شے طلب کی ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر تو کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ لیکن موسیٰ اس کو نہ سمجھے تھے اس لئے عرض کیا کہ یارب یہ تو کوئی خاص ذکر نہیں اس کو تو آپ کے سب ہی موحدین بندے کرتے ہیں اس لئے مجھے ایسی کوئی شے بتلائیے جس کے ساتھ آپ مجھے منجملہ اور بندوں کے خاص فرمالیں (رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰ نے ایسا کیوں فرمایا؟ حالانکہ وہ خود اولوالعزم پیغمبر اور صاحب وحی تھے اور سب سے پہلی وحی آپ پر یہی آچکی تھی کہ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ــــــ تو اس کو یوں سمجھو کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اس کو خوشی تام اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ کوئی چیز صرف اسی کے پاس ہے اور کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے جیسا کہ جب کسی کے پاس کوئی گوہر ایسا ہو کہ ویسا کسی کے پاس نہ ہو یا اسماء یا دعوات یا علوم غریبہ ہوں یا ایسا فن اور ایسی صنعت اس کو حاصل ہو جو دوسرے کو نہ آتی ہو تو اس پر انسان خوش ہوتا ہے (یہ تو انسانی فطرت ہے) لیکن عادۃ اللہ یہ جاری

ہے اور اسکا منشا اس کی رحمت شاملہ اور رأفت کاملہ ہے کہ جو شے جس قدر مرغوب، پسندیدہ اور ضرورت کی ہوتی ہے اس کا وجود دنیا میں زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے گھاس، نمک اور پانی کہ ہر جگہ دستیاب ہوتا ہے۔ بخلاف موتی، یاقوت اور زعفران کے کہ انسان کو اس کی زیادہ حاجت نہیں۔ یا مثلاً قرآن شریف کو دیکھئے کہ وہ سب کتب سے بڑھ کر محبوب ہے اور بکثرت ملتا ہے اور بہت سستا ہدیہ ہوتا ہے۔ بخلاف علم کیمیا یا اسی قسم کے دوسرے علوم کہ وہ بالکل ہی مہمل اور خیالات فاسدہ ہوتے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کا صاحب اپنے جہل کی وجہ سے ان سے اتنا خوش ہوتا ہے کہ قراءت وسنت کے علم پر بھی اتنا خوش نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے دیکھو کہ حجر اسود جو گویا اللہ تعالیٰ کی زمین میں اللہ تعالیٰ کا یمین (یعنی داہنا ہاتھ) ہے جس سے اس کے بندے مصافحہ کرتے ہیں، وہ مقام ابراہیم سے (یعنی اس پتھر سے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم نے تعمیر کعبہ کیا تھا اور اس پر آپ کے قدم کے نشان بھی بن گئے تھے اس سے) کہیں افضل ہے مگر عوام کا حال یہ ہے کہ انھوں نے افضل کو مفضول اور مفضول کو افضل کر رکھا ہے۔ چنانچہ جس قدر خوشی ان کو مقام ابراہیم کی زیارت سے ہوتی ہے اتنی حجر اسود کو بوسہ دینے میں نہیں ہوتی۔

جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو اب سمجھو کہ اسی قبیل سے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت بھی ہے کہ وہ اشرف الکلمات ہے، انفس العبادات افضل الاذکار اور اکمل الحسنات ہے۔ وجود میں اکثر ہے حصول میں ایسر ہے مگر عوام ہیں کہ اس کو ترک کئے ہوئے ہیں اور مواظبت اور اتباع ایسے ایسے اسماء غریبہ اور دعوات عجیبہ کی کئے ہوئے ہیں جن کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہیں۔

بہر حال لا الٰہ الا اللہ کی فضیلت حضرت موسیٰؑ پر پہلے سے بھی کچھ مخفی نہ تھی مگر پھر جو حضرت موسیٰؑ نے سوال کیا تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے سیدنا کلیمؑ کی زبان پر اس سوال کو جاری فرمایا تاکہ رب عظیم کی جانب سے جواب کا ذریعہ اور سبب ہو جائے اور پھر اس جواب سے اس کلمہ کی جلالت ہر خاص و عام پر ظاہر ہو جائے تاکہ ہر زمانہ میں لوگ اپنے مقصد اور مرام کے حاصل کرنے میں اس کلمہ کا اعتقاد کریں اور یہ سب اس لئے ہوا کہ یہ کلمہ دائرہ اذکار کا قطب تھا اور نقطہ اسرار کا مرکز تھا۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے لئے حق تعالیٰ سے وصال میں پھر کوئی حجاب نہیں رہ جاتا۔ یعنی یہ اپنے قائل کو حق تعالیٰ تک پہنچا کر رہتا ہے قال یاموسیٰ لو ان السموات السبع الخ یہ حق تعالیٰ کا جواب ہے جس کا حاصل بقول علامہ طیبی یہ ہے کہ اے موسیٰ تم نے اپنے لئے کوئی مخصوص ذکر جو کہ سب اذکار سے بڑھ کر ہو طلب کیا ہے تو جان لو کہ یہ ایک امر محال ہے اس لئے کہ یہ کلمہ جملہ کائنات یعنی آسمان اور اس کے سکان سے زمین اور اس کے بسنے والوں سے بڑھا ہوا ہے اس لئے اس سے افضل دوسرا کوئی کلمہ

متصور ہی نہیں۔

صاحب مرقات کہتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ حاصل جواب کے بیان میں یہ کہا جائے کہ یہ کلمہ افضل الذکر ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں آیا ہے باقی خواص کو جو خصوصیت حاصل ہوتی ہے تو اس کے معنی کے فہم اور اس کے الفاظ کی درستگی اور پختگی اور اس کے مفہوم کے ساتھ تحقق اور اس کے متعلقات کے ساتھ متخلق ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے یعنی اس کے حق کی ادائیگی اس کے پڑھنے میں اخلاص اس پر مداومت اس کے ساتھ محبت اور میلان اس سے تلذذ و سرور اس کے صاحب کا مراقبہ اسکا حضور اور مشاہدہ وغیرہ اور دیگر امور جس شخص میں جس قدر زیادہ پائے جاتے ہیں اسی قدر اس شخص کو خصوصیت حاصل ہوتی ہے اور اس حدیث میں نہایت ہی واضح اور صریح دلیل ہے کہ لا الٰہ الا اللہ افضل الذکر ہے اس لئے کہ اسکا ثواب سب اذکار سے بڑھ کر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسکا حاصل یہ ہوا کہ یہ کلمہ عام بھی ہے اور خاص بھی۔ یعنی اپنے لفظا ور ذات کے اعتبار سے تو یہ عام ہے کہ ہر شخص اس کو پڑھتا ہے مگر اپنے آثار خاصہ اور ثمرات مخصوصہ کے اعتبار سے یہی کلمہ خاص بھی ہے اور ان آثار کا حاصل کرنا خود ذاکر کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جس قدر خلوص اور توجہ باطنی کے ساتھ وہ اس کلمہ کا ذکر کرے گا اسی درجہ کی خصوصیت حق تعالیٰ کے ساتھ اس کو حاصل ہوگی اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ ایک چیز عام ہو مگر اثر اور نفع اس کا مختلف اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہو۔

مثلاً نماز روزہ ہی کو دیکھئے کہ اس کو ہم لوگ بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اسی کو اولیاء اللہ صحابہ اور انبیاء نے بھی پڑھا ہے مگر ان حضرات کو اس سے کیا کیا برکات ملیں اس کا اندازہ لگانا بھی بہت مشکل ہے۔

حضرت مولانا دہلوی لکھتے ہیں کہ!

ہمیں صلوٰۃ و صوم و تلاوت و اذکار و جہاد و زکوٰۃ و حج است
کہ در ادای آں مراتب صدیق و فاروق و امثالہما بسبب تفاوت عزائم
و ارادت متبدل شد۔　　　　(صـ۹۳ صراط مستقیم)

یہی نماز روزہ - تلاوت و اذکار - جہاد - زکوٰۃ اور حج وغیرہ ہے کہ ان کی ادائیگی میں صدیقؓ اور فاروقؓ وغیرہ کو مختلف مراتب جو ملے تو وہ عزم اور ارادہ کے تفاوت سے مختلف ہوئے۔

اور سنئے اس کلمہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، لا الٰہ الا اللہ ہیچ چیز در تسکین غضب رب جل سلطانہٗ از یں کلمۂ طیبہ نافع تر نیست ہرگاہ ایں کلمۂ طیبہ تسکین غضب دخول نار فرماید غضبہائے دیگر کہ فرود دون او ست بطریق اولیٰ تسکین آنہا نماید چرا تسکین نہ نماید کہ بندہ بہ تکرار ایں کلمہ نفی ماسوا نمودہ از ہمہ رو گردانیدہ است و قبیلۂ توجہ بہ معبود برحق را ساختہ منشاء غضب توجہات شتیٰ بودہ کہ بندہ بآں مبتلا گشتہ بود ولیس فلیس۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے غضب کی تسکین کے لئے کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز نافع نہیں کیونکہ جب یہ کلمہ طیبہ دخولِ نار کے غصہ کی تسکین کرتا ہے تو جو غصے کہ اس سے درجہ میں کم ہیں ان کے لئے تو بدرجہ اولیٰ باعثِ تسکین ہوگا اور کیونکر ایسا نہ ہو جب کہ بندہ اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے ماسوا اللہ کی نفی کر کے ہر طرف سے رخ پھیر لیتا ہے اور اپنا قبلۂ مقصود معبود برحق کو بنا لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا تو منشا یہی ہوتا ہے کہ بندہ خدا کو چھوڑ کر اپنی توجہات مختلف جانب کئے رہتا ہے اور جب یہی نہیں رہا جو کہ غضب کا منشاء تھا تو پھر غضب بھی نہ ہوگا۔

اس کے بعد کچھ دور آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

وایں کلمۂ طیبہ را کلید خزینۂ نُہ و نُہ رحمت کہ برائے آخرت ذخیرہ فرمودہ است می یابد و می داند کہ شفیع ترے او برائے دفع ظلمات کفر و کدورات شرک از یں کلمۂ طیبہ دیگرے نیست کسے کہ تصدیق بایں کلمہ کردہ باشد و ذرۂ ایمان حاصل نمودہ مع ذالک اگر برسوم کفر و رذائل شرک مبتلیٰ گشتہ است امید است کہ بہ شفاعت ایں کلمۂ طیبہ از عذاب بیروں آید و از خلود دوزخ نجات یابد۔ چنانچہ در دفع عقوبات سائر کبائر ایں امت شفاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انفع وادخل است۔

اور یہ فقیر کلمہ طیبہ کو ننانوے رحمت کے خزانہ کی جسے آخرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذخیرہ بنا رکھا ہے۔ کنجی سمجھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کفر کی ظلمات اور شرک کی کدورات کے دور کرنے کے لئے اس کلمۂ طیبہ سے بڑھ کر کوئی اور سفارشی نہیں۔ جس شخص نے اس کلمہ کی تصدیق کی ہوگی اور ایمان کا ایک

ذرہ بھی حاصل کیا ہوگا۔ اس کے ساتھ اگر کفر کے رسوم اور شرک کے رذائل میں بھی مبتلا ہوگا تو امید ہے کہ اس کلمہ کی سفارش سے عذاب سے نجات پاجائے گا اور دوزخ میں ہمیشہ ہمیش رہنے سے خلاصی پاجائے گا۔ جیسا کہ اس امت کے تمام گناہ کبیرہ کی سزا کو دور کرانے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سب سے زیادہ نافع اور کار آمد ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ :۔

ہلاک می گشت ایں امت پر گناہ اگر مثل کلمہ طیبہ شفیع ایشان نمی بود وشل خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ التسلیمات والتحیات شفاعت شان نمی نمود اُمَّۃٌ مُذْنِبَۃٌ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ۔

آن قدر عفو وغفران حق جل وعلا کہ در شان ایں امت بکار خواہد رفت معلوم نیست کہ ایشان جمیع امم ماضیہ بکار رود۔ و نوروز رحمت را گویا برائے ایں امت پر ذنوب ذخیرہ ساختہ اند ؏

کہ مستحق کرامت گناہکار انند

وچوں حق سبحانہ وتعالیٰ عفو ومغفرت را دوست می دارد ہیچ پارہ از برائے عفو ومغفرت برابر ایں اُمت پر تقصیر نیست لا جرم ایں اُمت خیر الامم گشت۔ وکلمہ طیبہ کہ شفاعت کنندہ ایشان ست افضل الاذکار آمد وپیغمبر شفیع ایشان سید الانبیاء خطاب یافت علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات۔

اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

بے ارحم الراحمین چنیں باشد کرم الاکرمین چنیں بود باکریماں کارہا دشوار نیست۔ وکان ذالک علی اللہ یسیراً۔

"یعنی یہ امت پر گناہ تو ہلاک ہی ہوجاتی اگر کلمہ طیبہ انکا شفیع نہ ہوتا اور خاتم الرسل علیہ الصلوات والتسلیمات انکی شفاعت نہ فرماتے امت محمدیہ ایسی امت ہے جو گنہگار ہے اور اس کا پروردگار غفور اور آمرزگار ہے۔ اللہ جل وعلا کی مغفرت اور عفو جس قدر اس امت پر تقصیر کے حق میں کام آئے گی معلوم نہیں تمام امم ماضیہ کی شان میں بھی کام آئے گی یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمت گویا اسی اُمت پر ان کے ذنوب کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہے اس لئے کہ کرم کے مستحق تو گنہگار ہی ہیں۔

اور چونکہ حق تعالیٰ عفو و مغفرت کو پسند کرتے ہیں اور عفو و مغفرت کا کوئی محل اس امت پُر تقصیر کے برابر نہیں ہے اس کی وجہ سے یہ امت خیر الامم ہوئی اور کلمہ طیبہ جو اس اُمت کا شفیع ہے اس کو افضل الذکر ہونے کا درجہ ملا اور وہ پیغمبر جو اس اُمت کے شفیع ہیں ان کو سید الانبیا کا خطاب ملا علیہ و علیہم الصلوات والتحیات۔

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سیات کو حسنات سے بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔

بیشک ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ایسا ہی ہوتا ہے واقعی کریم لوگوں کے لئے کوئی کام دشوار نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔

پھر ذرا آگے فرماتے ہیں کہ

ونیز از فضائل ایں کلمہ بشنو

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کوتاہ نظراں ایں تعجب دارند کہ بیک گفتن لا الٰہ الا اللہ چگونہ دخول جنت میسر شود۔ از برکات ایں کلمۂ طیبہ واقف نیستند۔

محسوس ایں فقیر شدہ است کہ اگر تمام عالم را بیک گفتنی ایں کلمہ طیبہ بخشند و بہشت فرستند گنجائش دارد و مشہود می گردد کہ برکات ایں کلمہ مقدسہ را اگر تمام عالم را قسمت کنند تا ابد الآباد ہمہ را کفایت کند و ہمہ را سیراب گرداند خصوصاً کہ ایں کلمہ طیبہ کلمہ مقدسہ محمد الرسول اللہ جمع شود و تبلیغ بہ توحید انتظام یابد و رسالت با ولایت قرین گردد۔ مجموعۂ ایں دو کلمہ جامع کمالات ولایت و نبوت است۔ وہادی سبیل ایں ہر دو سعادت ۔ کہ ولایت را از ظلمات ظلال پاک سازد۔ و نبوت را بدرجہ علیا رساند۔

اس کلمہ کے اور فضائل سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہدے وہ جنت میں داخل ہوگا. کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ محض ایک دو دفعہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ

کے کہدینے سے دخول جنت کیسے نصیب ہوجائے گا۔

درحقیقت یہ لوگ کلمۂ طیبہ کے برکات سے واقف نہیں ہیں اس لئے ایسی بات سمجھتے ہیں۔

اس فقیر کو خود اس کلمہ کے برکات اس درجہ محسوس ہوتے ہیں اگر تمام عالم کو محض ایک بار اس کلمہ طیبہ کے کہہ لینے سے بخش دیں اور جنت میں داخل کردیں تو اس کی گنجائش ہے۔

نیز اس فقیر کو مشاہد ہوا ہے کہ اگر اس کلمہ مقدسہ کے برکات کو تمام عالم پر تقسیم کریں تو سب کے لئے ہمیشہ ہمیش کو کفایت کرے اور سب کو سیراب کردے۔

تو کیا حال ہوگا جب کہ اس کلمہ طیبہ کے ساتھ کلمہ مقدسہ محمد رسول اللہ بھی جمع ہوجائے اور تبلیغ توحید کے ساتھ شامل ہوجائے اور ولایت رسالت کے ساتھ مقارن ہوجائے ان دونوں کلموں کا مجموعہ ولایت و نبوت کے کمالات کا جامع ہے اور دونوں سعادتوں کی تحصیل کا پیشوا رہبر ہے اس لئے کہ ولایت کو ظلال کی ظلمات سے پاک کرتا ہے اور نبوت کو درجہ عُلیا تک پہونچاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا مِنْ بَرَکَاتِ ھٰذِہِ الْکَلِمَۃِ الطَّیِّبَۃِ وَثَبِّتْنَا عَلَیْھَا وَاَمِتْنَا عَلٰی تَصْدِیْقِھَا وَاحْشُرْنَا مَعَ الْمُصَدِّقِیْنَ لَھَا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ بِحُرْمَتِھَا وَبِحُرْمَۃِ مُبَلِّغِیْھَا عَلَیْھِمُ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالْبَرَکَاتُ۔

یا اللہ اس کلمہ طیبہ کے برکات سے ہم کو محروم نہ کیجئے اور اسی پر ہم کو ثابت رکھئے اور اسی کی تصدیق پر ہم کو موت دیجئے اور اسی کلمہ کی تصدیق کرنیوالوں کے ساتھ ہمارا حشر کیجئے اور اس کلمہ طیبہ کی حرمت کے طفیل ہم کو جنت میں داخل کیجئے ان پر صلوٰت و تسلیمات و تحیات و برکات نازل ہوں۔

پھر کچھ دور کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

پس ازینجا فضیلت ایں ذکر را باید دریافت کہ تمام دنیا در جنب آں ہیچ مقدارے واحساسے نیست۔

کاشکے حکم قطرہ میداشت نسبت بدریائے محیط۔

اس جگہ سے اس ذکر کی فضیلت معلوم کر لینا چاہیے کہ تمام دنیا اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ و نیست ہے۔ کاش اس کو دریائے محیط سے قطرے کی نسبت

ہوتی (مگر ایسا بھی نہیں ہے)۔

اور سب کے اخیر میں حضرت مجدد صاحب یہ فرماتے ہیں:۔

آرزوئے درد نیا معلوم نیست کہ برابر ایں باشد کہ کسے در گوشہ خزیدہ باشد وبہ تکرار ایں کلمہ طیبہ متلذذ و محظوظ بود۔ اما چہ تواں کرد کہ جمیع آرزو ہا میسر نیست واز غفلت و اختلاط خلق چارہ نہ۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

کوئی آرزو دنیا میں اس کے برابر نہیں کہ آدمی کسی گوشہ میں تنہا بیٹھا ہو اور اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے محظوظ و لطف اندوز ہو مگر کیا کیا جا سکتا ہے کہ تمام آرزوئیں میسر نہیں ہیں اور غفلت اور خلاط مع الخلق سے چارہ نہیں۔

اے ہمارے رب ہمارے نور کا اتمام فرما۔ یقیناً تو ہر شے پر قادر ہے آپکا رب جو بڑی عظمت والا ہے۔ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ کافر بیان کرتے ہیں۔ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

سبحان اللہ حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام سے کلمہ طیبہ کی کس قدر فضیلت معلوم ہوئی اور اس پر کیسی تحضیض و ترغیب نکلی۔ یہ حضرات بھلا اس کو کب چھوڑ سکتے ہیں اس لئے کہ سب سے بڑی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی کلمہ ہے۔

اور سنئے! اللہ والوں نے اسی کلمہ کو جب صدق و خلوص کے ساتھ پڑھا ہے خانہ کعبہ نے اس کو اپنے پاس امانت رکھا جسے وہ قیامت میں اس کے صاحب کی خدمت میں پیش کرے گا چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے جب کلمہ توحید کو حجراسود کا بوسہ لیتے وقت کعبہ شریف کے پاس امانت رکھا تو میرے تلفظ کے وقت وہ شہادت ایک فرشتہ کی صورت میں میرے منہ سے نکلی اور میں اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اس کے بعد حجراسود میں طاق کے برابر ایک سوراخ ہو گیا چنانچہ مجھے حجراسود کی گہرائی نظر آئی۔ پھر یہ دیکھا کہ وہ میری شہادت کعبہ کے ہمشکل ہو کر حجراسود کی گہرائی میں مستقر ہو گئی اور حجراسود اس پر بالکل ڈھک گیا اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سوراخ بند ہو گیا۔ جب یہ سب کچھ ہو گیا تو کعبہ نے مجھ سے کہا کہ یہ آپ کی امانت میرے پاس رکھی ہے اس کو میں قیامت کے دن آپ کی خدمت میں پیش کرونگا جب

میں نے یہ سنا تو اس پر اس کا شکر ادا کیا۔

دیکھا آپ نے کلمۂ طیبہ کا مرتبہ اور اس کی عظمت کہ کس طرح کعبہ نے اس کو اپنے اندر محفوظ کر لیا کلمۂ طیبہ کی برکت پر ایک اور واقعہ سنئے :۔

ارواح ثلثہ میں ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اس کو اٹھا کر کنوئیں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا حضرت نے بھی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کو رکھ دو نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیب جس قدر ہو سکے پڑھو اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا بعد میں حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور نہایت ہی خشوع وخضوع سے دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے اس کے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا اس وقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔

دیکھئے کلمہ شریف کی برکت کہ اس کی وجہ سے اس میت سے عذاب قبر دور ہوا اور اس عذاب کا اثر مٹی میں اور اس کی وجہ سے لوٹے کے پانی میں جو آگیا تھا وہ زائل ہو گیا اور اس کے اس نفع کو ایک مجمع کثیر نے دیکھا۔

حدیث شریف میں لا الٰہ الا اللہ کو حصن فرمایا گیا ہے اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اسے پڑھیگا وہ حصن میں داخل ہو جائے گا اور جو حصن میں داخل ہو جائیگا عذاب سے مامون ہو جائیگا۔ میرے پاس ایک قلمی کتاب ہے اس میں ایک روایت دیکھی۔

وھی ھذہ :۔

قَالَ فِي الصَّوَاعِقِ لَمَّا دَخَلَ عَلِيُّ الرِّضَا نَيْشَاپُوْرَ كَمَا فِي تَارِيْخِهَا وَشَقَّ سُوْقَهَا وَعَلَيْهِ مِظَلَّةٌ لَا يُضَاعُ مِنْ وَرَائِهَا تَعَرَّضَ لَهُ الْحَافِظَانِ أَبُوْ زُرْعَةَ الرَّازِيُّ وَالْجَدُّ بْنُ أَسْلَمَ الطُّوْسِيُّ وَمَعَهُمَا مِنْ طَلَبَةِ الْعِلْمِ وَالْحَدِيْثِ مَنْ لَا يُحْصٰى فَتَضَرَّعَا أَنْ يُرِيَهُمْ وَجْهَهُ وَيَرْوِيَ لَهُمْ حَدِيْثًا عَنْ آبَائِهِ فَاسْتَوْقَفَ الْبَغْلَةَ فَأَمَرَ الْغِلْمَانَ

بِكَشْفِ الْمِظَلَّةِ وَاَقَرَّ عُيُوْنَ تِلْكَ الْخَلَائِقِ بِرُؤْيَةِ طَلْعَتِهِ الْمُبَارَكَةِ وَكَانَتْ ذُؤَابَتَانِ الْاٰنِ عَلٰى عَاتِقِهِ وَالنَّاسُ بَيْنَ صَارِخٍ وَبَاكٍ وَمُتَمَرِّغٍ فِي التُّرَابِ وَمُقَبِّلٍ لِحَافِرِ بَغْلَتِهِ فَصَاحَتِ الْعُلَمَاءُ مَعَاشِرَ النَّاسِ اَنْصِتُوْا فَانْصَتُوْا وَاسْتَمْلٰى مِنْهُ الْحَافِظَانِ الْمَذْكُوْرَانِ۔

صواعق میں ہے کہ جب حضرت علی رضا نیشاپور میں داخل ہوئے اور اس کے بازار سے گزرے تو آپکے چہرہ پر نقاب پڑی ہوئی تھی جس کے اندر سے وہ نظر نہیں آتے تھے لتنے میں حافظ ابوزرعۃ رازی اور حافظ اسلم طوسی آگے بڑھے اور ان کے پیچھے پیچھے علم حدیث کے بہت سے طلبہ تھے ان دونوں نے نہایت ہی لجاجت کے ساتھ حضرت سے یہ درخواست کی کہ لوگوں کو اپنے چہرۂ انور کی زیارت کرادیں اور اپنے آباء کی سند سے کوئی حدیث سنادیں۔ یہ سن کر آپ نے سواری ٹھہرائی اور اپنے غلاموں سے ارشاد فرمایا کہ پردہ ہٹادو چنانچہ جتنے لوگ موجود تھے ان سب کی آنکھوں کو اپنے چہرہ مبارک کی زیارت سے ٹھنڈا کیا اور آپ کے دونوں گیسو آپ کے کاندھے پر لٹک رہے تھے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کوئی تو چیخ رہا تھا اور کوئی زمین پر لوٹ رہا تھا اور کوئی آپ کی سواری کے پاؤں اور کھُر ہی کو بوسہ دے رہا تھا۔ علماء نے جب یہ شور وشغب دیکھا تو بلند آواز سے کہا کہ لوگو خاموش ہو جاؤ جب سب لوگ چپ ہوگئے تو ان دونوں حافظوں نے حضرت سے حدیث املا کرانے کی درخواست کی۔

فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ مُوْسَى الْكَاظِمُ عَنْ اَبِيْهِ جَعْفَرِ الصَّادِقِ عَنْ اَبِيْهِ مُحَمَّدِ الْبَاقِرِ عَنْ اَبِيْهِ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ عَنْ اَبِيْهِ الْحُسَيْنِ عَنْ اَبِيْهِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ قَالَ حَدَّثَنِيْ حَبِيْبِيْ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ جِبْرِيْلُ (قَالَ) سَمِعْتُ رَبَّ الْعِزَّةِ سُبْحَانَهٗ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِيْ فَمَنْ قَالَهَا دَخَلَ حِصْنِيْ وَمَنْ دَخَلَ حِصْنِيْ اَمِنَ عَذَابِيْ ثُمَّ اَرْخَى السِّتْرَ وَسَارَ۔

آپ نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے والد موسیٰ کاظم نے وہ اپنے والد جعفر صادق سے اور وہ اپنے والد محمد باقر سے اور وہ اپنے والد زین العابدین سے اور وہ اپنے والد حضرت حسین سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے حبیب اور محبوب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ نے فرمایا کہ مجھ سے بیان کیا

حضرت جبریل علیہ السلام نے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رب العزت سبحانہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میرا قلعہ ہے جو شخص اس کلمہ کو کہہ لیگا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوجائے گا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے مامون ہوگیا۔ یہ فرمایا اور پردہ گرایا اور روانہ ہوگئے۔

(مضامین تصوف قلمی صـ٦)

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے حضرت نے حدیث بھی کیسی منتخب فرمائی کتنی جامع اور موثر۔ ایک حدیث کیا سنائی کہ جنت کی کنجی ہی دیدی۔ حدیث شریف میں ذکر اللہ کو قلوب کے قفل کی کنجی ہی فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ وَاَتْمِمْ عَلَیْنَا نِعْمَتَکَ وَاَفِضْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلِکَ وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ۔ یعنی یا اللہ کھول دے قفل ہمارے دلوں کے اپنے ذکر سے اور پورا کرہم پر اپنی نعمت کو اور کامل کر ہم پر اپنا فضل اور کردے ہم کو اپنے نیک بندوں میں سے۔

اور ذکر جس طرح سے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے اسی طرح سے اللّٰہ اللّٰہ بھی ہے اس کے متعلق ابداع میں ہے کہ:۔

اِعْلَمْ اَنَّ ذِکْرَ الْاِسْمِ الْمُفْرَدِ الْمُعَظَّمِ مُجَرَّدًا عَنِ التَّرْکِیْبِ بِجُمْلَۃٍ وَھُوَ قَوْلُ اَللّٰہَ اَللّٰہ مِمَّا تَوَارَثَ السَّادَاتُ الصُّوْفِیَّۃُ وَاسْتَعْلَوْہُ بَیْنَھُمْ اِلٰی اَنْ قَالَ وَفِی الصَّحِیْحِ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مَنْ یَّقُوْلُ اَللّٰہَ اَللّٰہ وَھُوَ شَاھِدٌ فِی الْجُمْلَۃِ بِذِکْرِ ھٰذَا الْاِسْمِ وَحْدَہٗ لَاسِیَّمَا عَلٰی رِوَایَۃِ النَّصَبِ وَلَا نِزَاعَ فِیْ جَوَازِ التَّلَفُّظِ بِاسْمِ الْکَرِیْمِ وَحْدَہٗ۔

فَاَیُّ مَانِعٍ اَنْ یُّکَرِّرَہُ الْاِنْسَانُ مَرَّاتٍ کَثِیْرَاتٍ وَکَوْنُہٗ لَمْ یُنْقَلْ عَنِ السَّلَفِ لَا یَقْتَضِیْ مَنْعَہٗ وَلَا کَرَاھَۃَ کَمْ اَشْیَاءَ لَمْ تَکُنْ فِیْ عَھْدِ السَّلَفِ مَعَ اَنَّھَا جَائِزَۃٌ اِلٰی اَنْ قَالَ وَلَا یَنْبَغِی التَّوَقُّفُ فِیْ ذٰلِکَ وَلَا التَّشْغِیْبُ بِاِنْکَارِہٖ۔

فرماتے ہیں کہ جانو اسم مفرد جو کہ ترکیب سے خالی ہو یعنی حرف اللہ اللہ تو اس کا ذکر سادات صوفیہ میں متعارف چلا آرہا ہے اور ان کے یہاں شائع وذائع ہے (اس کے متعلق یہ سمجھ کر) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب تک زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا موجود رہیگا قیامت نہ آئے گی۔ یہ حدیث فی الجملہ شاہد

ہے کہ اسم ذات کے ساتھ تنہا ذکر جائز ہے خاص کر جب کہ اللہ اللہ کو بالنصب (زبر) پڑھا جائے اور لفظ اللہ کے تلفظ میں عدم جواز کی کوئی بات ہی نہیں ہے لہذا اگر کسی نے اس کو مکرر سہ کرر یعنی متعدد بار تکرار کیا تو اس میں حرج کی کون سی بات ہوگئی۔ باقی سلف سے اس کا منقول نہ ہونا اس سے یہ چیز نہ ممنوع ہوگی نہ مکروہ ہوگی چنانچہ کتنی ہی چیزیں ہیں کہ سلف کے زمانہ میں نہ تھیں اس کے باوجود وہ جائز ہیں لہذا اس کے جواز میں نہ توقف کرنا چاہیے اور نہ اس پر انکار کی آواز بلند کرنا چاہیے آگے فرماتے ہیں کہ

وَقَالَ الشَّيْخُ أَبُو الْعَبَّاسِ الْمُرْسِي لِيَكُنْ ذِكْرُكَ اَللّٰهُ فَإِنَّ هٰذَا الْإِسْمَ سُلْطَانُ الْأَسْمَاءِ وَلَهُ بِسَاطٌ وَثَمَرَةٌ فَبِسَاطُهُ الْعِلْمُ وَثَمَرَتُهُ النُّوْرُ وَلَيْسَ النُّوْرُ مَقْصُوْدًا لِذَاتِهٖ بَلْ لِمَا يَقَعُ بِهٖ مِنَ الْكَشْفِ وَالْعِيَانِ فَيَنْبَغِي الْإِكْثَارُ بِذِكْرِهٖ وَاخْتِيَارِهٖ عَلٰى سَائِرِ الْأَذْكَارِ لِتَضَمُّنِهٖ لِجَمِيْعِ مَا فِي لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِنَ الْعَقَائِدِ وَالْعُلُوْمِ وَالْآدَابِ وَالْحُقُوْقِ فَإِنَّهُ يَأْتِي فِي اَللّٰهُ وَفِي هُوَ مَا لَا يَأْتِي فِي غَيْرِهِمَا مِنَ الْأَذْكَارِ۔

قَالَ الشَّيْخُ زَرُّوْقٌ وَلِهٰذَا يَخْتَارُهُ الْمَشَائِخُ وَرَجَّحُوْهُ عَلٰى سَائِرِ الْأَذْكَارِ وَجَعَلُوْا اللّٰهَ خَلَوَاتٍ وَوَصَلُوْا بِهٖ إِلٰى أَعْلَى الْمَقَامَاتِ وَالْوِلَايَاتِ وَإِنْ كَانَ فِيْهِمْ مَنْ اِخْتَارَ فِي الْإِبْتِدَاءِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَفِي الْإِنْتِهَاءِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔

شیخ ابو العباس مرسی نے فرمایا ہے کہ چاہیے کہ تمھارا ذکر اللہ اللہ ہو اس لئے کہ یہ نام سلطان الاسماء ہے اور اس کے لئے ایک بساط ہے اور ایک ثمرہ ہے۔ بساط اس کا علم ہے اور ثمرہ اس کا نور ہے اور نور خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس لئے مطلوب ہے کہ کشف اور عیان کا ذریعہ بنتا ہے۔ پس مناسب ہے کہ اس اسم کی کثرت کی جائے اور جملہ اذکار پر اس کو ترجیح دینا چاہیے کیونکہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ میں جو عقائد، علوم، آداب اور حقوق آئے ہیں یہ ان سب کو متضمن ہے اس لئے کہ اللہ اور ہو میں ایسی ایسی چیزیں آگئی ہیں جو ان کے علاوہ اور دوسرے اذکار میں نہیں ہیں۔

شیخ زروق نے فرمایا ہے کہ اسی لئے مشائخ نے اس کو اختیار فرمایا ہے اور تمام اذکار پر اس کو ترجیح دی ہے اپنی خلوات میں اس کو جگہ دی ہے اور ولایت و مقامات عالیہ کی تحصیل کا اسی کو ذریعہ

بنایا ہے اور بعض حضرات نے یہ کیا ہے کہ ابتدا میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو لیا ہے اور انتہا میں اللہ اللہ کو۔

قَالَ اِبْنُ حَجَرٍ فِی اَلْفَتَاوٰی الْحَدِیْثِیَّۃِ ذِکْرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اَفْضَلُ مِنْ ذِکْرِ الْجَلَالَۃِ مُطْلَقًا بِلِسَانِ اَھْلِ الظَّاھِرِ وَاَمَّا اَھْلُ الْبَاطِنِ فَالْحَالُ عِنْدَھُمْ یَخْتَلِفُ بِاِخْتِلَافِ حَالِ السَّالِکِ فَمَنْ ھُوَ فِی اِبْتِدَاءِ اَمْرِہٖ وَمُقَاسَاۃِ شُھُوْدِ الْاَغْیَارِ وَعَدَمِ اِنْفِکَاکِہٖ عَنِ التَّعَلُّقِ بِھَا یَحْتَاجُ اِلَی النَّفْیِ وَالْاِثْبَاتِ حَتّٰی یَسْتَوْلِیَ عَلَیْہِ سُلْطَانُ الذِّکْرِ فَاِذَا اسْتَوْلٰی عَلَیْہِ فَالْاَوْلٰی لَہٗ لُزُوْمُ الْاِثْبَاتِ اَعْنِیْ اَللہَ اَللہُ وَبِھٰذَا یَتَبَیَّنُ اَنَّ الذِّکْرَ بِالْاِسْمِ الْمُفْرَدِ لَا مَانِعَ مِنْہُ شَرْعًا اِذَا لَمْ یَرِدِ النَّھْیُ عَنْہُ مِنَ الشَّارِعِ یُفِیْدُ کَرَاھَتَہٗ اَوْ تَحْرِیْمَہٗ

(الابداع ص۳۱۵)

علامہ ابن حجر مکی نے فتاوی حدیثیہ میں لکھا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر اسم ذات اللہ اللہ کے ذکر سے اہل ظاہر کے نزدیک مطلقاً افضل ہے اور اہل باطن کے نزدیک سالک کے اختلاف حالات کی بنا پر احکام مختلف ہوتے ہیں۔

پس جو شخص کہ ابتداء طریق میں ہو اور اغیار کے مشاہدہ کی مشقت جھیلنے سے ابھی نہ نکلا ہو اور نہ ماسوی اللہ کے تعلق سے ابھی اس کو خلاصی نصیب ہوئی ہو تو اس کو ذکر نفی و اثبات کی ضرورت ہے تاکہ سلطان الذکر اس پر مستولی ہو جائے اور جب سلطان الذکر اس پر مستولی ہو جائے تو اب اس کے لئے ذکر اثبات یعنی اللہ اللہ پر التزام مناسب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر مجرد یعنی اللہ اللہ میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اس لئے کہ شارع کی اس باب میں ایسی کوئی نہی وارد نہیں ہے جس سے اس کی کراہت یا تحریم معلوم ہوتی ہو۔

غرض اس سے معلوم ہوا کہ تنہا اللہ اللہ کا ذکر بھی صحیح ہے اور بعض اعتبار سے ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

علامہ شامی نے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہی لفظ اللہ اسم اعظم ہے۔ ھٰذا نَصُّہٗ۔

رَوٰی ھِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اَنَّہٗ اِسْمُ اللہِ

الْاَعْظَمِ وَبِهٖ قَالَ الطَّحَاوِیُّ وَکَثِیْرًا مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَاَکْثَرُ الْعَارِفِیْنَ حَتّٰی اَنَّهٗ لَا ذِکْرَ عِنْدَ هُمْ لِصَاحِبِ مَقَامٍ فَوْقَ الذِّکْرِ بِهٖ کَمَا فِیْ شَرْحِ التَّحْرِیْرِ لِابْنِ اَمِیْرِ حَاجٍّ۔ (شامی ص ۵ ج ۱)

ہشام نے امام محمد سے اور انھوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ یہی لفظ اللہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ طحاوی کا بھی یہی قول ہے اور بہت سے علماء کا یہی ارشاد ہے اور اکثر عارفین کے نزدیک تو صاحب مقام کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذکر نہیں ہے۔ ابن امیر حاج نے شرح تحریر میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

بہر حال لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر کرے یا اللہ اللہ کا۔ علماء نے دونوں کے فوائد ومنافع لکھے ہیں لیکن اتنی بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ذکر کو حدِ شرعی سے متجاوز نہ ہونے دے کیونکہ ذکر اگر اپنی حد سے متجاوز ہو جائے گا تو پھر شرعاً وہ معتبر نہ ہوگا۔ الابداع میں ذکر شرعی کا بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ

وہ ذکر جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے اور اللہ کے نیک بندے بھی جس کو پسند کرتے ہیں اور جس کے کرنے والے کو اجر دیا جائے گا۔ وہی ہے جو کتاب وسنت میں وارد ہے۔ اور معتبر ائمہ نے جس کو ضبط کیا ہے چنانچہ سیدی محمد منیر نے جو کہ امام حفنی کے خلیفہ ہیں تحفۃ السالکین میں لکھا ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر کرنے میں لحن اور غلطی سے احتراز کرو اس لئے کہ یہ قرآنی الفاظ ہیں پس لَا کے لام کو بقدر ضرورت ہی کھینچو اور اس کے بعد جو ہمزہ آتا ہے اُسے صاف اور واضح طور سے ادا کرو اور اسکو بڑھاؤ نہیں اور اِلٰهَ کی ہاء پر خفیف سا زبر پڑھو اور لَا اِلٰهَ اور اِلَّا اللّٰهُ میں فصل نہ کرو کیونکہ اس صورت میں اِلٰهٌ کی مطلقاً نفی ہو جائے گی۔ (مگر کہا جاتا ہے کہ دیکھو) اِلٰهَ کے ہمزہ کی ادائیگی میں تغافل نہ کرنا ورنہ تم اس کو بجائے ہمزہ کے یا پڑھوگے۔ اس طرح سے اِلَّا کے ہمزہ کا بھی خیال کرنا ورنہ تو لا یلاہ یلا اللہ ہو جائے گا جو بالکل غلط ہوگا اور اللّٰه کے آخر کو ساکن پڑھو یعنی اِلَّا اللّٰهْ کہو ——— اور ذکر کو بہت زیادہ کھینچنے سے بھی بچو اسطرح

بہت جلد بازی سے بھی بچو اس لئے کہ یہ اس کی حد سے اس کو خارج کر دیتا ہے۔ پس معیار اس باب میں یہ ہے کہ اس کو حد شرعی سے باہر نہ ہونے دو۔

اب آخر میں ذکر اللہ کی فضیلت سے متعلق دو حدیثیں اور بیان کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بھی فرائض مقرر فرمائے تو ان کی حدود بھی مقرر کر دی ہیں اور اہل عذر کو حالت عذر میں معاف رکھا ہے سوا ذکر کے کہ یہ فرض بھی ہے مگر اس میں یہ اصول جاری نہیں یعنی اس کے لئے نہ توحد ہے جس پر اس کی انتہا ہو اور نہ کسی حال میں اس کے ترک پر کسی کو معذور ہی رکھا گیا ہے مگر یہ کہ کوئی شخص مغلوب العقل ہی ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ اس ذکر کا حکم ہر حالت میں دیا فقال فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ وَقَالَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اَيْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَالصِّحَّةِ وَالسَّقَمِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ۔

یعنی فرمایا کہ خدا کی یاد کرو کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرو یعنی رات میں بھی، دن میں بھی، خشکی میں بھی تری میں بھی۔ صحت میں بھی اور مرض میں بھی۔ خفیہ بھی اور علانیہ طور سے بھی۔

دوسری حدیث سنئے:۔

عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّيْنَ وَ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَغُصْنٍ شَجَرٍ اَخْضَرَ فِيْ شَجَرٍ يَابِسٍ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِيْ بَيْتٍ مُظْلِمٍ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُرِيْهِ اللّٰهُ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ حَيٌّ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُغْفَرُ لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ فَصِيْحٍ وَاَعْجَمَ وَالْفَصِيْحُ بَنُوْ آدَمَ وَالْاَعْجَمُ بَهَائِمُ۔

(مظہری ص ۳۰۶ پ ۲۳)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ غافلین کے درمیان کوئی ذاکر موجود ہو تو وہ ایسا ہی ہے جیسے جہاد میں بھاگنے والوں کے پیچھے کوئی لڑنے والا موجود ہو۔ اسی طرح سے غافلین کے درمیان اللہ کو یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے کسی پورے سوکھے درخت میں کوئی ایک ٹہنی سبز رہ گئی ہو۔ اسی طرح سے غافلین کے درمیان ذکر اللہ

کرنے والے کا وجود ایسا ہے جیسے تاریک کوٹھری میں کوئی چراغ جل رہا ہو۔ اسی طرح سے غافلین کے درمیان اگر کوئی ذاکر موجود ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ زندگی ہی میں اس کو اس کی جنت کا ٹھکانا دکھلا دیتے ہیں اور غافلین کے درمیان کوئی ذاکر جو رہتا ہے تو اس کے لئے تمام انسان اور تمام حیوان دعا کرتے ہیں۔

سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کا کیا درجہ اور کیا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے ذکر سے ہم سب کے قلوب کا قفل کھول دے۔ بس اس دعا پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِكْرِكَ وَاَتْمِمْ عَلَيْنَا نِعْمَتَكَ وَاَسْبِغْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ؀

اے اللہ اپنے ذکر سے ہمارے دلوں کے قفل کو کھول دے اور اپنی نعمتوں کو ہمارے اوپر تمام کر دے اور اپنا فضل ہمارے اوپر کامل کر دے اور ہم کو اپنے نیک بندوں میں سے بنا دے۔ آمین

اضافہ از مرتب عفی عنہ

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کا مضمون "وصیۃ الذکر" تو یہاں پر ختم ہوا باقی ذکر کی مناسبت سے حضرت فقیہ ابو اللیث ثمرقندیؒ کی مشہور و معروف کتاب تنبیہ الغافلین سے بزرگوں کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں جو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد قائم ہوجانے میں مددگار ہے اور اس کا ایک نہایت ہی آسان طریقہ ہے۔ امید کہ ناظرین برابر اس نسخہ کو اپنے استعمال میں رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق بخشے۔

آمین

اس ارشاد کو "کلمات سبعہ" کے عنوان سے آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

—— از جامی

کلماتِ سبعہ

حضرت فقیہہ ابو اللیث سمرقندی تنبیہ الغافلین میں فرماتے ہیں کہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص سات کلمات پر مداومت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف و مکرم قرار پاتا ہے اور ملائکہ کے نزدیک بھی، اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہو اور وہ شخص طاعت کی لذت و حلاوت پاتا ہے اور اسکی حیات و ممات اسکے حق میں بہتر ہو جاتی ہے۔

(۱) اول کلمہ یہ ہے کہ ہر چیز کی ابتداء میں بِسْمِ اللہ کہے (۲) دوسرا کلمہ یہ ہے کہ ہر چیز سے فارغ ہونے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے (۳) تیسرا کلمہ یہ ہے کہ جب اس کی زبان پر لغو کلمہ جاری ہو جائے یا چھوٹا یا بڑا کوئی برا عمل سرزد ہو جائے تو اَسْتَغْفِرُ اللہ کہے۔ (۴) چوتھا کلمہ یہ ہے کہ کسی کام کے متعلق جب یہ کہے کہ کل کرونگا تو اس کے بعد ہی اِنْشَاءَ اللہ کہے (۵) پانچواں کلمہ یہ ہے کہ جب اسکو کوئی ناگوار امر پیش آتا نظر آئے تو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ کہے (۶) چھٹا کلمہ یہ ہے کہ جب اسکے جان یا مال میں کوئی چھوٹی یا بڑی مصیبت پہونچے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہے (۷) ساتواں یہ کہ ہمیشہ شب و روز کے اوقات میں اس کی زبان پر کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ جاری رہے۔

ان کلمات کو پڑھنے کی حضرت والا بہت ہی ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کلمات کو پڑھنے کی تعلیم فرمائی ہے تو اس لئے کہ آدمی جب انکو یاد رکھیگا اور موقع موقع سے پڑھتا رہیگا تو اس کے کل اوقات ذکر اللہ میں مشغول ہو جائیں گے اور آدمی پورا ذاکر ہو جائے گا۔ ہم نے ان کلمات کی فضیلت ایک خاص موثر عنوان سے حضرت فقیہہ کے کلام میں پائی تو جی چاہا کہ ناظرین کے افادہ کے لئے نقل کردیں لہٰذا اسکا ترجمہ یہاں درج کردیا۔ والسّلام

ذکر اللہ تعالیٰ

از افاضات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہ

ناشر
دفتر:۔ معرفتِ حق ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

ذکر اللہ تعالیٰ

فرمایا کہ سنیئے :۔

علامہ نووی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں۔ قال اللہ العظیم العزیز الحکیم (فاذکرونی اذکرکم) و قال تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ بندے کا سب سے افضل و اعلیٰ حال یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کے ذکر میں مشغول ہو اور اس کے بعد وہ حال ہے کہ ان اوراد میں مصروف ہو جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہیں۔

سبحان اللہ کتنی عمدہ بات بیان فرمائی کہ عبد کا افضل حال ذکر اللہ میں اشتغال ہے۔ ہم لوگوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ ہمارا کونسا حال افضل ہے۔ یہ ہیں عالم۔ اب کے علما ایسی باتیں بیان نہیں کرتے اس لئے جو حال بد ہے ظاہر ہے۔

آپ لوگ یہ سوچتے ہونگے کہ ذکر کی بحث کیوں چھیڑ دی اور اسکو کیوں بیان کر رہے ہیں تو بھائی آخر کیوں نہ بیان کروں۔ دنیا میں ہر چیز تو بیان کی جا رہی ہے اور ہر چیز چل رہی ہے تو آخر ذکر اللہ کے بیان کو کیوں چھوڑ دیا جائے اس کو بھی چلنے دیجئے آپ کا کیا حرج ہے۔

ذکر کی فضیلت کیلئے کیا یہ حدیث قدسی کافی نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہم۔ متفق علیہ۔

(ترجمہ) میں اپنے عبد کے ظن کے پاس ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ میرا ذکر کرتا ہے پس اگر وہ اپنے جی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنے نفس میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر جماعت میں ذکر کرتا ہے تو میں اسکا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس جماعت سے بہتر ہے (یعنی ملائکہ میں) ——

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنے ایک رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے :۔ فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ۔ یہ باب ترقی سے ہے یعنی حال جمع و فنا سے فرق و بقا کی طرف اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے عبد کو جمع فرماتے ہیں اس طور پر کہ وہ تنہا ہو کر اپنے نفس میں ذکر کرے تو اس کو فنا کر دیتے ہیں پھر بعض لوگوں کو تو اسی مقام میں رہنے دیتے ہیں اور یہ مقام بھی کچھ کم نہیں ہے۔

اور یہ لوگ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وہ حجابات جو بندے اور حق تعالیٰ کے درمیان ہیں مرتفع فرمادیتے ہیں اور اس پر اپنے ذکر کی تجلی فرماتے ہیں اور اس مقام میں عبد مذکور اور اللہ تعالیٰ ذاکر ہو جاتے ہیں ــــ سبحان اللہ کس قدر فضیلت ذکر کی اس سے مفہوم ہوتی ہے کہ کہاں تو عبد ذاکر تھا اور اللہ تعالیٰ مذکور اور اب اسی ذکر کی وجہ سے اللہ رب العالمین خود عبد کے ذاکر اور عبد مذکور ہو جاتا ہے۔ پس اسی وجہ سے علامہ نوویؒ نے فرمایا ہے کہ عبد کا افضل حال اشتغال بذکر اللہ تعالیٰ ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر میں فنا کرنے کے بعد بعض لوگوں کے لئے جب یہ ارادہ فرماتے ہیں کہ ان کو ہادی فرمادیں تو اس کو جماعت میں ذکر اللہ کے لئے امادہ کرتے ہیں پس اس کی وجہ سے اس کو بقا کا مقام عطا فرماتے ہیں۔ پس جب عبد ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہتر جماعت میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بہترین جماعت میں ذکر کرنے کا مطلب واللہ اعلم۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکا ذکر مثلاً ملائکہ اور اولیاء و انبیاء اور ان کے ازواج کی زبانوں پر جاری کردیتے ہیں اور اس ذاکر کو مشاہدہ کرادیتے ہیں۔ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ حضرات اس کا ذکر کرتے ہیں مگر حقیقتاً اللہ تعالیٰ اس کے ذاکر ہیں۔

آپ لوگ خود غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کا ذکر فرمادیں گے تو کیسا کچھ ذکر ہوگا اور ذاکرین کے لئے کتنی فضیلت کی بات ہے۔ اسی موقع کے لئے یہ مصرع ہے ؎

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے جو اس محفل میں ہے

اب سنئے کہ بہت ہی تعجب کی بات تو ان لوگوں سے ہے جو ایسی جگہوں پر آمد و رفت رکھتے ہیں مگر صرف آنا ہی جانا ہے تعلیمات کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کیوں آتے ہیں جب کام کرنا مقصود نہیں ہے محض بدن سے قریب ہونے بلکہ بدن پر بھر بھرا کر جانے ہی کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ یہ گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟

بات یہ ہے کہ جب اصلی چیز رخصت ہو جائیگی تو اس کی جگہ نقل آجائے گی جب اخلاص کو لوگ ترک کردینگے تو اس کی جگہ تصنع و ریاکاری کا آجانا لازمی ہے۔ تو چونکہ ان لوگوں نے اخلاص و صدق کو چھوڑ دیا ہے اور اس کو اختیار کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے ہم لوگوں کو خوش کرنے کے لئے قریب ہونا چاہتے ہیں مگر خود سوچو کہ اگر ہم خوش بھی ہو جائیں تو محض اس سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو راضی ہو نہیں جائیں گے۔ وہ تو اسی وقت راضی ہوں گے جب کہ تم اخلاص و صدق اختیار کرو گے۔ علامہ نوویؒ نے اپنی کتاب الاذکار میں اخلاص و صدق کے متعلق اقوال نقل فرمائے ہیں ایک ان میں کا یہ ہے کہ رویناعن الاستاذ ابی علی الدقاق رضی اللہ عنہ۔ قال الاخلاص التوقی عن ملاحظۃ الخلق والصدق التنقی عن مطاوعۃ النفس۔ فالمخلص لاریاء لہ والصادق لا

اعجاب کہ ــــ سبحان اللہ! کیا ہی عمدہ اخلاص وصدق کی تعریف فرمائی اور دونوں میں کیسا فرق فرمایا۔ ملاحظہ خلق سے بچنے کو تو اخلاص فرمایا۔ اور نفس کی مطاوعت ومتابعت سے احتراز کو صدق پس اس تعریف کی بنا پر مخلص وہ ہوگا جس میں ریا نہ ہو اور صادق اس کو کہیں گے جس کے اندر عجب نہ ہو۔

ذکر کے فضائل احادیث میں کثرت سے وارد ہیں مگر ہمارے یہاں آنے والے ذکر میں مشغول نہیں ہوتے۔ کام کرتے کرتے تھک گیا مگر دیکھا کہ لوگوں کو جو فائدہ ہونا چاہیئے نہیں ہو رہا ہے۔ غور کیا کہ آخر نفع کیوں نہیں ہو رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ ذکر اللہ نہیں کرتے اس لئے فیض سے محروم ہیں۔

صحبت کی فرضیت مسلم ہے اس سے فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں مگر اس سے ذکر کی ضرورت کیسے منتفی ہوگئی جیسے نماز فرض ہے تو اس سے زکوٰۃ کی اور حج کی فرضیت کیسے ساقط ہوسکتی ہے۔ سب اپنی اپنی جگہ پر فرض ہیں۔ ایک کو اگر ترک کریگا تو دوسرا فریضہ اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ذکر کو بھی سمجھ لیجئے طریق میں جو لوگ داخل ہیں ان کو ذکر کرنا لازم ہے۔ بغیر اس کے غفلت دور نہیں ہوگی۔ میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ ذکر کیجئے اور پھر اس کا نفع دیکھئے۔ (علماء سے مخاطب ہوکر فرمایا) کہ ذکر کی فضیلت احادیث میں کتنی وارد ہے مگر یہ لوگ اس کو بھولے ہوئے ہیں نہ خود عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو بتلاتے ہیں۔ آخر کیوں جب احادیث میں فضیلت وارد ہے تو کیوں نہیں عمل کیا جاتا۔ چونکہ خود عمل نہیں کرتے اس لئے دوسروں کو کیا بتلادیں۔ سنئے آپ لوگ کتنے ہی علم پڑھ لیں مگر جو درجہ ولایت کا ذکر سے ملتا ہے وہ نہ ملیگا۔ جب محض علم ہی علم رہتا ہے تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز جہاں مانع وحائل ہوئی سب علم دھرا رہ جاتا ہے۔ اور جب ذکر دل میں رچا رہتا ہے اور اللہ رب العالمین کی محبت دل میں بسی رہتی ہے تو یہ دشوار سے دشوار مقام پر سنبھلے رہتی ہے۔ بھائی آخر کوئی بات اہم ہے جبھی تو اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کی طرف ترغیب دی ہے اور تمام اہل اللہ نے اس کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور اپنے متعلقین سے ذکر کرایا ہے۔ جسکی وجہ سے بڑے بڑے مراتب لوگوں نے حاصل کئے ہیں۔

کیا یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ افضل الذکر لا الہ الا اللہ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو ذکر سے موسوم فرمایا ہے۔ نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے۔ پھر بھی حضور نے فرمایا کہ افضل الذکر لا الہ الا اللہ۔ بات یہ ہے کہ بیشک قرآن ذکر ہے اور سب سے بڑھ کر ذکر ہے مگر قرآن میں تفصیل ہے۔ اس ذکر سے بلندی کم استعدادوں کیلئے نفع اٹھانا دشوار تھا اس لئے کلمہ طیبہ کا ذکر تبلایا کہ اس سے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کریں پھر قرآن پاک سے بھی استعداد کے قوی ہوجانیکے بعد نفع ہوگا۔ چنانچہ ہر موقع کیلئے ذکر کی تعلیم فرمائی ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھو۔ نکلتے وقت یہ دعا پڑھو۔ سونے لگو تو ان اذکار کو کہہ لیا کرو اور جب بیدار ہو تو یہ پڑھ لیا کرو۔ اسی طرح پاخانہ میں داخل ہونے اور

نکلنے کی الگ الگ دعائیں ارشاد فرمادیں اور ان پر عمل کی لوگوں کو ترغیب دی یہ اسی لئے تاکہ کوئی وقت غفلت میں نہ گذرنے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص ہمہ وقت تلاوت پر تو قادر نہیں ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر مختصر کلمات ذکر کے تعلیم فرمادیئے تاکہ لوگ آسانی سے کرسکیں۔

علماء نے ان تمام اوراد و اذکار کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہیں جمع فرمایا ہے اور مستقل تصانیف فرمائی ہیں۔ علامہ نوویؒ نے بھی اس کتاب میں ہر موقع کے لئے دعاؤں کو مذکور فرمادیا ہے۔ کوئی دعا چھوڑی نہیں ہے بہت ہی عمدہ کتاب ہے۔ ایک مستقل فصل قائم فرمائی ہے کہ ذکر میں کیا کیا داخل ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جان لو کہ ذکر تسبیح و تہلیل ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت جو بھی ہو اسکا عامل اللہ تعالیٰ کا ذاکر ہے۔ ایسے ہی سعید ابن جبیرؒ اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ ——

حضرت عطاءؒ نے فرمایا ہے کہ مجالس حلال و حرام کو کہ کیسے بیع و شرا کیجائے۔ کیسے نماز روزہ ادا کیا جائے کیسے نکاح و طلاق کے امور کو انجام دیا جائے یہ سب مجالس ذکر ہی ہیں۔

سبحان اللہ کیسی عمدہ بات بیان فرمائی کہ یہ مجالس وعظ و تلقین و تعلیم و تربیت ان سب کا شمار مجالس ذکر ہی میں ہے۔

صاحب کشافؒ اللہ تعالیٰ کے ارشاد والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

الذاکر اللہ کثیرا من لایکاد یخلو من ذکر اللہ بقلبہ او لسانہ او بھما و قراءۃ القرآن والاشتغال بالعلم من الذکر۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استیقظ من نومہ وایقظ امرأتہ فصلیا جمیعا رکعتین کتبا من الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات

اللہ تعالیٰ کے کثیر ذکر کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ کسی حال میں ذکر اللہ سے خالی نہیں رہتے محض قلب سے یا صرف لسان سے یا دونوں سے ذکر اللہ جاری رکھتے ہیں اور قراۃ قرآن اور اشتغال بالعلم بھی منجملہ ذکر کے ہے بلکہ اعلیٰ فرد ذکر کا ہے جبکہ غفلت کے ساتھ نہ ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بیدار ہوا اور اپنی بیوی کو بیدار کیا پس دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی تو الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات میں سے لکھ لئے جاتے ہیں۔

(کشاف ص ۲۳۶ ج ۳)

دیکھئے صاحب کشاف نے ذکر کثیر کا مطلب یہ لکھا کہ ہمہ آن قلب یا لسان یا دونوں سے ذکر میں مشغول رہا جائے اشتغال بالعلم کو بھی ذکر فرمایا ہے تو اس کے متعلق سنئے۔ بیشک یہ ذکر ہے۔ مگر جبکہ اس سے غفلت زائل ہو جائے، مقصود قلب سے غفلت کی نفی ہے اگر اشتغال بالعلم سے نفی غفلت ہو جاتی ہے تو سبحان اللہ کیا پوچھنا ہے مقصود حاصل ہے۔ ورنہ ان لوگوں کو یعنی مشتغلین بالعلم کو بھی مستقل ذکر کرنے کی ضرورت ہوگی اس لئے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ یہ پڑھنے پڑھانے والے کورے کے کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ قیل و قال کو زبان ہی پر جاری کرلیا

جاتا ہے قلب تک اس کا اثر نہیں اترتا تو یہ اشتغال بالعلم ذکر سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ مشائخ نے علماء اعلام سے بھی ذکر کرایا ہے بلکہ کچھ مدت کے لئے درس وتدریس و وعظ وافتاء سے منع کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ تلاوت کلام اللہ سے روک دیا ہے اور ذکر میں مشغول کیا ہے۔ اسلئے کہ یہ مشاغل یعنی تعلیم و وعظ وافتا وغیرہ منتہوں کے ہیں اور یہ منصب انبیاء کا ہے اگر کوئی مبتدی ان کاموں کو انجام دینا چاہے تو انجام نہیں دے سکتا بجائے نفع کے اس کو ضرر ہوگا اور ذکر چونکہ بسیط ہوتا ہے اس لئے اس کا اثر براہ راست قلب تک پہونچتا ہے ابھی اللہ اللہ تھوڑی دیر زبان پر جاری کیجئے اور دیکھئے کہ اس کا اثر قلب تک پہونچتا ہے یا نہیں۔ اور جب قلب متاثر ہو جاتا ہے تو اس کو درس تدریس وغیرہ سے بھی نفع ہوتا ہے اور یہ موجب غفلت نہیں ہوتے۔ قرآن وحدیث اعلیٰ ذکر ہیں اس سے اثر لینے کے لئے استعداد درکار ہے پس ابتداء میں جب ذکر نفی اثبات یا مجرد ذکر سے اپنے قلب کو متاثر کر لوگے تو قرآن وحدیث سے بھی پورا اثر ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔

علامہ نوویؒ کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں۔ جان لو کہ اس آیت کریمہ یعنی والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات کے مطلب میں اختلاف کیا گیا ہے۔ پس امام ابوالحسن الواحدیؒ نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مراد ذاکرین سے وہ لوگ ہیں جو نمازوں کے بعد ذکر کرتے ہیں اور صبح وشام کے اوقات میں اور اپنے لیٹنے سونے کے مقامات میں اور جبکہ سو کر اٹھتے ہیں اور جبکہ صبح یا شام کو اپنے گھروں سے نکلتے ہیں تو اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے ہیں۔

اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں الذاکرین اللہ کثیرا کا مصداق کوئی نہیں ہو سکتا جب تک کہ کھڑے ہونے اور بیٹھنے اور لیٹنے (گویا ہر حالت) میں ذکر اللہ نہ کرے۔ اور حضرت عطاؒ فرماتے ہیں جس نے پانچوں نماز ان کے حقوق کے ساتھ ادا کر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات میں داخل ہے۔

اور شیخ امام ابوعمر و ابن صلاحؒ اس مقدار ذکر سے سوال کئے گئے جس کے کرنے کے بعد الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات میں شمار کئے جائیں۔ تو فرمایا کہ جب ان اذکار پر جو صبح وشام کے اوقات اور مختلف احوال کیلئے شب و روز میں ماثور و منقول ہیں ان پر مواظبت کرے۔

دیکھئے علماء الذاکرین اللہ کثیرا کے کیسے کیسے مطلب بیان کر رہے ہیں۔ یہ سب سلف سے منقول ہے اسی کو بیان کر رہا ہوں مگر ان وظائف کی طرف التفات نہ کریں گے۔ ابھی اٹھیں گے تو کہیں گے کہ وظیفہ بتلا دو۔ آخر یہ سب جو بتلایا جاتا ہے وظیفہ نہیں تو اور کیا ہے۔ مگر ایک نہیں سنتے۔ جو اذکار حضورؐ سے منقول ہیں اس سے بڑھ کر کوئی وظیفہ ہو سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب چیزیں تو بیان کیں اذکار و وظائف ہی جس سے اللہ تعالیٰ سے قرب پیدا ہوتا ہے اسی کو چھوڑ دیں گے۔

سنو! علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ محدث اور جنبی اور حائض و نفساء کے لئے بھی قلب و لسان سے ذکر جائز ہے اور ان کا ذکر تسبیح، تہلیل، تحمید، والتکبیر و درود شریف اور دعا وغیرہ ہے لیکن قراۃ قرآن جنبی اور حائض و نفساء

کے لئے حرام ہے۔ کثیر ہو یا قلیل یہاں تک کہ بعض آیت بھی۔ ہاں قرآن کا اجرا اپنے قلب پر بغیر لفظ کے جائز ہے ایسے ہی قرآن پاک کی طرف نظر کرنا اور اس کا گذارنا قلب پر جائز ہے۔ ہمارے اصحاب نے یہ فرمایا کہ حائض و جنبی کو جب کوئی مصیبت پہونچے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور سوار ہوتے وقت یہ دعا سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح دعا کے وقت رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ پڑھ سکتے ہیں مگر جبکہ اس سے قرات قرآن کا قصد نہ ہو۔

سنیئے! یہ جو حائض و نفساء کو تسبیح و درود شریف وغیرہ کی اجازت ہے اسی لئے کہ نماز قرات قرآن تو کریں گی نہیں تو اتنی مدت جب پوری غافل ہو جائیں گی اور قلب ذکر اللہ سے کوسوں دور ہو جائیگا۔ اس لئے ان کو ان اذکار میں مشغول کیا گیا ہے۔

بیئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ذکر اللہ کی طرف اس طرح ترغیب و تخصیص فرمائی کہ "کیا میں تم کو ایسی بات کی خبر نہ دوں جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر اور تمہارے بادشاہ کے نزدیک پاکیزہ اور تمہارے درجات میں سب سے ارفع اور تمہارے لئے انفاق ذہب و فضہ سے خیر اور اس سے بھی بہتر کہ تم دشمن سے ملو اس طرح کہ تم ان کی گردنوں کو مارو اور وہ تمہاری گردنوں کو ماریں؟ تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیے تو آپ نے فرمایا کہ وہ ذکر اللہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک دوسری حدیث یہ ہے۔ کہ ایک آدمی نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ شرائع اسلام مجھ پر کثیر (ثقیل) ہو گئے مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے جس کو میں مضبوطی سے اختیار کروں (یعنی اس کو ہر زماں ہر حال میں برابر کرتا رہوں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری زبان ذکر اللہ سے تر رہے سبحان اللہ ان ارشادات گرامی سے کسقدر فضیلت ذکر کی مفہوم ہوئی۔

صاحب مرقاۃ ملا علی قاریؒ جو بہت ہی زبردست عالم ہیں مشکوٰۃ کی ان احادیث کی شرح کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے ذکر کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ اور انا جلیس من ذکرنی اور انا معہ اذا ذکرنی کافی وافی ہے۔ اسی واسطے امام غزالی مقام ذکر میں داخل ہونے کے بعد فرماتے تھے کہ میں نے اپنی عمر کا ایک حصہ وجیز و وسیط و بسیط کی تصنیف میں ضائع کر دیا۔

سنئے امام غزالیؒ جو سب کے نزدیک حجت ہیں یہ فرما رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگرچہ پہلے بھی علمی مشاغل ہی میں رہے مگر قلب میں غفلت تھی غفلت کے ساتھ یہ سب کام ہوئے تو گویا کوئی کام ہوا ہی نہیں عمر ضائع ہوئی۔ امام کے اس بات سے ذکر و نفی غفلت کی اہمیت سب ہی کے لئے اگرچہ علماء ہوں کیسی مفہوم ہوئی۔

اسی لئے صوفیہ وبزرگان دین نے اپنے متعلقین ومنتسبین سے ذکر کرایا ہے اوران کو اپنے ارشادات سے اس کی ترغیب دی ہے۔ سیدنا رفاعیؒ تو ذکر کو وصال حق کا مقناطیس فرماتے ہیں۔ یعنی جس طرح مقناطیس میں اثر ہوتا ہے کہ اپنی طرف کشش کرلیتا ہے ایسے ہی ذکر اللہ تعالیٰ تک پہونچا دیتا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصال حق کا مقناطیس ہے، قرب کا ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانوس ہوجاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے مانوس ہوا وہ اللہ تعالیٰ تک پہونچ گیا۔ حضرت سیدنا معین الدین چشتیؒ کا کیا ہی عمدہ اسکے متعلق شعر ہے ؎

وصال حق طلبی ہم نشیں نامش باش

یہ بیں وصال خدا در وصال نام خدا

اسی طرح صاحب ترصیع الجواہر المکیہ نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ علماء طریق نے فرمایا ہے کہ قلب کو جلاء کرنے میں ذکر کا وہ درجہ ہے جو تانبا کے صاف کرنے میں ریت و بالو کا ہے۔ اور تنویر قلب میں دیگر طاعات کی حیثیت ایسی ہے جیسے تانبے کی صفائی میں صابون کی۔

صاحب مرقاۃ تحریر فرماتے ہیں کہ لاترتفع جمیع العلل الظاہرۃ والباطنۃ الا بالذکر المؤثر فی القلب الذی ھو سلطان الاعضاء ــــ یعنی تمام علل ظاہرہ و باطنہ ذکر ہی سے مرتفع ہوتے ہیں جو کہ قلب میں موثر ہو اس لئے کہ یہی سلطان الاعضاء ہے۔

آج عام طور پر لوگ خطرات وساوس کے شکار ہیں اور آکر کہتے بھی ہیں مگر جو علاج اصل ہے اسکو بتلایا جاتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے پھر معلوم نہیں کیوں آتے ہیں اور کیوں پوچھتے ہیں جبکہ عمل نہیں کرنا ہوتا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری طرف سے سب شیخ کرے۔ یہ لوگ ہمکو تو متبرک سمجھتے ہیں مگر تعلیمات کو متبرک نہیں سمجھتے۔

عجیب حال ہے معلوم نہیں کس نے ان لوگوں سے یہ بتلادیا ہے کہ اگر کسی شیخ و مصلح کو پاؤ تو بس اس کے بدن پر بلا سمجھے گرو۔ یہی کل کامیابی ہے اور یہی دین ہے۔ تعلیمات کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے۔ اگر یہ لوگ سیکھیں تو بہت کچھ معلوم ہوجائے مگر سیکھنے کا قصد ہی نہیں کرتے۔ رسوم کا غلبہ ہوگیا ہے ظاہری آداب مشائخ کو کافی سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ منجملہ بدعات کے ایک یہ بھی بدعت ہے کہ ان لوگوں نے مشائخ کے قرب اور آداب رسمی کو دین سمجھ رکھا ہے۔

اب اپنے علماء کے ارشادات جو وساوس وخطرات کے بارے میں ہیں سنو!

علامہ محی الدین نوویؒ نے کتاب الاذکار میں ایک مستقل باب اس پر قائم کیا ہے کہ "باب مایقولہ

من بلی بالوسوسۃ" یعنی باب اس امر میں کہ جب کوئی وسوسہ میں مبتلا ہو تو اس کو کیا کہنا چاہیئے۔
اس باب میں علامہ نوویؒ نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے کہ ابو زمیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کچھ اپنے سینہ میں پاتا ہوں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ کونسی شے ہے۔ تو انھوں نے کہا ایسی شئے ہے کہ زبان پر نہیں لاسکتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کیا کچھ شک کے قبیل سے ہے اور ہنسے اور فرمایا کہ اس سے کسی نے نجات نہیں پائی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل فرمایا (فان کنت فی شك مما انزلنا الیك الآیۃ) یعنی اگر آپ شک میں ہوں اس سے جو ہم نے نازل کیا آپ کی طرف الخ) پھر حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب اپنے نفس میں اس قسم کی کوئی چیز پاؤ تو یہ پڑھ لیا کرو (هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ)

پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

وقال بعض العلماء یستحب قول لا الہ الا اللہ لمن ابتلی بالوسوسۃ فی الوضوء او فی الصلوۃ او فی شبھھما فان الشیطان اذا سمع الذکر خنس ای تاخر و بعد۔ ولا الہ الا اللہ رأس الذکر ولذلك اختار السادات الاجلۃ من صفوۃ ھذہ الامۃ اھل تربیۃ السالکین وتادیب المریدین قول لا الہ الا اللہ لاھل الخلوۃ وامروھم بالمداومۃ علیھا۔ وقالوا انفع علاج فی دفع الوسوسۃ الاقبال علی ذکر اللہ تعالی والاکثار منہ	بعض علماء نے فرمایا ہے لا الہ الا اللہ کہنا اس شخص کے لئے جو وضو یا نماز یا ان کے مثلیہ اور کسی شے میں وسوسہ میں مبتلا ہو مستحب ہے۔ اسلئے کہ جب شیطان ذکر سنتا ہے تو وہاں سے کھسک جاتا ہے اور دور ہو جاتا ہے۔ لا الہ الا اللہ راس الذکر ہے۔ اسی وجہ سے سادات اجلہ نے جو اس امت کے صفوہ ہیں اور تربیت سالکین اور تادیب مریدین کے اہل ہیں اس کلمہ لا الہ الا اللہ کو اہل خلوت کے لئے پسند فرمایا ہے۔ اور ان کو مداومت کا امر فرمایا ہے۔ اور ان حضرات نے یہ فرمایا ہے دفع وسوسہ کا سب سے نافع علاج ذکر اللہ کی طرف اقبال اور اس کا اکثار ہے۔

دیکھئے فرما رہے ہیں سادات اجلہ جو اس امت کے صفوۃ ہیں اور سالکین و مریدین کی تربیت کے اہل ہیں ان لوگوں نے اہل خلوت کیلئے ذکر اللہ تعالیٰ کلمہ لا الہ الا اللہ کو منتخب و مختار فرمایا ہے۔ سنئے اہل خلوت فرما رہے ہیں آپ لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہوگا کہ خلوت کیا چیز ہے، اور لا الہ الا اللہ کو راس الذکر فرما رہے ہیں جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ یہی وہ قاعدہ ہے جس پر ارکان دین کی بناء قائم ہے اور یہی کلمہ علیا ہے اور یہی وہ قطب ہے جس پر اسلام کی چکی گھوم رہی ہے اور یہی ایمان کے شعبوں میں سب سے اعلیٰ شعبہ ہے اور علامہ طیبیؒ نے فرمایا ہے کہ بلکہ یہی کل ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ اور حضرت مجدد صاحبؒ

نے اس کلمہ کے بہت بہت فضائل بیان فرمائے ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا مِنْ بَرَکَاتِ هٰذِهِ الْکَلِمَةِ الطَّیِّبَةِ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهَا وَاَمِتْنَا عَلٰی تَصْدِیْقِهَا وَاحْشُرْنَا مَعَ الْمُصَدِّقِیْنَ لَهَا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ بِحُرْمَتِهَا وَبِحُرْمَةِ مُبَلِّغِیْهَا عَلَیْهِمُ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالْبَرَکَاتُ۔

علامہ نووی تحریر فرما رہے ہیں سب لوگوں نے اجماع کیا ہے کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر وساوس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

چنانچہ صاحب مرقاۃ من نفس عن مومن کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیامۃ ومن یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ۔ الحدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ:

قال بعض العارفین لا یخفی ان المعسر وصاحب الکربۃ هو المرید فی وادی الغربۃ المحتاج الی قطع العقبات النفسانیۃ و المنازل الظلمانیۃ والنورانیۃ کما اشتهر عن الکتانی من ان بین العبد والحق الف مقام من نور وظلمۃ ویتلقاہ الوساوس والهواجس فعلی شیخه ان ینفس کربۃ الوساوس عنہ بامرہ بترک المبالاۃ بها والتامل فی الحجج العقلیۃ والادلۃ النقلیۃ ان استأهل وادامۃ الذکر والابتهال عن المولی ویسهل علیہ سواء الطریق ویذیقہ حلاوۃ التحقیق حتی یسطع فی قلبہ انوار القلوب و یطلع فی سرہ شموس الوصول الی المحبوب

مرقاۃ ص ۲۲۱ ج ۱

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ معسر اور صاحب کربۃ وہ مرید ہے جو غربت (مسافرت) کی وادی میں ہے اور عقبات نفسانیہ اور منازل ظلمانیہ اور نورانیہ کے قطع کرنے کا محتاج ہے۔ جیسا کہ کتانی سے مشہور ہے کہ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ظلمت اور نور کے ایک ہزار مقام ہیں۔ اس کو (انکے طے کرنے میں) وساوس و ہواجس پیش آتے ہیں۔ اس کے شیخ کے لئے لازم ہے کہ اس کو وساوس کی کربت سے نکالے اس طرح کہ اسکو امر کرے کہ اس کی طرف التفات مت کرو اور اگر اہل ہو تو حجج عقلیہ اور نقلیہ میں غور کرنے کا حکم کرے۔ اور اس کو استدامۃ ذکر اور اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کا امر کرے (اور شیخ کے لئے ضروری ہے) کہ اس پر سواء طریق کو آسان کرے اور تحقیق کی حلاوت چکھاوے۔ یہاں تک کہ اس کے قلب میں انوار قلوب روشن ہو جائیں اور وصول الی المحبوب کے آفتاب اسکے باطن میں طلوع ہو جائیں۔

سبحان اللہ کیسی عمدہ بات فرمائی کہ مرید بھی صاحب کربت ہے۔ قطع مسافت میں شیخ کی دستگیری کا محتاج ہے۔ شیخ کے لئے لازم ہے کہ اس کو کربت سے نکالے۔ اور شیخ کو اس کربۃ عظیمہ سے نکالنے کا ظاہری کربت سے نکالنے سے کہیں زیادہ آخرت میں اجر و ثواب ملے گا۔ اور اسکا یہ طریق ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی

وساوس وہواجس میں مبتلا ہے تو اسکو عدم التفات کا امر کرے اور ذکر پر مداومت کرائے، حلاوت تحقیق کی چکھاوے یہاں تک کہ اس کے باطن میں انوار و آفتاب طلوع ہو جائیں ــــ اب یہ سب چیزیں رخصت ہوگئیں طریق ہی ختم ہو گیا۔ دیکھئے کیا فرمارہے ہیں کہ ترک التفات کے ساتھ ساتھ مداومت ذکر کو بھی فرمارہے ہیں۔ اور یہ بہت ہی ضروری ہے بغیر اس کے وساوس کا ازالہ ہوگا نہیں جیساکہ علامہ نوویؒ نے تحریر فرمایا کہ بالاتفاق سب سادات صوفیہ نے فرمایا ہے کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر نافع علاج وساوس کا نہیں ہے۔ جب ذکر قلب میں آجائیگا تو پھر وساوس کا قلع قمع کردے گا۔

سنو وساوس کا معاملہ بھی نہایت مہتم بالشان ہے۔ کبھی وساوس اعتقادیات میں آتے ہیں اگر ذرا بھی اس میں اختیار کو دخل ہوا تو کفر ہو جائیگا اور ایمان جاتا رہے گا۔ اور کبھی اعمال میں طرح طرح کے وساوس آتے ہیں اس پر عمل کرکے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ عموماً ہوتا ہے اس لئے کہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک وقت میں آدمی صوم صلوٰۃ ذکر واذکار کا پابند ہوتا ہے پھر اس کو ترک کر دیتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے اس قسم کے وساوس بار بار آتے ہیں کہ اتنے دنوں سے یہ اعمال کر رہے ہو کچھ حاصل نہ ہوا۔ اسکی وجہ سے سب ترک کر دیتا ہے۔

یہ کوئی معمولی شئے نہیں ہے اس کے علاج کی طرف جلد متوجہ ہونا چاہئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ خواطر کا معاملہ بڑا مہتم بالشان ہے کہ شقاوت وسعادت کا سارا مدار ہی انھیں پر ہے اور فرشتہ اور شیطان انھیں کے تابع ہیں بہتیرے خواطر ہیں کہ انسان کو اسفل السافلین میں پہونچا دیتے ہیں اور اچھے خواطر مقتضائے روح ہیں کہ طاہر چیز ہے اور گندگی خواطر ذات انسانی اور خواہشات نفسانی کے مقتضائے طبعی ہیں پس ان میں فرق کرنا کتنا ضروری امر ٹھہرا۔

صاحب رسالہ قشیریہ نے منجملہ فرائض سالک کے اخلاء خواطر کو بھی تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں لیس من آداب المریدین کثرۃ الاوراد بالظاہر فان القوم فی مکابدۃ اخلاء خواطرہم ومعالجۃ اخلاقہم ونفی الغفلۃ عن قلوبہم۔ الخ

یعنی مریدین کو تین چیز کا کرنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ خواطر ردیہ سے اپنے کو خالی کرے، دوسرے یہ کہ اخلاق رذیلہ کی اصلاح کرے اور ثالثاً یہ کہ قلب سے غفلت کو دور کرے۔ اور یہ بھی تبلایا کہ فرائض اور سنن کے ادا کے بعد ذکر کی استدامت کرنا جو قلب کی توجہ کے ساتھ ہو، صلوات نافلہ کی کثرت سے بڑھ کر اس کے لئے اتم و مفید ہے۔

اس سے اخلاء خواطر کی اہمیت کس قدر مفہوم ہوئی کہ سالک　منجملہ وظائف و فرائض کے اخلاء خواطر بھی ہے اور اس کا علاج واحد بس استدامت علی الذکر ہے، چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کسی طالب کے خط کے جواب میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان الاذکار حقیقی کے بعد خطرات سوء کی گنجائش نہیں رہتی مگر ہاں خیالی

سلطان الاذکار ہوگا۔ اب اس کی تدبیر کثرت ذکر ہے کہ بیخ ذکر قائم ہوکر بیخ خطرات کو قطع کردے۔ ع

ہر گہ کہ سلطان خیمہ زد غوغا نماند عام را

نیز ایک دوسری جگہ کسی طالب کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

شاہ صاحب کے مرید کا جو حال لکھا ہے ان کے خیال میں انفعال ہے قلب میں ذکر راسخ نہیں ہوا۔ ان کو ذکر کرنا لازم ہے خطرات رفع نہیں ہوتے جب تک قلب میں ذکر نہ قائم ہوئے۔

سبحان اللہ یہ ہیں کامل اہل اللہ۔ ایسی تربیت ہوا کرتی تھی جس سے لوگوں کی تکمیل ہوا کرتی تھی اب چونکہ ان کی سی تربیت نہیں ہے اس لئے سب نقصان ہی نقصان نظر آرہا ہے۔ حضرت نے کیا ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی کہ اب اسکی تدبیر کثرت ذکر ہے کہ بیخ ذکر قائم ہوکر بیخ خطرات کو قطع کردے۔ اسی طرح یہ فرمایا کہ خطرات رفع نہیں ہوتے جب تک قلب میں ذکر نہ قائم ہوسے

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ ذکر اور وساوس ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اس لئے کہ وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور ذکر رحمن کا ہے کیا مجال ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو وہاں شیطان کے وساوس کی گنجائش ہو۔ اور جب یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شیطان دور ہوجاتا ہے تو جس دل میں ذکر متمکن ہو اس کے پاس شیطان کیسے پھٹک سکتا ہے۔ اور جس کے قلب پر ذکر اللہ کا تسلط ہے اس پر شیطان کا داؤ کیسے چل سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے　　کہ خیال رخ دلدار ہے درباں اپنا

ذاکر کے متعلق یہ ارشاد ہے انا جلیس من ذکرنی (وانا معہ اذا ذکرنی) یعنی میں اپنے ذاکر کے پاس ہوں اور اس کا جلیس ہوں) کیسے آسکتا ہے۔ منجانب اللہ اس کی حفاظت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ مومنین کی صفات میں سے فرمارہے ہیں انہ لیس لہ سلطان علی الذین امنوا وعلیٰ ربہم یتوکلون الآیۃ۔ یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا۔ یعنی جب انکو شیطان (کے وسوسہ) کا کچھ اثر لگ جاتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں۔

ؔ علامہ شامی نے [illegible] ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں کا ایک اپنے دل میں ایسی بات پاتا ہے [illegible] الحمد للہ الذی رد کیدہ الی الوسوسۃ [illegible]

[illegible] جو شخص وساوس سے محفوظ رہنا چاہے تو آمنت باللہ کہے۔

[illegible] اللھم اجعل [illegible] ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[illegible] فرمائی۔ ۱۲

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت فرمارہے ہیں جو کہ ذکر اللہ سے اعراض کرتے ہیں ان پر عقوبۃً شیطان کو مقرر کر دیتے ہیں۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ وَاِنَّھُمْ لَیَصُدُّوْنَھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اندھا بن جاوے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ اس کو راستے سے روکتا رہتا ہے، اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔

علامہ نودی۔ اسی باب یعنی باب مایقول من بلی بالوسوسہ میں فرماتے ہیں کہ سید الجلیل احمد ابن ابی الجواریؒ نے فرمایا کہ میں نے ابوسلیمان الدارانیؒ سے وسواس کی شکایت کی تو فرمایا کہ اگر تم اس کے انقطاع کا ارادہ کرتے ہو تو یہ کرو کہ جس وقت وسوسہ محسوس کرو تو خوش ہو۔ اس لئے کہ جب تم خوش ہوگے تو تم سے وسوسہ منقطع ہو جائے گا۔ کیونکہ شیطان کو مومن کے سرور سے بڑھ کر مبغوض شے کوئی نہیں ہے اور اگر اس سے غمگین ہوگے تو اور زیادہ تم کو وسوسہ میں مبتلا کر دے گا ۔ مصنف فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ بات اس قول کی موید ہے جس کو بعض ائمہ نے کہا ہے کہ "وسواس میں وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو کامل الایمان ہوتے ہیں۔ اسوجہ سے کہ چور خانہ ویراں کا قصد نہیں کرتا۔ (یعنی جہاں مال ہوتا ہے وہیں جاتا ہے

حضرت مولانا تھانوی رح بھی یہی فرمایا کرتے تھے یہاں سے اس کی تائید ہوگئی۔ اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہوتا ہے پریشان کرنے کے لئے شیطان اس کے دل میں وساوس ڈالتا ہے تاکہ وہ محزون ہو اور اس کو تکلیف ہو کفار کو اس قسم کے وساوس نہیں ڈالتا اس لئے کہ ان لوگوں کی طرف سے وہ فارغ ہو چکا ہے اور ان سے مطمئن ہو کر ان کو چھوڑ دیا ہے اور مسلمانوں کی طرف گمراہ کرنے اور پریشان کرنے کے لئے اپنی پوری قوت سے متوجہ ہے۔ مگر میں ایک بات یہ بیان کرتا ہوں سنئے کہ کہ جس طرح چور بیت ویران وخالی کا قصد نہیں کرتا ویسے ہی اس آباد مکان کا قصد نہیں کرتا جہاں سمجھتا ہے کہ سپاہی و دربان مسلح اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں اسی طرح شیطان جیسے کفار کی طرف جن کے قلوب ایمان واسلام سے خالی ہیں ان کا قصد نہیں کرتا ویسے ہی اس مومن کامل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا جس کو سمجھتا ہے کہ ذکر اس کے قلب میں راسخ ہے اور فرشتے اس کے قلب کی نگہبانی کرتے ہیں تو پھر ڈر کے مارے وہاں جاتا نہیں اور نہ اس کی وہاں گنجائش ہے ذکر اس کے قلب کو احاطہ کئے رہتا ہے کوئی دروازہ اور سوراخ نہیں ہے کہ اس سے وہ داخل ہو سکے۔ اسی کو حضرت حاجی صاحبؒ فرمارہے ہیں ؎

آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے + کہ خیال رُخِ دلدار ہے درباں اپنا

ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانوی رحؒ سے کسی نے پوچھا کہ جب وسوسہ نہیں آتا تو کیا قلب میں ایمان نہیں تو حضرت رحؒ نے فرمایا کہ نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ وجہ نہ آنے کی یہ ہے کہ شیطان ناامید ہوگیا ہے۔ بیکار وقت کیوں ضائع کرے اور مقصود تو بہکانا ہے۔ دوسرے بہت ہیں ان کو بہکاوے اس کے پیچھے کیوں پڑے۔

پس حاصل یہ ہوا کہ خطرات کا معاملہ مشکل ہے۔ اس کو سمجھنا چاہیئے کہ آیا اس میں اختیار کا تو دخل نہیں ہے۔ ہرگز ہرگز اختیار کو دخل نہ دے اور اس پر عمل نہ کرے۔ اگر عمل نہ کرے گا تو یہی علامت اس کے غیراختیاری ہونے کی ہوگی۔ اور ایسے مبتلا کو چاہیئے کہ ذکراللہ کی کثرت کرے تاکہ بیخ ذکر قائم ہوکر بیخ خطرات کو قطع کردے۔ جیساکہ حضرت مولانا گنگوہی رحؒ نے فرمایا ہے۔

اضافہ

مناجات خیر

اشرف علی

پادشاہا جرم ما را درگذر / ما گنہگاریم و تو آمرزگار
تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم / جرم بے اندازہ بیحد کردہ ایم
سالہا در بند عصیاں گشتہ ایم / آخر از کردہ پشیماں گشتہ ایم
دائما در فسق و عصیاں ماندہ ایم / ہم قرین نفس و شیطاں ماندہ ایم
روز و شب اندر معاصی بودہ ایم / غافل از امر و نواہی بودہ ایم
بے گنہ نہ گزشت بر من ساعتے / با حضورِ دل نہ کردم طاعتے
بر در آمد بندۂ بگریختہ / آبروئے خود ز عصیاں ریختہ
مغفرت دارم امید از لطفِ تو / زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا
بحرِ الطافِ تو بے پایاں بود / ناامید از رحمتت شیطاں بود
نفس و شیطاں زد کریما راہِ من / رحمتت باشد شفاعت خواہِ من
چشم دارم کز گنہ پاکم کنی / پیش ازاں کاندر لحد خاکم کنی

اندر آں دم کز بدن جانم بری
از جہاں با نورِ ایمانم بری

قال اللہ تعالیٰ

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ

الحمد للہ والمنۃ

کہ مضمون نافع و مفید برائے اہل ایمان؛

(مسمّٰی بہ)

التذکیر بالقرآن

یعنی

مصلح الامّۃ عارف باللہ حضرت مولانا و مقتدانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

باھتمام:- دفتر معرفت حق

۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد طبع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"التذکیر بالقرآن"

(مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ
کا وہ مکتوب گرامی جو ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ
میں شائع ہوا)

[رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی گذشتہ مہینہ الٰہ آباد تشریف لے گئے تھے جہاں انکو ایک تقریر کرنی تھی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہٗ کچھ عرصہ سے الٰہ آباد ہی میں مقیم ہیں، موصوف حضرت ممدوح کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اس صحبت میں حضرت ممدوح نے وعظ و تقریر کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا جس کا مقصد یہ تھا کہ سب سے زیادہ مؤثر تذکیر بالقرآن ہے۔ لیکن اب اسکا رواج بہت کم ہوگیا ہے مولانا ندوی نے استدعا کی کہ اس مضمون کو حضرت قلمبند فرمادیں ــــــ چند روز کے بعد حضرت مولانا کا ایک گرامی نامہ مولانا ندوی کے نام آیا۔ اس کی اصل حیثیت مضمون یا مقالے کی نہیں، بلکہ مکتوب کی تھی۔ مولانا ندوی نے اس کی اشاعت کیلئے درخواست کی تو حضرت مولانا نے اس کو قبول فرمالیا اور اسمیں کچھ اضافات کرکے اس کی افادیت میں اور اضافہ فرمادیا۔ وہی مکتوب ذیل میں (شروع کے چند سطریں حذف کرکے جنکا تعلق مضمون سے نہیں ہے) درج کیا جارہا ہے۔ نعمانی]

مکرمی زاد اللہ عرفانکم　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حسن اتفاق سے جس مضمون کو میں پیش کرنا چاہتا تھا وہ نہایت عمدہ اور بلیغ عنوان سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے کلام میں مل گیا اس لئے بعینہٖ

ارسال خدمت ہے، اُمید ہے کہ نہایت محظوظ ہوں گے۔ وھوھذا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ الفوز الکبیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ

نعم الٰہی در بارۂ ایں بندۂ ضعیف بیشمار اند و اجل آنہا توفیق فہم قرآن عظیم ست.

و منن حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بر کمترین امتیان بسیار ند و اعظم آنہا تبلیغ فرقان کریم است۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن را تلقین فرمود بقرن اول تا ایشان بقرن ثانی رسانیدند و ہکذا و ہکذا تا آنکہ ایں در ماندہ را نیز از روایت و درایت آں حصہ رسید اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی ھٰذا النبی الکریم سیدنا و مولانا و شفیعنا افضل صلواتک و ایمن برکاتک و علٰی آلہ و اصحابہ و علماء اُمتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

(الفوز الکبیر صـ۲)

ترجمہ :- حق تعالیٰ کے انعامات اس بندۂ ضعیف و ناتواں پر بیشمار ہیں۔ لیکن اُن سب سے بڑھ کر نعمت قرآن شریف کے سمجھنے کی توفیق ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات اپنے اس کمترین امت پر بہت زیادہ ہیں، مگر ان میں سب سے بڑا احسان آپ کا یہ ہے کہ آپ نے قرآن حکیم کو ہم تک پہونچایا (وہ اس طرح سے کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کو قرآن کریم مرحمت فرمایا اور پھر صحابہؓ نے تابعینؒ کو پہونچایا اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اس عاجز کو بھی اس کی روایت اور درایت (یعنی تلاوت اور فہم معانی) سے حصہ ملا۔ اے اللہ تو رحمت و برکت بھیج ایسے نبی کریم پر جو ہمارے سید ہیں اور ہمارے مولیٰ ہیں اور محشر میں ہمارے شفیع ہیں، اپنی افضل ترین رحمت اور مبارک ترین برکت اُن پر بھی اور اُنکے جملہ اصحاب پر بھی اور ان کی اُمت کے تمام علماء پر بھی برحمتک یا ارحم الراحمین۔

پھر کچھ دور بعد فرماتے ہیں۔

ومقاصد ایں رسالہ منحصر است در پنج باب۔ (باب اول) در بیان علوم پنجگانہ کہ قرآن عظیم بطریق تنصیص بر آنہا دلالت فرمودہ است وگویا نزول قرآن بالاصالۃ برائے آں بودہ است (باب دویم) در بیان وجوہ خفاء نظم قرآں بہ نسبت اذہان اہل زمان وعلاج آں وجوہ باوضح بیان (باب سوئم) در بیان لطائف نظم قرآن وشرح اسلوب بدیع آں بقدر طاقت وامکان (باب چہارم) در بیان فنون تفسیر وحل اختلاف واقع در تفسیر صحابہ وتابعین (باب پنجم) در ذکر جملہ صالحہ از شرح غریب قرآن واسباب نزول آں کہ مفسر را حفظ آں مقدار ضرور است و خوض در تفسیر بدوں ضبط آں ممنوع ومحظور۔

(الفوز الکبیر ص۳)

ترجمہ۔ اس رسالہ کے مقاصد پانچ بابوں میں منحصر ہیں، باب اول ان پانچ علوم کے بیان میں کہ قرآن شریف نے بطور تصریح کے ان پر دلالت فرمائی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قرآن کریم کا نزول ہی گویا دراصل انھیں کے بیان کے لئے ہوا ہے۔ (باب دوئم) نظم قرآن کے خفا کے وجوہ کے بیان میں جو اہل زمانہ کے بعض اذہان کے اعتبار سے ہیں اور ان وجوہ کا علاج واضح بیان کے ساتھ (باب سوم) نظم قرآنی کے لطائف اور خوبیوں کا بیان اور بقدر طاقت وامکان اس کے اسلوب بدیع کی تشریح کے بیان میں (باب چہارم) فنون تفسیر کے بیان میں اور صحابہ وتابعین کی تفسیر میں واقع شدہ اختلافات کا حل، (باب پنجم) غرائب القرآن اور اس کے شان نزول سے متعلق اسقدر کلام کہ ہر مفسر کے لئے اس مقدار کا یاد ہونا ضروری ہے اور علم تفسیر میں بدون اس کے حفظ وضبط کے خوض کرنا منع ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

باب اول در بیان علوم پنجگانہ کہ قرآن عظیم بطریق تنصیص بیان آں فرمودہ است۔

باید دانست کہ معانی منظومۂ قرآن خارج از پنج علم نیست، علم احکام از واجب و مندوب و مباح و مکروہ و حرام خواہ از قسم عبادات باشد یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاسیات مدینہ و تفصیل این ذمۂ فقیہ است وعلم مخاصمہ با چہار فرقہ ضالہ یہود و نصاریٰ و مشرکین و منافقین و تفریع بریں علم ذمۂ متکلم ست وعلم تذکیر بآلاء اللہ از بیان خلق آسمان و زمین و الہام بندگان بآنچہ ایشان را درمی بایست واز بیان صفات کاملۂ او تبارک وتعالیٰ وعلم تذکیر بایام اللہ یعنی بیان وقائع کہ آں را خدائے تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از جنس انعام مطیعین وتعذیب مجرمین وعلم تذکیر بموت و ما بعد آں از حشر و نشر وحساب ومیزان وجنت و نار و حفظ تفاصیل ایں علوم والحاق احادیث و آثار مناسبہ آں وظیفۂ واعظ و مذکر ست۔

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۳)

ترجمہ:۔ پہلا باب ان علوم پنجگانہ کے بیان میں کہ قرآن حکیم نے بطور تنصیص وتصریح کے انکو بیان فرمایا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ معانی قرآن ان پانچ علوم سے خارج نہیں ہیں۔ علم احکام یعنی واجب و مستحب و مباح اور مکروہ و حرام خواہ عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات کی جنس سے ہوں یا تدبیر منزل کی قسم سے ہوں یا سیاست مدینہ کے قبیل سے ہوں بہرحال اس علم کی تفصیلات کا بیان فقیہ کے ذمہ ہے اور دوسرا علم مخاصمہ اور مناظرہ ہے۔ ان چار گمراہ فرقوں کے ساتھ یعنی یہود و نصاریٰ و مشرکین اور منافقین اور اس علم کے مسائل کا بیان کرنا متکلم کا کام ہے۔ اور تیسرا علم تذکیر بآلاء اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا۔ مثلاً آسمان اور زمین کی تخلیق کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کو انکی تمام ضروریات کا الہام فرمانا نیز حق تعالیٰ شانہ کی صفات کاملہ کا بیان۔

اور چوتھا علم تذکیر بایّام اللہ ہے یعنی ان واقعات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جنہیں واقع فرمایا جو کہ از قبیل انعام مطیعین اور تعذیب مجرمین کے ہیں اور پانچواں علم تذکیر بموت و ما بعد آں ہے یعنی موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کا ذکر کرنا مثلاً حشر و نشر، حساب و میزان جنت و دوزخ وغیرہ اور ان علوم ثلٰثہ کے تفاصیل کا محفوظ کرنا اور بیان کرنا اور اس کے ساتھ اسکے مناسب احادیث و آثار کو بھی ملا لینا یہ واعظ اور مذکر کا وظیفہ ہے۔

دیکھئے حضرت شاہ صاحب نے خطبہ میں حمد و نعت کو کس قدر موثر اور بلیغ انداز سے ادا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام (اپنے اوپر) توفیق فہم قرآن اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان تبلیغ فرقان کو فرمایا۔

پھر اپنے اس رسالہ کے مضامین کو جن پانچ ابواب میں منقسم فرمایا ہے، ان میں سے پہلے باب میں قرآن عظیم کے ان علوم خمسہ کو بیان کیا ہے جن کے لئے گویا نزول قرآن ہی بالاصالۃ ہوا ہے۔ یعنی علم الاحکام، علم مخاصمہ با فرق ضالہ، علم تذکیر بآلاء اللہ، علم تذکیر بایام اللہ، علم تذکیر بموت و ما بعد آں اور پھر ان علوم خمسہ مذکورہ میں سے اول کو وظیفۂ فقیہ۔ ثانی کو وظیفۂ متکلم اور بقیہ ثلٰثہ یعنی تذکیر بآلاء اللہ، بایام اللہ اور بموت و ما بعد آں کو وظیفۂ واعظ و مذکر قرار دیا ہے۔

اب آپ خود غور فرمایئے کہ ہمارے واعظین اور مذکرین فی زمانہ کہاں تک اپنے اس وظیفہ پر عامل ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ لوگوں کی مناسبت دینی آج اس درجہ ضعیف ہو چکی ہے کہ اگر آپ اس بات کو سمجھانا چاہیں کہ واعظ اور مذکر کا کیا وظیفہ ہے تو لوگ اس کو مشکل سے سمجھیں گے کیونکہ وظیفہ کا مفہوم انکے ذہن میں کچھ اور ہے اس کو کوئی وظیفہ سمجھنے اور کہنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میں اسی بات کو آپ سے ذرا تفصیل سے عرض کرنا چاہتا تھا، پھر یہ خیال ہوا کہ بجائے اس کے کہ اپنے لفظوں میں کہوں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے الفاظ نقل کر دوں کہ ان میں برکت بھی ہے اور یہ حضرات تھوڑے سے لفظوں میں معانی کے دریا بہا دیتے ہیں۔

پس جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "حفظ تفاصیل ایں علوم و الحاق

احادیث و آثار مناسبہ آں وظیفۂ واعظ و مذکر ست" اصل منصب واعظ و مذکر کا تو یہی ہے کہ ان امور کو قرآن شریف ہی سے بیان کرے۔ کیونکہ ان سب مضامین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور اللہ تعالیٰ جس مضمون کو بیان فرمادیں گے تو ظاہر ہے کہ اس سے عمدہ اور اس سے زیادہ مؤثر کس کا بیان ہوسکتا ہے؛ اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ہی متاثر نہ ہوگا تو پھر وہ کسی اور کے کلام سے کیا متاثر ہوگا؛ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيَاتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ٥ ہاں اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنے اصل مضامین قرآنیہ کی وضاحت اور تشریح کے لئے اس میں احادیث اور آثار کا بھی الحاق کرلے تو کرسکتا ہے باقی صرف احادیث اور آثار تو یہ قرآن شریف سے ہم کو مستغنی نہیں کرسکتے۔

میں آپ سے یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ لوگوں نے اس زمانہ میں قرآن مجید کو جو کہ ہدایت ہی کے لئے آیا تھا اور ہدایت کا خدائی ذریعہ اور طریق تجویز ہوا تھا اسکو تو چھوڑ رکھا ہے اور اس کے بدلہ میں دوسری کتابوں کو لے رکھا ہے، بزرگوں کا کلام دیکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کلام سے شغف نہیں رہا۔ جب یہ حال ہو تو پھر ہدایت کیسے ہوسکتی ہے اور مسلمانوں کی حالت کیونکر درست ہوسکتی ہے۔ جو قوم قرآن پر ایمان نہ لاوے گی وہ غیر قرآن سے ایمان کیسے حاصل کرسکتی ہے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ٥ اس سلسلہ کی ایک روایت بھی یاد آئی۔ سنئے:۔

منتخب کنزالعمال میں ہے کہ:۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّؓ اَنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَتَبُوْا كِتَابًا فَاتَّبَعُوْهُ وَتَرَكُوا التَّوْرَاةَ۔
(منتخب کنزالعمال)

ترجمہ۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک کتاب لکھی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی توراۃ کو چھوڑ دیا۔

شامی میں ایک حکایت حضرت امام شافعیؒ کی لکھی ہے کہ

قال المزنی قرأت کتاب الرسالة علی الشافعیؒ ثمانین مرة فما من مرة الا وکان یقف علی خطاء فقال الشافعی هیه ابی الله ان یکونه کتابا صحیحا غیر کتابه۔

(شامی ص۳۰ ج ۱)

ترجمہ۔ مزنیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب الرسالۃ کو حضرت امام شافعیؒ پر اسّی بار پڑھا مگر ہر بار ایک نہ ایک غلطی کا پتہ چلتا۔ پس حضرت شافعی نے فرمایا کہ ہٹاؤ جی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں کہ ان کی کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب بالکل صحیح ہو۔

اسی سلسلہ میں ایک بات اور کہنا چاہتا تھا۔ وہ یہ کہ قرآن کریم تاثر اور تاثیر کے لئے نازل ہوا ہے اور لوگ اس سے خود بھی متاثر ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی متاثر کیا ہے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ:۔

قرأ تمیم الداری سورة الجاثیه فلما اتی علی قوله تعالی ام حسب الذین الآیة لم یزل یکررها ویبکی حتی اصبح وهو عند المقام۔ عن بشیر مولی الربیع بن خیثم ان الربیع کان یصلی الفجر بهذه الآیة ام حسب الذین الخ فلم یزل یرددها حتی اصبح وکان الفضیل بن عیاض یقول لنفسه اذا قرأها لیت شعری من ای الفریقین انت؟

(روح المعانی۔ ج ۲۵)

ترجمہ۔ حضرت تمیم داریؓ نے مقام ابراہیم کے پاس سورۂ جاثیہ تلاوت فرمائی اور جب آیت ام حسب الذین اجترحوا السیات پر پہونچے تو اسکو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ حضرت بشیر جو ربیع بن خیثم کے غلام ہیں کہتے ہیں کہ ربیع نماز پڑھ رہے تھے اور جب اس آیت ام حسب الذین پر گذرے تو اسی کو بار بار صبح تک تلاوت فرماتے رہے۔ حضرت فضیل بن عیاض

جب اس آیت کو پڑھتے تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتے کہ کاش اے نفس میں یہ جانتا ہوتا کہ ان دونوں فریقوں میں سے تو کس میں سے ہے ؟

چنانچہ اس آیت کو اسلاف مبکاۃ العابدین کے لقب سے ملقب فرماتے تھے۔ کیونکہ بہت سے عُبّاد اس کی تلاوت کر کر کے روتے تھے ــــ لیکن دوسروں کو وہی لوگ متاثر کر سکتے تھے جو پہلے خود اس سے متاثر ہوں۔ آج دوسرے لوگوں پر آیات کا بھی اثر نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ خود ہی متاثر نہیں ہوتے اسلئے دوسروں کو بھی متاثر نہیں کر پاتے۔ اور جب غیر متاثر قلب دوسروں کو بذریعہ قرآن متاثر نہیں کر سکتا تو ایسا شخص غیر قرآن سے تو بدرجۂ اولیٰ قوم میں کچھ تاثر نہیں پیدا کر سکتا۔ پس یہی وجہ ہے آج اثر کے ختم ہونے کی۔ ورنہ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے اندر موجود ہو اور پھر گمراہی ؟ کس قدر تعجب کی بات ہے۔

آپ نے حدیث شریف کی کتاب کا ترجمہ کرنے کا ذکر فرمایا تھا اسی پر جی چاہا کہ آپ سے اس سلسلہ میں جو کچھ خود سمجھا ہوا ہوں عرض کر دوں اس لئے مختصراً کچھ پہلے لکھ چکا ہوں اور بعض باتیں لکھنے کا وعدہ جو کیا تھا وہ اب عرض کر رہا ہوں ورنہ یہ مقصد نہیں کہ ہم حدیث سے یا اس کے ترجمہ سے معاذاللہ مستغنی ہیں اور نہ اس کی وجہ سے قرآن شریف ہی سے مستغنی ہو سکتے ہیں اور نہ قرآن شریف کو لے کر علماء سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ قوم کو علماء کی بھی حاجت ہے۔ حدیث کی بھی قوم محتاج ہے۔ اور قرآن کریم سے تو کسی درجہ میں بھی استغنیٰ نہیں ہے لیکن جہاں یہ سب ہے وہاں یہ بھی سمجھئے کہ علماء کے لئے بھی دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے صرف حدیث و قرآن کا پڑھ دینا بھی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود انکا قلب ان مضامین سے پورا پورا متاثر ہو چکا ہو۔ اب اس وقت اگر وہ صرف قرآن شریف کا ایک رکوع یا واعظ اور مذکر اپنے وظیفہ کے مضامین میں کی ایک آیت ہی پڑھ دیگا اور زیادہ تفصیل نہ سہی صرف اسکا ترجمہ ہی

کرکے عوام الناس کو سنا دیگا تو مجھے یہ یقین ہے کہ اسکا صرف اتنا بیان بھی
غیر متاثر القلب کے لئے بھی تقریروں سے زیادہ نافع ہوگا۔ اور فائدہ اسکا
لازم بھی ہوگا اور متعدی بھی۔ یعنی اس کا دوسروں پر بھی اثر ہوگا اور
خود اس کو بھی اجر ملے گا۔

نمونہ کے طور پر قرآن کریم کی چند آیات آپ کے سامنے تلاوت کرتا
ہوں اور آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ بتائیے قلوب کو متاثر کرنے کے لئے
یہ بیان کچھ کم ہے۔

سنئے! اللہ تعالیٰ ایک جگہ دوزخیوں کا اور دوزخ میں ان کے کھانے وغیرہ
کا کیا ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ ۝ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۝ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ۝
كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ۝ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوا
فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۝ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝
إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝

(سورۂ دخان ۲۵/۱۴)

ترجمہ:۔ بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا جو
تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے
(اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ
تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑو (اور اس سے
استہزا کیا جاویگا کہ) لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے (اور دوزخیوں سے
کہا جائے گا کہ) یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

ملاحظہ فرمایا آپنے کلام کی شوکت اور اس کا اثر۔ اسی کو کہتا ہوں کہ آج صرف قرآن
کو دل سے تلاوت کیجئے تو لوگ متاثر ہو جائیں۔

اور پھر اس کے بعد جنتیوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝

(سورۂ دخان)

بیشک خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہونگے۔ یعنی باغوں میں اور نہروں میں وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا۔ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ بات اسی طرح ہے اور ہم انکا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کردیں گے۔ اور وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہونگے اور وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ انکو دوزخ سے بچا لیگا یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ بڑی کامیابی یہی ہے۔ سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ یہ نصیحت قبول کریں تو آپ منتظر رہئے یہ لوگ بھی منتظر ہیں۔

(بیان القرآن)

سبحان اللہ کلام کی شوکت اور شان ملاحظہ فرمائیے، کوئی اہل دل اگر صرف ان آیات کو تلاوت ہی کردے اور صرف ترجمہ ہی کردے تب بھی اہل ایمان کے قلوب ہل جائیں اور بدن میں کپکپی ہونے لگے۔ یہی مطلب میرا تھا کہ اصلاح کے لئے لوگ قرآن شریف کا وعظ کیوں نہیں کہتے۔ صرف قرآن بھی اصلاح کے لئے کافی ہے اور اسمیں بھی جو تفصیل جنت و دوزخ اور آخرت حشر نشر کی بیان کی گئی ہے وہ احادیث کے مقابلہ میں گو کم سہی تاہم فی نفسہ وہ بھی بہت ہے۔

اور سنئے!

ایک اور مقام پر مسیئین اور محسنین کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○

(سورۂ دخان)

یہ لوگ جو برے برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انکو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ اُن سب کا جینا اور مرنا یکساں ہوجاوے۔ یہ بُرا حکم لگاتے ہیں۔

(بیان القرآن)

اس کے شانِ نزول کے متعلق صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ

والآیۃ وان کانت فی الکفار علی ما نقل عن البحر وھو ظاھر ما روی عن الکلبی من ان عتبۃ وشیبۃ والولید ابن عتبۃ قالوا لعلی کرم اللہ وجھہ وحمزۃؓ والمؤمنین واللہ ما انتم علی شیئ ولئن کان ما تقولون حقاً لحالنا افضل من حالکم فی الآخرۃ کما ھو افضل فی الدنیا فنزلت الآیۃ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ وھی متضمنۃ للرد علیھم علی جمیع وجھھا کما یعرف بادنی تدبر ویستنبط منھا تباین حالی المومن الطائع والمؤمن العاصی وبھذا کان کثیر من العباد یبکون عند تلاوتھا حتی انھا تسمی مبکاۃ العابدین

(روح المعانی پ ۲۵ صـ۱۲۶)

اور یہ آیت اگرچہ کفار کے متعلق ہے جیسا کہ بحر سے منقول ہے اور یہی کلبی کی اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عتبہ وشیبہ اور ولید بن عتبہ نے حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ اور دیگر مومنین سے کہا، خدا کی قسم! تمھارا دین تو کچھ بھی نہیں ہے، اور اگر بالفرض دنیا میں تم لوگوں کی باتیں حق بھی ہوں تب بھی ہمارا حال جس طرح

سے کہ دنیا میں تم سے بہتر ہے اسی طرح آخرت میں بھی بہتر ہوگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اور یہ ان لوگوں پر تمام وجوہ سے رد کو متضمن ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے اس سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ مومن مطیع اور مومن عاصی کے احوال بھی متبائن ہوتے ہیں۔ اسی لئے بہت سے عُبّاد اس کو تلاوت کر کر کے روتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کا لقب بھی مبکاۃ العابدین (یعنی عابدوں کو رلانے والی) ہو گیا۔

دیکھئے جس زمانہ میں لوگوں میں قرآن شریف کی تلاوت اور اس سے اثر لینے کا معمول تھا تو لوگ صرف اسی ایک آیت سے کیسا کیسا اثر قبول کرتے تھے اور دل ہی جب اثر سے خالی ہو تو پھر ایک آیۃ کیا سارا قرآن بھی اسکے لئے ناکافی ہے۔ انسان جب اس مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے تو اسکا مصداق ہو جاتا ہے کہ

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُہَا۔

(سورۂ محمد)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

(بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ باقی عام قفل کا تو یہ قاعدہ ہے کہ وہ کنجی سے کھل بھی جاتا ہے لیکن قلب پر جب قفل پڑ جاتا ہے تو پھر بڑی مشکل سے کھلتا ہے۔ اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں یہ دعا مانگی ہے۔

اَللّٰھُمَّ افۡتَحۡ اَقۡفَالَ قُلُوۡبِنَا بِذِکۡرِکَ وَاَتۡمِمۡ عَلَیۡنَا نِعۡمَتَکَ وَاَسۡبِغۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلِکَ وَاجۡعَلۡنَا مِنۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ۔

(مناجات مقبول صـ۵۲)

یا اللہ کھول دے قفل ہمارے دلوں کے اپنے ذکر سے اور پورا کر ہم پر اپنی نعمت کو اور کامل کر ہم پر اپنا فضل اور کر دے ہمیں اپنے نیک بندوں میں سے۔

ایک اور جگہ قیامت کا کیسا نقشہ کھینچتے ہیں سنئے فرماتے ہیں :-

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(سورہ جاثیہ)

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ زانو کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائیگا. آج تم کو تمھارے کئے کا بدلہ ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر ہے جو تمھارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے ہم تمھارے اعمال کو لکھواتے جاتے تھے۔ جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو انکو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ صریح کامیابی ہے۔

اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جاوے گا کہ) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے تکبر کیا تھا اور تم بڑے مجرم تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے۔ اور ہم کو یقین نہیں اور انکو اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے وہ انکو آگھیرے گا اور کہا جاوے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور تمھارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ یہ اسوجہ سے ہے کہ تم نے خدائے تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا۔ سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا۔ پروردگار ہے تمام عالم کا اور اسی کو بڑائی ہے آسمان اور زمین میں اور وہی زبردست ہے حکمت والا ہے۔

(بیان القرآن)

دیکھئے ان آیات میں قیامت کا کیسا منظر سامنے کر دیا اثر ڈالنے کے لئے یہ مضمون اور یہ آیتیں کچھ کم ہیں۔ اگر کوئی اس سے متاثر نہ ہوگا تو وہ دوسری اور کتابوں سے بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔ مگر جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں اثر ڈالنے کے لئے بیان کرنیوالے کا خود بھی متاثر ہونا شرط ہے۔

ایک اور جگہ جنت اور دوزخ کی کیفیت بیان کر کے جنت کی ترغیب اور جہنم سے ترہیب کس عنوان سے فرما رہے ہیں سنئے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا وَّعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۝

اور جس جنت کا متقیوں سے (یعنی شرک و کفر سے بچنے والوں سے) وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس (کی عمارات اور اشجار) کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا۔ یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔

(بیان القرآن)

ایک اور جگہ عذاب کفار کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۔ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(سورۂ ابراہیم)

اور (اے مخاطب جو کچھ یہ ظالم لوگ کر رہے ہیں ان سے خدا تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھ ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں

پھٹی رہ جائیں گی۔ دوڑتے ہونگے اپنے سر اوپر اُٹھا رکھے ہوں گے ان کی نظر انکی طرف ہٹ کر نہ آوے گی اور انکے دل بالکل بدحواس ہوں گے اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپڑیگا پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ایک مدت قلیل تک ہم کو مہلت دیجیے (اور دنیا میں پھر بھیجدیجیے) ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے (جواب میں ارشاد ہوگا) کیا ہم نے دنیا میں تم کو مہلت طویلہ نہ دی تھی) اور کیا تم نے (اس مہلت کے طول ہی کے سبب) اس کے قبل (دنیا میں) قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تم کو کہیں جانا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنھوں نے اپنی ذات کا نقصان کیا تھا اور تم کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا۔ اور ہم نے تم سے مثالیں بیان کیں اور ان لوگوں نے اپنی سی بہت بڑی بڑی تدبیریں کی تھیں اور ان کی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاویں۔

بس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست پورا بدلہ لینے والا ہے۔ جس روز دوسری زمین بدل دیجاویگی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہونگے۔ اور تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا۔ انکے کرتے قطران (تارکول) کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہوئی ہوگی" تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے کی سزا دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی جلد حساب لینے والا ہے۔ یہ لوگوں کے لیے احکام کا پہونچانا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے ڈرائے جاویں اور تاکہ اس بات کا یقین کرلیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے۔ اور تاکہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

بیان القرآن

اور سنئے۔ اور اگر ایک ہی آیت آپ لوگ سُن لیں تو کام بن جائے۔

ایک اور مقام پر مخالفت اور معصیت سے ترہیب کے لئے پچھلی اُمتوں کے واقعات کا کیا ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات بتلادی تھی کہ تم سرزمین میں دوبار خرابی کروگے اور بڑا زور چلانے لگوگے۔ پھر جب ان دوبار میں سے پہلی بار کی میعاد آوے گی تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہوکر رہے گا۔ پھر (جب تم نادم و تائب ہوگے تو پھر) ان پر تمہارا غلبہ کردیں گے اور مال اور بیٹوں سے تمہاری جماعت بڑھادیں گے۔ اگر اچھے کام کرتے رہوگے تو اپنے نفع کے لئے اچھے کام کروگے اور اگر تم بُرے کام کروگے تو بھی اپنے ہی لئے۔ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آوے گی تو ہم پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں اور جس جس چیز پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اس بعثِ ثانی کے بعد جب دورہ شریعت محمدیہ کا ہو تم مخالفت و معصیت سے باز آکر شریعت محمدیہ کا اتباع کر لو تو) عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمادے اور اگر تم پھر وہی کروگے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔

اور ہم نے جہنم کا فروں کا جیل خانہ بنا رکھا ہے۔ (بیان القرآن)

اسی طرح سے ایک موقعہ پر اول تو شاہانہ استغنا کیساتھ کلام شروع فرمایا، پھر اس کے بعد نافرمانوں کو حاکمانہ انداز سے تنبیہ فرمائی اور مطیعین پر اپنی انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا، ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ٥

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ٥ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ط نِعْمَ الثَّوَابُ ط وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ٥ (سورہ کہف)

اور آپ کہدیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔ بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ آگ کی قناتیں انکو گھیرے ہونگی اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ مونہوں کو بھون ڈالیگا کیا ہی برا پانی ہوگا۔ اور وہ دوزخ کیا ہی بری جگہ ہوگی۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں۔ انکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے۔ وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔

کیا ہی اچھا صلہ ہے اور کیسا ہی اچھی جگہ ہے۔ (بیان القرآن)

ایک جگہ حق تعالیٰ کے سامنے مجرمین کی پیشی اور وہاں انکی بیکسی اور بے بسی کا نقشہ کیسا کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:-

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝

(سورہ ابراہیم)

اور خدا کے سامنے سب پیش ہوں گے۔ پھر چھوٹے درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم خدا کے عذاب کا کچھ جزو ہم سے ہٹا سکتے ہو۔ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو راہ بتلاتا تو ہم تم کو بھی بتلا دیتے۔ ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں۔ ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ (بیان القرآن)

بعض روایات میں ہے کہ یہ لوگ پانچسو برس تک جزع فزع کرینگے اور پھر پانچسو برس تک صبر کریں گے مگر سب بیکار ہوگا۔

قال مقاتل يقولون في النار تعالوا نجزع فيجزعون خمس مائة عام فلا ينفعهم الجزع فيقولون تعالوا نصبر فيصبرون خمس مائة عام فلا ينفعهم الصبر فحينئذ يقولون سواءٌ علينا اجزعنا ام صبرنا ما لنا من محيص ۝

منقول از تفسیر مظہری صـ ۱۳ پ ۱۳

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ وہ لوگ دوزخ میں آپس میں کہیں گے کہ آؤ فریاد کریں، پس وہ لوگ پانچسو سال تک جزع فزع کریں گے۔ لیکن کچھ نفع نہ ہوگا۔ پھر کہیں گے کہ آؤ اب صبر ہی کر کے دیکھیں۔ چنانچہ پانچسو سال تک صبر کریں گے۔ مگر صبر سے بھی نفع نہ ہوگا۔ اس وقت کہیں گے کہ ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں۔ ہمارے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

ایک جگہ جنت اور اہل جنت کا ذکر کر کے کس مؤثر عنوان سے اس کی جانب ترغیب اور تشویق فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ○ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ○ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ○ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ○ خِتَامُهُ مِسْكٌ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ○ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ○ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ○

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ○ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ○ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ○ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ○ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ○ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ○ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ○ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ (سورۃ التطفیف)

نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے۔ مسہریوں پر بیٹھے بہشت کے عجائبات دیکھتے ہونگے۔ اے مخاطب تو انکے چہروں سے آسائش کی بشاشت پہچانے گا۔ ان کو پینے کے لئے شراب خالص سربمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز کی حرص کرنا چاہئے اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

جو لوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے سامنے سے ہو کر گذرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی میں ہیں حالانکہ یہ لوگ ان پر نگرانی کرنے والے کر کے نہیں بھیجے گئے۔ سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہونگے مسہریوں پر (بیٹھے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔ واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔ (بیان القرآن)

ایک جگہ منکرین کی تعذیب کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح پُرشوکت انداز میں کلام

فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ:-

وَالْفَجْرِ ٥ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ٥ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ٥ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ٥ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ٥ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ٥ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ٥ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ٥ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ٥ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ٥ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ٥ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ٥ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ٥ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ٥

(سورۃ الفجر)

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔ کیونکہ اس میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قد و قامت ستون جیسے تھے جن کے برابر شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا۔ اور قوم ثمود کے ساتھ جو وادی القریٰ میں پتھروں کو تراشا کرتے تھے اور میخوں والے فرعون کے ساتھ جنھوں نے شہروں میں سر اُٹھا رکھا تھا اور ان میں فساد مچا رکھا تھا، سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بیشک آپکا رب گھات میں ہے۔　　　(بیان القرآن)

میں یہی آپ سے کہنا چاہتا تھا، کہ واعظ اور مذکر کا جو وظیفہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو علیٰ وجہٍ لا مزید علیہ بیان فرما دیا ہے۔ انھیں چیزوں کی کچھ تفصیل حدیث شریف میں آئی ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں حوض کوثر، نہر، باغ، محل وغیرہ کا ذکر ہے اور حدیث میں اس کی وسعت اس کے دروازے جنت کے برتنوں اور پیالوں کی تعداد وغیرہ کا بیان ہے جس سے مزید معلومات تو ضرور ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ سب مقاصدِ قرآن نہیں ہیں۔ جتنا حصہ بیان سے مقاصد قرآن میں سے تھا وہ پورا پورا قرآن شریف میں مذکور ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن کریم شاہی قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور بادشاہوں کا کلام مجمل ہی ہوتا

ہے۔ اس کی شرح وزراء فرماتے ہیں۔
میں کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف سے وعظ کہنا اور اس کا وعظ کہنا آج لوگوں نے بالکل چھوڑ ہی دیا ہے۔ حالانکہ سلف صالحین اس کی ایک ایک آیۃ سے متاثر ہوتے تھے اور دوسروں کو متاثر کرتے تھے اور لوگ شب کی تنہائی میں جس چیز سے اپنا غم غلط کرتے تھے وہ تلاوت قرآن ہی ہوتی تھی۔ صحابۂ کرام تہجد کی فرضیت منسوخ ہوجانے کے بعد بھی شب کو اُٹھتے تھے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہوتے تھے۔ اس کے متعلق چند آیتیں سُنئے اور پھر اس کی تفسیر بھی سُنئے۔
ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (بیان القرآن)

اس کے تحت صاحب کشاف لکھتے ہیں:۔

(عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ) على الذی یقهر اعداءک بعزته و ینصرك علیهم برحمته۔ ثم اتبع کونه رحیما علی رسوله ما هو من اسباب الرحمة وهو ذکر ما کان یفعله فی جوف اللیل من قیامه للتهجد وتقلبه فی تصفح احوال المتهجدین من اصحابه یطلع علیهم من حیث لا یشعرون ویستبطن اسرارهم وکیف یعبدون الله وکیف یعملون لآخرتهم کما یحکی انه حین نسخ فرض قیام اللیل طاف تلك اللیلة ببیوت اصحابه لینظر ما یصنعون لحرصه علیهم وعلی ما یوجد منهم من فعل الطاعات وتکثیر الحسنات فوجدها کبیوت الزنابیر لما سمع منها من دندنتهم بذکر الله والتلاوة (کشاف ص۱۳۰ ج۳)

آپ توکل کیجئے عزیز رحیم پر۔ یعنی اس ذات پر جس نے کہ آپ کو عزت دے کر آپ کے دشمنوں کو مقہور و مغلوب کر دیا اور اپنی رحمت سے آپ کی ان کے مقابلہ میں نصرت فرمائی، اپنے رسول پر اپنا رحیم ہونا بیان کر کے پھر اسباب رحمت کو بیان فرمایا۔ یعنی اس چیز کا ذکر فرمایا جو آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی عادت شریفہ تھی یعنی تہجد کے لئے آپ کا شب میں قیام فرمانا اور اپنے تہجد پڑھنے والے اصحاب کے تفتیش احوال کے لئے ادھر اُدھر آنا جانا تاکہ وہ تو نہ جانیں اور آپ ان کے (ظاہری حالات سے ان کے) قلبی حالات اور کیفیت عبادت معلوم فرمالیں نیز یہ دیکھیں کہ یہ لوگ خدا اور آخرت کے لئے کیا عمل کرتے ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ جب کہ قیام لیل کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو اسی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے حجروں اور اُنکے گھروں کا چکر لگایا تاکہ آپ دیکھیں اب یہ لوگ کیا کرتے ہیں (یعنی فرضیت تہجد منسوخ ہونے کی وجہ سے اب اس کو ترک کر دیتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور محبت نیز ذکر اللہ سے اُنس ہوجانے کی وجہ سے اب بھی پڑھتے ہیں) اور یہ اسلئے کہ آپ ان سب پر، ان کے طاعات کرنے پر اور ان کی تکثیر حسنات پر حریص تھے (چاہتے تھے کہ لوگ یہ سب کام زیادہ سے زیادہ کریں) چنانچہ آپ نے ان کے حجروں اور گھروں کو بھڑوں کے چھتوں کے مانند پایا۔ یعنی یہ کہ ان میں سے آہستہ آہستہ ذکر اللہ اور قرآن کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آواز کی گنگناہٹ سنائی دے رہی تھی جو بھڑوں کی بھنبھناہٹ کے مشابہ تھی۔

نیز اس کے آگے کی آیتیں سنئے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

کیا میں تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اُترا کرتے ہیں۔ ایسے شخصوں پر اُترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بدکردار ہوں اور جو کان لگاتے ہیں اور بکثرت جھوٹ بولتے ہیں اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں، اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور انھوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انھوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے بدلہ لیا اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انکو لوٹ کر جانا ہے۔ (بیان القرآن)

اس آخری آیت کے متعلق کشاف میں ہے کہ۔

ومعناھا ان الذین ظلموا یطمعون ان ینفلتوا من عذاب اللہ وسیعلمون ان لیس لھم وجہ من وجوہ الانفلات وھو النجاۃ اللھم اجعلنا ممن جعل ھذہ الآیۃ بین عینیہ فلم یغفل عنہا۔

معنی اس کے یہ ہیں کہ وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ہے ان کی خواہش تو یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھوٹ جائیں حالانکہ عنقریب وہ لوگ جان لیں گے کہ چھٹکارے اور نجات کے اسباب میں سے ان کے پاس کوئی بھی سبب نہ ہوگا۔ اے اللہ تو ہمیں بھی ان لوگوں میں سے کردے جنھوں نے اس آیت کو اس طرح سے اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ لیا ہے کہ ذرا دیر کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔

نیز لکھتے ہیں:۔

ختم السورۃ بآیۃ ناطقۃ بما لاشئ اھیب منہ واھول ولا انکی لقلوب المتاملین ولا اصدع لاکباد المتدبرین وذلک قولہ (وسیعلم) وما فیہ من الوعید البلیغ وقولہ

(الذین ظلموا) واطلاقہ وقولہ (ای منقلب ینقلبون) وابہامہ وقد تلاھا ابوبکر لعمرؓ حین عہد الیہ وکان السلف الصالح یتواعظون بہا ویتناذرون شدتہا۔

(کشاف ص۱۳۱ ج ۳)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو ایسی آیت پر ختم کیا جس کا مضمون ایسا ہے کہ کوئی شئے اس سے بڑھکر ہول اور خوف کی نہیں ہے اور نہ غور وفکر اور تدبر کرنے والوں کے قلب وجگر کو رنج والم دینے والی، بلکہ اس کو پاش پاش کرنے والی ہے اور اس مضمون کو سیعلم کے وعید بلیغ اور الذین ظلموا کے اطلاق اور ای منقلب ینقلبون کے ابہام کے ذریعہ ادا فرمایا گیا ہے اور اسی آیت کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بوقت سپردگی خلافت حضرت عمرؓ کے روبرو تلاوت فرمائی تھا اور سلف صالحین کا اس کے ذریعہ سے باہم وعظ فرمانا اور ایک دوسرے کو ڈرانا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔

دیکھئے اس آیۃ کو مصنفؒ تمام آیات سے زیادہ اھیب۔ اھول۔ انکی لقلوب المتاملین اور اصدع لاکباد المتدبرین فرمارہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اسلاف اسی کا وعظ کہتے تھے اور اس کی شدت سے ایک دوسرے کو ڈراتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متقی شخص کو حضرت صدیقؓ نے خلافت سپرد فرمائی ہے تو اسوقت یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔

میں نے بھی جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب میں دیکھا کہ ایک شاگرد خاص نور اللہ نامی کی اولاً بہت تعریف فرمائی چنانچہ یہ فرمایا ؎

لقد بلوتک فی سلم وفی عتب　　فما وجدتک الا الخالص الذہب

ولم تسم بنور اللہ الا لانہ　　عما قلیل تکون النور فارتقب

تحقیق میں نے تم کو صلح اور نرمی میں بھی آزمایا اور غصہ اور عتاب میں بھی آزمایا لیکن بہر حال تم کو خالص سونا ہی پایا یعنی ہر امتحان میں تم پورے اترے

اور تمھارا نام جو نور اللہ ہے تو یہ اسی لئے ہے کہ
عنقریب تم نور ہو جاؤگے (انشاء اللہ) وقت کا انتظار کرو۔
(تفہیمات ج ۱)

اور پھر انکو اجازت بھی دی لیکن آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ۔
فان وفی بالشرط فذلك ظنی به وان نکث فَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ
ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ٥ (تفہیمات ج ۱)

پس اگر انھوں نے سب شرائط کو پورا کیا تو (سبحان اللہ) اور مجھے ان سے یہی توقع بھی ہے اور اگر (خدانخواستہ) میرے عہد کو توڑا تو عنقریب انکو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انکو لوٹ کر جانا ہے۔

تو مجھے تعجب ہوا کہ ایسے شخص کے بارے میں شاہ صاحب یہ کیا فرما رہے ہیں۔ مگر اس روایت کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ سنت صدیقی ہے۔

بہر حال سلف صالحین کے نزدیک جو آیت' اس درجہ اہتمام کی تھی اور وہ حضرات اسکا اتنا اثر لیتے تھے۔ آج ہم اس پر سے کس طرح گذر جاتے ہیں۔ ہم بھی اسکو پڑھتے ہیں' مگر قلب پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ بس اسی کی ضرورت ہے کہ پہلے حضرات اہلِ علم آیات قرآنیہ سے خود متاثر ہوں اور اس کی تلاوت کو اپنا وظیفہ بنائیں اس کے بعد جب دوسروں کو سنائیں گے تب ان پر بھی اثر ہوگا۔ مگر اپنی اس خامی کو یہ لوگ محسوس کرتے ہیں۔ اسی لئے جب اپنی تقریر کا دوسروں پر اثر ہوتا نہیں دیکھتے تو اشعار وغیرہ پڑھ کر اس کو مؤثر بنانا چاہتے ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے قلب میں قرآن شریف سے اثر قبول کرنے کی استعداد اور اس کا مادہ پیدا فرما دے تو اس کا آیات قرآنیہ کا سیدھا سادا پڑھ دینا وعظ سننے والوں میں اثر پیدا کر دے جیسا کہ ہونا چاہئے۔

اسی طرح موت اور ما بعد الموت کے بیان میں ایک حدیث نقل کرتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں ایسے ہی مضامین کے بیان کرنے کی

ضرورت ہے۔

(عن ابی سعید الخدریؓ) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا وضعت الجنازۃ فاحتملها الرجال علی اعناقهم فان کانت صالحۃ قالت قدمونی وان کانت غیر ذالک قالت لاهلها یاویلها این یذهبون بها یسمع صوتها کل شیٔ الا الانسان ولوسمع الانسان لصعق۔ (رواہ البخاری)

(باب قول المیت وهو علی الجنازۃ قدمونی)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب میت کو تابوت میں رکھا جاتا ہے اور لوگ اس کو کاندھوں پر اُٹھا کر (قبرستان کی جانب) لے چلتے ہیں تو اگر وہ مردہ صالح ہوا تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو، اور اگر ایسا نہ ہوا تو اپنے رشتہ داروں سے کہتا ہے، ہلاکت ہو میرے لئے یہ تم لوگ مجھ کو کہاں لئے جارہے ہو (اور) اس کی اس آواز کو تمام چیزیں سنتی ہیں، سوا انسان کے اور اگر انسان بھی کہیں سن لے تو بیہوش ہو کر گر جائے۔

آخر میں جی چاہتا ہے کہ علم اور علماء کی فضیلت سے متعلق بخاری شریف کا ایک ترجمۃ الباب اور فتح الباری سے اس کے بعض حصص کی شرح لکھدوں جو مضمون ہذا سے غیر مربوط بھی نہیں ہے اس لئے اسکا بیان بے محل نہ ہوگا۔ وھو ہذا۔

باب العلم قبل القول والعمل لقول اللہ تعالی فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فبدأ بالعلم وان العلماء ورثۃ الانبیاء ورثوا العلم من اخذہ اخذ بحظ وافر ومن سلک طریقا یطلب بہ علما سهل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ۔ وقال جل ذکرہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا وقال سَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ وقال هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرًا یفقهہ

فی الدین و انما العلم بالتعلم۔ الخ (بخاری شریف ج ۱)

باب اسمیں کہ علم قول اور عمل سے پہلے ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فلعلم انہ لا الہ الا اللہ اور اس میں ابتداء علم ہی سے فرمائی ہے اور یہ کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور یہ کہ انبیاء علم ہی کا وارث بناتے ہیں سو جس شخص نے اسکو لیا اس نے بڑا حصہ پایا۔ اور یہ کہ جو شخص کسی ایسے راستہ پر چلا جس کے ذریعہ سے علم طلب کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ سہل فرمادیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے خشیت رکھتے ہیں اور فرمایا کہ انکو نہیں سمجھ سکتے مگر علماء۔ اور فرمایا کہ یہ کفار کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں سے نہ ہوتے، نیز فرمایا کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔ اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین میں تفقہ مرحمت فرمادیتے ہیں اور علم تو تعلم یعنی سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے ـــــ آگے فتح الباری سے اس کی تشریح ملاحظہ فرمائی جائے

(قولہ باب العلم قبل القول والعمل) قال ابن المنیر اراد بہ ان العلم شرط فی صحۃ القول والعمل ولا یعتبران الا بہ فھو متقدم علیھما لانہ مصحح للنیۃ المصححۃ للعمل فنبہ المصنف علی ذلک حتی لا یسبق الی الذھن من قولھم ان العلم لا ینفع الا بالعمل تھوین امر العلم والتساھل فی طلبہ۔

(قولہ وما یعقلھا) ای الامثال المضروبۃ (قولہ لوکنا نسمع) ای سمع من یعی ویفھم (قولہ او نعقل) عقل من یمیز وھذہ اوصاف اھل العلم فالمعنی لوکنا من اھل العلم لعلمنا ما یجب علینا فعملنا بہ فنجونا۔ (فتح الباری ص۱۱۱ ج ۱)

مصنفؒ نے یہ جو فرمایا کہ علم کا درجہ قول اور عمل سے پہلے ہے۔ تو ابن منیرؒ فرماتے ہیں کہ بخاریؒ کی مراد اس سے یہ ہے کہ قول اور عمل کی صحت کے لئے علم شرط ہے۔ یعنی یہ

دونوں بدون اس کے معتبر ہی نہیں ہیں لہٰذا علم ان دونوں سے مقدم ہوا اس لئے کہ وہی نیت کو صحیح کرنے والا ہے جو کہ عمل کو درست کرنے والی ہے۔ پس مصنفؒ نے اس پر اس لئے تنبیہ فرمائی کہ مبادا لوگوں کے اس مقولہ سے کہ علم بدون عمل کے نافع ہی نہیں ہوتا۔ علم کی ناقدری یا اسکے طلب میں سستی کا خیال کسی کے ذہن میں راہ نہ پا جائے۔

اور نہیں سمجھتے ان کو یعنی ان امثال کو جو کہ بیان کی جاتی ہیں۔ "کاش کہ ہم سنتے" یعنی سن کر بات کو اسکو سمجھنے اور محفوظ رکھنے والوں کا سا سننا سنتے۔ اور یہ جو فرمایا کہ "کاش ہم سمجھتے" یعنی سمجھنا اس شخص جیسا جو اشیاء کے نیک و بد کی تمیز بھی کرتا ہو اور یہ دونوں چونکہ اہل علم کے اوصاف میں سے ہیں لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ کاش ہم بھی اہل علم میں سے ہوتے تو اپنے ذمہ جو امور واجبہ تھے ان کو جانتے اور عمل کرتے تاکہ نجات پاتے۔

حضرت بخاریؒ نے تو یہاں صرف سورہ ملک کی ایک ہی آیت لی ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ

یعنی اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں سے نہ ہوتے۔

لیکن اس کے آگے فرماتے ہیں کہ:۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ

یعنی۔غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔

ان میں دوزخیوں کا بیان ہے کہ دوزخ میں جا کر اقرار کریں گے کہ دنیا میں ہم نے سماع قبول نہیں کیا تھا اور عقل و فہم سے کام نہیں لیا تھا اور اب یہاں اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور وہاں اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ حیث لا ینفعہم الندم۔

اس کے بعد والی آیت میں مومنین کا بیان ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ

یعنی۔ بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اس میں انکی جزاء یعنی مغفرت اور اجر کبیر کو ان کی دنیاوی خشیت پر مرتب فرمایا

ہے۔ یعنی آخرت میں انکو مغفرت اور اجر کبیر اس لئے ملیگا کہ وہ دنیا میں خشیت خداوندی کے ساتھ متصف تھے۔ یہ تو فریقین کا الگ الگ حال بیان ہوا۔ یہاں سے میں یہ کہتا ہوں کہ قرینۂ تقابل سے معلوم ہوا کہ کفار نے جس طرح سے دنیا میں سمع اور عقل سے کام نہیں لیا تھا، اسی طرح انکو دنیا میں خشیت بھی نہ تھی اور اسی کے نہ ہونے کی وجہ سے اعتراف بالذنب بھی ان کو نہ تھا اور مومن کو چونکہ دنیا میں خشیت حاصل ہوتی ہے اسلئے وہ اسکے مقدمات یعنی سمع و عقل سے بھی متصف ہوتے ہیں اور ان کو دنیا ہی میں اعتراف بالذنب بھی حاصل ہوتا ہے۔

اب ان دونوں آیتوں کو ملانے سے مومن کامل کے اوصاف معلوم ہوئے کہ سمع و عقل، خشیت اور اعتراف بالذنب یہ سب مومن کی صفات ہیں۔

اسی طرح سے ایک اور جگہ اہل دنیا اور اہل علم کے اوصاف کا ذکر اس طرح سے فرمایا ہے۔ سورۂ قصص میں قارون کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ:۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (سورۂ قصص)

پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ سازوسامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے۔ واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔ (بیان القرآن)

یہ تو دنیا داروں کا قول نقل فرمایا جس سے انکا وصف معلوم ہوا کہ دوسرے کی نعمت عاجلہ دیکھ کر ریجھ پڑتے ہیں اور اس کے بعد اہل علم کا جواب نقل فرماتے ہیں۔ سنئے! فرماتے ہیں:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ (سورۂ قصص)

اور جن کو فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے، ارے تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ ان ہی کو

دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔ (بیان القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کی یہ شان ہے کہ ہر وقت ان کی نظر اللہ تعالیٰ کے ثواب پر اور آخرت پر ہوتی ہے۔ یہ بھی عالم کا ایک مخصوص وصف ہے۔

عالم کے جن اوصاف کا یہاں تک ذکر ہوا یعنی سماع، عقل، خشیت، اعتراف بذنبہم، اور نظر بر ثواب آخرت ان سب کے ذکر کی حیثیت تو ترغیب کی سی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب بعض امور بطور ترہیب کے بھی بیان کردئے جائیں تاکہ ترغیب اور ترہیب دونوں کے مجموعہ سے تاثر قوی پیدا ہو کہ یہی مقصود بیان ہے۔

اس سلسلہ میں ترمذی شریف کے ابواب الزہد کی ایک روایت نقل کرتا ہوں۔

حدثنا سوید بن نصر قال حدثنا عبد اللہ بن المبارک نا حیوۃ بن شریح نا الولید بن ابی الولید ابو عثمان المدائنی ان عقبۃ بن مسلم حدثہ انہ دخل المدینۃ فاذا ھو برجل قد اجتمع علیہ الناس فقال من ھذا فقالوا ابو ھریرۃ! فدنوت منہ حتی قعدت بین یدیہ وھو یحدث الناس فلما سکت وخلا قلت لہ اسئلک بحق وبحق لما حدثتنی حدیثا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقلتہ وعلمتہ فقال ابو ھریرۃ افعل لاحدثنک حدیثا حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقلتہ وعلمتہ ثم نشغ ابو ھریرۃ نشغۃ فمکث قلیلا ثم افاق فقال لاحدثنک حدیثا حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا البیت ما معنا احد غیری وغیرہ ثم نشغ ابو ھریرۃ نشغۃ شدیدۃ ثم افاق ومسح وجہہ وقال افعل لاحدثنک حدیثا حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا وھو فی ھذا البیت ما معنا احد غیری وغیرہ ثم نشغ نشغۃ شدیدۃ ثم مال خارا علی وجہہ فاسندتہ طویلا ثم افاق فقال حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ اذا کان یوم القیامۃ ینزل

الی العباد لیقضی بینهم وکل امة جاثیة فاول من یدعو به رجل جمع القرآن ورجل قتل فی سبیل الله ورجل کثیر المال فیقول الله للقاری الم اعلمك ما انزلت علی رسولی قال بلی یارب قال فماذا عملت فیما علمت قال کنت اقوم به اناء اللیل وآناء النهار فیقول الله له کذبت وتقول الملائکة له کذبت ویقول الله له بل اردت ان یقال فلان قاری۔

ویؤتی لصاحب المال فیقول الله له الم اوسع علیك حتی لم ادعك تحتاج الی احد قال بلی یارب قال فماذا عملت فیما آتیتك قال کنت اصل الرحم واتصدق فیقول الله له کذبت وتقول الملائکة کذبت ویقول الله بل اردت ان یقال فلان جواد وقد قیل ذالك۔

ویؤتی بالذی قتل فی سبیل الله فیقول الله له فیما ذا قتلت فیقول امرت بالجهاد فی سبیلك فقاتلت حتی قتلت فیقول الله له کذبت وتقول الملائکة کذبت ویقول الله بل اردت ان یقال فلان جریئ فقد قیل ذلك۔

ثم ضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی رکبتی فقال یا ابا هریرة اولئك الثلاثة اول خلق الله تسعر بهم النار یوم القیامة۔

قال الولید ابوعثمان المدائنی فاخبرنی عقبة ان شفیا هو الذی دخل علی معاویة فاخبره بهذا قال ابوعثمان وحدثنی العلاء بن ابی حکیم انه کان سیافا لمعاویة قال فدخل علیه فاخبره بهذا عن ابی هریرة فقال معاویه قد فعل بهولاء هذا فکیف بمن بقی من الناس ثم بکی معاویة بکاءً شدیداً حتی ظننا انه هالك وقلنا قد جاءنا

ھذا الرجل لبشر ثم افاق معاویۃ ومسح عن وجہہ وقال صدق اللہ ورسولہ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَہَا نُوَفِّ اِلَیْہِمْ اَعْمَالَہُمْ فِیْہَا وَھُمْ فِیْہَا لَا یُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْہَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ ھذا الحدیث حسن غریب

(ترمذی شریف ۶۲ ج ۲)

حدیث بیان کی ہم سے سوید بن نصر نے کہا حدیث بیان فرمائی ہم سے عبد اللہ بن مبارک نے انھوں نے فرمایا کہ حدیث بیان کی ہم سے شریح نے انھوں نے فرمایا کہ ہم سے بیان کیا ولید بن ابی الولید ابو عثمان مدائنی نے کہ عقبہ بن مسلم نے ان سے بیان کیا کہ جب وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو وہاں دیکھا کہ ایک بزرگ بیٹھے ہیں اور انکے ارد گرد لوگوں کا ایک مجمع ہے حضرت عقبہ بن مسلم نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ ہیں (کہتے ہیں کہ) پھر میں انکے قریب گیا وہ لوگوں سے حدیث بیان فرما رہے تھے۔ میں بھی ان کے سامنے جاکر بیٹھ گیا جب وہ خاموش ہوئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے عرض کیا کہ آپ سے حق کے واسطے سے اور پھر حق کے واسطہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے ضرور بالضرور ایک ایسی حدیث بیان فرمائیں جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور سمجھا ہو اور سیکھا ہو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا کروں گا اور تم سے ضرور ایسی ہی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور میں نے اُسے سیکھا اور سمجھا ہے۔

یہ کہہ کر ابوہریرہ بیہوش ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو پھر فرمایا کہ میں تم سے ایسی ہی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حجرہ میں بیان فرمائی تھی کہ میں تھا اور حضورؐ تھے اور ہمارے علاوہ کوئی تیسرا نہ تھا یہ کہا اور پھر (دوبارہ) سخت بیہوش ہوگئے۔ پھر جب ہوش آیا تو اپنا چہرہ وغیرہ صاف کرکے فرمایا کہ میں یہ کام کروں گا یعنی تم سے ایسی حدیث ضرور بیان کروں گا جس کو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا دراں حالیکہ میں اور آپؐ اسی گھر میں تھے جس میں کہ

اور ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا (تیسری بار) پھر سخت دورہ غشی کا پڑا اور منہ کے بل گرنے لگے تو میں نے اپنی گود میں آپ کو ٹیک لیا پھر جب بہت دیر کے بعد افاقہ ہوا تو پھر ارشاد فرمایا کہ حدیث بیان فرمائی مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بروز قیامت جب اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں کا فیصلہ فرمانے کے لئے نزول فرمائیں گے اور سب کے سب لوگ زانو کے بل پڑے ہوں گے تو سب سے پہلے جن کو بلایا جائے گا (وہ تین قسم کے لوگ ہوں گے) ایک تو وہ ہوگا جو قاری یعنی عالم بالقرآن ہوگا۔ دوسرا وہ ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا ہوگا اور تیسرا وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مالدار ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ اس عالم قرآن سے سوال فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھ کو اس کتاب کا عالم نہیں بنایا تھا جو میں نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تھا؟

وہ کہے گا بیشک اے میرے پروردگار ایسا ہی تھا، ارشاد ہوگا کہ پھر تو نے اپنے علم پر کیا عمل کیا؟ کہے گا میں اس کی رات اور دن کی گھڑیوں میں تلاوت کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تو یہ چاہتا تھا کہ تجھ کو قاری اور عالم کہہ کر پکارا جائے (سو دنیا میں تو کہا جا چکا)۔

اسی طرح صاحب مال لایا جائے گا۔ اللہ اس سے بھی فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھ پر وسعت نہیں کی تھی؟ یہاں تک کہ دنیا میں تجھ کو کسی کا محتاج نہیں رکھا تھا۔

وہ کہے گا کہ بیشک اے میرے پروردگار ایسا ہی تھا، فرمائیں گے کہ پھر میری اس نعمت کو پاکر تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں صلہ رحمی کرتا تھا۔ صدقہ و خیرات دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ سن کر فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ فرمائینگے کہ یہ بات نہیں تھی بلکہ تو نے یہ سب اس لئے کیا تھا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص بڑا سخی ہے سو دنیا میں یہ کہا جا چکا۔

پھر شہید کو پیش کیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو کیوں اور کس سلسلہ میں مارا گیا۔ وہ عرض کریگا کہ یارب آپنے اپنی راہ میں جہاد کا حکم فرمایا تھا اس لئے میں نے قتال کیا یہانتک کہ تیری راہ میں کام آگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے

کہ تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تو نے اسلئے قتال کیا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا جری اور بہادر ہے۔ چنانچہ تیرے متعلق یہ خوب کہا جا چکا۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابوہریرہ یہی ہیں وہ تین شخص کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے جہنم میں یہی لوگ ڈالے جائیں گے اور دوزخ انھیں سے روشن کی جائیگی۔

حضرت ولید ابوعثمان مدائنی کہتے ہیں کہ مجھ کو عقبہ نے یہ خبر دی کہ شفیا ہی وہ شخص ہیں جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو اس حدیث کی خبر دی۔

ابوعثمان کہتے ہیں کہ علاء ابن ابی حکیم نے یہ بھی فرمایا کہ وہ حضرت معاویہ کے سیّاف تھے تو جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو اس حدیث کی خبر دی کہ ابوہریرہؓ ایسا ایسا بیان فرماتے ہیں۔ تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ ان مذکورہ اشخاص کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوگا پھر ان کے علاوہ اور جو لوگ ہونگے ان کا کیا حشر ہوگا؛ یہ کہہ کر حضرت معاویہ بہت روئے یہاں تک کہ ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان کی جان ہی نکل جائے گی اور ہم نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ کہاں سے یہ برا شخص یہ خبر لایا۔ جب پھر حضرت معاویہ کو افاقہ ہوا تو انھوں نے اپنا چہرہ وغیرہ صاف کیا اور فرمایا کہ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص محض حیات دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور پر بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے۔　　(یہ حدیث حسن غریب ہے)

نیز ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ:۔

عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تعلموا العلم لتباھوا بہ العلماء ولا لتماروا بہ السفہاء ولا تخیروا المجالس فمن فعل ذلک فالنار النار　　(ابن ماجہ ص ۲۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم اس لئے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعہ سے علماء پر بڑائی چاہو اور نہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے بے وقوفوں سے جھگڑا کیا کرو اور نہ اس لئے کہ مجلس میں اس کی وجہ سے صدر مقام حاصل کرو پس جس شخص نے ایسا کیا وہ جہنم سے ڈرے اور دوزخ کا خوف کرے۔

قولہ و لا تخیزوا کے تحت حاشیہ میں حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلوی نے نقل فرمایا ہے کہ

والتخیز التمکن والتقرر المراد منہ لا تمکنوا فی قلوب الناس لتکونوا اصدر المجالس فانہ من اشد اغراض الدنیا الاٰن آخر ما یخرج من قلوب الصدیقین حب الجاہ وھذہ عقبۃ کئودۃ للعلماء لا ینجو منہ الا المخلصون۔ انتہی (حاشیہ ابن ماجہ شریف)

تخیز کے معنی تمکن اور تقرر کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ علم سے یہ نہ مقصود ہو کر لوگوں کے دل میں جگہ حاصل کرو تاکہ ہر جگہ صدر مقام ہی پر بٹھائے جاؤ۔ (اور یہ اس لئے برا ہے کہ) یہ چیز اغراض دنیویہ میں سب سے سخت ترین ہے کیونکہ صدیقین کے قلوب سے سب سے آخر میں جو شے نکلتی ہے وہ حب جاہ ہی ہے اور علماء کے لئے یہ ایک سخت اور دشوار گذار گھاٹی ہے جس سے مخلصین ہی نجات پاتے ہیں۔

دیکھئے ترمذی شریف کی اس حدیث میں اور ابن ماجہ شریف کی اس حدیث اور اسکی شرح میں جو حاشیہ پر ہے کس قدر مؤثر ترہیب ہے۔ علماء کے لئے کہ اگر آج اسی قسم کی احادیث ہمارے پیش نظر ہو جائیں تو اخلاص پیدا کرنے کے لئے یہی اتنا کافی ہے۔ اہل علم کے ایک مجمع میں یہ بات آئی کہ آج علماء میں جو غفلت ہے اسکا سبب ان کا پڑھنا پڑھانا ہے۔ چنانچہ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں ان میں غفلت ہو جاتی ہے۔ پھر کسی نے کہا کہ بھائی حدیث کی کتابوں میں کتاب الرقاق اور کتاب الزہد بھی تو ہے (جن میں ایسی ایسی روایات بھی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں) پس غفلت کا سبب تعلیم و تعلم نہیں ہے بلکہ ان ابواب کا پیش نظر نہ ہونا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ آج علماء ان ابواب کو اور اس قسم کی روایات کو پیش نظر رکھیں اس سے

غفلت زائل ہوگی۔ بس اسی پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔

والسلام

حضرت مصلح الامۃؒ کا مضمون "وعظ بالقرآن" جو بصورت خط حضرت علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کے نام گیا تھا۔ ختم ہوا۔ اس کے جواب میں مولانا علی میاں صاحب نے جن تاثرات کا اظہار فرمایا تھا وہ مضمون سے قبل والے ان کے خط میں ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں لکھا تھا کہ ——— مضمون کی تکمیل ہوگئی۔ حقیقۃً مضمون باوجود عبارت آرائی اور تکلفات سے دور ہونے کے نہایت موثر اور مفید ہے۔ انتہیٰ

اس کے بعد ایک مرتبہ مولانا ندوی مدظلہ الہ آباد، جلسۂ اصلاح المسلمین میں تشریف لائے لیکن قیام حضرتؒ ہی کے یہاں فرمایا۔ اور یہ فرمایا کہ آجکل کے ان رسمی جلسوں میں شرکت تقریباً ختم کردی ہے لیکن یہاں کی حاضری اس لالچ سے منظور کرلی کہ حضرت سے ملاقات ہوجائیگی چنانچہ یہیں اترا ہوں یہیں سے جلسہ گاہ جاؤں گا اور واپس ہوکر یہیں سے روانگی ہوگی۔ واپس جاکر حضرت والا کے نام یہ عریضہ لکھا۔

(حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کا خط)

مشفق محترم مخدوم ومعظم دامت برکاتہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت والا کے مزاج گرامی بخیر ہونگے۔ جناب والا سے رخصت ہوکر اور جلسہ سے فراغت کرکے بخیریت وبراحت اپنے وطن رائے بریلی آیا۔ راستہ بھر جناب کی شفقتوں اور ارشادات عالیہ کا مزہ لیتا رہا اور التفات خاص سے اپنے شکستہ دل کو تسلی دیتا رہا۔ متعنا اللہ بفیوضکم چند رسائل گرامی ساتھ لایا تھا ان کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ جی چاہا کہ جناب والا کی خدمت میں عرض کروں کہ وصیۃ الاخلاص کے نام سے بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا جاوے خاص طور پر بخیال اسکا داعی اور محرک ہے کہ مدارس عربیہ میں پڑھنے پڑھانے والوں کی

بڑی تعداد اخلاص فی التعلیم و اخلاص فی التعلم سے نہ صرف بے بہرہ بلکہ بے حس ہے اسکا نتیجہ ہے کہ اس کے روحانی و اخلاقی ثمرات مرتب نہیں ہو رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ آخرت میں سخت مایوسی اور شرمندگی ہوگی اگر تعلیم و تعلم کے فضائل احادیث صحیحہ سے اور اُس کے متعلق اپنی تشریحات و تطبیقات قلمبند فرمادی جائیں تو ہم اہل مدارس کے لیے بہت نافع ہوں گی۔

شوال کا مہینہ مدارس دینیہ عربیہ کے افتتاح کا ہوتا ہے اُس وقت اس رسالہ کی اشاعت نہایت مفید ہوگی۔ اگر یہ معروضات ناپسند نہ فرمائی جائیں تو ضرور اس اہم موضوع کی طرف توجہ فرمائی جاوے اور التذکیر بالقرآن کی صورت میں ہو یا مستقل رسالہ ہو ان شاء اللہ مفید اور نہایت باعث برکت ہوگا۔ واللہ الموفق المستعان۔ والسلام

طالب دعا و توجہ

ابوالحسن علی

(جواب حضرت مصلح الامتؒ)

حبی و محبی سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ موجب مسرت ہوا آپ کے تاثرات اور موجب مسرت ہوئے جس امر کا آپ نے مشورہ دیا ہے۔ ہے تو میری حیثیت سے باہر۔ مگر آپ کی توجہ اور خلوص سے شاید کچھ کام ہو سکے اور اس موضوع پر قلم اُٹھا سکوں۔ خاص کر اہل علم حضرات سے تخاطب اور پھر اخلاص کی بحث اور اُن سے اخلاص کا مطالبہ اور اُن کو اس کی ترغیب و تشویق اور اُس کے خلاف سے ترہیب و تنفیر بڑا مشکل کام اور پُر خطر امر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جس پر آسان کرے اُس پر آسان ہے ؎

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

بہر حال جس موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے خواہش ظاہر فرمائی گئی ہے وہ تو میرا موضوع بحث ہی ہے اور اب آپ نے بھی توجہ فرمائی ہے تو ارادہ میں مزید تقویت

ہوگئی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو ضرور کچھ لکھوں گا مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ سے بھی یہ درخواست ہے کہ اس معاملہ میں دعا سے میری مدد فرمائیں۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہٗ

از افادات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہ

ناشر

دفتر ماہنامہ معرفت حق ۲۳ بخشی بازار - الہ آباد ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اَمّا بَعدُ۔ اہل اللہ کے ملفوظات اور ان کے ارشادات گرامی میں آج بھی وہ اثر ہے جو مردہ دلوں میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک دیتا ہے اور قلب میں آتش محبت کی ایسی چنگاری روشن کر دیتا ہے جس سے خدا اور رسول صلعم کی صحیح محبت اور عمل صالح کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان کے کلمات طیبات کے ذریعہ نہ صرف قرآن و حدیث کی عظمت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے بلکہ قرآن و حدیث کے بہت سے حقائق و معارف قلب پر منکشف ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

بزرگوں ہی کی ذات بابرکات ہے کہ جب ان کے ارشادات صفحۂ دل پر منقش ہوتے ہیں تو قلب کا رنگ کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔ باطنی احساسات و کیفیات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ انوار و تجلیات سے مالامال ہو جاتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہی حقائق و معارف درجۂ کمال کو پہونچ جاتے ہیں اور ان کی اُن متبرک تحریروں کی برکت سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ اللہ و رسول کے ارشادات۔ دعوت و سلوک تزکیۂ نفس۔ اور ذکر اللہ کیا ہے۔

چنانچہ مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولینا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ العالی کے ارشادات گرامی اور ملفوظات کا سلسلہ جب سے رسالہ معرفت حق میں شروع کیا گیا ہے لوگوں کو معتدبہ نفع پہونچا ہے۔ الحمد للہ جگہ جگہ سے لوگوں کے خطوط برابر چلے آرہے ہیں جس میں مختلف عنوانات سے اپنے اپنے جذبات و احساسات کا لوگ اظہار فرمارہے ہیں۔ یہ خطوط اپنے تاثرات کے اعتبار سے خاصے اہم ہیں۔ جو کسی آئندہ شمارے میں شائع کئے جائیں گے۔ اس شمارے میں حضرت والا کی مجالس کے وہ مضامین شائع کئے گئے ہیں جس میں قرآن حکیم کی تلاوت اور اس کے آداب و فضائل بیان کئے گئے ہیں جس سے قرآن پاک کی صحیح

عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ قرآن کیا ہے۔ اور اس کی تلاوت پر مداومت کے بعد قلب میں کیسے کیسے انوار و برکات پیدا ہوتے ہیں یہ مضامین ہر دور کے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ اور شمع ہدایت ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اعلیٰ صفات سے قوی امید ہے کہ یہ شمارہ تلاوت قرآن تمام مسلمانوں کی صلاح و فلاح کا ذریعہ ہوگا ملفوظات گرامی کے علاوہ حضرت مصلح الامت دامت برکاتہم نے بطور خلاصہ ایک نہایت جامع مختصر مضمون علیحدہ سے قلمبند فرمادیا ہے اس کو بھی یہاں بعینہ نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کرام کو ضبط کرنے اور تلاوت کے وقت مستحضر رکھنے میں آسانی ہو۔ وَهُوَ هٰذَا!

میں نے عرض کیا تھا کہ تلاوت قرآن کریم کے متعلق اپنے قلم سے لکھ کر حاضر خدمت کروں گا سو عرض ہے سنئے!۔

ہمارے ایک بزرگ[عہ] یہاں تشریف لائے تھے یہاں سے جاکر جو تحریر فرمایا اس کا ایک جزو جو میرے مقصد سے تعلق رکھتا ہے عرض کرتا ہوں۔

"صبح کی جو مجلس وعظ ایک خاصے بڑے مجمع کے سامنے ہوئی اس میں شروع سے اخیر تک زور بس تلاوت کلام پاک پر اور مروجہ اذکار و اشغال سے زائد قرآن مجید سے رابطہ پیدا کرنے پر تھا" ماشاء اللہ تعالیٰ تبارک اللہ میرے مقصد کو خوب واضح طور پر اور دلنشین پیرائے میں دل نشیں فرمادیا۔ اس سے زیادہ اس مضمون کو کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے اب موضوع میرے بیان کا ثابت ہوگیا۔ تلاوت قرآن مجید قرآن کریم سے رابطہ پیدا کرتی ہے۔ اس رابطہ کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ یہ دو طرفہ ہوتا ہے جب ایک طرف ہوتا ہے تو دوسری طرف بھی ہوجاتا ہے لہٰذا جس شخص کو قرآن کریم سے رابطہ ہوگا قرآن کو بھی اس سے رابطہ ہوگا۔ اس دار میں اس رابطہ کا یہ اثر ہوگا کہ اس کو تلاوت اور عمل کی توفیق زیادہ ہوگی اور اُس دار میں یہ اسکی شفاعت کرے گا۔

یہ ربط فقط قرآن کریم ہی کے ساتھ محدود و منحصر نہیں رہے گا بلکہ ربط باری تعالیٰ کا موجب بنے گا اور اس ربط کو قرب بھی کہتے ہیں اور قرب وجدانی شے ہے یعنی مدرک بالوجدان ہوتا ہے جیسا کہ سارے وجدانیات کا یہی حال ہے اور یہ قرب معنی کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم سے شغف و محبت بواسطہ تلاوت کے عین تعلق بحق ہے۔ اب یہ مضمون عقلی طور پر بھی مبرہن و مدلل ہوگیا الحمد للہ کہ میرے بزرگوں نے اس مضمون کو خوب سمجھا ھنیئاً لھم العلم والعمل۔

عہ مراد اس سے حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہٗ ہیں ۱۲

اب رہی یہ بات کہ تلاوت کس طرح کیجائے کہ قرآن کریم سے رابطہ پیدا ہو تو سنئے:۔
حضرت امام نووی شارح مسلم شریف نے اپنی کتاب اذکار میں اس کو خوب بیان فرمایا ہے۔ ایک فصل انھوں نے اس کے آداب و مسائل کے بیان میں مستقل قائم فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

" اوّل چیز جس کا قاری اپنی قرأت میں مامور ہے وہ اخلاص ہے اور اخلاص یہ ہے کہ قرأت سے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ مراد ہوں اور سوائے اس کے اور کسی چیز تک پہونچنے کا قصد نہ کرے اور قرآن کے ساتھ مؤدب ہو اور ذہن میں یہ حاضر کرے کہ اللہ سبحانہٗ سے مناجات کر رہا ہے اور اس کے کتاب کی تلاوت کر رہا ہے اور قرأت ایسے حال پر کرے جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہیں دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں "

حضرت امامؒ نے یہ بیان فرما کر امت پر احسان عظیم فرمایا کہ تلاوت حقیقی سکھلادی۔ اور عبادات میں تو اس حدیث کو لوگ لاتے ہیں اور تلاوت میں نہیں لاتے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء واحسنہ انتہیٰ کلامہٗ

احقر ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تلاوت قرآن

مُقدمہ

الحمد للہ الذی انزل القرآن وشرفنا بحفظہ وتلاوتہ وتعبدنا بتدبرہ ودراستہ وجعل ذلک من اعظم عبادتہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، دلت علی وجودہ المصنوعات وشھدت بجمالہ وکمالہ وجلالہ وعظمتہ الآیات البینات، واشھد ان سیدنا محمداً رسول اللہ القائل فیما یرویہ عن رب العالمین (من شغلہ القرآن وذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین) صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین حازوا الدرجۃ العلیا فی حفظ القرآن والعمل بشروطہ وآدابہ:-

امابعد- کمترین خدام عرض پرداز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے علماء و مصلحین امت محمدیہ میں پیدا فرماتے رہیں گے جو لوگوں کے اعمال و احوال کو شریعت مقدسہ کی میزان پر وزن کریں گے۔ اور کتاب وسنت کے معیار پر منطبق کریں گے۔ اگر موافق پائیں گے تو اس کو قبول کریں گے۔ اور اس کے حق وصواب ہونے کا فتویٰ دیں گے۔ اور اگر مطابق نہ پائیں گے تو اس کو رد فرمادیں گے، اس پر نکیر کریں گے، بیشک یہی لوگ ورثاء انبیاء علیہم السلام اور حفاظ شریعت ہوں گے۔ اور انھیں حضرات کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے العلماء ورثۃ الانبیاء (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

یہی حضرات اللہ کے دین کو غیر دین کے اختلاط سے محفوظ رکھیں گے، سنت و بدعت کو ایک دوسرے سے ممتاز رکھیں گے، نوازل وحوادث کا حکم قواعد شرعیہ سے استنباط کریں گے، امت کو اس بات سے آگاہ کریں گے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے اور اب ان اخلاق نبویہ کے بالکل برعکس اخلاق اختیار کرلئے گئے ہیں، جو آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھلائے تھے، ہم نے ان کے خلاف اپنا طریقہ بنالیا ہے، پھر بھی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہے تو یہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے

تعصی الرسول وانت تظهر حبه　　هذا لعمری فی الفعال بدیع
لوکان حبك صادقا لاطعته　　ان المحب لمن یحب یطیع

جو لوگ اس شان کے ہوتے ہیں زمین میں یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں چنانچہ روایت ہے کہ :-

عن الحسن انہ قال لن یزال للہ نصحاء فی الارض من عبادہ یعرضون اعمال العباد علی کتاب اللہ فاذا وافقوہ حمدوا اللہ واذا خالفوا عرفوا بکتاب اللہ ضلالۃ من ضل وھدیٰ من اھتدیٰ فاولٰئك خلفاء اللہ -

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ ایسے ناصحین برابر ہوتے رہیں گے جو بندگان خدا کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش فرماتے رہیں گے جب کتاب اللہ کے موافق پائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور جب مخالف پائیں گے تو ضالین کی ضلالت اور مہتدین کی ہدایت کو کتاب اللہ ہی سے پہچانیں گے اور یہی لوگ خلفاء اللہ ہوں گے -

حضرت مصلح الامت، محی السنت، مرشد الانام الی الطریق القویم وہادی الخواص والعوام الی الصراط المستقیم مخدومنا ومقتدانا حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کی تعلیمات جو عین کتاب وسنت کے مطابق ہیں ان کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیشک آپ خلیفۃ اللہ فی الارض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب ہیں - اور دین متین کے صحیح معنوں میں خادم اور شرع شریف کے ترجمان ہیں -

یوں تو ہر ہی دور میں دین کی خدمت دشوار رہی ہے - اور اس میدان کے مرد کم ہی لوگ ہوئے ہیں - خصوصاً اس صدی میں جبکہ زمانہ عہد نبوی سے بہت ہی بعید ہوگیا ہے دین کا کام کرنا نہایت مشکل و دشوار ہوگیا ہے اس لئے کہ حال یہ ہوگیا ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ لیا گیا ہے - سنت و بدعت کا امتیاز اٹھ چکا ہے - راہ ہدایت وضلالت باہم مخلوط ہوگئی - مکر وخداع کو ہنر و ہوشیاری - نفاق و چالبازی کو حسن و محمود سمجھ لیا گیا ہے تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ دین کا نام لینا اور اخلاص و صدق کی طرف دعوت دینا ہی ایک اہم امر اور دشوار مسئلہ ہے اور جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں دہکتا ہوا شعلہ لینا ہے - مگر حضرت مولانا و مرشدنا دامت برکاتہم بلا پروائے لومۃ لائم حقیقی دین کی دعوت دے رہے ہیں - اخلاص و نفاق پر نہایت بسط سے کلام فرما رہے ہیں - کتاب وسنت اور اکابر امت کے کلام سے نفاق کی مذمت اور قباحت کو بیان فرماتے رہتے ہیں - کہ یہ ایسا قلبی مرض ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجودیکہ ان حضرات میں اس مرض کا شائبہ اور

اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا مگر وہ اپنے کو اس مرض سے مامون نہیں سمجھتے تھے ڈرتے ہی رہتے تھے۔ اور اب یہ حال ہے کہ سب علامات نفاق پائی جاتی ہیں، تمام اخلاق و اعمال منافقین کے اختیار کرلئے گئے ہیں، نہ مسلمانوں کے اخلاق ہیں اور ان کے جیسے اعمال و اقوال۔ پھر بھی اپنے کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی جیسا سمجھ رہے ہیں۔ پہلے کے لوگوں کو تو اخلاص و صدق بہت دنوں کے بعد حاصل ہوتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ ابتداء ہی سے اپنی کو مخلص سمجھتے ہیں۔ یہ ضلالت نہیں تو اور کیا ہے ؟

حضرت مولانا دامت برکاتہم اس مرض میں عام ابتلاء دیکھکر شد و مد سے اخلاص و نفاق کے مفہوم و علامات کو واضح فرمارہے ہیں۔ اور یقیناً اس زمانہ میں دین کے اہم شعبہ بلکہ اصل شعبہ کی تجدید و احیاء فرمارہے ہیں۔ اگر کسی کو اخلاص و نفاق پر مفصل مضمون دیکھنا ہو تو تحذیر العلماء و وصیۃ الاحسان اور وصیۃ الاخلاص کا مطالعہ کرے۔

حضرت والا کی دعوت و تبلیغ کی یہ خصوصیت ہے کہ ایسا طرز، موقع کے موافق اختیار فرماتے ہیں گویا ارشاد باری تعالیٰ اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ کی عملاً تفسیر فرمارہے ہیں۔ اور الحمد للہ اس ارشاد کے مطابق عمل کرنے کے برکات بھی نمایاں ہورہے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو دین سے نا آشنا بلکہ معاند و منکر تھے اور اپنے پروردگار سے رشتہ توڑ چکے تھے بفضلہ تعالیٰ دین و ایمان سے وابستہ اور فائز ہورہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق درست ہورہا ہے اور یہ کسی اہل دیانت و فہم و فراست پر مخفی نہیں ہے چنانچہ ایک صاحب (جو ماشاء اللہ فہیم اور شاعر ہیں) حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو الہ آباد میں فیوض عامہ کو دیکھکر اپنے تاثرات کا ایک شعر میں اظہار فرمایا ؎

اب الہ آباد میں ساماں ہیں بہبود کے ۔۔۔ رشتے جوڑے جاتے ہیں یاں عبد اور معبود کے

حضرت مولینا دامت برکاتہم کی تعلیمات و اصلاحات میں سے ایک اہم تعلیم و اصلاح یہ ہے کہ فرائض کا خاص اہتمام کرنا اور اس کو نفل سے افضل سمجھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا قرب فرائض میں رکھا ہے دوسرے اذکار و نوافل میں نہیں رکھا۔ اب یہ بدعت اعتقادی ہوگئی ہے کہ فرائض میں ولایت اور قرب خداوندی اس قدر نہیں سمجھتے جتنا اس سے کم درجہ کی عبادات میں حالانکہ یہ بات حدیث قدسی مَا تَقَرَّبَ عَبْدِیْ اِلَیَّ بِشَیْءٍ احبَّ الی مما افترضت علیہ الحدیث کے صریح مخالف ہے۔ مصلحین امت نے اس مسئلہ کو اپنے اپنے زمانہ میں چھیڑا ہے اور لوگوں کو اس بدعقیدگی سے تحذیر فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ حجۃ الاسلام ابو حامد غزالیؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلویؒ جیسے مصلحین نے اس بدعت کی خوب خوب تردید فرمائی ہے تو آخر ان حضرات کے عہد میں بھی یہ ضلالت رہی

ہوگی جبھی تو ان کو اس پر کلام کرنے کی ضرورت پڑی۔ حالانکہ عہد نبوت سے وہ دور قریب تر تھا۔ سنت سے اس قدر بعد نہیں ہوا تھا۔ تاہم یہ جہالت و ضلالت آچکی تھی تو اس زمانے میں تو جو کچھ بھی نہ ہو جائے کم ہی ہے اس لئے حضرت مصلح الامت دامت برکاتہم نے بھی اس بدعقیدگی کی پوری قوت سے تردید فرمائی۔ اور حقیقت مسئلہ کی توضیح فرمائی۔ اور ایک مستقل مضمون بھی اس پر تحریر فرمایا۔ جو رسالہ معرفت حق شعبان ۱۳۸۳ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کو ضرور ملاحظہ فرمالیا جائے۔ انشاء اللہ بصیرت افروز اور نفع بخش پائیں گے۔

حضرت مولینا دامت برکاتہم کی اہم تعلیم یہ بھی ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی تلاوت کثرت سے کرنی چاہئے۔ تلاوت کے لئے اس کی فہم شرط نہیں بلا فہم بھی موجب قرب ہے اور یہ بھی اجر و ثواب کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ خیال کہ "ہم معانی نہیں سمجھتے اس لئے تلاوت سے کیا فائدہ" یہ زبردست ضلالت اور ایک بڑی نعمت سے حرمان ہے۔ غرض حضرت مولینا نے تلاوت کی اہمیت اور عظمت کو اس طرح بیان فرمایا کہ سامعین کے قلوب اس کی عظمت سے بھر گئے۔

نیز تلاوت کے شرائط و آداب کو اس مؤثر انداز سے پیش فرمایا کہ لوگوں نے ان آداب کی رعایت کے ساتھ تلاوت شروع کر دی۔ اور اب عام طور پر عوام و خواص کو اس کی وجہ سے نفع ہو رہا ہے جس کا اظہار حضرت مولینا مدظلہ کی خدمت میں کیا کرتے ہیں۔ نیز دوسری عبادات پر بھی اس کا اثر ہو رہا ہے چنانچہ بعض حضرات نے صراحت سے یہ فرمایا کہ "جب سے تلاوت کا اہتمام کیا ہے نماز کی بھی اصلاح ہو رہی ہے۔" ظاہر ہے کہ جب نماز کی اصلاح ہو جائیگی تو انشاء اللہ پھر سارا دین ہی درست ہو جائے گا۔ اور منکرات و منہیات سے اجتناب بھی اس کو آسان ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط

حضرت مولینا دامت برکاتہم یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے جو عمل نہیں ہو رہا ہے تو اس کی وجہ ایمان میں نقصان ہے اور ایمان کامل ہو نہیں سکتا جب تک کہ تلاوت کلام اللہ نہ کی جائے۔ اسلئے کہ تلاوت کلام اللہ میں ازدیاد ایمان کا خاصہ ہے جب تلاوت کی جائے گی ایمان ضرور ترقی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا جب ان کے سامنے اللہ کے کتاب کی آیتیں تلاوت کیجاتی ہیں تو ان آیات سے ان کا ایمان ترقی کرتا ہے۔

مگر تلاوت اللہ تعالیٰ پر کامل اعتقاد اور کلام اللہ کی عظمت و منزلت کے استحضار کے ساتھ کرنی چاہئے۔ قبل تلاوت اور اثنائے تلاوت میں ایمان و تصدیق قلب میں حاضر کرنا چاہئے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اس میں جتنے احکام و قصص درج ہیں سب حق ہیں۔ جب اس طرح تلاوت کی جائے گی تو یہ تلاوت

ایمان سے ناشی ہوگی پھر اس کے ثمرات ونتائج بھی مرتب ہوں گے اس لئے کہ اعتقاد فی نفسہ خود کمال ہے اور جملہ کمالات کا موجب بھی ہے۔ اعتقاد ہی اصل اور زبردست کارفرما ہے۔ جملہ اعمال اس کے تابع اور ماتحت ہیں۔

مگر شومیٔ قسمت کہ آج مسلمانوں سے اعتقاد ہی رخصت ہوگیا، اخلاص کا نام ونشان ہی نہیں رہ گیا اگر کچھ تلاوت کرتے بھی ہیں تو سالہا سال محض سرسری کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے اس کا صاف اعتراف کرلیا اور لکھا کہ "ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ تلاوت نہ کی ہو مگر ہاں محض لسانی اور سرسری کرتا رہا جس کی وجہ سے ابتک محروم رہا"۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کس قدر افسوس کی بات ہے کہ خدا کے کلام کی تلاوت اور سرسری! یہ تو نفاقی تلاوت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔

یہی دیکھ لیجئے کہ اسی قرآن سے کتنے کافروں کو ہدایت ہوئی اور مسلمانوں کو اسی قرآن سے بڑے بڑے مراتب ودرجات ملے۔ کیسی کچھ عزت وعظمت ملی۔ مگر آج جو ہم ذلیل وخوار ہیں اور ضلالت میں مبتلا ہیں تو اس کی وجہ لامحالہ یہی تجویز کی جائے گی کہ ظاہراً تو کلام اللہ سے اظہار تعلق کرتے ہیں اور اس کی تلاوت بھی کرتے ہیں مگر دل میں جو اعتقاد وتعظیم ہونی چاہئے نہیں رہ گئی ہے۔ باطنی رشتہ اس سے منقطع سا ہوچکا ہے اسی لئے یہ روز بد دیکھنا پڑ رہا ہے اور آخرت میں جو وبال وعذاب ہوگا اس کا کسی کو کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ جب کہ خود قرآن اپنے نبذ وترک کی نالش وشکایت اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرے گا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَاَعِذْنَا مِنْھَا وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

آپ کے منجملہ ارشادات کے یہ بھی ہے کہ عوام کو ہم پڑھے لکھوں سے زیادہ مخلص سمجھتے ہیں یہ بیچارے اپنی بساط کے موافق خدمت دین کی کررہے ہیں۔ مدرسوں کی امداد کرتے ہیں مدرسے قائم کرتے ہیں مگر ہم پڑھے لکھے لوگ اپنی بساط بھر بھی خدمت نہیں کرتے ہم بھی مخلص ہوں تو بہت کچھ کام ہوجائے۔

قرآن کریم کے برکات دین ودنیا دونوں میں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسی قرآن کی بدولت روٹی کھاتے ہیں اور اسی کی وجہ سے عزت ملتی ہے پھر بھی اس کی طرف سے غافل ہیں۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ تلاوت بھی نہیں کرتے۔ یہ کس قدر حق تلفی اور بے انصافی کی بات ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!

سچ ہے آج کل جو گمراہی ہے تو اس کی وجہ ہمارا ہی قصور اور ہماری ہی کوتاہی ہے۔ ہم عوام کے سامنے قرآن وحدیث کب پیش ہی کرتے ہیں جس سے ان کا ایمان تازہ ہو اور ان کو کام کی باتیں معلوم

ہوں۔ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث پر تو مسلمانوں کا ایمان ہے اس کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں توکتاب و سنت ہی پیش کر کے ان کو مجوج کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی سے ان پر اثر ڈالا جاسکتا ہے۔ اسی سے ان کے امراض کا علاج اور ضلالت کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ دوسرے کلام خواہ وہ کتنے ہی اچھے ہوں اور مؤثر بھی ہوں لیکن ان پر ایمان تو نہیں اور نہ وہ فصاحت وبلاغت اور تاثیر ہی میں خدا کے کلام کے برابر ہوسکتے ہیں۔اس لئے ہدایت و اصلاح دوسرے کلام سے نہیں ہوسکتی۔ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نازل فرمایا ہے۔قرآن ہی کے متعلق یہ ارشاد ہے۔ هُدًى لِّلنَّاسِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ۔ تو جیسے آپ کی رسالت کافۂ ناس کے لئے ہے ویسے ہی آپ کی کتاب منزل بھی کافۂ ناس کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے۔کتاب اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے اور اسی سے آپ کی نبوت کا احقاق واثبات ہوا۔ اب اس کتاب کے بعد کوئی دوسری کتاب نازل نہ ہوگی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس میں جیسے اصل مقاصد کو نہایت بسط سے بیان فرمادیا ویسے ہی ان کے طرق و وسائل کو بھی واضح فرمادیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وفعل اور حال کتاب اللہ کا ترجمان اور شرح ہے وکان خلقہ القرآن اس لئے اب بعد میں کتاب وسنت کے خلاف کوئی جدید مقصد یا نیا وسیلہ وطریقہ اختیار کیا جائے گا تو وہ بدعت وضلالت ہوگی۔اس کا کسی کو اختیار نہیں کہ کتاب وسنت سے سرِمو تجاوز کرے۔پس جب قرآن چھوڑ دیا گیا اور اس کے اصول کو ترک کر دیا گیا تو پھر ہدایت کہاں رہی ؎

چوں ترک قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجا خود شمع ایماں کشتۂ پس نور ایمانی کجا

خود غور فرمایئے کہ جب طلباء مدارس میں طالبعلمی کی حالت میں قرآن پاک سمجھ کر نہ پڑھیں گے اس سے ذوق ومناسبت نہ پیدا کریں گے تو بعد میں ان سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔کہ یہ لوگ سمجھیں گے اور دوسروں کو سمجھائیں گے۔

آج جو قوم کا بیڑا ہو رہا ہے تو اسی لئے کہ ہمارے طلبہ قرآن پاک کی طرف اصلا التفات نہیں کرتے اور نہ اس سے ربط وضبط پیدا کرتے ہیں۔ان کا مذاق ہی بدل گیا ہے۔ان کی یہ نیت ہی نہیں ہوتی کہ ہم قرآن سے تعلق پیدا کریں اور خدا کے کلام کی مراد کو سمجھیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے فیوض وبرکات اور علوم ومعارف کو ان پر بند کر رکھا ہے۔ذرا بھی قرآن کے معانی ان پر منکشف نہیں ہونے دیتا۔تو ایسے لوگوں سے بھلا کیا ہدایت ہوگی؟

حضرت مولینا دامت برکاتہم نے اسی کے متعلق ایک نہایت ذی استعداد عالم سے استفسار فرمایا تو انھوں نے یہ جواب میں تحریر فرمایا (یہ بالکل حقیقت ہے کہ عربی مدارس میں قرآن پاک اور اسکی تفسیر کا اہتمام نہیں ہے یہ مجھ پر خود بیت چکی ہے۔ اس لئے حضرت والا کی اس کوشش کی دل سے قدر ہوئی ہے کہ نہایت اہم موضوع کی طرف متوجہ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پورا نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین)

اس میں شک نہیں کہ حضرت مولینا دامت برکاتہم کو قرآن پاک سے ایک خاص ذوق حاصل ہے شب و روز اسی کا شغل رہتا ہے اور آپ کے اکثر بیانات آیات قرآنیہ ہی کی تفسیر و تشریح میں ہوا کرتے ہیں۔ معتبر و مسلّم تفاسیر مثلاً روح المعانی، تفسیر مظہری، ابن کثیر، بیضاوی، تفسیر کشاف کی کثرت سے مراجعت فرماتے رہتے ہیں اور الحمد للہ غایتِ مناسبت کی بنا پر علوم و نکات مستحضر بھی رہتے ہیں۔ اس لئے اکثر ہر مسئلہ وحادثہ کا حکم کتاب و سنت ہی سے بیان فرماتے ہیں۔ ہاں اس کی تشریح و توضیح میں اپنے اکابر کے ارشادات وحکایات اور ان کی سیرت کو بھی کثرت سے پیش فرماتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کا درجہ اصل جیسا نہیں ہونے پاتا۔ اکثر کسی بزرگ کا قول و فعل اصول شرعیہ کے مزاحم معلوم ہوا تو اس کی تطبیق اور لطیف عنوان سے توجیہہ فرما دیتے ہیں، اس لئے کہ کسی کا قول و فعل کتاب و سنت پر حجت نہیں۔ کتاب و سنت ہی علی الاطلاق سب پر حجت ہے ان سے کسی کو بھی مجال خلاف نہیں۔ اور یہ آپ کے اصلاح و تربیت کی خصوصیت ہے۔ فللہ الحمد۔ اور اس کا نفع بھی ظاہر ہے۔

چنانچہ ایک بڑے عالم نے جو الہ آباد تشریف لائے تھے واپسی کے بعد ایک صاحب سے یہ فرمایا کہ (میری حاضری کے وقت حضرت کسی جگہ تشریف لے گئے تھے اس لئے زیارت تو نہ ہو سکی مگر وہاں کے طلبہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان کے چہروں میں وہ نورانیت دیکھی جو کہیں نظر نہ آئی" اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ حضرت کا طریق اصلاح جلد ہی ہمہ گیر ہو جائے گا۔ میں نے الہ آباد میں کافی تغیر اور میلان الی الدین دیکھا جو حضرت کے وجود کی برکت معلوم ہوتی ہے۔)

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ ہر طبقہ میں کسی نہ کسی درجہ میں کلام اللہ کے فہم و تلاوت اور اس کے شرائط و آداب کی رعایت میں کوتاہی ہو رہی ہے تو آپ نے عوام و خواص سب کو اس کی طرف متوجہ فرمایا اور شد و مد سے اس موضوع پر کلام فرمایا لوگوں کو ان کی علمی اور اعتقادی کمزوریوں پر آگاہ فرمایا جس سے لوگوں کو بہت نفع ہوا۔ اور اب بھی حضرت مولانا نئے نئے انداز و مختلف عنوان سے بیان فرماتے ہی رہتے ہیں اور ایسا دلکش و دلچسپ کلام

ہوتا ہے کہ نہ طبیعت سننے سے اکتاتی ہے اور نہ وہ بیان فرسودہ معلوم ہوتا ہے ؎

وہی اک بات جو سو بار گذری ہو نگاہوں سے زبان شیخ پر آکر نئی معلوم ہوتی ہے

بلکہ ہر مرتبہ تازگی محسوس ہوتی ہے اور عمل کا جوش اور شوق پیدا ہوتا ہے۔ بیشک اہل اللہ کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے ، خصوصاً وہ کلام جو کلام اللہ ہی کے بارے میں ہو جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہٗ (اہل علم کو اس سے سیری نہ ہوگی یہ بار بار لوٹانے اور دہرانے سے پرانا نہ ہوگا اور اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے)

حضرت والا دامت برکاتہم کے ملفوظات وارشادات ایسے اثر انداز اور پرکیف ہوتے ہیں کہ سنکر بے اختیار خواجہ صاحبؒ کا یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

تا ابد جاری رہے یوں ہی سبیل میکشی ساقیا یوں ہی رہے آباد میخانہ ترا

اخیر میں یہ عرض ہے کہ حضرت مولانا و مقتدانا دامت برکاتہم نے تلاوت کلام اللہ کی عظمت واہمیت اور اس کے آداب وشرائط کو کتاب وسنت اور اکابر امت کے آثار واقوال سے مختلف اوقات میں اور مختلف عنوان سے بیان فرماکر اور اس رسالہ میں جمع کرکے امت مرحومہ پر احسان عظیم فرمایا ہے انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ طالبین راہ خدا کے لئے نافع ثابت ہوگا ۔ اور تلاوت کلام اللہ کا اور اس سے قلبی تعلق پیدا کرنے کا ایک نیا باب مفتوح ہوگا ۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے صحیح رابطہ پیدا ہوگا ۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو نفع ہوا جس کا اظہار بھی ان حضرات نے کیا ۔ نمونہ کے طور پر چند خطوط نقل کئے جاتے ہیں تاکہ ان کے تاثرات وحالات کے ملاحظہ سے ناظرین کرام کو مزید بصیرت ونصیحت حاصل ہو۔

مکتوب ۱ حسب ہدایت حضرت والا مدظلہ تلاوت کلام اللہ شریف کا معمول تنہائی میں حتی المقدور استحضار قلب کے ساتھ بنالیا ہے اور تلاوت شروع کرنے سے پہلے استغفار وتجدید ایمان اور اس بات کی تصدیق واقرار کرلیتا ہوں کہ یا اللہ یہ کلام آپ کا ہے اور برحق ہے اس پر ہمارا ایمان ہے اسمیں جو کچھ ہے سب حق ہے اس کی معرفت باخلاص عطا فرمایئے اور اس کے مطابق ہماری زندگی بنا دیجئے اور اس کے جملہ اوامر پر عمل اور جملہ مناہی سے اجتناب کی توفیق دیجئے اور اس کے برکات وثمرات سے نواز دیجئے آپ کی ہی رحمت کے سہارے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شیخ کے وسیلہ سے یہ درخواست ہے ۔ قبول فرمالیجئے اور اس میں اخلاص وترقی عنایت فرمایئے ۔"

مکتوب۲۔ "حسب ہدایت حضرت والا مدظلہ، تلاوت قرآن شریف کا معمول تنہائی میں حتی المقدور استحضار قلب کے ساتھ حضرت والا مدظلہ کی دعا و توجہ کی برکت سے ابتک نبھا جا رہا ہے اور بیحد نفع معلوم ہوتا ہے۔ دل کا حال ہی کچھ دوسرا ہونیوالا نظر آتا ہے۔ اور اس کی جھلک نماز اور دیگر معاشرے میں بھی نظر آتی ہے۔ حضرت والا مدظلہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص و قبول عطا فرمائیں۔ اسپر استقامت و ترقی عنایت فرمائیں اور اپنے کلام برحق کی معرفت اس گنہگار و روسیہ کو بھی عطا فرمائیں اور اسی کے مطابق پوری زندگی ڈھال دیں۔"

مکتوب۳۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بخیریت ہوں۔ سایۂ عاطفت آنمخدوم اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رکھیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا بڑا احسان ہے کہ حضرت والا مدظلہ کی دعا و توجہ کی بدولت اس دفعہ کی صحبت میں یہ سئی الفہم فاقد الاستعداد بھی ہمیشہ سے زیادہ متأثر رہا۔ مضمون تلاوت کلام پاک نے دل کو پکڑ لیا ہے۔ تجدید ایمان و تصدیق اور دعا کر کے تلاوت کا آغاز کرتا ہوں۔ حضور قلب اور خشوع کی پوری سعی کرتا ہوں۔ بجائے کَم کے کیف کی زیادتی کی فکر رہتی ہے۔ اگر کبھی کچھ آیتیں غفلت کے ساتھ سرسری طور پر پڑھی گئیں تو پھر از سرِ نو ان کو حضور قلب کے ساتھ اعادہ کرتا ہوں۔

الحمد للہ اب قلب کا حال بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا "اللّٰھُمَّ اجعل القرآن ربیع قلبی" کا اکثر استحضار ہوتا ہے۔ پہلے دیگر اذکار مثلاً ذکر اسم ذات و ذکر نفی و اثبات میں جو کیفیت ہوتی تھی وہ تلاوت میں نہ ہوتی تھی مگر اب حالت بدل گئی ہے۔ تلاوت کی لذت و حلاوت دیگر اذکار سے کہیں بڑھ کر معلوم ہوتی ہے۔"

کلام اللہ شریف کے الفاظ اس کے معانی اس کے نقوش سبھی دل لبھانے والے ہیں۔ اس کے نقوش کے دیکھنے سے بھی دل میں نور اور ایک سرور پیدا ہوتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں کہ ان کے کلام کی تلاوت عظمت کے ساتھ نصیب ہو۔"

مکتوب۴۔ عرض ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے سلسلے میں اس زمانہ میں بڑی کوتاہی اور غفلت ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف الفاظ قرآنی کی تلاوت بلا فہم معانی کچھ سودمند اور نفع بخش نہیں ہے۔ حضرت والا نے ان دنوں بڑے شد و مد سے اس نظریہ کی تردید فرمائی اور تلاوت قرآن کے برکات اور اس کے منافع کو واضح فرمایا۔ حضرت والا کے ارشادات سے یہ بات اچھی طرح منکشف ہو گئی کہ قرآن پاک کی تلاوت ہی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا۔ بار بار کی تلاوت ہی سے الفاظ قرآنی محفوظ رہ سکیں گے اور اسی کے تکرار سے معانی

کا بھی انکشاف ہوگا۔ جیسا کہ علامہ بیضاوی نے اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ الآیہ کے تحت اس کی تصریح کی ہے۔ جب قرآن بار بار پڑھا جائے گا تو اس سے فہم معانی کا بھی داعیہ پیدا ہوگا۔ صرف الفاظ قرآن کو بیکار سمجھنا ایک بڑی گمراہی ہے۔ تلاوت ایک الگ شئے ہے اور معانی و مطالب کا سمجھنا الگ بات ہے معانی و مطالب کا سمجھنا تو صرف ان لوگوں کا کام ہے جو اس کے اہل ہوں باقی عام لوگوں کے لئے تو یہی تلاوت الفاظ قرآن ہی وصول الی اللہ اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ یہی حَبْلُ اللہ ہے جو بندوں کو اللہ تک پہونچانے کے لئے دنیا میں اُتاری گئی ہے جس کو جو کچھ ملا ہے، کلام اللہ کی تلاوت ہی سے ملا ہے اس لئے ہم خواہ معانی سمجھیں یا نہ سمجھیں ہم کو تلاوت کلام پاک ہی سے قرب حق ہوگا اس لئے ہم کو اس کا معمول بنانا چاہئے پھر دیکھیں یہ کلام الٰہی دل پر کیسا کچھ اثر ڈالتا ہے جب انسان کے کلام کی تاثیر مسلّم ہے تو کلام الٰہی میں کیسا کچھ اثر ہوگا۔

(حکایت) ایک مریض کو دیکھنے کے لئے بوعلی سینا بلایا گیا۔ وہاں ایک بزرگ تھے جو اس مریض کو دم کر رہے تھے بوعلی سینا نے کہا کہ اس پھونکنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ تو مادہ فاسد ہے جب تک اس کا اخراج نہ ہوگا فائدہ نہ ہوگا۔ اثنائے کلام میں ان بزرگ نے کچھ ایسی بات قصداً کہدی جس سے بوعلی سینا کو غصہ آگیا۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں غصہ سے سُرخ ہوگئیں۔ اس پر ان بزرگ نے فرمایا کہ "میں نے تم کو مارا نہیں صرف ایک بات کہی ہے جس سے تم پر ایسا اثر ہوا کہ چہرہ اور آنکھیں سُرخ ہوگئیں مخلوق کا کلام تو موثر ہو اور خالق کے کلام میں اثر نہ ہوگا" یہ سنکر بوعلی سینا لاجواب ہوگیا اور چپ ہی رہ گیا۔

حضرت والا بات سمجھ میں واضح طور پر آگئی۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سیہ کار کو بھی تلاوت کی توفیق بخشیں اور اس کے برکات سے نوازیں۔

مکتوب ۵ ۔ محبوب کا کلام بھی محبوب ہوتا ہے۔ بمضمون آیۂ کریمہ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ۔ اللہ عزوجل ہی مؤمن کے نزدیک بدرجہ غایت محبوب ہوتے ہیں اور فطرتاً محبوب کے بار بار ذکر کرنے سے دل اس کی محبت سے لبریز ہو جاتا ہے اور یہی ذکر، روز افزوں ازدیاد محبت کا سبب بھی ہوتا رہتا ہے جو محبت کا اصلی مقصود ہے اور اسی محبت پر نعمائے الٰہیہ مبنی ہوتی ہیں۔ مُحب دوران ذکر میں کسی اجر و ثواب کا طلبگار نہیں ہوتا بلکہ غلبہ محبت اس کا سبب ہوتا ہے اور محبت ہی مطلوب بھی ہوتی ہے ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ۔۔۔ ھو المسک ما کررتہ یتضوع

حضرت والا تلاوت قرآن کے کمال عظمت اور کثیر المنفعۃ اور بدرجہ غایت اہم ہونے کے بارے میں جس دل نشین پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں وہ دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ذات اقدس جل سلطانہ کا یہ خصوصی فضل وکرم ہے کہ اس نے حضرت والا کے واسطہ سے ہم جیسے خواب غفلت میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو صرف چونکا ہی نہیں دیا بلکہ مکمل طور پر بیدار فرمادیا۔ کاش دوسرے علماء دین بھی اس اہم مسئلہ کی طرف سے غفلت نہ برتتے۔ بلکہ مسلمانوں کو قرآن پاک کی تلاوت کی اہمیت کی جانب متوجہ فرماتے رہتے۔ تو آج مسلمانوں کی دینی حالت اس قدر پست نہ ہوئی ہوتی بلکہ کہیں زیادہ بہتر ہوتی۔

الغرض محب (مومن) کی نگاہ میں اللہ عزوجل اور اس کی باتوں سے زیادہ پرکشش اور محبوب کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی اور نہ ہونی چاہئے۔ اس لئے جملہ اوراد و وظائف پر تلاوت قرآن پاک کو خصوصی شرف حاصل ہے۔

مکتوب ۲۶۔ عرض یہ ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم ایک عرصہ سے تلاوت کلام اللہ کی اہمیت مختلف عنوانات سے بیان فرما رہے اور اسکی طرف نہایت شد و مد سے رغبت دلا رہے ہیں جس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن پاک کی تلاوت بغیر فہم معانی کے بھی قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ بلکہ قرب کے جتنے مراتب ہیں بدون تلاوت کلام اللہ کے حاصل ہو ہی نہیں سکتے مگر بشرطیکہ اعتقاد و عظمت کے ساتھ دل سے تلاوت کی جائے۔ اس لئے کہ اعتقاد خود بھی کمال ہے اور بہت سے کمالات کا موجب ہے۔ قرآن سے اعتقاد یہ خود اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ اور تلاوت اگر دل سے کیجائے تو اسی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اور تمام مراتب قرب حاصل ہوں گے۔ اہل اللہ نے اسی سے قرب خداوندی حاصل کیا ہے اور یہ قرب ایک وجدانی شئے ہے جو مدرک بالوجدان ہوتی ہے جیسے بھوک اور پیاس وجدان سے مدرک ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ کلام اللہ کی تلاوت عظمت و اعتقاد کیساتھ کرتے رہتے ہیں تو بتدریج ان کو کیفیت وجدانیہ حاصل ہوتی جاتی ہے اور تلاوت کی حلاوت اور لذت بڑھتی جاتی ہے محبت اور ذوق و شوق زیادہ ہوتا جاتا ہے اور اس تلاوت کی بالکل وہی تاثیر ہوتی ہے جیسا کسی نے کہا ہے "چونے کی سی کالکری جب چھڑکوں تب آگ"

یہ تلاوت محبت سے ناشی ہوتی ہے اور محبت کی موجب بھی ہوتی ہے اور مومن کی تلاوت ایمان سے ناشی ہوتی ہے اور ایمان کی مورث بنتی ہے۔

اب تلاوت سے جو یہ کیفیات نہیں حاصل ہوتیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تحصیل کمالات کے بارے میں ہمارا اعتقاد ہی قرآن پاک کے ساتھ درست نہیں ہے۔ عامۃ الناس کا یہ حال ہے کہ جو اوراد و اشغال صوفیاء کرام نے مقرر فرمادیئے ہیں ان میں جتنا قرب و نفع سمجھتے ہیں اتنا قرب

و نفع کلام اللہ میں نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے جتنا اہتمام اور دوسرے اذکار کا کرتے ہیں اتنا تلاوت کا نہیں کرتے یا بس سرسری کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جب تلاوت کی ہی نہیں جائے گی یا اگر کیجائے تو اس بداعتقادی کے ساتھ۔ تو وہ سرسری تلاوت موجب کیفیات اور مثمر برکات کیا بن سکتی ہے؟ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے نہایت غضب و سخط کا ہی موجب بنے گی۔

ہمارا کام بس یہیں سے بگڑا ہے کہ جو چیز تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھی اس کو تو چھوڑ دیا اور دوسری چیزوں میں لپٹ گئے۔ اس میں اذکار مسنونہ کا انکار نہیں ہے کیونکہ وہ تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں بلکہ حضرت نے یہ سمجھانا چاہا ہے کہ فرق مراتب بہت ضروری ہے جو چیز جس درجہ کی ہے اس کے ساتھ جب تک اسی درجہ کا اعتقاد نہ کیا جاوے گا اس وقت تک اس سے نفع اس درجہ کا نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اذکار سے جو قرب ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ قرب تلاوت قرآن سے ہوتا ہے اور دیگر اذکار سے کہیں بڑھ کر اور الطف کیفیت تلاوت سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ سب چیزیں بتدریج حاصل ہوتی ہیں ایک دو دن میں نہیں حاصل ہوتیں۔ جب کچھ دنوں تک برابر عقیدت و عظمت کے ساتھ دل سے تلاوت کی جائے گی تب کہیں جا کر یہ ثمرات مرتب ہوں گے۔ اور تلاوت کا صحیح ذوق پیدا ہوگا۔ بے شک ہماری تلاوت محض رسمی ہے اور قرب خداوندی تلاوت حقیقی سے حاصل ہوتا ہے۔ تو پھر ہم کو قرب الٰہی کیسے حاصل ہو۔ رسمی اور حقیقی تلاوت میں بون بعید ہے اسی کو حضرت والا نے فرمایا کہ ؎ ع

"زرسم تا بحقیقت ہزار فرسنگ است"

تلاوت کا جو طریقہ حضرت والا نے تعلیم فرمایا ہے کہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے قرآن پاک کی عظمت کا استحضار کیا جائے۔ اور استغفار اور تجدید ایمان اور اس بات کی تصدیق کر لیا کرے کہ یا اللہ یہ کلام آپ کا ہے اور برحق ہے اس پر ہمارا ایمان ہے اسمیں جو کچھ ہے سب حق ہے اور یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کی معرفت اور تلاوت با اخلاص عطا فرمائیے۔ اور اس کے مطابق ہماری زندگی بنا دیجئے اور اس کے جملہ اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کی توفیق دیجئے۔ اور اس کے ثمرات و برکات سے نواز دیجئے۔

الحمد للہ اسی طریقہ سے تلاوت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بصد عجز و نیاز یہ درخواست ہے کہ حضرت والا دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں میری دعاؤں کو قبول فرما دیں اور تلاوت و ذکر کے برکات و ثمرات سے نوازیں اور قرآن کے

ذریعہ ہم کو اپنے خالق و مالک سے صحیح نسبت حاصل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ہماری طرف متوجہ ہو اور تلاوت کلام اللہ سے صحیح ذوق نصیب ہو۔ والسلام مع الاکرام ۔یکے از خدام عفی عنہ،

طالبین کے اس قسم کے خطوط کثرت سے حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں آئے جن سے معلوم ہوا کہ اب قرآن پاک سے صحیح تعلق و رابطہ پیدا ہوا۔ اور قرآن پاک کی برکت سے راستہ کھلا۔ اور اللہ تعالیٰ سے قرب محسوس ہوا۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم نہایت تعجب اور درد و دلسوزی سے برابر فرمایا کرتے ہیں کہ خدا کا کلام موجود اور گمراہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے رشتہ منقطع کر لیا گیا ہے اس لئے گمراہ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر راستہ مسدود فرما دیا ہے۔ دین کیا ملے گا دنیوی فلاح کھو چکے ہیں ہیں۔ اگر آج مسلمان عظمت و احترام سے تلاوت کریں اور عمل کریں تو اب بھی اللہ تعالیٰ نظر عنایت مبذول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو۔ اور پھر سارا عالم ہی منور ہو جائے۔ کیا خوب کسی نے یہ شعر کہا ہے ؎

نبی بھی نور اور قرآں ملا نور　　　نہ ہو پھر ملکے کیوں نورٌ علیٰ نور

پس ناظرین سے بصد الحاح و زاری عرض ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولینا دامت برکاتہم کو صحت و عافیت عطا فرمائیں اور تادیر اس چشمۂ فیض کو جاری رکھیں اور ہم کو حسن عقیدت اور کامل محبت و مناسبت عطا فرمائیں کہ آپ کے فیوض سے مستفیض اور آپ کے افادات سے مستفید ہوں۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ وَاَتْمِمْ عَلَیْنَا نِعْمَتَکَ وَاَسْبِغْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلِکَ وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ۔ اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

احقر الخدام

قمر الزماں عفی عنہ

رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ ۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تلاوت قرآن

نعمتہائے الٰہی در بارۂ ایں بندۂ ضعیف بے شمار اند۔ واجل آنہا توفیق فہم قرآن عظیم است ومنن حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بر کمترین امتیاں بسیار اند۔ واعظم آنہا تبلیغ[عسہ] فرقان کریم ست۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن را تلقین فرمود بقرن اول تا ایشاں بقرن ثانی رسانیدند وہکذا وہکذا تا آنکہ ایں درماندہ را نیز از روایت ودرایت آں حصہ رسید۔

کلام اللہ کی تلاوت کے فضائل احادیث وآثار میں کثرت سے وارد ہیں جن کا استیعاب تو نہایت ہی دشوار امر ہے تاہم ارادہ ہے کہ کچھ روایات وآثار جو تلاوت کلام اللہ کے متعلق ہیں پیش کروں۔ اور علمائے کرام کی مصنفات سے تلاوت کے آداب اور ان حضرات کے معمولات کو لکھوں تاکہ معلوم ہو کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین کو کلام اللہ سے کس قدر شغف تھا اور ان حضرات کو تلاوت کا کتنا اہتمام تھا۔ پھر اپنے حال کو آپ دیکھیں کہ ہم میں اور سلف رحمہم اللہ میں کتنا فرق ہو گیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

قبل ازیں کہ روایات وآثار پیش کروں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس تلاوت کی فضیلت نصوص میں اکثر آئی ہے وہ، وہ تلاوت ہے جو ایمان وتصدیق کے ساتھ ہو، تعظیم وتوقیر کے ساتھ ہو، اور یہ سب قلب کی صفات ہیں۔ جب تک قلب میں تصدیق وتوقیر نہ ہوگی، محض ظاہری تعظیم وتکریم کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص قرآن پاک کو چوم لے، آنکھوں سے لگائے، اس کو حریر ودیباج اور ریشمی کپڑوں کے جزدانوں میں رکھے اور کبھی دل چاہا تو جی خوش کرنے کے لئے زبان سے تلاوت بھی کرے محض اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے دل میں بھی اس کی تصدیق وتعظیم موجود ہے۔ ایسا تو بہت

عسہ یہ مضمون چونکہ کلام اللہ سے متعلق ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا افتتاح حجۃ اللہ مولینا شاہ ولی اللہ مفسر ومحدث دہلوی رح کے کلام سے کروں چنانچہ الفوز الکبیر میں انھوں نے جو خطبہ لکھا ہے بہت پسند آیا برکت کیلئے اسی کو اپنی اس تالیف میں خطبہ بناتا ہوں ۱۲

عسہ (قولہ تبلیغ فرقان کریم ست) اس سے معلوم ہوا کہ فہم قرآن کی دولت کا ملنا تو خیر بڑی چیز ہے۔ محض تبلیغ قرآن بھی کچھ کم چیز نہیں ہے کیونکہ اسکو بھی اعظم منن فرما رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

ہوتا ہے کہ دل میں ایک بات نہیں ہوتی اور اس کے خلاف ظاہر کیا جاتا ہے۔ قلب میں تعظیم نہیں ہوتی اور اظہار تعظیم کیا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا حال یہی تھا جیسا کہ علامہ جار اللہ زمخشری نے کشاف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ:۔

عن سفیان ادرجوہ فی الدیباج والحریر وحلوہ بالذھب ولم یحلوا حلالہ ولم یحرموا حرامہ۔ (کشاف ص۸۵ ج۱)	حضرت سفیان سے روایت ہے کہ (یہود و نصاریٰ) اپنی کتاب کو حریر و دیباج کے جزدانوں میں رکھا اور اسکو سونے سے مزین کیا۔ مگر نہ تو اسکے حلال کو حلال سمجھا اور نہ اس کے حرام کو حرام جانا۔

نعوذ باللہ کس قدر بد باطن تھے کہ ظاہری عمل تو ایسا کہ اس کو ریشمی جزدانوں میں رکھتے تھے، سونے کے پانی سے لکھواتے تھے اور باطنی عمل یہ کہ بالکل بد اعتقاد ہو گئے تھے نہ اس کے حلال کو حلال سمجھتے تھے اور نہ اس کے محرمات کو حرام سمجھتے تھے۔

اس روایت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ معاملہ عظمت کا کیا جاوے۔ محبت کا برتاؤ کیا جاوے اور دل میں ذرا بھی عظمت و محبت نہ ہو۔

اب ہم لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس کسی طرح تلاوت کر لینا خواہ دل حاضر ہو یا نہ ہو، قلب میں عظمت ہو یا نہ ہو، کافی ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ ہمارے سلف نے عظمت و عقیدت کے ساتھ تلاوت کی تھی۔ تب ان کو اس کے فیوض و برکات اور اس کی وجہ سے ان کو بڑے بڑے درجات نصیب ہوئے تھے۔ اور ایسی ہی تلاوت مطلوب و مامور بہا ہے۔ اب ایسی تلاوت تو کرتے نہیں محض رسمی اور سرسری کرتے ہیں۔ اس پر طرفہ یہ ہے کہ اپنی اس تلاوت کو صحابہ کرام اور اکابر عظام جیسی تلاوت سمجھتے ہیں اور اس پر ان ثمرات و نتائج کے متمنی ہیں جو پہلے لوگوں کو حاصل ہوئے۔

یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے ہر عمل کا یہی حال ہو گیا ہے۔ رسم و تصنع کا استیلاء ہو گیا ہے۔ محض ظاہر داری کو کافی سمجھتے ہیں۔ اہل اللہ کی خدمت میں بھی جاتے ہیں تو اسی ظاہر داری کو اختیار کئے رہتے ہیں اور اس کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ لوگ کچھ سمجھتے بوجھتے نہیں ہماری چاپلوسی اور ظاہر داری سے خوش ہو کر مراتب دینگے حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ جو لوگ واقعی اہل اللہ ہیں۔ ان کو اللہ کی طرف سے کام سپرد ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے فہم و فراست بھی عطا فرماتے ہیں۔ جس سے یہ حضرات سچے جھوٹے اور مخلص و غیر مخلص میں تمیز کرتے ہیں۔ حاطب لیل کی طرح نہیں ہوتے۔ خوب سمجھتے ہیں کہ کون خلوص سے آتا ہے

اور کون محض رسماً آتا جاتا ہے کون اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے آتا ہے اور کون محض ہماری رضا جوئی کرتا ہے۔

مگر اب عجیب حال دیکھتا ہوں کہ اعتقاد میں تیزی سے انحطاط آتا جا رہا ہے اعمال ہو رہے ہیں مگر اعتقاد ندارد، تصدیق کا پتہ نہیں۔ بزرگوں کی خدمت میں بھی آمد و رفت جاری ہے مگر دل میں ذرا انکسار پیدا نہیں کرتے۔ ظاہر میں تو جھکاؤ ہے لیکن باطن میں نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب باطن کو جھکانا نہیں ہے، اس کی اصلاح نہیں کرنی ہے تو پھر آتے ہی کیوں ہیں۔ اس قسم کا ایک آدمی آیا، دوسرا آیا، تیسرا آیا۔ اسی طرح ایسے لوگوں کی ایک جماعت بنجاتی ہے کہ ظاہر سے کہیں ہیں اور باطن سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی اصلاح کی جگہیں فاسد ہو گئیں۔ کوئی کام کا نہیں نکلتا۔ ایسی جگہوں کا فساد یہی ہے کہ جس مقصد کی خاطر یہ جگہیں موضوع ہوئی ہیں وہ مقصد پورا نہ ہو۔

اسی کو کہا کرتا ہوں کہ جب اپنے گھر کو اپنی بد اخلاقیوں کی وجہ سے فاسد کر لیتے ہیں تو اتنے پر صبر نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ گھر کو یا بازار کو فاسد کر دینا کیا کمال ہے۔ کمال تو یہ ہے اصلاح کی جگہوں کو فاسد اور تہس نہس کر دیا جائے تاکہ اصلاح کا کام ہی ختم ہو جائے اور ہم کو فساد کا کامل وبال ملے۔

اگر صدق و خلوص سے کہیں آ دیں جا دیں تو ان کو فائدہ ضرور حاصل ہوگا مگر ظالم ویسے ہی آتے جاتے ہیں۔ ان کو اتنا نہیں معلوم کہ مرید کا اول قدم صدق پر ہونا چاہئے اَوَّلُ قَدَمٍ لِلْمُرِیْدِ فِیْ هٰذِهِ الطَّرِیْقَةِ یَنْبَغِیْ اَنْ یَکُوْنَ عَلَی الصِّدْقِ۔

اور حضرت فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں ؎

در ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید

اور یہ صدق و ارادت آپ کے زبان کی صفت نہیں ہے کہ زبان سے صدق و ارادت کا تکلم ہو جائے بس یہ کافی ہو بلکہ یہ دل کی صفت ہے اور اسی کا فعل ہے دل ہی اصل ہے اور وہی کارفرما ہے۔ دوسرے اعضاء اس کے تابع ہیں۔ جب قلب میں صدق و ارادت، عقیدت و محبت ہوگی جبھی ظاہری اعمال کا بھی اعتبار ہوگا۔ بغیر اس کے عند اللہ اس کا کوئی اعتبار نہیں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ الحدیث

مگر آج کل تو ہم لوگوں نے قلب کو بالکل نسیاً منسیاً کر دیا ہے جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وظیفہ ہی نہیں اور نہ منجانب اللہ کوئی مطالبہ ہے بلکہ مطلق العنان چھوڑے ہوئے ہیں۔ اہل اللہ خون

ع اس قسم کے جملے بطور طنز، طبیع کے حضرت مولانا دامت برکاتہم اکثر فرماتے ہیں (از ناقل ۱۲)

کے آنسو رو رہے ہیں کہ ہائے اہل زمانہ نے دل کو بالکل مہمل و معطل کر رکھا ہے۔ سارا دین زبان اور جسم پر آگیا ہے۔ قلب بالکل خالی ہے اور قلب کو متاثر کرنا تو درکنار سرے سے قلب و باطن کی اصلاح ہی کے منکر ہو گئے ہیں۔

بات یہ ہے کہ بچپن ہی سے دنیوی مشاغل اور لہو و لعب میں قلب کو ایسا مشغول کر دیتے ہیں کہ پھر دوسری چیز کی اس میں گنجائش باقی ہی نہیں رہتی۔ ملکات فاسد کر چکے ہوتے ہیں۔ اپنے قلب و دماغ کو اغیار کے ہاتھوں فروخت کر چکے ہوتے ہیں تو جب دل ہی کھو بیٹھے پھر ان سے اب کس خیر کی توقع کی جائے اور کس حیات کی تمنا کی جائے۔ اب ان لوگوں سے جو کچھ نہ ہو جائے کم ہی ہے۔

سنئے! آپ کہیں چلے جائیے زیارت بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لیجائیے۔ مسجد میں داخل ہو جائیے۔ کسی بزرگ کی خدمت میں حاضری دے لیجئے لیکن جب تک عقیدت و عظمت نہ ہو گی ہرگز ہرگز کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کامیابی کا مدار اخلاص و سچائی پر ہے بغیر اس کے کہیں سالہا سال آیئے جایئے کچھ نفع نہیں ہوگا۔ اب ایسا آنا جانا بہت ہے کہ آمد و رفت بھی رکھتے ہیں جس معلوم ہوتا ہے کہ تعلق ہے جبھی تو محنت برداشت کر رہے ہیں۔ مگر دل ہی میں بداعتقادی چھپائے رکھتے ہیں۔ بہت دنوں کے بعد اس کا اظہار ہوتا ہے جس سے سخت تعجب ہوتا ہے۔

یہ رسم و تصنع و نفاق کا زمانہ ہے۔ ظاہر و باطن میں تخالف کا زمانہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی تعلق و عقیدت ظاہر کر رہا ہو تو دل میں بھی تعلق و عقیدت ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے پاس کچھ لوگ حاضر ہوئے ان میں سے ایک کو حضرت مولاناؒ نے ڈانٹا اور اپنے پاس بیٹھنے نہ دیا اور دوسرے انھیں کے ساتھیوں کو نہایت شفقت و محبت سے بٹھلایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو پاس بیٹھنے نہ دیا تھا وہ راستہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم اس لباس خاص میں ان کے پاس اس لئے جا رہے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ایذا ہو (نعوذ باللہ) دوسرے اصحاب نے کہا نہیں بھائی ہم لوگ تو حضرت مولانا کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ حضرتؒ پر دونوں کی نیت منکشف ہو گئی اور نیت کے مطابق معاملہ فرمایا۔

اس قسم کے واقعات رسالہ قشیریہ میں بھی مذکور ہیں۔ چنانچہ صاحب رسالہ قشیریہ تحریر فرماتے ہیں:-

سمعت الاستاذ ابا علی یقول وصف	میں نے اپنے استاذ ابو علی دقاقؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ
سھل ابن عبد اللہ رجلاً بالولایۃ خبازاً	سھل ابن عبد اللہ نے ایک شخص کے بزرگی کی تعریف کی جو نصرہ

بالبصرة فسمع رجل من اصحاب سهل ابن عبد الله ذلك فاشتاق اليه فخرج الى البصرة فاتى حانوت الخباز فرأه يخبز وقد تنقب لمحاسنه على عادة الخبازين فقال فى نفسه وكان هذا وليا لم يحترق شعرة بغير نقاب ثم انه سلم عليه وسأله شيئا فقال الرجل انك استصغرتني فلا تنتفع بكلامي وابى ان يكلمه۔

رسالہ قشیریہ

میں نانبائی تھے۔ اس تعریف کو سہل ابن عبد اللہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے سنا تو انکی زیارت کا شتاق ہوا چنانچہ ملاقات کے لئے بصرہ پہونچکر ان نانبائی کی دوکان پر گیا تو ان بزرگ کو روٹی پکاتے دیکھا۔ اس حال میں کہ نانبائیوں کی عادت کے مطابق اپنی داڑھی پر کپڑا باندھے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ولی ہوتے تو بغیر نقاب کے بھی ان کا بال نہ جلتا۔ یہ خیال دل میں لانے کے بعد سلام کیا اور کوئی بات دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ تم نے مجھ کو چھوٹا سمجھا اس لئے تم میرے کلام سے منتفع نہیں ہو سکتے اور اس سے کلام کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسرا واقعہ سنئے:-

سمعت الشيخ ابا عبد الرحمن السلمي يقول سمع عبد الرحمن الرازي ابا عثمان الحيري يصف محمد بن الفضل البلخي ويمدحه فاشتاق اليه فخرج الى زيارته فلم يقع لقلبه من محمد ابن الفضل ما اعتقد فرجع الى ابي عثمان وسأله فقال كيف وجدته فقال لم اجده كما ظننت فقال لانك استصغرته وما استصغر احد احدا الا حرم فائدته ارجع اليه بالحرمة فرجع اليه فانتفع بزيارته۔

(رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۶۵)

میں نے شیخ ابو عبد الرحمن سلمی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عبد الرحمن رازی نے ابو عثمان حیری سے سنا کہ محمد ابن فضل بلخی کا وصف بیان فرما رہے ہیں اور انکی تعریف کر رہے ہیں یہ سنکر عبد الرحمن رازی کو محمد بن فضل کی ملاقات کا اشتیاق ہوا چنانچہ انکی زیارت کیلئے گئے لیکن محمد ابن فضل کے متعلق جیسا اعتقاد لیکر گئے تھے اس درجہ کی وقعت ان کے قلب میں نہ ہوئی۔ جب ابو عثمان حیری کے پاس لوٹ کر آئے تو انھوں نے پوچھا کہ تم نے انکو کیسا پایا تو کہا کہ جیسا خیال تھا ویسا نہیں پایا۔ یہ سنکر ابو عثمان نے کہا بات یہ ہے کہ تم نے انکو چھوٹا سمجھا اور نہیں چھوٹا سمجھا کسی نے کسی کو مگر یہ کہ اسکے فائدہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہذا تم پھر انکی خدمت میں حرمت کیساتھ جاؤ۔ (تو دیکھو نفع ہوتا ہے یا نہیں) چنانچہ عبد اللہ لوٹ کر انکی خدمت میں گئے اور انکی زیارت سے منتفع ہوئے۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں برابر تجربات و مشاہدات ہوتے

رہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب خراب ہوگیا ہے جو چیز دل میں نہ ہو اس کے اظہار کرنے میں ذرا باک نہیں ہے۔ اسکی مذمت ہی دل سے رخصت ہو چکی ہے۔ اسی طرح نماز، روزہ ہی کو لے لیجئے جب تک کہ ایمان سے اور اعتقاد سے ادا نہ کیا جائے گا اس وقت تک اس پر اجر و ثواب کیا ملے گا اور فیوض و برکات کیسے حاصل ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ یعنی جو رمضان کے روزے اس طور پر رکھے کہ اس کی فرضیت کی تصدیق کرتا ہو اور اس سے اجر و ثواب کا طالب ہو۔ ریاء، وسمعہ کی نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے پہلے کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

دیکھئے حضورؐ نے مغفرت کے لئے ایمان واحتساب کو شرط قرار دیا یہی حال نماز کا بھی ہے اور یہی حال تلاوت کلام اللہ کا بھی ہے کہ تلاوت کے وقت ایمان لائے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں یعنی ملائکہ۔ اور یہ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں وہی لوگ اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں۔

اور اسی کلام کی عظمت و وقعت کے بیان میں یہ آیت بھی ہے کہ :-

لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ وہ خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

یعنی قرآن فی نفسہ ایسا مؤثر و قوی ہے۔ مگر انسان میں بوجہ غلبۂ شہوت کے قابلیت فاسد ہوگئی جس کے سبب تأثر نہیں ہوتا۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ۵ یعنی ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی۔ سو انھوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کیا۔ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اپنے ذمہ لے لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

یعنی جو بوجھ آسمان زمین اور پہاڑوں سے نہیں اٹھ سکتا تھا اس کو انسان نادان نے اٹھالیا ہ

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

دیکھئے اس سے احکام الٰہیہ اور قرآن پاک کی کیسی عظمت معلوم ہوتی ہے مگر ان سب باتوں کے معلوم کرنے کی فرضیت ہی کب ہے جس حال میں ہیں اس کو کافی سمجھتے ہیں۔ چونکہ لسان سے ایک پارہ یا دو پارہ یا اس سے زیادہ منزل دو منزل پڑھ لینا آسان معلوم ہوتا ہے اور عظمت وجلالت کلام اللہ کے استحضار کے ساتھ تھوڑی مقدار بھی تلاوت کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے اس لئے آسان کو لے لیا اور اعتقاد کرلیا کہ یہی وہ تلاوت ہے جس کو صحابہ وسلف کرتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا ہمارے سلف ایسے تھے کہ محض لسان سے تلاوت کرتے تھے۔ دل میں اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا، دل اس کی عظمت ومحبت وعقیدت سے خالی ہوتا تھا، نہیں یہ حضرات دل سے قرات کرتے تھے۔ ظاہر سے زیادہ باطن کی اصلاح وتعمیر کا اہتمام کرتے تھے۔

یہ اب کے لوگوں کا دین ومذہب ہے کہ ظاہر پر مقصور ہوگیا ہے اور دل کو بالکل مہمل ومعطل کر چھوڑا ہے۔ یہ دین نہ خدا کو پسند ہے اور نہ اس کے رسول کو یہ تو منافقین کا دین ہے کہ ان کے ظاہر وباطن میں مطابقت نہ تھی۔

اہل اللہ نے جتنا قرب اور اللہ تعالیٰ کی رضا تلاوت کلام اللہ سے حاصل کی کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں کی اسی سے ان کو ولایت وبزرگی ملی مگر وہ حضرات محض طرف لسان سے تلاوت نہیں کرتے تھے، دل کو شریک کرتے تھے اور اب کے لوگ اولاً تو تلاوت کلام اللہ کرتے نہیں اور اگر کرتے ہیں تو محض سرسری ولسانی جس کا اثر قلب تک بالکل نہیں پہونچتا۔ اور اعتقاد میں یہ فساد پیدا ہوگیا ہے کہ اس میں ولایت سمجھتے ہی نہیں۔ خود تو دل سے تلاوت کرتے نہیں اور اسکی عظمت و احترام کا استحضار کرتے نہیں۔ پھر جب تلاوت کلام اللہ کے فیوض وبرکات نہیں ملتے۔ تو یہ خیال کرلیتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت سے ولایت وبزرگی مل ہی نہیں سکتی۔

یہ ضلالت نہیں تو اور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو مخلوق پر اس لئے نازل ہی فرمایا ہے کہ اس سے تعلق وقرب حاصل کریں اب اسی کے لوگ معتقد نہ رہیں تو کس قدر موجب سخط و ناراضی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ناراض ہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ناراض ہے تو پھر لاکھ چاہو کہ دوسرے ذرائع سے ولایت حاصل کرلو۔ حاصل نہیں ہوسکتی۔

سنئے! اہل اللہ میں سے جس نے جس قدر کلام اللہ کی طرف توجہ کی اور اس سے ذوق ومناسبت

پیدا کی اور اس کی عظمت و توقیر کا لحاظ کیا اسی درجہ کا احترام و توقیر اللہ تعالیٰ نے اس کی زمین پر نازل فرمائی اور اسی اعتبار سے مخلوق نے اس کی تعظیم و توقیر کی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمان تلاوت نہیں کرتے۔ تلاوت تو کم و بیش ہو رہی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ نمازِ فجر کے بعد چھوٹے بڑے تلاوت کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ لوگ اپنے بچوں کو قرآن پڑھانے کے لئے مکاتیب کا اہتمام کرتے ہیں اس کے اخراجات برداشت کرتے ہیں تو بھلا کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تلاوت کلام اللہ کو چھوڑ دیا ہے۔ تاہم یہ ضرور کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ تلاوت کا سلسلہ جاری ہو اور قلب اس کی عظمت سے دور اور اس کے احترام سے خالی ہو۔

بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ علم ہو اور عمل نہ ہو اور عمل ہو اخلاص نہ ہو اور اہل اللہ کی صحبت نصیب ہو اور ان کا احترام قلب میں نہ ہو۔ چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ:۔

یقول کتب ابوعثمان الحیری الی محمد ابن الفضل یسألہ ما علامۃ الشقاوۃ فقال ثلاثۃ اشیاء یرزق العلم و یحرم العمل، و یرزق العمل و یحرم الاخلاص و یرزق صحبۃ الصلحین ولا یحترم لہ۔	ابوعثمان حیری نے محمد ابن فضل سے لکھ کر یہ سوال کیا کہ شقاوت کی علامت کیا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ تین چیز ہے ایک تو یہ کہ علم دیا جائے اور عمل سے محروم کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ عمل کی توفیق دیا جائے مگر اخلاص سے محروم رکھا جائے اور تیسرے یہ کہ صحبت صالحین میسر ہو مگر ان حضرات کا احترام نہ کرے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ علم کے لئے عمل ضروری نہیں اور عمل ہو تو اس میں اخلاص بھی ہو یہ لازم نہیں۔ اور کسی کی خدمت میں رہے تو وہ مخلص ہی ہو صرف ظاہراً نہ رہتا ہو اس کا اطمینان نہیں اور اب تو ایسا بہت ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں اس نفاق کو ہنر و کمال سمجھا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین کے احوال اسی قسم کے تھے۔ تلاوت بھی کرتے تھے۔ ظاہراً صوم و صلوٰۃ کے بھی پابند تھے حتیٰ کہ جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے مگر دل سے ان سب چیزوں کا انکار و جحود کرتے تھے۔ بے ایمان تھے۔ مسلمان کی تلواروں کے خوف سے اپنے کفر کو پوشیدہ رکھتے اور زبان سے اسلام ظاہر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال و اخلاق کو قرآن میں خوب خوب بیان فرمایا ہے۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں نہایت ذلیل و رسوا ہوگئے اخیر میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ ان پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کئے جاتے تھے ہاں البتہ ان کی جان و مال محفوظ تھے

حاصل کلام یہ کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی عمل کیا جاوے۔ مثلاً تلاوت ہی کیجاوے اور اسکی عظمت قلب میں نہ ہو یا اس سے غفلت ہو اسی کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جب تلاوت کر رہے ہو تو عظمت و احترام کے مراقبہ کے ساتھ تلاوت کرو۔ یہ کیا کہ کر بھی رہے ہو اور دل پر اس کا ذرا اثر نہ ہو اسمیں اخلاص نہ ہو یہ تو بہت ہی بُری بات ہے۔ مومن کی تلاوت ایسی نہیں ہونی چاہئے یہ تو نفاقی تلاوت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی ہے اور اسکی مثال ریحانہ (تلسی) سے دی ہے کہ خوشبو تو اچھی مگر اس کا مزا نہایت ہی تلخ ہوتا ہے۔ اور جو شخص ایمان و تصدیق کے ساتھ تلاوت کرتا ہے اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور رنگ بھی اچھا اور مزہ بھی نہایت لطیف و خوشگوار ہوتا ہے۔ تو پھر ایسی تلاوت کیوں نہ کیجائے جس کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کلام اللہ سے اتنی بے اعتنائی کیوں ہے۔ جس طرح بیت کی نسبت اللہ کی طرف ہونے سے وہ محترم و مکرم ہوگیا اسی طرح کلام اللہ کی نسبت بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ پھر اس کی تعظیم و توقیر کیوں نہیں کی جاتی۔ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ رقمیں صرف کرتے ہیں اس کے ادب و احترام کو فرض جانتے ہیں اس کی جانب پیر کرنے کو اور اس رُخ استنجا کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں تو اسی طرح ا[illegible]ت کی وجہ سے کلام اللہ کا ادب و احترام فرض ہے۔ اس کو سب کلاموں سے اعظم سمجھنا فرض ہے اس لئے کہ رب العالمین و احکم الحاکمین کا کلام ہے اور یہ مقولہ ہے کہ کلامُ الملوکِ ملوکُ الکلام یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ:-

فضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علیٰ خلقہ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی شرف حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر۔ پس وجہ اس بے اعتنائی و بے وقعتی کی میں یہ سمجھتا ہوں کہ چونکہ بچپن سے سب کے ہاتھوں میں قرآن پاک آجاتا ہے اسکی قرأت کرنے لگتے ہیں۔ اور سب کو آسانی سے مل جاتا ہے۔ ہر شخص بسہولت اس کا مالک ہوجاتا ہے تو بجائے اسکے کہ تعلق و مناسبت قرآن سے زیادہ ہو الٹے اس کی قدر و حرمت اذہان و قلوب سے کم ہوجاتی ہے ؎

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا　　زاں کہ بس ارزاں خریدستی مرا

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد　　گوہرے طفلے بقرصِ ناں دہد

حالانکہ لوگوں کو نہیں معلوم کہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جو چیزیں عزیز ترین ہیں اور ان

کی ضرورت عام طور پر پڑا کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ و رأفت کاملہ کے سبب زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مثلاً گھاس، نمک، پانی، ہوا۔ نہ کہ موتی اور یاقوت و زعفران وغیرہ کیونکہ ان کی ضرورت خاص خاص ہی مواقع پر پڑا کرتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عام نہیں فرمایا۔ اسی طرح قرآن پاک جو اعز الکتب ہے۔ کثرت سے پایا جاتا ہے اور دوسری کتابوں سے کم قیمت میں دستیاب بھی ہو جاتا ہے مگر لوگوں کی ذہنیت بالکل بدل گئی ہے کہ کتاب و سنت کے علم سے اس قدر خوش نہیں ہوتے جتنا دوسرے علوم سے۔

(اس مضمون کو ملا علی قاریؒ نے مرقات میں ایک حدیث کی شرح کے تحت بیان فرمایا ہے) اللہ تعالیٰ نے جب قرآن کو عزیز و عظیم بنایا ہے تو سب پر فرض ہے کہ اس کی افضلیت کا اعتقاد کریں اس کے سامنے ہر چیز کو کمتر اور ہیچ سمجھیں۔ قرآن پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اعلیٰ و اعظم معجزہ ہے اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان کے حضور کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ:۔

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ ہم نے آپ کو (ایک بڑی بھاری نعمت یعنی) سات آیتیں دیں جو (نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہیں اور وہ (بوجہ جامع مضامین عظیم ہونے کے اس قابل ہیں کہ اس کے دینے کو یوں کہا جائے کہ) قرآن عظیم دیا (مراد اس سے سورہ فاتحہ ہے جو بوجہ عظیم ہونے کے ام القرآن سے ملقب ہے پس اس نعمت و منعم کی طرف نگاہ رکھئے کہ موجب فرح و سرور ہو ان لوگوں (کفار) کے عناد و خلاف کی طرف التفات نہ کیجئے اور) اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے (نہ تاسفاً نہ غیظاً) جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں (مثلاً یہود و نصاریٰ مجوس و مشرکین) کو برتنے کے لئے دے رکھی ہیں (اور بہت جلد ان سے جدا ہو جائے گی اور ان (کی حالت کفر) پر (کچھ) غم نہ کیجئے اور مسلمانوں پر شفقت کیجئے۔

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شدید الاحتیاط ہو گئے کہ دنیوی نعمتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ آپ کے غناء و توکل کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ آپ کے اصحاب کا یہ حال ہوا کہ سب چیزوں سے منہ موڑ کر قرآن کو اختیار کر لیا اور اپنے شعر و شاعری کو ترک کرکے بس قرآن ہی کے ساتھ مترنم ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت و دولت نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت صاحب روح المعانی نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے کہ:۔

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

عنہ من اوتی القرآن فرأى ان احلاً اوتی من الدنیا افضل مما اوتی فقد صغّر عظیماً وعظّم صغیراً اھ

جو شخص قرآن جیسی عظیم نعمت دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت اسکے قرآن کی نعمت سے افضل دیا گیا ہے تو اسنے شئ عظیم کی تصغیر کی اور چھوٹی چیز کی تعظیم کی۔

ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر ناراضی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کی توقیر کی اسکی تحقیر کر رہا ہے اور جس کی تعظیم کی اس کی توہین کر رہا ہے۔

صاحب روح المعانی نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ خبر مروی تو ضرور ہے مگر یہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے مروی ہے میں اس پر واقف نہیں ہوا۔ اس حدیث کو قاضی ثنا اللہ صاحب پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ ابن عمرو العاصؓ سے روایت کیا ہے۔ اور امام غزالیؒ بھی اس حدیث کو لائے ہیں۔ بہرحال اس روایت کی صحت میں کچھ کلام نہیں ہے۔

ایک اور حدیث سنئے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرآن پاک کے بہت سے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

عن الحارث الاعورؓ قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخبرتہ۔ فقال او قد فعلوھا قلت نعم اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انھا ستکون فتنۃ قلت ما المخرج منھا یا رسول اللہ؟ قال کتاب اللہ۔ فیہ نباء ما قبلکم وخبر ما بعدکم و حکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدیٰ فی غیرہ اضلہ اللہ ھو حبل اللہ المتین وھو الذکر

حضرت حارث اعورؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا گذر مسجد میں ہوا دیکھا کہ لوگ ادھر اُدھر کی بیکار باتوں میں مشغول ہیں یہ منظر دیکھکر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسکی اطلاع کی تو فرمایا کہ کیا واقعی لوگ ایسا کر رہے ہیں میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ لوگو! عنقریب فتنۂ عظیم ہونے والا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت فتنہ سے نجات کا کیا ذریعہ ہوگا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب (اس لئے کہ) اس کے اندر پہلے لوگوں کے احوال کا ذکر ہے اور آئندہ ہونے والے امور کی خبریں ہیں وہ تمہارے آپس کے اختلاف کا حل و فیصلہ ہے۔ وہ حق و باطل کے درمیان فاصل ہے وہ کوئی ہزل (مذاق) نہیں ہے (بلکہ وہ سب حق ہے) جو جابر اسکو چھوڑیگا اللہ تعالیٰ اسکو ہلاک کرینگے اور جو شخص ہدایت کو قرآن

الحکیم وھو الصراط المستقیم ھو الذی لا یزیغ بہ الاھواء ولا تلتبس بہ الالسنۃ ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ ھو الذی لم تنتہ الجن اذا سمعتہ حتی قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فامنا بہ من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم

(مشکوٰۃ شریف)

کے غیر میں تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو گمراہ کر دیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مستحکم رسی ہے، اور ذکر حکیم ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔ اور ایسی چیز ہے کہ اہواء اسکی موافقت کی وجہ سے حق سے علٰحدہ نہیں ہوتیں اور (اسکی قرأت میں) زبانوں کو دشواری نہیں ہوتی۔ اور علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی۔ اور یہ قرآن کثرت تکرار سے پرانا نہیں ہوتا (کہ پڑھنے یا سننے سے جی اکتانے لگے) اور اسکے عجائبات بھی ختم ہونیوالے نہیں ہیں۔ یہی وہ کلام ہے جسکو سنکر جن بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی ہدایت کرتا ہے سو ہم تو اسپر ایمان لے آئے اور جس نے قرآن کیواسطے سے کوئی بات کہی تو سچی بات کہی اور جس نے اسپر عمل کیا وہ ماجور ہوا اور جس نے اس کے ذریعہ کوئی فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اسکی جانب مخلوق کو دعوت دی وہ لوگ سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کئے گئے۔

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے کیا کیا اوصاف بیان کئے ہیں۔ آپ سے زیادہ کون بیان ہی کر سکتا ہے۔ آپ پر نازل ہوا ہے۔ آپ سے زیادہ اس کے اوصاف وعلوم ومعارف کو کون سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا ہی حدیث کو ملاحظہ فرمایئے کہ کوئی قرآن کی تعریف ان الفاظ میں کر سکتا ہے؟ ہمارے اسلاف نے اس کو ایسا ہی سمجھا اور اس کی قدر ومنزلت کی جس کے صلہ میں ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی معزز ومکرم فرمایا۔ آج ہم نے اسلاف کا یہ سبق بھلا دیا اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے۔ اور ان لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل وخوار ہو گئے۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں یہ حدیث آئی ہے کہ:۔

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین (مشکوٰۃ)

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی (قرآن) کے ذریعہ بہت سی قوموں کو رفعت وبلندی بخشیں گے اور کتنی قوموں کو اسی کی وجہ سے پست فرما دیں گے۔

اس کے تحت صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ :-

(بھذا لکتاب) ای بالایمان به وتعظیم شانه والعمل به والمراد بالکتاب القرآن البالغ فی الشرف وظھور البرھان (اقواما) ای درجة جماعة کثیرة فی الدنیا والآخرة بان یحییھم حیاة طیبة فی الدنیا ویجعلھم من الذین انعم الله علیھم فی العقبیٰ (ویضع به آخرین) ای الذین کانوا ذلك عن مراتب الکاملین الی اسفل السافلین قال تعالیٰ (یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِهٖ کَثِیْرًا) فھوماء للمحبوبین ودماء للمحجوبین وقال عزوجل وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ وقال الطیبی فمن قرأہٗ وعمل به مخلصا رفعه الله ومن قرأہٗ مرائیا غیر عامل به وضعه الله۔

(مرقات صفحہ ج ۲)

(اس کتاب کے ذریعہ) یعنی اسپر ایمان لانے اسکی تعظیم وتکریم کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنیکی وجہ سے۔ اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے جو شرف وکرامت اور ظہور برہان کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے۔ (اقوام کو رفعت بخشیں گے) یعنی کثیر جماعت کو اسکی وجہ سے دین ودنیا میں درجات عطا فرمائیں گے۔ اس طرح کہ دنیا میں ان کو حیات طیبہ عطا فرمادیں گے اور آخرت میں ان حضرات کے زمرہ میں شامل فرمادینگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ اور جو لوگ ایسے نہ ہوں گے ان کو کاملین کے مراتب سے اتار کر اسفل سافلین میں گرادیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ اس کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے الغرض یہ قرآن محبوبوں کے لئے تو (میٹھا) پانی ہے (کہ اس سے سیرابی حاصل کرتے ہیں) اور مجوبوں کے لئے خون ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن میں ایسی چیز نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء ورحمت ہے اور ناانصافوں کو اس سے الٹا نقصان بڑھتا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اسکو پڑھا اور اسپر اخلاص کے ساتھ عمل کیا اللہ تعالیٰ اسکو رفعت بخشیں گے اور جو شخص ریاکاری کے لئے تلاوت کرے گا اور عمل نہ کریگا اس کو پست فرمادیں گے۔

دیکھئے اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی دونوں ہی صفت ہے۔ جیسے اس پر ایمان لانے اور اس کی تعظیم وتکریم کرنے اور اس کی تلاوت کرنے سے عزت ورفعت ملتی ہے۔ ویسے ہی یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان نہ لانے اسکی تعظیم وتوقیر نہ کرنے اور اس کی تلاوت نہ کرنے سے ذلت وپستی بھی ملتی ہے۔ چنانچہ آج ہم لوگ جو ذلیل وخوار ہیں۔ دنیا میں ساقط الاعتبار ہیں اس کی وجہ اغیار نہیں ہیں بلکہ اس کے سبب خود ہم لوگ ہیں کہ ہم نے کتاب اللہ سے تعلق کو قطع کردیا۔ اس کی تعظیم و

توقیری، اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے استغناء وبے اعتنائی برتی توکلام اللہ بھی ناراض ہوگیا۔ اس نے اپنے فیوض و برکات سے محروم کردیا۔ ہمارے اس استغناء کی نحوست کی وجہ سے ذلت و رسوائی نازل ہوئی۔

سنئے! قرآن کے نبذ و ترک، کا یہ دنیا میں انجام بد ہے اس سے بڑھ کر عذاب و نکال آخرت میں ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:۔

عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القراٰن یتأکل بہ الناس جاء یوم القیامۃ وجہہ عظم لیس علیہ لحم۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن کو اس لئے پڑھا کہ لوگوں سے اس کے ذریعہ تاکل کرے (یعنی ذریعہ معاش بنائے) قیامت کے دن اس حال میں آویگا کہ اسکا چہرہ ہڈی ہی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔

اس کی وجہ صاحب مرقاۃ نے بہت عمدہ بیان فرمائی ہے۔ سنئے فرماتے ہیں کہ:۔

لما جعل اشرف الاشیاء واعظم الاعضاء وسیلۃ الی ادناھا وذریعۃ اردئھا جاء یوم القیامۃ فی اقبح صورۃ واسوء حالۃ

جبکہ اس شخص نے اشرف الاشیاء (یعنی قرآن پاک) اور اعلیٰ ترین عضو (یعنی چہرہ) کو ادنیٰ اور انتہائی ردی شے کی تحصیل کا ذریعہ بنایا تو قیامت میں وہ نہایت قبیح صورت اور بدترین حالت میں آئے گا۔

قال بعض العلماء استجرار الجیفۃ بالمعازف اھون من استجرارھا بالمصاحف وفی الاخبار من طلب بالعلم المال کان کمن مسح اسفل مداسہ ونعلہ بمحاسنہ لینظفہ (مرقات جلد ۲ ص ۶۲۵)

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مردار کا کھینچنا آلات لہو ولعب سے آہون ہے اس سے کہ اسکو مصاحف سے کھینچا جاوے (یعنی دنیا کو گا بجا کر حاصل کرنا اتنا برا نہیں ہے جتنا قرآن پاک کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا جائے) اور اخبار میں ہے کہ جس شخص نے علم کے ذریعہ مال کمایا اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی اپنے جوتے کے تلے کو صاف کرنے کے لئے اپنی داڑھی سے پونچھے۔

ان احادیث سے قرآن عظیم کا مرتبہ کتنا اعلیٰ معلوم ہوتا ہے کہ جس کو بھی دارین میں عزت و رفعت ملتی ہے اسی قرآن کے ذریعہ ملتی ہے اور جس کو بھی دارین میں ذلت و پستی ملتی ہے اسی قرآن کے ترک سے ملتی ہے (جیسا کہ کفار کو ملی) چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی شکایت ان الفاظ میں فرماویں گے۔

یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۔ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ نیز ایسے لوگوں سے قرآن بھی محاجہ کرے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من قرأ فی لیلۃ مائۃ اٰیۃٍ لم یحاجہ القراٰن۔ یعنی جو شخص رات میں سَو آیت پڑھ لیگا تو اس سے قرآن محاجہ نہ کرے گا۔ اس کے تحت صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں کہ دل علی لزوم قرأتہ علیٰ کل احد و ان لم یقرأ خاصمہ یعنی اس حدیث نے اس بات پر دلالت کی کہ ہر شخص پر اس قدر قرأت لازم ہے ورنہ اس سے قرآن مخاصمہ و محاجہ کریگا۔

یہ کس قدر ڈرنے کی بات ہے کہ بعض صورتیں ایسی بھی قیامت میں پیش آئیں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک بجائے شفاعت کے محاجہ کریں گے۔ پھر بتلایئے اس وقت نجات کی کیا صورت ہو گی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ کتاب اللہ کے فضائل سے کتب احادیث پُر ہیں۔ شارحین نے ان احادیث کی خوب خوب شرحیں کی ہیں اور عجب عجب مطالب بیان فرمائے ہیں کہ اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو قرآن کی عظمت قلب میں پیوست ہو جائے مگر عوام تو عوام علماء کے اذہان و قلوب ان مضامین سے خالی ہیں۔ اور جب علم ہی نہیں پھر "تا بہ عمل چہ رسد" اور جب علماء ہی اس سے عاری ہیں۔ پس تا بہ عوام چہ رسد۔

اب علماء کو قرآن پاک کے مضامین سے ذوق نہیں رہا۔ اور نہ ان مضامین سے ان کو حظ باقی رہا۔ الا ماشاء اللہ۔ یہ حضرات خود تلاوت میں تقصیر کرتے ہیں اور دوسرے اعمال میں جنہیں ان کو حظ ہے بہت ہی شوق سے امتثال کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کلام اللہ کی تلاوت کیجئے اور مسلمانوں کو اس کی ترغیب دیجئے جس سے مسلمانوں کا تعلق کلام اللہ سے پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت حاصل ہو تو اس کے لئے ہرگز ہرگز آمادہ نہیں ہوتے۔

بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی اس کو پُرانی کتاب سمجھ لیا ہے۔ اس کے مضامین کو دیرینہ خیال کر لیا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ پہلے لوگوں نے جو کچھ اس کے متعلق کہا یا کتابوں میں لکھ دیا وہ کافی ہے۔ اب ہم کو ان مضامین کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم کو بس ایسی نئی نئی باتیں بیان کرنی چاہیئے جس سے لوگ واہ واہ کریں اور بس جب یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو قرآن پاک کے مضامین میں مزید تدبّر و تفکر کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔

اب بھی اگر اصولی اور بنیادی باتیں بیان کی جائیں اور مسلمانوں کے سامنے اصلی دین پیش

کیا جائے اور کتاب وسنت کو واضح طور پر احوال زمانہ کے مطابق پیش کیا جائے تو اب بھی مسلمان کتنے ہی گئے گذرے سہی ان باتوں کو مانیں گے اور عمل کریں گے اس لئے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے۔ جب کتاب وسنت کی بات آتی ہے تو ضرور ایمان میں حرکت پیدا ہوتی ہے مسلمان اس کی طرف اقبال کرتے ہیں، اس کو قبول کرتے ہیں۔ مگر کوتاہی وقصور یہیں لوگوں کا ہے کہ صحیح طور پر دین پہونچایا نہیں جارہا ہے۔ مثلاً تلاوت کلام اللہ ہی ہے اس کے فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں اگر ان کو پیش کیا جائے کہ تمھارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشاد ہیں، دیکھو اس میں تلاوت کی کتنی فضیلت اور اس کی طرف کتنی ترغیب ہے اور کس کس طرح تحضیض فرمائی ہے اور اس کے چھوڑنے پر کتنی تہدید فرمائی ہے اور کس قدر وعیدوں کا ذکر فرمایا ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان ایسا بھی ہوگا جس کے دل پر اثر نہ ہوگا؟ کیا اس کو تلاوت کی طرف رغبت نہ ہوگی اور ترک کی صورت میں اس کو خوف نہ ہوگا؟ اگر نہ ہو تو وہ مسلمان ہی کیا ہے وہ تو خالص منافق ہے۔ اور یہ بیان نہ کرنے ہی کا کرشمہ ہے کہ عام طور پر اذہان میں یہ خیال راسخ ہوگیا ہے کہ اشغال واوراد مروجہ کا اللہ تعالیٰ سے نسبت اور ولایت کی تحصیل میں جو درجہ ہے وہ تلاوت قرآن کا نہیں ہے۔

اسی طرح نوافل کی اہمیت فرائض سے کہیں زیادہ سمجھتے ہیں۔ یوں فرض فرض زبان سے کہتے تو ہیں مگر ان کے حال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اعتقاد ہی نہیں ہے کہ فرائض سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں تصریح ہے کہ سب سے زیادہ قرب اللہ تعالیٰ کا فرائض کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تلاوت کلام اللہ کی نسبت بھی اکابر کی تصریح ہے کہ سب اذکار سے بڑھ کر تلاوت کلام اللہ ہے۔

چنانچہ منجملہ ملفوظات حضرت خواجہ بابا فرید گنج رحؒ کے (جن کو سلطان نظام الدین اولیاءؒ نے جمع فرمایا ہے) یہ کہ کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کیا کریں۔ اور اس کا نتیجہ کل طاعتوں سے بڑھ کر ہے۔

دیکھئے یہ بابا فرید شکر گنجؒ کا تو ملفوظ ہی ہے جس کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے نقل فرمایا ہے پھر حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنے رسالہ میں درج فرمایا تو اس مضمون پر تین بزرگوں کا اتفاق ہوگیا۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کی عبادات میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے۔ پس جب فرائض اور تلاوت قرآن کی افضلیت پر نص وارد ہے اور اہل اللہ کا بھی یہی دستور رہا ہے کہ فرائض وتلاوت کلام اللہ کی طرف ترغیب دیتے آئے ہیں تو پھر آپ کون ہوتے ہیں کہ ان کے درجے کو کم سمجھیں

اور دوسرے اشغال و وظائف کو عظیم سمجھیں اللہ تعالیٰ نے جس کو جو درجہ عطا فرمایا ہے اسکو ویسا ہی اعتقاد کرنا چاہیئے اور مراتب میں اسی اعتبار سے فرق کرنا چاہیئے۔ فرائض کا مرتبہ نوافل سے زیادہ سمجھنا چاہیئے۔ اس میں قرب زیادہ محسوس کرنا چاہیئے۔ اس کے اثرات کو نفل کے اثرات سے بالاتر یقین کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ فریضہ ہی اصل ہے۔ نوافل تو تکمیل فرائض کے لئے مشروع ہوئی ہیں۔ فرع کو اصل کا درجہ دینا یا اس سے افضل سمجھنا کس قدر خلاف عقل اور ضلالت کی بات ہے اور اللہ تعالےٰ کی کتنی ناراضی کی چیز ہے۔

اسی طرح تلاوت کلام اللہ کو بھی سمجھئے کہ جملہ اذکار سے یہ افضل ہے۔ قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دوسرے اذکار اس سے ادنیٰ و کمتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت سے جتنی خوشی ہوتی ہے دوسرے کلام سے نہیں۔ یہ سب آپ کو اعتقاد کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ یہ سب نصوص میں وارد ہیں ؏ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

آج کل اعتقاد میں فساد آگیا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اعمال میں اتنا بگاڑ نہیں آیا ہے جتنا اعتقاد میں بگاڑ ہو گیا ہے۔ چنانچہ بطور رسم سب اعمال کچھ نہ کچھ جاری ہیں مگر ان کے احوال سے اندازہ لگتا ہے کہ اعتقادات چوپٹ ہو گئے ہیں۔

اسی کو دیکھ لیجئے۔ اب بھی لوگ اہل اللہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی باطنی دولت ہے جو سینہ بسینہ چلی آرہی ہیں۔ اسی کو حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں مگر جب ان سے بتلایا جاتا ہے کہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ شریعت کی پابندی ہے یعنی نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، تلاوت کلام اللہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو تسلیم نہیں کرتے۔ سمجھتے ہیں کہ اصل طریقہ ہم سے چھپایا جارہا ہے۔ اس طرح بدظن ہو جاتے ہیں۔

آپ لوگ خود بتلائیے کہ یہ بد اعتقادی ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو فرض کیا۔ اور سب سے زیادہ اس میں قرب رکھا اور تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کے خلاف سمجھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ آج کل جو محرومی ہے اس کی واحد وجہ یہی بد اعتقادی ہے فرائض کے فیوض و برکات سے تو اس طرح محروم رہے کہ اس کے فیوض و برکات کے معتقد ہی نہیں اور نوافل سے اس طرح کہ اتنی فرصت ہی نہیں کہ نوافل میں مشغول ہوں۔ اگر نوافل پڑھیں بھی تو ایسی سخت بد اعتقادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو کب گوارا ہوگا کہ اپنے خاص انعامات سے نوازیں۔ یہ ایک اہم مغالطہ ہے جس میں عوام و خواص سبھی مبتلا ہیں اس لئے میں نے اس پر ذرا تفصیل سے کلام کیا ہے۔ امید ہے کہ نفع ہوگا۔ انشاء اللہ۔

ذکر اللہ کی فضیلت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے بلکہ اس کی کثرت سے تاکید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم پر شرائع اسلام کثیر ہو گئے ہیں کوئی ایسی چیز بتلایئے جس کو مضبوطی سے پکڑ لوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا لا یزال لسانك رطباً من ذکر الله (رواہ ترمذی وابن ماجہ) یعنی تمہاری زبان ہمیشہ ذکر اللہ سے تر رہنی چاہیئے۔

سادات صوفیہ نے اس کو سلوک و تسلیک کے لئے اختیار کیا ہے اور اس کے منافع و نتائج بھی مرتب ہوئے ہیں اور ذاکرین کو نسبت مع اللہ حاصل ہوئی ہے تو اس کا کوئی شخص کیسے انکار کر سکتا ہے۔

پس ذکر اللہ ضرور کرنا چاہئے اس میں خاصہ ہے توجہ کے ایک مرکز پر مجتمع ہو جانے کا اور اس کا یہ موضوع ہے اس لئے مبتدی کو یہ بتلایا جاتا ہے۔ جب توجہ ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتی ہے پھر یہی ذکر مسنون کرایا جاتا ہے کیونکہ ہر ذکر کا ایک خاص اثر ہوتا ہے وہ سب بھی حاصل ہوں اور قرآن پاک کی تلاوت بھی کریں اس لئے کہ کلام پاک تمام اثرات کا حاوی و جامع ہے وہ بھی آہستہ آہستہ حاصل کرتے ہیں اور قرآن پاک سے مناسبت بڑھتی ہے۔ چونکہ قرآن میں مختلف الفاظ اور مختلف مضامین پر گذر ہوتا ہے اس کی وجہ یکسوئی جلدی نہیں معلوم ہوتی۔ تشتت رہتا ہے اور توجہ ایک مرکز پر مجتمع نہیں ہوتی اس لئے ابتداء میں ذکر کی کثرت بتلائی جاتی ہے۔ اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس کا بھی (تلاوت قرآن کا) اثر ہوتا ہے اور کیفیت ملتی ہے اور ایسی لطیف ہوتی ہے کہ ابتداء میں محسوس نہیں ہوتی۔ جب آدمی تلاوت برابر کرتا رہتا ہے تو مناسبت بڑھتی رہتی ہے اور کچھ دنوں کے بعد نفع محسوس بھی ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تلاوت سے ابتداءً نفع نہیں ہوتا۔ ہوتا ابتداءً ہی سے ہے مگر احساس عرصہ کے بعد ہوتا ہے۔

اب رہا یہ کہ جو قاضی ثناء اللہ صاحبؒ اور حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا ہے اس کا مطلب بیان کرتا ہوں۔ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ ارشاد الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں:

"نفس کو فنا کرنے سے پہلے کثرتِ نوافل اور تلاوت قرآن سے قربِ الٰہی میں ترقی نہیں ہوتی"
(تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین ص۱۰۹)

اور مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ:-

ان الصوفی لا یجد برکات القرآن الا بعد فناء نفسه وتطهره من الرذائل واما قبل الفنا فقراءة القرآن له دخل فی عمل الابرار وبعد فناء

یقیناً صوفی قرآن کے برکات کو حاصل ہی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کا نفس رذائل سے پاک و صاف ہو کر فنا نہ ہو جائے۔ اور قبل فنا تو قرأت قرآن اعمال ابرار میں سے ہے۔ اور فنائے نفس اور اس کے اثر دعین کے زوال کے بعد

النفس وزوالها وعينها واثرها فمراتب القرب الى الله سبحانه منوط بتلاوة القرآن۔	قرب الی اللہ کے تمام مراتب تلاوت قرآن ہی سے مربوط و الستہ ہیں۔

(تفسیر مظہری صـ۱۸۳ ج ۲)

تو ان حضرات کا مطلب یہ ہے کہ نفس جب تک فنا نہیں ہوتا اور اس کے اثرات زائل نہیں ہوئے ہوتے اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے مانع بنا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ و بندے کے درمیان حجاب رہتا ہے جب یہ حجاب مرتفع ہوتا ہے تو قرب کے خاص خاص مراتب حاصل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو قرب فنائے نفس پر موقوف ہے وہ اس سے پہلے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب نفس کو فنا کیا جا گا جبھی وہ قرب حاصل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نوافل و قرآن کی قرأت کا فنائے نفس سے پہلے کوئی نفع ہی نہیں بلکہ اس سے نفع ہوتا ہے۔ ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ خود مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فنائے نفس سے پہلے کی قرأت عمل ابرار میں داخل ہے تو کیا یہ کم مرتبہ ہے؟

اور میں کہتا ہوں کہ قرأت قرآن کا نفس کے فنا میں دخل عظیم ہے۔ اگر تلاوت قاعدے سے کیجاوے تو اسی سے نفس بھی فنا ہو جائے گا پھر اسی قرأت سے مراتب قرب بھی حاصل ہوں گے۔ آخر ذکر تو اسی لئے بتلایا جاتا ہے کہ فنائے نفس حاصل ہو پھر ذکر سے بھی تو فوراً ہی فنا حاصل نہیں ہوتا بلکہ عرصہ تک کرتے رہنے سے نفس مرتا ہے اسی طرح تلاوت سے بھی کچھ دنوں کے بعد فنا حاصل ہوگا اور جیسے ذکر میں کوئی مدت و مقدار مقرر نہیں طالب کی استعداد پر ہے جیسی استعداد ہوگی اتنے ہی مدت لگے گی۔ یہی حال تلاوت کا بھی ہے کہ اگر استعداد قوی ہے تو فنائے نفس جلدی اور اگر ضعیف ہے تو دیر میں حاصل ہوگا۔

اور یہ بھی صوفیہ فرماتے ہیں کہ فقط ذکر اللہ سے نفس فنا نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی تجلّی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ کلام سے بڑھ کر کس چیز میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہوں گی۔ جب اوراد اذکار میں نفس کے فنا کر دینے کی استعداد ہے تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے بدرجہ اولیٰ فنائے نفس حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جملہ اذکار سے زیادہ قوت و تاثیر رکھی ہے۔ پس ذکر کی طرف جتنی توجہ کرنے سے فنا حاصل ہوتا ہے اتنی ہی بلکہ اس سے کم ہی تلاوت کی طرف توجہ کیجاوے تو ضرور فنائے نفس حاصل ہوگا۔

اور دیکھئے مجدد صاحبؒ نے کتنی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ مراتب قرب تلاوت پر منوط ہیں

یہی میں بھی کہہ رہا ہوں۔ یہ تو میرے مقصود کے بالکل مطابق ہے کہ جو مرتبہ بھی ملتا ہے وہ تلاوت قرآن ہی سے ملتا ہے۔ جس درجہ کی تلاوت ویسا ہی قرب و مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اگر تلاوت فناء نفس سے پہلے ہے تو یہ منجملہ اعمال ابرار کے ہے۔ اور اگر فنائے نفس کے بعد ہے تو مقربین کے اعمال سے ہے۔ واللہ اعلم

پس اگر یہ کہا جائے کہ مبتدیوں کو اس سے نفع نہیں ہوتا تو کوئی تلاوت کرے گا ہی نہیں اور انتہا تک شاید ہی کسی کی رسائی ہو۔ یہاں تک کہ موت آجائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس حالت میں وفات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ذرا ذوق و حظ حاصل نہ ہوگا۔ اور اس حال میں اپنے پروردگار سے ملاقی ہوگا کہ دل میں کلام اللہ سے ذرا تعلق و مناسبت نہ رکھے گا۔ بس یہ کتنا بڑا حرمان ہوگا۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مصلح و مرشد کو چاہیئے کہ بار بار اس سے یہ کہتا رہے کہ تلاوت دل سے کرو محض سرسری اور لسانی مت کرو۔ سرسری تلاوت پر جو وعیدیں ہیں اس کو سناتا رہے۔ اور اس سے احتراز کا امر کرتا رہے تو ضرور نفع ہوگا اور کیوں نہ ہوگا۔ قرآن کسی خاص طبقہ کے لئے تو نازل نہیں ہوا ہے۔ امت میں تو ہر قسم کے لوگ ہیں، جوان بچہ بوڑھے بھی، مبتدی بھی متوسط اور منتہی بھی۔ تو پھر کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تالی کی استعداد کے مطابق فائدہ ہوگا۔ مبتدی کو اس کی استعداد کے مطابق اور منتہی و متوسط کو ان کی استعداد کے موافق۔ مگر فائدہ سب کو ہوگا۔ پس سب لوگ تلاوت کے مکلف ہیں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔

اور وہ قصہ جس کو مرقاۃ میں ملا علی قاری نے ذکر کلمہ طیبہ کی فضیلت ثابت کرنے کیلئے نقل فرمایا ہے کہ :-

ان السید علی بن میمون المغربی لما تصرف فی الشیخ علوان الحموی وھو کان مفتیاً مدرساً فنھاہ عن الکل واشغله بالذکر فطعن الجھال فیه بانه اضل شیخ الاسلام ومنعه عن نفع الانام ثم بلغ السید انه یقرأ القرآن احیاناً فمنعه منه فقال الناس انه زندیق یمنع من تلاوۃ القرآن

سید علی ابن میمون مغربی نے جب شیخ علوان حموی میں تصرف فرمایا جو کہ مفتی اور مدرس تھے تو ان کو افتاء و تدریس کے تمام کاموں سے منع فرمایا اور ذکر اللہ میں مشغول فرما دیا تو جہلائے سید علی ابن میمون کے بارے میں زبانِ طعن دراز کی۔ اور کہنے لگے کہ انھوں نے تو شیخ الاسلام کو گمراہ کر دیا اور مخلوق کو جو نفع ان سے ہو رہا تھا اس کو روک دیا۔ پھر سید علی ابن میمون کو یہ بات معلوم ہوئی کہ شیخ علوان حموی کبھی کبھی تلاوت قرآن کر لیتے ہیں تو اس سے بھی منع فرما دیا۔ تب ان کے

الذی ھو قطب الایمان و غوث الایقان لکن طاوعه المرید الی ان حصل له المزید و انجلت مرآۃ قلبه و حصل مشاھدۃ ربه فأذن له فی قراءۃ القرآن فلما فتح المصحف فتح علیه الفتوحات الازلیة والابدیة وظهر له کنوز المعارف و العوارف فقال السید انما کنت امنعك عن القرآن و انما کنت امنعك عن لقلقة اللسان والغفلة عما فیه من البیان فی ھذا الشان۔ واللہ المستعان

(مرقات
ص ۱۳ ج ۳)

متعلق لوگ کہنے لگے کہ یہ تو زندیق ہے کہ تلاوت قرآن سے بھی جو کہ ایمان کا قطب اور ایقان کا غوث ہے منع کرتا ہے۔ لیکن مرید (یعنی شیخ علوان) نے (بلا خوف لومۃ لائم) اپنے شیخ کی اطاعت کی یہانتک کہ انکو بہت سی نئی چیزیں حاصل ہوئیں اور ان کے قلب کا آئینہ روشن ہوگیا اور اپنے رب کا مشاہدہ حاصل ہوگیا اسوقت انکو شیخ نے قرأت قرآن کی اجازت مرحمت فرمائی پھر انھوں نے جب قرآن پاک کو کھولا تو فتوحات ازلیہ وابدیہ منکشف و مفتوح ہوئے اور انکے لئے معارف وعوارف کے خزانے ظاہر ہوئے۔ اسکے بعد سید علی ابن میمونؒ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو قرآن پاک کی تلاوت سے نہیں منع کرتا تھا۔ بلکہ زبان کے لقلقہ سے منع کرتا تھا اور اس شان (لقلقہ لسان اور تلاوت مع غفلت) میں جو وعیدیں آئی ہیں ان سے غفلت کو منع کرتا تھا۔ واللہ المستعان

تو اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ:-

سید علی ابن میمونؒ شیخ کامل تھے ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ ان عالم کے حال کے مناسب شیخ نے یہی سمجھا ہو کہ ان کو کچھ دنوں کے لئے قرأت سے روک دیا جائے۔ جب ذکر اللہ کرکے کچھ نسبت مع اللہ اور توجہ الی اللہ ہو جائے اس کے بعد تلاوت کا امر کیا جاوے لہٰذا ایک خاص طریقہ ایک مخصوص شخص کے ساتھ تھا جو قاعدہ کلیہ نہیں بن سکتا۔ بلکہ یہ خصوص واقعۃ لا عموم لہا کے قبیل سے ہے۔

پس عام طور پر یہی کہا جائے گا کہ ذکر اللہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کرو اور جی لگا کر کرو، دل پر اثر لے کر کرو، اس سے قلب میں صفائی بھی ہوگی، جلا و نور بھی حاصل ہوگا، مگر کچھ دنوں تک مداومت سے کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ چند دن کیا پھر چھوڑ دیا۔ اس سے نفع نہیں ہوتا یہ غلط طریقہ ہے۔ اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ لوگ چند یوم ایک کام کرتے ہیں پھر اسکو ترک کر دیتے ہیں۔ مواظبت نہیں کرتے تو بھائی اس سے نفع نہیں ہوگا۔ لوگ دنیوی امور و علوم کی تحصیل کے لئے مدتوں مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ہم سے کامیابی کے لئے دعا بھی کرانے آتے ہیں

ہیں۔ اس لئے رقمیں صرف کرتے ہیں تب کہیں جاکر کامیابی ہوتی ہے اور سند ملتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا قرب اور ان کی رضا اور جنت ہی کیوں اتنی سستی ہو گئی کہ چند دن عمل کیا وہ بھی دل سے نہیں بلکہ رسماً کیا اور سب درجات عالیہ کے متمنی اور منتظر ہو گئے۔ یہ کب قرین قیاس و انصاف ہے۔

حاصل کلام یہ کہ تلاوت کلام اللہ سے قلب کی صفائی ہوتی ہے بلکہ بہ نسبت اوراذکار کے جلد ہی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب کی صفائی کے لئے موت کے یاد رکھنے اور تلاوت قرآن ہی کو فرمایا ہے اور کسی چیز کو نہیں فرمایا۔ چنانچہ

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھٰذا القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء۔ قیل یا رسول اللہ وما جلاءھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ پھر اسکی صفائی کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا۔ اور قرآن کی تلاوت کرنا۔

دیکھئے یہ صریح حدیث ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ تلاوت کلام اللہ کرو اسی سے جلاء قلب حاصل ہو جائے گا تو ہرگز نہ مانیں گے۔ یہ صریح ضلالت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ علماء کو بلاتے ہیں ان سے وعظ کہلاتے ہیں۔ مگر تعلیمات کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اور اعمال میں روح نہیں رہ گئی ہے اسی طرح اس کا بھی رسم سے زیادہ درجہ نہیں ہے بلکہ اگر کہدیا جائے کہ اس کا منشاء نام ونمود وحظ نفس ہے۔ تو مضائقہ نہیں۔ اور یہ کہنا برمحل ہوگا۔

تلاوت مع التصدیق والتوقیر کا طریقہ

میں نے شروع ہی میں یہ بیان کیا ہے کہ تلاوت مع التصدیق والتعظیم مطلوب اور مامور بہا ہے اسی تلاوت کی فضیلت کثرت سے احادیث میں وارد ہے اب اس طرح تلاوت کرنے کا طریقہ بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب تلاوت کا ارادہ کرے اور قرآن لیکر بیٹھے تو یہ مراقبہ کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کسی مخلوق کا کلام نہیں۔ یا کسی شاعر کا دیوان نہیں۔ اسی طرح خوب اپنے دل میں کلام اللہ

کی عظمت کا استحضار کرے اور اس پر ایمان و تصدیق کو بار بار دل میں لاوے۔ جب خوب اعتقاد و تصدیق ہو جائے تو تلاوت شروع کرے۔ یہ تلاوت ایمان سے ناشی ہوگی اور اس کا تعلق قلب سے ہوگا۔ یہ تلاوت ایمانی و قلبی ہوگی۔ لسانی و رسمی نہ ہوگی اور جب تلاوت ایمان و اعتقاد سے ہوگی تو چونکہ اعتقاد و ایمان خود کمال ہے اور جملہ کمالات کا موجب بھی تو اسی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت اور تمام مراتب قرب حاصل ہو جائیں گے اور یہ قرب ایک وجدانی شئے ہے جو مدرک بالوجدان ہوتی ہے جیسے بھوک و پیاس۔ جو لوگ اعتقاد سے تلاوت کرتے رہتے ہیں بتدریج ان کو کیفیت وجدانیہ حاصل ہوتی جاتی ہے اور تلاوت کی حلاوت و لذت بڑھتی جاتی ہے۔ محبت و ذوق بڑھتا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قوی ہوتا جاتا ہے۔ مگر شرط وہی ہے کہ کلام اللہ کی تعظیم کے ساتھ تلاوت کیجائے اعتقاد سے کی جائے ادب و احترام کے ساتھ کیجائے۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے کہ

فالقاری عند البدایۃ بتلاوۃ القرآن ینبغی ان یحضر فی قلبہ عظمۃ المتکلم و یعلم ان ما یقرأہ لیس من کلام البشر وان فی تلاوۃ کلام اللہ عزوجل غایۃ الخطر فانہ تعالیٰ قال لا یمسہ الا المطھرون وکما ان ظاھر جلد المصحف وورقہ محروس من ظاھر بشرۃ اللامس الا اذا کان مطھرا فباطن معناہ ایضا بحکم عزہ وجلالہ محجوب عن باطن القلب الا اذا کان مطھرا عن کل رجس مستنیرا بنور التعظیم والتوقیر وکما لا یصلح للمس جلد المصحف کل ید فلا یصلح لتلاوۃ حروفہ کل لسان ولا لنیل معانیہ کل قلب۔

پس قاری کو چاہئے کہ قرآن کی تلاوت کرنے سے پہلے اپنے قلب میں متکلم کی عظمت کا خوب استحضار کرے اور یہ سمجھے کہ جس کلام کی وہ قرأت کرنے جا رہا ہے۔ وہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے اور یہ بھی جانے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت میں نہایت اہمیت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے (کلام اللہ کے بارے میں) ارشاد فرمایا ہے کہ اس کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں اور جس طرح کہ قرآن شریف کی ظاہری جلد اور اس کے ورق کو انسان کے ظاہری جسم سے بچایا گیا ہے مگر جب کہ طاہر ہو۔ اسی طرح اس کے باطن معنی کو بوجہ اس کی عزت اور جلالت شان کے قلب کے باطن سے محجوب رکھا گیا ہے مگر جبکہ وہ قلب ہر نجاست سے پاک اور نور تعظیم و توقیر سے منور ہو۔ اور جس طرح سے کہ جلد قرآن کو چھونے کی ہر ہاتھ صلاحیت نہیں رکھتا ویسے ہی اس کے حروف کی تلاوت کیلئے ہر زبان اہلیت نہیں رکھتی اور اسیطرح ہر قلب اس کے معانی و معارف کو پانے کے لائق نہیں ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے جو تحریر فرمایا آپ نے سمجھ لیا۔ ایک بات امام ہی برکت سے عرض کرتا ہوں کہ امام نے جو یہ تحریر فرمایا کہ ہر ہاتھ اس کو چھونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اسی طرح ہر زبان اس کے حروف کی تلاوت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اور ہر قلب اس کے حقائق کو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔ مگر میں اس کو اس عنوان سے بیان کرتا ہوں کہ ہر ہاتھ اس کو چھونے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر جب کہ باوضو ہو اور اسی طرح ہر زبان اس کے تلاوت کی اہلیت رکھتی ہے مگر جبکہ دل میں ایمان ہو منافقین کی طرح نہیں کہ زبان سے تو تلاوت کرتے تھے مگر دل میں ایمان نہ تھا اسکی تکذیب کرتے تھے۔ ایسی تلاوت کا اعتبار نہیں۔ اور ہر قلب میں اللہ تعالیٰ نے معانی حاصل کرنے کی استعداد رکھی ہے مگر جبکہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ ماسوی اللہ کوئی شئی مطلوب نہ ہو یعنی نیت خالص ہو۔ اسی طرح تلاوت ہی سے قلب میں جو نجاست و پلیدگی ہوگی وہ زائل ہو جائے گی اور پاکی نصیب ہوگی اس لئے کہ ؎

ذکر حق پاک است چوں پاکی رسید　　رخت بر بندد بروں آید پلید
چوں بر آمد نام پاک اندر جہاں　　نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

تلاوت کلام اللہ سے قبل پاکی کا مطالبہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نجس شخص سے کہا جائے کہ پاک ہو کر دریا میں داخل ہو اس سے پہلے نہیں تو جب قرآن پاک قلب کی صفائی اور اسکو ہر نجاست سے پاک کرنے ہی کے لئے نازل ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کیلئے ـــــ تو بغیر تلاوت ہی کے کیسے شفا اور پاکی حاصل ہو سکتی ہے اور اس سے پہلے نجاسات سے پاکی کا اور امراض قلب سے شفا کا مطالبہ کرنا کب مناسب ہو سکتا ہے۔

آگے امام فرماتے ہیں کہ :۔

ولمثل هذا التعظيم كان عكرمة رضـ ابن ابي جهل اذا نشر المصحف غشي عليه ويقول هو كلام ربي هو كلام ربي ـ فتعظيم الكلام تعظيم المتكلم ولن	اور اسی قسم کی تعظیم کی وجہ سے حضرت عکرمہ ابن ابی جہل رضی اللہ عنہ جب قرآن پاک کھولتے تھے تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔ پس کلام کی تعظیم در

تحضرہ عظمۃ المتکلم مالم یتفکر فی صفاتہ وجلالہ و افعالہ۔

(احیاء العلوم ص۲۵۳ ج ۱)

اصل متکلم کی تعظیم ہے (یعنی متکلم کی تعظیم سے کلام میں تعظیم پیدا ہو جاتی ہے) اور متکلم کی تعظیم کا استحضار ہو نہیں سکتا جب تک کہ اسکے صفات اور جلال و افعال میں تفکر نہ کیا جائے۔

ف :- امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ بغیر صفات و افعال میں تفکر کے متکلم کی عظمت کا استحضار نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ تلاوت کلام اللہ بنو ر التعظیم و التوقیر سب مدارج کے حصول و تحصیل کا موجب ہے۔ تفکر کی صفت بھی اسی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔

قرآن پاک کی عظمت اور جلالت کو تقریب فہم کے لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض عارفین کا کلام نقل کیا ہے کہ کلام اللہ کا ہر حرف لوح محفوظ میں جبل قاف سے اعظم ہے۔ اگر تمام ملائکہ جمع ہو کر کسی ایک حرف کو اٹھانا چاہیں تو اٹھانے پر قادر نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ اسرافیل علیہ السلام جو ملک اللوح ہیں آتے ہیں اور آکر اس کو اللہ تعالیٰ کے اذن و رحمت اور انھیں کی قوت و طاقت سے اٹھا لیتے ہیں۔

اس سے قرآن کی کس قدر عظمت معلوم ہوئی کہ اس قرآن کا عالم ملکوت میں یہ درجہ ہے کہ اسکا ہر حرف کوہ قاف سے بھی بڑا ہے۔ یہ ایک محسوس مثال ہے جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کلام اللہ کی عظمت کا قدرے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

عالم ربانی شیخ الاسلام والمسلمین امام محی الدین نوویؒ اپنی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں کہ :-

"فصل فی مسائل و آداب ینبغی للقاری الاعتناء بہا وھی کثیرۃ جداً نذکر منہا اطرافاً فاول مایومر بہ الاخلاص فی قرأتہ ان یرید بہا اللہ سبحانہ وتعالیٰ وان لایقصد بہا توصلاً الیٰ شیئ سوی ذلک۔ وان یتادب مع القرآن ویستحضر فی ذھنہ انہ یناجی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ویتلو کتابہ فیقرأ علی حال من یری اللہ فانہ ان لم یرہ فان اللہ تعالیٰ یراہ

(الاذکار للنووی)

یہ فصل ان مسائل و آداب میں ہے جن کی طرف قاری کو اعتنا کرنا چاہئے اور یہ بہت زیادہ ہیں ان کے بعض کو ہم ذکر کرتے ہیں پس اول شئی جس کا قاری قرآن مامور ہے وہ قرأت میں اخلاص ہے اور یہ کہ اس سے (خالص) اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوئی کسی دوسری شئی کے حاصل کرنیکا قصد نہ کرے۔ اور یہ کہ قرآن پاک کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ کرے اور (قرأت قرآن کے وقت) اس بات کا اپنے ذہن میں استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کتاب کی تلاوت کر رہا ہوں پس قرأت کے وقت ایسا حال پیدا کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ جب یہ حال نہ پیدا ہو تو یہ تو ہو سکتا ہے (کہ سمجھے) کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں

امام غزالیؒ کا کلام بہت ہی خوب تھا مگر علامہ نوویؒ کا مضمون بھی کچھ کم نہیں۔ امام نوویؒ نے یہ فرمایا کہ تلاوت قرآن سے پہلے جس کا تالی مامور ہے وہ قرأت میں اخلاص ہے اور اخلاص یہ ہے کہ قرأت سے اللہ تعالیٰ مقصود ہوں اور اس کے سوا کسی دوسری شئی یعنی اغراض دنیویہ کا قصد نہ کرے اور قرآن کے ساتھ مؤدب ہو اور ذہن میں یہ حاضر کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے اور اسکے کتاب کی تلاوت کر رہا ہے پس حال اس کا یہ ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو وہ نہیں دیکھ رہا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔ یہ احسان کہلاتا ہے۔ صلوٰۃ کے ساتھ احسان کو مختص سمجھا جاتا ہے مگر قرآن شریف کی تلاوت میں بھی امام نے اس کو خوب چسپاں کیا جزاھم اللہ تعالیٰ۔

تقریب فہم کے لئے یہ بات بیان کرتا ہوں کہ حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجلس میں بعض لوگ اس طرح بیٹھتے ہیں کہ ان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی جب ایک مخلوق کی مجلس میں یہ حال ہو سکتا ہے تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ جو لوگ احسان و اخلاص کے ساتھ تلاوت کرتے ہوں گے ان کا کیا حال ہوتا ہوگا۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور علامہ نوویؒ نے کتاب الاذکار اور البیان فی آداب حملۃ القرآن میں اس کے علاوہ اور بہت سے آداب تلاوت بیان فرمائے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کو مستقل طور پر بیان کروں گا۔

اس اتنے بیان سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ علمائے امت کو اعمال میں اخلاص و صدق کا کس قدر اہتمام تھا کہ جس طرح احکام ظاہری کو مفصل بیان فرمایا ہے ویسے ہی آداب باطنی کو بھی تحریر فرمایا ہے تاکہ امت محض ظاہری آداب پر اکتفا نہ کرے اور صرف رسوم ہی تک نہ رہ جائے بلکہ حقیقت اور روح تک پہونچے۔ علمائے آخرت نے ان آداب و مسائل کو بیان کرنے میں بڑی کاوش و جانفشانی کی ہے جس طرح فقہا نے کتاب و سنت سے احکام و مسائل کو مستنبط فرما کر کتب میں مدون فرمایا۔ اور امت پر احسان عظیم فرمایا ورنہ ہم لوگوں کو براہ راست کتاب و سنت سے مسائل معلوم کرنا بڑا ہی دشوار ہوتا اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے ان حضرات نے اس امر کو انجام دیا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

اسی طرح علمائے باطن نے ہر عمل کے آداب باطنی کو بیان فرمایا۔ اور خوب خوب بیان فرمایا چنانچہ امام غزالیؒ نے نماز۔ روزہ کے آداب باطنی بیان فرمائے۔ حج کے آداب باطنی بیان فرمائے اسی طرح تلاوت و دعا کے آداب باطنی بیان فرمائے ہیں اور اسی کا ثمرہ تھا کہ لوگ حقائق سے آشنا تھے۔ آداب باطنی کے عارف تھے۔ اب چونکہ یہ آداب بیان نہیں کئے جاتے اسلئے عام طور پر لوگ جاہل ہو گئے ہیں جانتے ہی نہیں کہ ان ظاہری آداب کے علاوہ قلب سے متعلق بھی آداب ہیں اسی بنا پر اگر کوئی مصلح

اس کی طرف توجہ دلاتا ہے تو مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ رسوم سے نکالکر حقیقت تک پہونچانا چاہتا ہے۔ چونکہ عوام نے رسوم ہی کو دین سمجھ لیا ہے اسلئے انکو ناگوار ہوتا ہے۔ تو ناگوار ہوا کرے اس کی وجہ سے کوئی محقق و مصلح اپنا کام ترک نہ کر دے گا۔ ایسے لوگوں کی تائید اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ایسوں سے جس نے بھی مقابلہ کیا مغلوب ہی ہوا ہے۔ اور اگر ایسے حضرات کو یہ مفسد ختم کرنا چاہیں تو ہرگز قادر نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ ہمیش اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے دین کی خدمت کرتے رہیں گے اور ہر زمانہ میں ناصحین کی ایک جماعت باقی رہیگی جیسا کہ ابداع میں ہے کہ:-

عن الحسن انہ قال لن یزال للہ نصحاء فی الارض من عبادہ یعرضون اعمال العباد علی کتاب اللہ فاذا وافقوہ حمدوا اللہ واذا خالفوہ عرفوا بکتاب اللہ ضلالۃ من ضل وھدی من اھتدیٰ فاولئک خلفاء اللہ

الابداع فی مضار الابتداع ص ۲۳

یعنی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیشہ بندگانِ خدا میں سے زمین میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو کہ نصیحت کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش کرتے رہیں گے جب کتاب اللہ سے ان کے اعمال کے موافق پائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور جب مخالف پائیں گے تو کتاب اللہ کے ذریعہ گمراہوں کی ضلالت کو اور ہدایت پانیوالوں کی ہدایت کو پہچان لیں گے۔ یہی لوگ اللہ کے خلفاء ہوں گے۔

اور بخاری شریف میں یہ حدیث وارد ہے کہ:-

لا یزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لا یضرھم من خذلھم ولا من عاداھم

میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہیگی جن کی دمنجاب اللہ، نصرت ہوگی جو لوگ ان کی نصرت کو ترک کر دیں گے اور ان سے عداوت کریں گے انکو مضر ثابت نہ ہوگی۔

اب سنئے امام غزالیؒ نے نماز کے ہر ہر رکن کے آداب بیان فرمائے ہیں ان میں کے بعض کو نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ:-

"جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو اللہ کی عظمت و جلالت کو اپنے دل میں لاؤ اور سوچو کہ کس ذات جلیل الشان سے مناجات کر رہے ہو اور یہ دیکھو کہ کس کیفیت میں مناجات کر رہے ہو اور اپنے پروردگار سے کیا چیز طلب کر رہے ہو۔ اس وقت چاہئے کہ تمہاری پیشانی پر شرمندگی سے پسینہ آجائے اور تمہارے فرائصؔ ہیبت کی وجہ سے کانپنے لگیں۔ اور تمہارا چہرہ شدت خوف کی وجہ سے زرد پڑ جائے اور جب اللہ اکبر کہو تو اس

ؔ فرائص۔ پستان اور مونڈھے کے درمیان کا گوشت جو خوف کے وقت اچھلنے لگتا ہے۔ ۱۲ (مصباح)

طرح زبان سے کہو کہ قلب اس کی تکذیب نہ کرے یعنی جس طرح زبان سے اللہ تعالیٰ کو بڑا کہہ رہے ہو دل میں بھی یہ حال ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شئی سے بڑا سمجھ رہے ہو اور اگر تمہارے دل میں کوئی شئے اللہ تعالیٰ سے اکبر ہے تو اللہ تعالیٰ شہادت دیتے ہیں کہ تم کاذب ہو۔ اگرچہ یہ کلام یعنی اللہ اکبر صادق ہے جیسا کہ منافقین کے انک لرسول اللہ کہنے میں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاذب ہونے کی شہادت دی ہے۔ (اس لئے کہ یہ قول اگرچہ صحیح ہے مگر اسکے مطابق اعتقاد نہیں رکھتے تھے قلب میں رسول اللہ ہونے کا انکار وجود کرتے تھے۔ اسلئے ان کو کاذب فرمایا گیا۔)

اسی طرح جب اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کہو تو یہ سمجھو کہ وہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور اس گھات میں لگا ہے کہ تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیر دے اور یہ اس لئے کرتا ہے کہ جب تم کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات و سرگوشی کر رہے ہو اور اس کے حضور میں سجدہ کر رہے ہو تو اس کو حسد ہوتا ہے کہ میں اسی ایک سجدے نہ کرنے کی وجہ سے ملعون و مردود ہوگیا۔ (اور سنو) تمہارا استعاذہ اس طور پر ہونا چاہئے کہ شیطان کے مالوفات و محبوبات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو اختیار کرو۔ ورنہ محض زبان سے شیطان سے پناہ مانگنا (اور اسکے مرضی کے مطابق عمل کرنا) ایسا ہی ہے کہ کسی کے پیچھے درندہ ہو جو اس کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر دینا چاہتا ہو اور وہ شخص زبان سے یہ کہے کہ میں تجھ سے بھاگ کر فلاں مضبوط قلعہ میں پناہ لینا چاہتا ہوں اور خود اسی جگہ پر کھڑا رہے تو محض یہ قول اس کو ہرگز نفع نہ دیگا جب تک کہ اپنی جگہ سے علٰحدہ ہو کر قلعہ میں داخل نہ ہو جائے۔

اسی طرح جو شخص اپنی شہوات کا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں اور شیطان کو پسندیدہ ہیں اتباع کرتا ہے تو محض اس کا قول۔ (اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم) کچھ نفع نہ دے گا۔ پس چاہئے کہ اس کے کہنے کے وقت یہ عزم ہو کہ شیطان کے شر سے نکل کر اللہ کے حصن (قلعہ ۱۲) میں پناہ لوں گا اور سنو اللہ تعالیٰ کا حصن کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ ہے اس لئے کہ اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ میرا حصن ہے جو شخص میرے حصن میں داخل ہو جائے گا وہ میرے عذاب سے مامون ہو جا... لگا

اور اس کلمہ کو حصن بنانے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہ ہو۔ اور جس نے اپنی خواہش ہی کو معبود بنالیا تو وہ شیطان کے میدان میں ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کے قلعہ میں۔

اسی طرح رکوع وسجود وقراءت سب کے آداب بیان فرمائے ہیں اگر آپ چاہیں تو احیاء العلوم میں مطالعہ کریں۔ اسی ضمن میں امامؒ نے قرأت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسم بیان فرمائی ہے وھو ھذا

فاما القرأۃ فالناس فیھا ثلثۃ رجل یتحرک لسانہ وقلبہ غافل۔ ورجل یتحرک لسانہ وقلبہ یتبع اللسان فیفھم ویسمع منہ کانہ یسمعہ من غیرہ وھو درجۃ اصحٰب الیمین ۔ ورجل یسبق قلبہ الی المعانی اولاً ثم یخدم اللسان القلب فیترجمہ ففرق بین ان یکون اللسان ترجمان القلب او یکون معلم القلب ۔ والمقربون لسانھم ترجمان یتبع القلب ولا یتبعہ القلب ۔	بہرحال قرأت تو اس میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جسکی زبان تو چل رہی ہے مگر قلب غافل ہے۔ اور ایک وہ ہے کہ اسکی لسان حرکت کرتی ہے اور قلب اسکی اتباع کرتا ہے پس قلب سمجھتا ہے اور اس طرح سنتا ہے جیسے کسی دوسرے سے سنتا ہے اور یہ اصحاب الیمین کا درجہ ہے۔ اور ایک وہ رجل ہے کہ اس کا قلب معانی کی طرف سبقت کرتا ہے پھر زبان قلب کی خادم بنکر قلب کی ترجمانی کرتی ہے تو اس میں کہ لسان قلب کی ترجمان ہو۔ اور یہ کہ لسان قلب کی معلم ہو بہت ہی عظیم فرق ہے۔ اور مقربین کی زبان انکے قلب کی ترجمان اور اس کے تابع ہوتی ہے ایسا نہیں کہ ان کا قلب لسان کے تابع ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کو جو درجات عالیہ ملتے ہیں وہ اسی قرأت سے ملتے ہیں جس کی جس درجہ کی قرأت ہوتی ہے اسی کے موافق اس کا درجہ عنداللہ ہوتا ہے اور اسی درجہ کا قرب اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ مجدد الف ثانی نے ارشاد فرمایا ہے مراتب القرب الی اللہ منوط بتلاوۃ القرآن یعنی قرب کے مراتب کا مدار تلاوت قرآن پر ہے۔

دیکھئے پہلے قسم کے لوگ جو محض لسان سے قرأت کرتے ہیں دل غافل ہوتا ہے ان کی قرأت لایعبأ بہ کے درجہ میں ہے۔ اسی سے ان کو کوئی درجہ نہ ملا۔ بلکہ مومن کی شان سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ ایسی قرأت کرے۔ جس کا دل پر کوئی اثر نہ ہو۔ اور دوسرے قسم کے لوگ جو کہ زبان سے قرأت کرتے ہیں اور دل بھی حاضر رہتا ہے ان کو لسان شرع میں اصحاب الیمین کہا گیا ہے اور اس درجہ سے بڑا درجہ مقربین کا ہے وہ درجہ اس وقت ملتا ہے کہ پہلے قلب معانی کے سمجھنے کی طرف سبقت کرتا ہے پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ زبان قرأت کرنے لگتی ہے اور قلب کی ترجمانی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی قرأت کی توفیق عطا فرمادیں اور زمرۂ مقربین میں داخل فرمادیں۔

ابتدائے کلام میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ آگے احادیث وآثار پیش کریں گے تو اگرچہ ضمناً بہت سی چیزیں

آگئیں تاہم احیاء العلوم اور مشکوٰۃ اور تبیان سے بھی مزید روایات نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن پاک اور حاملین قرآن کی مزید فضیلت معلوم ہو جائے۔ نیز ایسی روایات بھی نقل کیجائیں گی جنہیں (تلاوت میں) تقصیر کرنے والوں کی مذمت وارد ہے۔

الاحادیث الشریفہ فی فضل القرآن واھلہ

یعنی وہ ارشادات نبویہ جو قرآن اور اہل قرآن کی فضیلت میں وارد ہیں۔

(۱) قال صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن ثم رأی ان احدا اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظمہ اللہ تعالیٰ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن کو پڑھا پھر بھی اس نے کسی کے متعلق یہ سمجھا کہ اس سے افضل چیز دیا گیا ہے تو اس نے چھوٹا سمجھا ایسی شئے کو جس کو اللہ تعالیٰ نے معظم بنایا ہے۔

ف:۔ اس سے کس قدر عظمت قرآن پاک کی معلوم ہوئی۔ مگر افسوس دناءت وخساست ان لوگوں کی ہے کہ قرآن پاکر بھی دنیا کی حقیر اشیاء کو افضل سمجھتے ہیں اور اس کی تحصیل میں نہ قرآن پاک کی پروا کرتے ہیں اور نہ اس کے احکام کی۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے فیوض وبرکات سے کچھ حصہ ملا نہیں ہے اور ذرا بھی معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے چونکہ ابتدا ہی سے نیت فاسد ہوتی ہے اور اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہی نہیں۔ اسی لئے ان لوگوں کی بھی نہ کوئی عزت ہے اور نہ قدر ومنزلت۔

(۲) وقال صلی اللہ علیہ وسلم ما من شفیع افضل منزلۃ عند اللہ تعالیٰ من القرآن لا نبی ولا ملک ولا غیرہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن سے افضل از روئے مرتبہ کے کوئی دوسرا شفیع نہیں ہے۔ نہ نبی نہ فرشتہ اور نہ کوئی ان کے علاوہ۔

(احیاء العلوم)

ف:۔ اس حدیث شریف سے بھی قرآن پاک کی انتہائی عظمت وجلالت معلوم ہوئی کہ سب سے بڑا شفیع قرآن پاک ہے اور یہ اس لئے کہ کلام صفت ہے اللہ تعالیٰ کی لہٰذا اس کی شفاعت درحقیقت ارحم الراحمین ہی کی شفاعت ہے اس لئے سب سے بڑھ کر اسی کا مرتبہ ہوگا۔

(۳) وقال صلی اللہ علیہ وسلم افضل عبادۃ امتی تلاوۃ القرآن۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے۔

(احیاء العلوم)

ف:- اور رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ تو وہ تلاوت کلام اللہ کے علاوہ اذکار کے اعتبار سے ہے۔ پس کلام اللہ کے تلاوت کی فضیلت حقیقی ہے اور کلمہ طیبہ کی اضافی

چنانچہ علامہ نووی التبیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ

واعلم ان مذهب الصحيح المختار الذى عليه من يعتمد من العلماء ان قراءة القرآن افضل من التسبيح والتهليل وغيرهما من الاذكار۔ فقد تظاهرت الادلة على ذلك والله اعلم

جان لو کہ مذہب صحیح اور مختار جس پر علماء اعتماد کرتے ہیں یہ ہے کہ قرأت قرآن تسبیح تہلیل اور اس کے علاوہ جملہ اذکار سے افضل ہے اور اس پر دلائل بکثرت وارد ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت پہونچا رہے ہیں

---

(۴) وقال صلى الله عليه وسلم ايضاً ان الله عز وجل قرأ طه ويٰس قبل ان يخلق الخلق بالف عام فلما سمعت الملائكة القرآن قالت طوبىٰ لامة ينزل عليهم هذا وطوبىٰ لاجواف تحمل هذا وطوبىٰ لالسنة تنطق بهذا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے (سورہ) طٰہٰ و یٰسین کی قراءت فرمائی جب فرشتوں نے قرآن سنا تو کہا مبارکباد ہو اس امت کیلئے جس پر یہ کلام نازل ہوگا۔ اور خوشخبری ہے ان زبانوں کے لئے جو اس کے ساتھ ناطق ہوں گی۔

---

(۵) وقال صلى الله عليه وسلم خيركم من تعلم القرآن وعلمه

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کا بہترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھلایا

(۶) عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال يقول الله سبحانه تعالىٰ من شغله القرآن وذكرى عن مسئلتى اعطيته افضل ما اعطى السائلين وفضل كلام الله سبحانه وتعالىٰ على سائر الكلام كفضل الله على خلقه رواه الترمذى وقال حديث حسن

حضرت ابوسعید خدری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن (کی قرأت) اور میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھا تو میں اس کو ایسی چیز دوں گا جو افضل ہوگی اس شی سے جو سائلین کو دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا فضل دوسرے کلام پر ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر فضل ہے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

(۷) وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الذی لیس فی جوفہ شیئ من القرآن کالبیت الخرب

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے قلب میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں ہے وہ مثل ویران گھر کے ہے۔

(مشکوٰۃ)

صاحب مرقات اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ویرانی اس لئے ہے کہ قلوب کی آبادی ایمان اور تلاوت قرآن کی وجہ سے ہوتی ہے اور باطن کی رونق اعتقادات حقہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرنے سے ہوتی ہے اور قلب کا ان امور سے خالی ہونا ظاہر ہے کہ ویرانی و بے رونقی ہے۔

(۸) عن معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ القرآن وعمل بما فیہ البس اللہ والدیہ تاجا یوم القیامہ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا فاظنکم بالذی عمل بھذا

رواہ ابوداؤد)

حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنائیں گے کہ اس کی روشنی اس دار دنیا کے آفتاب سے بہتر ہوگی (جب اس کے والدین کو ایسا تاج اور رتبہ ملیگا) تو تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جس نے قرآن پر عمل کیا (یعنی اسکو کتنا چمکدار تاج پہنایا جائیگا اور کیسا کچھ مرتبہ ملیگا)

(۹) عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرءوا القرآن فان اللہ تعالیٰ لا یعذب قلبا وعی القرآن وان ھذا القرآن مأدبۃ اللہ فمن دخل فیہ فھو آمن۔ ومن احب القرآن فلیبشر۔

(التبیان)

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس قلب کو عذاب نہ دیں گے جس نے قرآن کو محفوظ کرلیا۔ (اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ) یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا خوان ہے جو شخص اس میں داخل ہوا پس وہ مامون ہے اور جس نے قرآن سے محبت کی تو چاہئے کہ بشارت حاصل کرے۔

(۱۰) عن عبد اللہ ابن عمر ابن العاص

حضرت عبد اللہ ابن عمر ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلتک عند آخر آیۃ تقرأھا۔

سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صاحب قرآن سے کہا جائیگا کہ قرآن پڑھتا جا اور پڑھتا جا اور ترتیل کے ساتھ پڑھ جیسا کہ تو ترتیل کے ساتھ دنیا میں پڑھتا تھا۔ اس لئے اور تمہارا مقام وہیں ہے جہاں آخری آیت پڑھ کر فارغ ہوگے۔

قال صاحب المرقاۃ (یقال لصاحب القرآن) ای من یلازمہ بالتلاوۃ والعمل لا من یقرأ وھو یلعنہ (مرقات ج۴ ص۵۰۹)

صاحب مرقاۃ نے فرمایا کہ صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو اسکی تلاوت برابر کرتا ہو اور اس پر عامل ہو نہ وہ شخص جو قرآن کو اس طور پر پڑھتا ہو کہ خود قرآن اس پر لعنت کرتا ہو۔

(۱۱) قال صلی اللہ علیہ وسلم اھل القرآن اھل اللہ وخاصتہ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل قرآن اہل اللہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں۔

(احیاء العلوم)

ف :- دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اہل قرآن اللہ والے اور ان کے خواص ہیں مگر آپ اپنے اعتقاد کا جائزہ لیجئے۔ کیا آپ کا بھی یہی اعتقاد ہے؟ عام طور پر تو ولایت اور بزرگی کا ایک خاص نقشہ اذہان میں راسخ ہو گیا ہے اور ایک خاص قسم کے لوگوں کے ساتھ اس کو مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ علماء و اہل قرآن سے تو ولایت و بزرگی کا دور کا بھی واسطہ نہیں سمجھا جاتا علامہ نووی نے "التبیان" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ

عن الامامین الجلیلین ابی حنیفۃ والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ان لم یکن العلماء اولیاء فلیس للہ ولی۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اگر علماء (عاملین) ہی اولیاء اللہ نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔

(۱۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یجیئ صاحب القرآن یوم القیامۃ فیقول یارب حُلّہ فیلبس تاج الکرامۃ ثم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا پڑھنے والا قیامت کے روز آئیگا تو قرآن یوں کہے گا کہ اے پروردگار اسکو جوڑا پہنا دیجئے پس اسکو عزت کا

یقول یارب زدہ فیلبس حلۃ الکرامۃ ثم یقول یارب ارض عنہ فیرضی عنہ فیقال لہ اقرأ وارق و یزاد بکل آیۃ حسنۃ، ھذا حدیث صحیح (ترمذی، صفحہ ۱۱۵ ج ۲)	تاج پہنا دیا جائے گا۔ پھر کہے گا اے پروردگار اور زیادہ پہنا دیجئے پس اسکو عزت کا جوڑا پہنا دیا جائیگا۔ پھر کہے گا اے پروردگار اس سے خوش ہوجایئے پس اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوجائینگے۔ پھر اس سے کہا جائیگا کہ قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک نیکی بڑھتی جائے گی۔

ف:۔ اس حدیث شریف سے قرآن کی کتنی زبردست شفاعت اپنے قراءت کرنے والے کی معلوم ہوتی ہے۔ (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ یوم القیامۃ)

(۱۳) وقال صلی اللہ علیہ وسلم للہ اشد اذنا الی قاری القرآن من صاحب القنیہ الی قنیتہ۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ البتہ اللہ تعالیٰ قاری قرآن کی طرف کان لگاتے ہیں اس شخص سے بھی زیادہ جو اپنی گانے والی عورت کیطرف کان لگاتا ہے

ف:۔ ہر متکلم کو اپنے کلام کی طرف دوسروں کی رغبت و توجہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جہاد اکبر لوگوں کو سنا رہے ہیں۔ اور سمجھا رہے ہیں تو اس سے بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف توجہ و رغبت کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

(۱۴) قال صلی اللہ علیہ وسلم القرآن ھو الدواء۔	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن دوا ہے۔

(الجامع الصغیر)

فیض القدیر جو الجامع الصغیر کی نہایت عمدہ اور معتبر شرح ہے اس سے اس حدیث کی بقدر ضرورت شرح لکھتا ہوں۔

(القرآن ھو الدواء) ای من الامراض الروحانیۃ کالاعتقادات الفاسدۃ فی الالٰھیات والنبوۃ والمعاد و کالاخلاق المذمومۃ ففیہ اوضح بیان لانواعھا وحث علی اجتنابھا۔	(قرآن دوا ہے) امراض روحانیہ کیلئے، مثلاً الٰہیات و نبوت اور معاد کے بارے میں فاسد اعتقادات اور جیسے اخلاق مذمومہ اور اس قرآن میں امراض روحانیہ کے تمام اقسام کا واضح بیان ہے۔ اور ان سے بچنے پر حث اور تحضیض ہے۔
(ومن الامراض الجسمانیۃ	اسی طرح سے یہ قرآن امراض جسمانیہ (کی بھی دوا)

بالتبرك لقراءة عليها لكن مع الاخلاص وفراغ القلب من الاغيار واقباله على الله بكليته وعدم تناول الحرام وعدم آثام واستيلاء الغفلة على القلب فقراءة من هذا حاله مبرئ الامراض وان اعيت الاطباء ولهذا قال لبعض الائمة متى تخلف اشفاء فهو اما لضعف تاثير الفاعل او لعدم قبول المحل المنفعل . او لمانع قوى يمنع تخلفه ان ينجع فيه الدواء كما تكون فى الادوية الحسية شفاء لما فى الصدور ونزل من القرآن ما هو شفاء ، قال الاكثر من جنسية لا تبعيضية القرآن هو الشفاء التام من جميع الادواء القلبية والبدنية لكن لا يحسن التداوى الا الا الموفقون ولله حكمة بالغة فى اخفاء سر التداوى به عن نفوس اكثر العالمين كما له حكمة بالغة فى اخفاء كنوز الارض عنهم

(فیض القدیر صـ۵۶۳ ج ۴)

ہے ، بایں طور کہ اس کو پڑھ کر کے ان امراض پر دم کر دیا جائے اور اس سے برکت حاصل کی جائے لیکن شرط یہ ہے کہ اخلاص سے ہو یعنی اغیار سے دل خالی کر کے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طور پر توجہ کے ساتھ ہو۔ حرام کا تناول اور معاصی میں ابتلاء اور قلب پر غفلت کا غلبہ نہ ہو جس شخص کا یہ حال ہوگا اس کی قرات جملہ امراض سے شفا بخشنے والی ہے اگرچہ ان امراض کے علاج سے اطباء عاجز ہو چکے ہوں ۔ اسی لئے بعض ماموں نے فرمایا ہے کہ جب کبھی شفا نہ ہو تو اسکی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ فاعل کی تاثیر میں ضعف ہے یا خود تاثیر قبول کرنیوالے میں قبولیت کی صلاحیت مفقود ہے ۔ یا پھر اور کوئی بڑا مانع ہے جسکی وجہ سے دوا اثر نہیں کر رہی ہے جیسا کہ حسی ادویہ میں ہوا کرتا ہے ۔ یہ قرآن سینوں (کے امراض) کیلئے شفا ہے ؛ اور ہم ایسی ایسی آیات نازل کر رہے ہیں جو شفا ہیں ۔! اکثر علما کہتے ہیں کہ اس آیت میں مِن کا لفظ تبعیضیہ نہیں ہے (یعنی یہ بعضیت کے معنیٰ نہیں دیتا) بلکہ جنس کے معنیٰ میں ہے (پس مطلب یہ ہوگا کہ) قرآن تمام امراض قلبیہ وجسمانیہ کیلئے کامل شفا ہے مگر قرآن سے علاج کرنا انھیں لوگوں کو راس آتا ہے جو موفق ہیں ۔ اکثر اہل دنیا سے اس قرآن کے ذریعہ علاج کے راز کو مخفی کر دینے میں اللہ تعالیٰ کی بہت زبردست حکمت ہے جیسا کہ زمین کے خزانوں کو ان سے مخفی رکھنے میں حکمت بالغہ وکاملہ ہے ۔

سبحان اللہ کیا خوب حدیث شریف ہے اور علامہ عبد الرؤف مناوی نے کیسی عمدہ شرح فرمائی کہ قرآن پاک کی تلاوت جملہ امراض قلبیہ وجسمانیہ کے لئے شفاء ہے مگر جبکہ اخلاص سے ہو اغیار سے دل خالی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ ہو۔ اگر آج اس طرح تلاوت کرنے کا اہتمام کیا جاوے تو دیکھئے کامیابی ہوتی ہے یا نہیں ؟ احادیث میں جو وعدے ہیں وہ سب درست ہیں قصور ہمارا ہی ہے۔ ہمارے

ہی اعتقاد و اخلاص میں بہت کمی ہوگئی ہے اس لئے کچھ ملتا نہیں نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔

(۵) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماہر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة والذی یقرأ القرآن ویتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ماہر بالقرآن ہے وہ رسل و ملائکہ کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اسکو پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔

(مشکوٰۃ)

دیکھئے اس حدیث سے قرأت قرآن کی کیسی فضیلت ثابت ہوئی کہ اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کو اس طرح پڑھنا دشوار معلوم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ ایک اجر کے بجائے دو اجر عطا فرماتے ہیں اور جو تجوید کے ساتھ پڑھتا ہے اور اس کے علوم کا عالم ہے اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے وہ تو انبیاء مرسلین و ملائکہ مقربین کی سلک میں منسلک ہوگا۔ اور ان حضرات کے زمرہ میں محشور ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکام الٰہیہ اور آیات قرآنیہ کو مؤمنین تک پہونچایا اسی طرح ماہر بالقرآن بھی کرتا ہے کہ اسمیں مہارت حاصل کرکے اور اسکی تلاوت کرکے دوسروں کو بھی مستفید کرتا ہے۔

ماہر بالقرآن کے متعلق علامہ طیبی وغیرہ سے صاحب مرقات نے بہت عمدہ کلام نقل فرمایا ہے اس کو بعینہ درج کرتا ہوں۔

وقال الطیبی وھوالکامل الحفظ الذی لایتوقف فی القرأة ولایشق علیہ قال الجعبری فی وصف ائمة القرأة کامل المتقن حفظ القرآن وادمن درسہ واحکم تجوید الفاظہ وعلم مبادیہ ومقاطعہ وضبط روایتہ وقراءتہ وفھم وجوہ اعرابہ ولغاتہ ووقف حقیقة اشتقاقہ وتصریفہ ورسخ فی ناسخہ ومنسوخہ واخذ حظا وافرا

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ ماہر اس کو کہتے ہیں جو حفظ میں کامل ہو اور قراءت میں رکتا اور اٹکتا نہ ہو۔ اور نہ یہ اس پر دشوار ہو (یعنی بے تکلف قرأت کرتا ہو) علامہ جعبری ائمہ قرأت کے وصف میں فرماتے ہیں کہ ماہر وہ شخص ہے جس نے حفظ کو نہایت مستحکم کرلیا اور اسکی تلاوت پر مداوم ہو اس کے الفاظ کی تجوید کو خوب درست کئے ہوئے ہو۔ اس کے مبادی و مقاطع کا علم رکھتا ہو (یعنی کہاں سے ابتدا ہو اور کہاں وقف کیا جائے ان سب کو بخوبی جانتا ہو) اسکی قراءت کی روایت سے واقف ہو وجوہ اعراب اور اختلاف لغات کو خوب سمجھتا ہو حقیقت

من تفسيره وتأويله وضمان نقله
عن الرأي وتجافى عن مقائش العربية
وسعته السنة وجلله الوقار وغمره
الحياء وكان عدلاً متيقظاً ورعاً
معرضاً عن الدنيا مقبلاً إلى الآخرة
قريباً من الله فهو الإمام الذي يرجع
إليه ويعول عليه ويقتدي بأقواله
ويهتدي بأفعاله

(مرقاة ص۵۶۲ ج ۲)

(۱۶۲) عن أبي موسى الأشعري عن
النبي صلى الله عليه وسلم قال مثل الذي
يقرأ القرآن كالأترجة طعمها طيب
وريحها طيب. والذي لا يقرأ القرآن
كالتمرة طعمها طيب ولا ريح لها. ومثل
الفاجر (وفي رواية مثل المنافق) الذي
يقرأ القرآن كمثل الريحانة ريحها
طيب وطعمها مر. ومثل الفاجر (وفي
رواية المنافق) الذي لا يقرأ القرآن
كمثل الحنظلة طعمها مر ولا ريح لها
وفي رواية المؤمن الذي يقرأ القرآن
ويعمل به كالأترجة والمؤمن الذي
لا يقرأ القرآن ويعمل به كالتمرة.
رواه الشيخان وأبوداود والترمذي
والنسائي.

اشتقاق اور کلمات کی تصریفات کو جانتا ہو اور اس کے ناسخ و
منسوخ کا بھی خوب علم ہو، نیز آیات قرآنیہ کی تفسیر اور تاویل سے اسکو
حظ وافر حاصل ہو، اسکی نقل رائے سے محفوظ ہو عربیت کے قیاسات
سے بعید ہو اور سنت اسکا احاطہ کئے ہوئے ہو، اور حیا کی چادر اور
وقار کا جھول اسپر پڑا ہوا ہو۔ عادل ہو، متیقظ و بیدار مغز ہو
اور پرہیزگار ہو، دنیا سے اعراض کرنیوالا ہو اور آخرت کیجانب
توجہ کرنیوالا ہو، پس (جو ان صفات سے متصف ہو) وہ ایسا
امام ہے کہ اسکی طرف رجوع اور اسپر اعتماد کیا جاتا ہے اور ایسے ہی
شخص کے اقوال کی اقتدا اور اسکے افعال سے ہدایت حاصل کیجاتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس
شخص کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے مانند نارنگی کے
ہے جسکا مزہ بھی شیریں اور خوشبو بھی عمدہ ہے اور جو قرآن پاک
کی تلاوت نہیں کرتا اسکی مثال تمرہ (چھوہارے) جیسی ہے کہ
اس کا مزہ تو شیریں ہے مگر خوشبو اس میں مطلقاً نہیں۔ اور
اس فاجر کی مثال (اور ایک روایت میں رو سے اس منافق
کی مثال) جو قرآن شریف پڑھتا ہے مانند ریحانہ کے ہے کہ
خوشبو اگرچہ اسمیں ہوتی ہے مگر مزہ نہایت کڑوا ہوتا ہے۔ اور
اس فاجر کی مثال (اور ایک روایت کے اعتبار سے اس منافق کی)
جو قرآن نہیں پڑھتا مانند حنظلہ (اندرائن) کے ہے جسکا مزہ بھی تلخ خوشبو بھی
نہیں ہوتی۔ اور ایک روایت میں (جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے)
کہ وہ مومن جو قرآن کی قراءت کرتا ہے اور اسپر عمل بھی کرتا
ہے (اسکی مثال نارنگی جیسی ہے۔) اور جو مومن قراءت نہیں
کرتا مگر اسکے احکام پر عمل کرتا ہے (تو اسکی مثال تمرہ کی ہے)

(الادب النبوی)

صاحب مرقات نے تحریر فرمایا ہے کہ اترج، و اترجہ، ترنج، و ترنجہ :۔ مشہور پھل ہے (یعنی نارنگی) اور پھلوں میں عرب کے نزدیک یہ سب سے عمدہ پھل ہے اس لئے کہ اس کا ظاہری رنگ بھی نہایت خوشنما یعنی تیز زرد (تسر الناظرین) دیکھنے والوں کو سرور بخشتا ہے (اور یہ جو فرمایا کہ خوشبو بھی نہایت عمدہ اور مزہ بھی نہایت لطیف) تو ابن ملک کہتے ہیں کہ نارنگی کی خوبی اور عمدگی یہ ہے کہ منہ کو خوشبو دار کر دیتی ہے۔ معدہ میں صفائی پیدا کرتی ہے اور قوت ہاضمہ بڑھاتی ہے۔ ان فوائد کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں جو کتب طب میں مذکور ہیں۔

حدیث شریف کی شرح فرمانے کے بعد صاحب مرقاۃ تحریر فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جس مکان میں نارنگی ہوتی ہے وہاں جن کا گذر نہیں ہوتا تو اس سے قاری قرآن کو نارنگی سے تشبیہ دینے کی حکمت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی جس طرح گھر میں نارنگی کے رہنے سے جن اس گھر میں نہیں ٹھہر سکتے اسی طرح جو قرات قرآن کرتا ہے اس کے قریب بھی جن وغیرہ نہیں جا سکتے اور جس گھر میں قرات قرآن ہوتی ہے اس میں بھی جنوں کا داخلہ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کیجاتی ہے وہ گھر اس کے اہل پر وسیع ہو جاتا ہے اور خیر و برکت زیادہ ہو جاتی ہے۔ ملائکہ اس گھر میں داخل ہو جاتے ہیں اور شیاطین نکل جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرات کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے پھلوں سے جو تشبیہ دی ہے وہ نہایت ہی بلیغ ہے ایسی کہ اس سے بہتر تشبیہ نہیں ہو سکتی اور نبی کے علاوہ کوئی ایسی تشبیہ و تمثیل پر قادر ہی نہیں ہو سکتا۔

اب سنئے :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں تلاوت کے اعتبار سے انسانوں کے چار درجے قائم فرمائے ہیں۔

پہلا درجہ تو اس مومن باعمل کا ہے جو تلاوت کلام اللہ کرتا ہے اور اسکی قراوت ظاہر سے بھی ہوتی ہے اور باطن سے بھی۔ یعنی یہ شخص لسان سے تو قراوت کرتا ہی ہے دل سے اس کے مضامین و احکام کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے کلام اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ یہی اسکی باطنی تلاوت ہے اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ مومن کے لئے جس طرح ایک زبان منہ میں ہوتی ہے اسی طرح ایک زبان اس کے قلب میں بھی ہوتی ہے۔ اور اس کی یہ ظاہری لسان اسی قلبی لسان کی ترجمان ہوتی ہے۔ بخلاف منافق کے کہ اس کا قلب زبان پر ہوتا ہے (یعنی اس کے بس زبان ہی زبان

ہوتی ہے دل گویا ہوتا ہی نہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مومن قاری کی تشبیہ نارنگی سے دی ہے جس کا ظاہر بھی خوش رنگ اور خوشبو دار ہوتا ہے اور باطن بھی نہایت خوش ذائقہ۔ گویا اپنے مزے اور رنگ کے اعتبار سے خود کامل ہے اور اپنی خوشبو کا فیض چونکہ دوسروں کو بھی پہونچاتا ہے اس لئے مکمل ہے۔

دوسرا درجہ اس مؤمن عامل کا ہے جو تلاوت کلام اللہ نہیں کرتا تو اس کو حدیث شریف میں تمرہ سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی مزہ تو اس کا شیریں ہے مگر خوشبو اس میں کچھ نہیں۔ تمرہ سے مثال دینے میں اسکی مدح بھی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے ایک نقص کا بھی بیان ہے اس طور پر کہ اگرچہ اس نے اپنے باطن کو قرآن کے احکام پر عمل کر کے آراستہ کر رکھا ہے جس کی وجہ اس کو عمل کی حلاوت اور لذت تو نصیب ہے مگر تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے قرآن شریف کی خوشبو سے وہ محروم ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مؤمن کی تشبیہ تمرہ سے دی کہ باطن کے اعتبار سے تو طیب ہے مگر خوشبو سے جو کہ تلاوت ہی سے ملا کرتی ہے خالی ہے۔

قاری قرآن میں خوشبو کا ہونا اور غیر قاری کا اس سے محروم رہنا بایں وجہ ہے کہ خوشبو تلاوت ہی کا اثر و برکت ہے اور اسی کا ثمرہ و نتیجہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو ثمرہ مخصوص کسی شئے کا ہوتا ہے وہ بدون اس شئے کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ جو برکت جس عمل کی ہوگی ظاہر ہے کہ جب وہ عمل نہ کیا جائیگا تو وہ برکت کیسے نصیب ہوگی؟

جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے جو برکات ہیں وہ ان اعمال کے کرنے ہی سے حاصل ہوں گی اسی طرح تلاوت کے بھی برکات ہیں جو تلاوت کرنے والے ہی کو نصیب ہوتے ہیں اور وہ لوگ محسوس کرتے ہیں اس باب میں انہیں حضرات کا قول معتبر ہے سب کا نہیں۔ مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ۔

غرض جو مؤمن احکام قرآن پر تو عامل ہے مگر اس کی تلاوت کا تارک ہے تو وہ اس اعتبار سے بلاشبہ پہلے درجہ والے سے کم ہے اور اس نقص کی کمی کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے درجہ والا شخص کامل تو ہے ہی مکمل بھی ہے۔ اور دوسرے درجہ والا کامل تو ہے مگر مکمل نہیں اور اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی مشک کا ڈبہ ہو مگر اس پر ڈاٹ خوب مضبوط لگی ہو مہر بند ہو تو وہ خوشبو کی چیز سے تو لبریز ہے مگر منہ کے بند ہونے کی وجہ سے دوسروں کو اس خوشبو نہیں پہونچتی بخلاف اس مومن عامل کے جو کہ قاری قرآن بھی ہے کہ اس کی مثال اس ڈبہ جیسی ہے جو مشک سے بھرا ہو اور منہ بھی اس کا کھلا ہوا ہو جس کی وجہ سے اسکی خوشبو پھوٹتی ہو اور دوسروں

تک پہونچتی ہو. چنانچہ حدیث شریف میں ایسے دو شخصوں کی یہی مثال آئی ہے ہم یہاں وہ حدیث اور اس کی شرح مرقاۃ سے نقل کرتے ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا القرآن فاقرأوہ فان مثل القرآن لمن تعلم فقرأ وقام بہ کمثل جراب محشو مسکاً تفوح ریحہ کل مکان ومثل من تعلمہ فرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکی علی مسک

(مرقات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اسکی تلاوت کرو اس لئے کہ قرآن کی مثال اس شخص کے اعتبار سے جو اس کو سیکھے اور نماز میں اسکو پڑھے اور اس پر عمل کرے ایسی ہے جیسے کوئی مشکیزہ مشک سے پُر ہو جس سے اس کی خوشبو نکل نکل کر تمام جگہ کو معطر کر رہی ہو. اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا تو ہے مگر اپنے سینہ میں لیکر اسکو سو رہا (یعنی اسکی تلاوت دن و رات کے اوقات میں نہ کی) ایسی ہے جیسے مشک سے بھرا تھیلا ہو اور اوپر سے باندھ دیا گیا ہو (ظاہر ہے کہ اسکی خوشبو باہر کیسے پھیل سکتی ہے؟

اس قول کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ :-

من قرأ یصل برکتہ منہ الی بیتہ والی السامعین ویحصل استراحۃ والی حیث یصل صوتہ فھو کجراب مملو من المسک اذا فتح راسہ تصل رائحتہ الی کل مکان حولہ. ومن تعلم القرآن ولم یقرأ لم یصل برکتہ منہ لا الی نفسہ ولا الی غیرہ فیکون کجراب مشدود راسہ فیہ مسک فلا یصل رائحتہ منہ الی احد.

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی قرأت کرتا ہے اسکی برکت قاری سے متجاوز ہو کر اس کے گھر اور سامعین کو پہونچتی ہے اور جہانتک اسکی آواز جاتی ہے اس سے استراحت اور ثواب حاصل ہوتا ہے. پس وہ اس مشکیزہ کے مثل ہے جو کہ مشک سے بھرا ہوا ہو کہ جب اس کا منہ کھولا جاتا ہے تو اس کی خوشبو ارد گرد تمام پہونچتی ہے اور جس نے کہ قرآن سیکھا اور قراءت نہ کی اسکی برکت نہ تو اس کے نفس کو پہونچتی ہے اور نہ ہی اس کے غیر کو. وہ مثل بند مشکیزے کے ہے جسمیں مشک ہو کہ اسکی خوشبو سے کوئی منتفع نہیں ہو پاتا.

(مرقاۃ ص ۵۹۹ ج ۲)

دیکھئے کس قدر وضاحت کے ساتھ ان دونوں کا فرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذہن نشین فرمایا کہ قرآن کو مشک سے تشبیہ دی اور مؤمن کو اس ڈبہ اور مشکیزہ سے جو مشک سے پُر ہو اور اس کی قراءت کو مشک والے مشکیزہ کے منہ کھلنے سے تشبیہ دی. اور یہ بھی

فرمایا کہ تلاوت جو کرے گا تو اس کی برکتیں خود اس کو بھی ملیں گی اور دوسرے بھی اس سے فیضیاب ہوں گے۔ اور اگر نہ کرے گا تو خود بھی خوشبو سے محروم رہے گا اور دوسروں کو بھی محروم رکھے گا۔ اور میں شک نہیں کہ قاری جب تلاوت کرتا ہے تو خود بھی محظوظ ہوتا ہے اور دوسرے سننے والے کو بھی بے خود بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں مست و بیخود بنا دیا کس نے

بلاشبہ کلام اللہ نغمۂ سرمدی ہی ہے اور اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کی وجہ سے اس کا مصداق ہے کہ ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

اور جیسا کہ کسی شاعر نے اپنے ممدوح کے متعلق کہا ہے کہ ؎

کانکم شجر الاترج طاب معاً حملاً و نوراً وطاب العود والورق

یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نارنگی کے درخت ہو جو سراپا اچھا ہی اچھا ہے کہ پھل بھی اس کا خوبصورت کلیاں بھی اس کی بارونق، حتیٰ کہ لکڑی اور پتے بھی اس کے نہایت ہی حسین ہوتے ہیں۔ اسی طرح کلام پاک کے الفاظ، اس کے معانی و نقوش سبھی دل کے لئے جاذب اور لبھانے والے ہیں اس کے نقوش کو دیکھنے ہی سے دل میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

بہرحال مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوا کہ تلاوت کا شریعت میں ایک بڑا رتبہ اور یہ مومن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔

اب میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کی شرح ایک مصری عالم مولانا عبدالعزیز خولیؒ کی کتاب الادب النبوی سے نقل کرتا ہوں تاکہ مزید علم و بصیرت کا موجب ہو۔ وھو ھذا

ولقد مثّل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا الحدیث لاربعۃ اصناف من الناس لھم صلۃ بالقرآن وباعتبارہ کتاباً ینتمون الیہ یؤمنون بہ ولو ایماناً ظاھراً فاولھم شخص او فریق ملاء الایمان قلبہ وفاض علی جوارحہ	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان چار قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق قرآن شریف سے ہے اور جو اس کتاب کو مانتے ہیں اور اسکی وجہ سے اسکی جانب منسوب کئے جاتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر سہی۔ انہیں سے پہلا وہ شخص یا جماعت ہے جس کا قلب ایمان سے لبریز ہو یہانتک کہ اس کا فیضان جوارح

فهو بالله موقن وبرسوله مؤمن وبكتابه مصدق وبدينه عامل جعل لنفسه حظاً من القرآن يتلوه آناء الليل في تهجده ومضجعه او جالساً على فراشه او مكتبه. ويتلوه في ساعات النهار قائماً و قاعداً وراكعاً وساجداً كلما سنحت له فرصة لقرأته انتهزها حتى لا يغفل قلبه عن ذكر الله فتخطفه الشياطين وتضله عن سواء السبيل وليست قرأته من طرف لسانه وشفته وشدقه وحنجرته بل قلبه الذي يقرأ ولبه الذي يردد ولذالك اثمرت الخشية والهداية وانتجت العمل والاستقامة فهذا مثله الرسول صلى الله عليه وسلم بالاترجة ذات الطعم اللذيذ والرائحة الطيبة فان بلوته واختبرته وعاشرته وعاملته لم تجد الا امرأ وفياً براً تقياً يقدس الحق تقديساً ويشناء الباطل مشناءً وان شممته فرائحته طيبة ذكية عبقة تحي القلوب وتنعش النفوس وتزكي العقول وكيف لا يكون كذالك وهي نفحة القرآن ومسكه الذي

پر بھی ہوگیا ہو (یعنی اندر سے باہر بھی آگیا ہو) پس وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، اسکی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور اسکے دین پر عامل ہے اس نے اپنے لئے قرآن شریف سے بھی ایک حصہ مقرر کرلیا ہے جسکو اپنے تہجد میں رات کی ساعات میں تلاوت کرتا ہے۔ یا خوابگاہ میں پڑھا کرتا ہے۔ گھر پر مدرسہ میں بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتا ہے نیز اسکو دن کے اوقات میں بھی کھڑے بیٹھے اور رکوع و سجدہ کی حالت میں غرضکہ جب اس کو موقع ملتا ہے اسکی تلاوت کو غنیمت شمار کرتا ہے تاکہ اس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونے پائے کہ شیاطین اسکو اچک لیں اور سیدھی راہ سے گمراہ کردیں پھر یہ کہ اسکی یہ قرأت محض زبان کے کنارہ اور ہونٹوں اور جبڑوں اور صرف حلق ہی سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا قلب پڑھتا ہے اور اسکی عقل اس کا تکرار کرتی ہے اس لئے وہ خشیت اور ہدایت کی مثمر اور عمل اور استقامت کی منتج (نتیجہ دینے والی) ہوتی ہے یہی وہ قرارت ہے جس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے جو کہ مزہ میں لذیذ اور خوشبو میں نہایت نفیس ہوتی ہے۔ اگر تم اس شخص کو (جو ایسی تلاوت کرتا ہے) آزماؤ اور اس کے ساتھ معاشرت رکھو اور معاملہ کرو تو اس کو ایک مرد وفاشعار نیک و متقی اور حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے والا پاؤ گے اور سونگھو گے تو نہایت عمدہ اور بہترین خوشبو والا پاؤ گے (ایسی خوشبو) جو کہ قلب کو زندہ کردے اور نفوس کو حیات بخشے اور عقول کو ذکی بنادے۔ اور کیوں نہ ہو یہ ہے بھی تو قرآن کریم کی خوشبو اور اس کا وہ مشک جو ایسے شخص کی زبان سے نکلا ہے جو تر اور معطر ہے اور اس کے

انبعث من لسانہ الرطب المعطر وقلبہ الحی المطہر

وثانیھم شخص او فریق بالقرآن مومن وباحکامہ عامل وبارشادہ مھتدٍ وباخلاقہ متخلق ولکن لم یوت القرآن تلاوۃ وحفظا وان اوتیہ تطبیقا وعملا فھو کالتمرۃ حلو الطعم لذیذۃ طیب الخلق جمیلۃ صادق النیۃ حسن الطویۃ اما الرائحۃ فمفقودۃ اذ لم یتطیب بمسک القرآن وان غسل قلبہ بماء السلسبیل و مثلہ فی عملہ الجمیل

ایسے قلب سے جو زندہ اور مطہر ہے۔

دوسرا انمیں سے وہ شخص یا فریق ہے جو قرآن شریف پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اس کے احکام پر عامل بھی ہے اور اس کی رہنمائی سے ہدایت یافتہ بھی ہے اور اسکے اخلاق سے متخلق بھی ہے لیکن نہ تو قرآن کی تلاوت اُسے نصیب ہے اور نہ اس کا حفظ ہی اسکو نصیب ہے (یعنی نہ تو قرآن ہی اس کو حفظ ہے اور نہ وہ اسکی تلاوت ہی کرتا ہے) اگرچہ اسکی آیت کی تطبیق اور اسپر عمل کرنا اسکو نصیب ہے (یعنی اسکو اس امر کی توفیق حاصل ہے کہ وہ اپنے جمیع احوال کو قرآن کریم سے مطابق کئے ہوئے ہے یعنی اپنے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب چیزوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق اور موافق رکھتا ہے اسطرح پر گویا اس کا پورا عامل ہے) پس یہ شخص تو مزے میں مثل تمرہ (چھوہارے) کے ہے کہ شیریں اور لذیذ ہے نہایت پاکیزہ اور عمدہ اخلاق والا ہے صادق النیۃ اور باطن کا نہایت اچھا ہے مگر خوشبو اسکے اندر مطلقاً نہیں ہے یہ اسلئے کہ قرآن کی خوشبو (یعنی تلاوت) کے ساتھ وہ معطر نہیں ہوا۔ اگرچہ اس نے اپنے قلب کو قرآن کے ماء سلسبیل سے دھویا ہے اور اسکو اپنے عمل جمیل میں اس کو معمول بھی بنالیا ہے

وثالثھم فاجر او منافق لیس لہ من الایمان الا اسمہ ولا من الدین الا رسمہ یقرأ القرآن وقد یجید حفظہ ویتقن طرقہ ویعرف قراأتہ وتوقیع الفاظہ ونغماتہ ولکن لا تجاوز التلاوۃ حنجرتہ ولا تعد وترقوتہ فان بلوتہ

تیسرا انمیں سے وہ فاجر یا منافق ہے جسمیں ایمان کا صرف نام ہی نام ہے دینی امور سے سوائے رسوم کے اسکے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اسکو خوب پختہ یاد کئے ہوئے ہے اور جملہ طرق کی مشق کئے ہوئے ہے اور اسکی قراتوں سے واقف ہے اسکے الفاظ کی توقیع یعنی خوب جما کر پڑھنے کو اور اسکے لہجوں کو بخوبی جانتا ہے مگر تلاوت اسکے گلے اور حلق کے

تكشف لك عن قلب اسود و فواد مظلم و خلق مر عمل ضر و هذا مثله الرسول صلى الله عليه وسلم بالريحانة و ان شممت فرائحة ذكية و ان ذقت فمرارته لذعة كذالك هذا يقرأ القرآن فتستريح له النفوس كما تستريح للروائح العطرة ولكن قلبه ونفسه منطويان على السوء تذوق مرارته وتحس تذاذته ان عاشرته وعاملته و مثل هذا لا اثر للقرآن في نفسه لان فجوره ونفاقه ختم على قلبه تؤثر فيه نصيحة ولا تنجح معه موعظة۔

نیچے نہیں اترتی. اگر تم اس کا امتحان لو تو تم کو سیاہ دل تاریک قلب بُرے اخلاق، موذی اعمال ظاہر ہونگے اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ سے دی ہے جو نہایت عمدہ خوشبو والی اور چکھو تو ایسی کڑواہٹ جس سے زبان ہی اینٹھ جائے۔ اسی طرح یہ شخص ہے کہ قرآن پڑھتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو لطف تو حاصل ہوتا ہے جس طرح سے کہ عمدہ خوشبو سے راحت ملتی ہے لیکن اس کا قلب اور نفس دونوں برائیوں میں لپٹے ہوئے ہیں جسکی کڑواہٹ تم اس سے معاملہ کرنے یا معاشرت رکھنے پر چکھ سکتے ہو۔ اور اس جیسے شخص کے نفس میں قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کا فسق و نفاق اس کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے پس نہ تو کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی وعظ ہی نافع ہوتا ہے۔

ورابعهم منافق او فاجر لاصلة له بالقرآن لا علماً ولا عملاً ولا تلاوة وحفظاً وهذا شبهه الرسول صلى الله عليه وسلم بالحنظلة لا ريح لها طعمها مر بشع كذالك هذا يحمل نفسا خلقت من الفجور ونبتت في النفاق ان تذوقها الناس آذت السنتهم ودنست نفوسهم ولا يشم منه خير اذ حرم من طيب الطيوب وعص العطور كتاب الله جلاء العيون وشرح الصدور وحيات النفوس

اور چوتھا وہ شخص منافق یا فاجر ہے جس کا تعلق قرآن شریف سے مطلقاً نہ ہو۔ نہ علماً نہ عملاً نہ تلاوۃً نہ حفظاً۔ اس شخص کی تشبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظل سے دی ہے کہ نہ تو اس میں خوشبو ہے اور مزا بھی اس کا نہایت بھکٹا ہوتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے کہ یہ ایک ایسا نفس رکھتا ہے جو فسق و فجور کا مجسمہ ہے اور نفاق میں بڑھا اور پلا ہے۔ اگر لوگ اسکو چکھیں تو انکی زبانیں تکلیف محسوس کریں، ان کے نفوس خراب ہو جائیں اس سے کسی قسم کی بھلائی نہیں دیکھی اور سونگھی جا سکتی ہے اس لئے کہ سب خوشبوؤں سے بڑھکر جو خوشبو ہے اور سارے عطروں کا جو عطر ہے یہ شخص اسی سے محروم ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب جو آنکھوں کی روشنی اور

وطیب القلوب وشنف الآذان وسراج الالباب تلك هی الاصناف الاربعة التی تعرض لها الرسول صلی الله علیه وسلم بالبیان والتمثیل فیا تری فی ایها وضعت نفسك ظنی ان تکون المؤمن المخلص والقاری المتدبر والعامل الورع (الادب النبوی ص۲۴۳)

سینوں کا انشراح نفوس کی حیات قلوب کی تازگی کانوں کا نور اور عقول کا چراغ ہے۔ یہی کل چار قسمیں ہیں جن کے بیان اور تمثیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعرض فرمایا ہے۔ پس اے مخاطب کاش تم دیکھتے کہ تم نے اپنے کو ان چاروں صنفوں میں سے کس میں داخل کیا ہے میرا تو یہ خیال ہے کہ تم مومن مخلص قاری متدبر اور عامل پرہیزگار ہوگے۔

(الآثار الواردة فی فضل القرآن واهله)

یعنی وہ آثار جو قرآن اور اہل قرآن کے فضل میں وارد ہیں

(۱) قال ابوامامة الباهلی اقرأوا القرآن ولا تغرنکم هذه المصاحف المعلقة فان الله لا یعذب قلبا هو وعاء القرآن۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی قرارت کیا کرو یہ مصاحف جو معلق ہیں تم کو ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس قلب کو عذاب نہ دیں گے جو کہ قرآن کا ظرف ہوگا۔

(۲) وقال ابن مسعود رضی اذا اردتم العلم فانثروا القرآن فان فیه علم الاولین والآخرین۔

حضرت ابن مسعود رضی نے فرمایا کہ جب تم علم حاصل کرنیکا ارادہ کرو تو قرآن پاک کا نثر کرو۔ اس لئے کہ اس میں اولین وآخرین سب کا علم ہے۔ تلاوت ۱۲

(۳) وقال ایضا لا یسأل احدکم عن نفسه الا القرآن فان کان یحب القرآن ویعجبه فهو یحب الله سبحانه ورسوله صلی الله علیه وسلم وان کان یبغض القرآن فهو یبغض الله سبحانه ورسول الله۔

نیز فرمایا کہ تم میں کا کوئی اپنے نفس سے سوائے قرآن کے اور کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ پس اگر قرآن سے محبت کرتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ اور اگر قرآن کو مبغوض رکھتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغض رکھتا ہے۔

(۴) وقال عمرو بن العاص رض کل آیة فی القرآن درجة فی الجنة ومصباح فی بیوتکم

حضرت عمرو بن العاص رض نے فرمایا کہ قرآن کی ہر آیت کا جنت میں ایک درجہ ہے اور وہ تمہارے گھروں میں گویا ایک چراغ ہے

(احیاء العلوم)

(۵) وقال ایضا من قرأ القرآن فقد ادرجت النبوة بین جنبیه الا انه لا یوحی الیه۔

(احیاء العلوم)

نیز فرمایا کہ جس نے قرآن کی قراءت کی اس نے اپنے دونوں پہلوؤں کے درمیان نبوت کو داخل کر لیا مگر یہ کہ اسکی طرف وحی نہیں آئیگی اس لئے کہ اسکا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

(۶) وقال ابوهریرة ان البیت الذی یتلی فیه القرآن اتسع باهله وکثر خیره وحضرته الملائکة وخرجت منه الشیاطین وان البیت الذی لا یتلی فیه کتاب الله عز وجل ضاق باهله وقل خیره وخرجت منه الملائکة وحضرته الشیاطین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کیجاتی ہے وہ گھر اس کے اہل پر وسیع ہوجاتا ہے اسمیں خیر کثیر ہوجاتا ہے اور فرشتے داخل ہوتے ہیں اور شیاطین نکل جاتے ہیں۔ اور وہ گھر جسمیں کتاب اللہ کی تلاوت نہیں کیجاتی ہے تو وہ اپنے اہل پر تنگ ہوجاتا ہے اور خیر کم ہوجاتا ہے۔ ملائکہ نکل جاتے ہیں اور شیاطین کی کی آمد و رفت ہوجاتی ہے۔

(احیاء العلوم)

ف :- آج عام طور پر لوگ آسیب وجنات کی شکایت کرتے ہیں۔ روزانہ خطوط آتے ہیں کہ فلاں کو آسیب لگا ہے اور فلاں پر جن سوار ہے اور ہمارے گھروں پر شیاطین کا تسلط ہے۔ پریشان ہیں مگر ان تعلیمات کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ جس گھر میں تلاوت کلام اللہ ہوتی ہے اسمیں شیاطین کا گزر نہیں ہوسکتا گھر میں وسعت وخیر وبرکت ہوتی ہے۔ جانتے ہیں؟ یہ لوگ کیوں تعلیمات کو نہیں لیتے وجہ یہ ہے کہ بڑے ہوشیار لوگ ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ سب کرنے میں محنت ومشقت برداشت کرنی ہوگی۔ تقویٰ وطہارت کا اہتمام کرنا ہوگا۔ کون ان سب امور میں مشغول ہو۔ لاؤ پیر سے تعویذ لے لو وہی سب کام بنادے گی۔ یہ لوگ پیر اس لئے نہیں بناتے ہیں کہ دین سیکھیں اور اللہ تعالیٰ کا طریق معلوم کریں اور احکام الٰہیہ پر عمل کریں بلکہ اس لئے اسکہ دنیوی امور میں ہماری مدد کریں آسیب اتاریں۔ جنات نکالیں۔ نیز اور جس کام میں عاجز ہوتے ہیں تو وہ سب پیر صاحب کریں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو اب لکھ دیتا ہوں کہ میں تعویذ گنڈہ نہیں جانتا کسی دوسرے کے

میاں رجوع کرو۔ یہ اس لئے کرتا ہوں کہ جب یہ لوگ بداعتقاد ہوگئے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو نہیں مانتے تو پھر ان کی رعایت ہمارے ذمہ لازم نہیں رہی۔ یہ جب خدا کے اور رسولؐ کے نہیں تو ہم کو ان سے کیا واسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کا اتباع کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں پھر جب کوئی مصیبت آئے تو ہم دل وجان سے شریک ہیں اور جو بھی ممکن صورت سہولت کی ہوگی ہم اختیار کرینگے تاکہ پریشانی دور ہو۔

(۷) وقال احمد ابن حنبل رأیت اللّٰہ فی المنام فقلت یارب ما افضل ما تقرب بہ المتقربون الیک قال بکلامی یا احمد قال قلت یارب بفہم او بغیر فہم قال بفہم او بغیر فہم۔

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ یارب جن چیزوں سے مقربین نے آپ کا قرب حاصل کیا ہے۔ انمیں سب سے افضل کونسی چیز ہے ارشاد فرمایا کہ اے احمد وہ میرا کلام ہے۔ میں نے کہا سمجھ کر یا بلا سمجھے تو فرمایا کہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

(۸) قال محمد بن کعب القرظی اذا سمع الناس القرآن من اللّٰہ عزوجل یوم القیامۃ فکانہم لم یسمعوہ قط

محمد ابن کعب قرظیؒ نے فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ سے قرآن کو قیامت کے روز سنیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا قرآن پاک کو کبھی سنا ہی نہیں تھا

(۹) قال الفضیل بن عیاض ینبغی لحامل القرآن ان لا یکون لہ الی احد حاجۃ ولا الی الخلفاء فمن دونہم فینبغی ان تکون حوائج الخلق الیہ۔

حضرت فضیل ابن عیاض نے فرمایا کہ حامل قرآن کے لئے مناسب ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ نہ تو خلفاً کا اور نہ ان کے غیر کا بلکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ لوگوں کی ضروریات خود حامل قرآن کے ساتھ متعلق ہوں۔

(۱۰) وقال ایضاً حامل القرآن حامل رایۃ الاسلام فلا ینبغی ان یلہو مع من یلہو ولا یسہو مع من یسہو ولا یلغو مع من یلغو تعظیماً لحق القرآن۔

اور حضرت فضیل ابن عیاض ہی نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن کا حامل اسلام کا علمبردار ہے اسکے لئے حق قرآن کی تعظیم کی وجہ سے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ لہو ولعب کرنیوالوں کے ساتھ لہو ولعب میں مشغول ہوں سہو (غفلت) کرنیوالوں کے ساتھ وہ بھی سہو کرے اور جن لغویات میں مشغول ہیں وہ بھی مشغول ہو۔

(۱۱) وقال سفیان الثوری اذا قرأ الرجل القرآن قبلہ الملک بین عینیہ۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرأت قرآن کرتا ہے تو فرشتے اسکے دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی کو) بوسہ دیتے ہیں۔

(۱۲) وقال عمر ابن میمون رح من نشر مصحفاً حین یصلی الصبح فقرأ منہ مائۃ آیۃ رفع اللہ عز وجل لہ عمل جمیع اھل الدنیا۔

حضرت عمر ابن میمونؒ نے فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد جو شخص نے قرآن پاک کھولا اور سو آیت کی تلاوت کی تو تمام اہل دنیا کے عمل کے برابر اللہ تعالیٰ اس کے لئے عمل کو رفع فرمائیں گے۔

(۱۳) یروی ان خالد ابن عقبۃ جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اقرأ علیّ القرآن فقرأ علیہ (ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ الآیۃ) فقال لہ اعد فاعاد۔ فقال لہ واللہ ان لہ حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اسفلہ لمورق وان اعلاہ لمثمر وما یقول ھذا بشر۔

(احیاء العلوم)

مروی ہے کہ خالد ابن عقبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ مجھ پر قرآن کی تلاوت کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی الآیۃ) پوری آیت کو پڑھا تو خالد ابن عقبہ نے کہا کہ پھر اس کو پڑھ دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ قرأت فرمادی حضرت خالدؓ نے سن کر کہا کہ بیشک اس کے لئے بڑی مٹھاس ہے اور اس کا نچلا حصہ پتوں والا اور اوپر کا حصہ پھلدار ہے۔ اور اس کا کلام کو کوئی بشر نہیں کہہ سکتا۔

ف:۔ دیکھئے خالد ابن عقبہ کیسا ذوق رکھتے تھے کہ ایک ایک آیت کو سنکر یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی بشر قادر نہیں ہے کہ ایسا کلام کر سکے بیشک یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۱۴) وقال القاسم ابن عبد الرحمٰن قلت لبعض النساک ما ھھنا احد تستانس بہ فمد یدہ الی المصحف ووضعہ علی حجرہ وقال ھذا

قاسم ابن عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں نے ایک عابد سے کہا کہ یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جس سے آپ اُنس حاصل کریں تو انھوں نے اپنا ہاتھ قرآن پاک کی جانب بڑھادیا اور اپنی گود میں اسکو رکھ کر فرمایا کہ (میرا مونس تو) یہ ہے جس سے اُنس حاصل کرتا ہوں)

ف:۔ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب دیا۔ قاری قرآن خدا سے ہمکلام ہوتا ہے اور رب العالمین سے مناجات کرتا ہے تو پھر اس سے بڑھ کر اُنس کی کیا چیز ہو سکتی ہے۔

(۱۵) وقال علی ابن طالب رضی اللہ عنہ ثلاث یزدن فی الحفظ ویذھبن البلغم۔ السواک۔ والصیام وقرأۃ القرآن

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو حفظ کو زیادہ کرتی ہیں اور بلغم کو زائل کرتی ہیں مسواک کرنا۔ روزہ رکھنا۔ قرآن کی قرأت کرنا۔

(احیاء العلوم ج۱)

ان احادیث و آثار سے قرآن پاک کی قرأت کی کس قدر فضیلت معلوم ہوئی مگر یہ سب فضائل اسی صورت میں ہیں جبکہ تلاوت ایمان واعتقاد سے ہو اور اخلاص سے ہو۔ نفاق سے اور سرسری نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر تلاوت محض لسان سے ہے قلب پر اس کا ذرا اثر نہیں۔ اور اسکے احکام پر عمل نہیں تو ایسی قرأت کرنے والا ہرگز ان فضائل کے پانے کا مستحق نہیں ہے بلکہ ایسی قرأت کرنے والے کی مذمت احادیث و آثار میں کثرت سے وارد ہے جیساکہ پہلے ضمناً معلوم ہوچکا ہے۔ مگر اب اور روایات نقل کی جاتی ہیں تاکہ مزید علم کا موجب ہو۔

الاحادیث والآثار فی ذم تلاوۃ الغافلین

(وہ احادیث و آثار جو تلاوت غافلین کی مذمت کے بارے میں وارد ہیں)

عن جابر قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعراب والعجمی فقال اقرأوا فکل حسن وسیجئ اقوام یقیمونه کما یقام القدح ویتعجلونه ولا یتاجلونه۔

(مشکوٰۃ شریف)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں ہمارے پاس تشریف لائے کہ ہم سب لوگ قرآن کی تلاوت کررہے تھے اور ہم میں دیہاتی لوگ اور اہل عجم بھی تھے (جوکہ اپنے اپنے لہجوں میں قرأت کررہے تھے) آپ نے فرمایا کہ پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہے عنقریب ایک قوم ایسی آئیگی جو اسکے الفاظ کو اس طرح درست کریگی جسطرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے (اور انکا یہ حال یہ ہوگا) کہ اس سے نفع دنیوی چاہیں گے اور آخرت کے ثواب کا قصد نہ کرینگے۔

اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

(فقال اقرأوا فکل حسن) ای فکل واحدۃ من قرأتکم حسنة مرجوة للثواب اذا آثرتم الآجلة علی العاجلة ولا علیکم ان لا تقیموا السنتکم اقامة القدح وهو السهم قبل ان یراش (وسیجئ اقوام یقیمونه) ای یصلحون

(فکل حسن) یعنی تم میں سے ہر ایک کی قرأت ٹھیک ہے سب پر ثواب کی امید ہے مگر جب آخرت کو دنیا پر ترجیح دو (یعنی مقصود قرأت سے آخرت کا ثواب ہو دنیا مقصود نہ ہو) اور اگر تم لوگ اپنی زبان کو تیر کی طرح سیدھی نہ کرو تو کچھ ملامت نہیں ہے۔ اور قدح تیر کی لکڑی کو کہتے ہیں جس میں ابھی پر نہ لگا ہو۔

(وسیجئ اقوام یقیمونه) کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اسکے الفاظ

الفاظه وکلماته ویتکلفون فی مراعاة مخارجه وصفاته (کما یقام القدح) ای یبالغون فی عمل القراءة کمال المبالغة لاجل الریاء والسمعة والمباهاة والشهرة۔

اور کلمات کی اصلاح کریں گے اور مخارج وصفات کی رعایت اسطرح تکلف سے کریں گے جیسا کہ تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ یعنی قرأت میں انتہائی مبالغہ کریں گے اور غرض ان تمام سے، ریاء وسمعہ اور مباہات (یعنی دکھانا سنانا اور فخر کرنا) اور شہرت ہوگی۔

قال الطیبی وفی الحدیث رفع الحرج وبناء الامر علی المساهلة فی الظاهر وتحری الحسبة والاخلاص فی العمل والتفکر فی معانی القرآن والخوض فی عجائب امره

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ فوائد ہیں کہ امت سے حرج مرفوع ہے اور امر کی بناء ظاہر میں سہولت پر ہے اور عمل میں ثواب کی طلب اور اخلاص ہونا چاہئے۔ قرآن کے معانی میں تفکر اور اس کے عجائب میں غور وخوض کرنا چاہئے۔

(یتعجلونه) ای ثوابه فی الدنیا (ولا یتاجلون) بطلب الاجر فی العقبیٰ بل یوثرون العاجلة علی الآجلة ویتاکلون ویتوکلون۔

(یتعجلونہ) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا بدلہ دنیا ہی میں چاہیں گے آخرت میں اس کے اجر وثواب کو طلب نہ کریں گے۔ بلکہ دنیا ہی کو آخرت پر ترجیح دیں گے۔ اس سے تاکل کریں گے (یعنی ذریعہ معاش بنا لیں گے، توکل نہ اختیار کریں گے۔

(مرقات ص۲۱۷ ج ۲)

اس حدیث سے کس قدر مذمت ان قراء کی معلوم ہوئی جو کہ اغراض دنیویہ کی تحصیل کے لئے قرأت کرتے ہیں اور اسی نیت سے تجوید وتصحیح حروف کرتے ہیں۔ یہ لوگ مخلص نہیں ہیں اور اس مرتبہ عظمیٰ کے پانے کے مستحق نہیں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصحیح حروف اور تجوید کلمات کی مذمت نہیں فرمائی۔ بلکہ اس پر مذمت فرمائی کہ ان لوگوں نے امر مہم یعنی آخرت کے اجر وثواب کو ترک کر دیا اور ظاہر ہی کو کافی سمجھ لیا۔ ایسے لوگ اب بہت ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ کے لوگوں کا حال حضور نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا وہ یہی زمانہ تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

دوسری حدیث سنئے:۔

اکثر منافقی امتی قراؤها۔

یعنی میری امت کے اکثر منافقین قرّاء ہوں گے۔

صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں کہ:۔

ای انهم یحفظون القرآن نفیا للتهمة

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی ذات سے تہمت

عن الفسهم وهم معتقدون ضياعه

کی نفی کے لئے قرآن پاک کا حفظ کریں گے اور ان کا یہ حال ہوگا کہ قرآن کے ضائع کردینے کے معتقد ہوں گے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین اسی قسم کے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں منافقین سے مراد اعتقادی ہی نہیں ہیں بلکہ منافقین عملی بھی ہیں۔ ان لوگوں کی شان یہ ہوگی کہ قرآن کی قرأت نہایت خوش الحانی سے کریں گے اور تجوید کلمات سے بھی واقف ہوں گے۔ مگر حال یہ ہوگا کہ ان کی قرأت گلے سے تجاوز نہ کرے گی اور دل پر ذرا اثر نہ ہوگا اور نہ اثر لینے کا ارادہ ہی کریں گے بلکہ ان کی غرض محض ریاء وسمعہ اور شہرت ہوگی۔ اسی کو ذریعۂ معاش بنالیں گے۔ آخرت کے ثواب کی نیت ہی نہ ہوگی۔ ایسے ہی قراء کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ سے دی ہے۔ اور ایسی قرأت کرنے والے کو منافق فرمایا ہے۔

اس زمانہ میں اس قسم کے لوگ کثرت سے موجود ہیں ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ محض علم تجوید حاصل کرلینے اور زبان کو درست کرلینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ خشوع وخضوع اور تأثر کا ذرا ارادہ نہیں کرتا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

یعنی ایک عارف نے کہا ہے کہ جب سے لوگوں نے تجوید کے قواعد کو یاد کرلیا اسی وقت سے تلاوت میں خشوع کو چھوڑ دیا۔

(۳) شر الناس فاسق قرأ كتاب الله وتفقه فی دین الله ثم بذل نفسه لفاجر اذا نشط تفكه بقراءته ومحادثته فيطبع الله تعالیٰ على قلب القاری والمستمع۔

لوگوں میں سے بدترین شخص وہ فاسق ہے کہ کتاب اللہ کو پڑھا اور اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا پھر اس نے اپنے نفس کو اغراض دنیویہ کی خاطر، فاجر کے ہاتھ بیچ دیا جب فاسق کو نشاط ہوتا ہے تو اس کی قرأت اور اس کے کلام سے تفکہ حاصل کرتا ہے (جیسے کہ اغنیا کھانا کھانے کے بعد پھل فروٹ سے تفکہ کرتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتوں سے دل بہلاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ ایسے قاری اور سامع دونوں کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں، (اور پھر اثر نہیں ہوتا)

(طحطاوی علی الدر ص۲۱۲ ج۱)

قال انس ابن مالك رب تال للقرآن والقرآن يلعنه۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت سے قرآن کی تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

(۴) قال ميسرة الغريب هو القرآن فی جوف الفاجر۔

حضرت میسرہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن فاجر کے قلب میں غریب ہے یعنی اجنبی اور مسافر ہے

(۵) قال بعض العلماء ان العبد لیتلو القرآن فیلعن نفسه وهو لا یعلم. یقول الا لعنة الله علی الظالمین. وهو ظالم نفسه. الا لعنة الله علی الکاذبین وهو منهم

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بندہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اپنے نفس پر لعنت بھیجتا ہے اور اس کو وہ جانتا بھی نہیں (مثلاً) کہتا ہے کہ (ظالمین پر خدا کی لعنت ہے) اور وہ خود ظالم ہوتا ہے (اسی طرح یہ کہتا ہے کہ کاذبین پر خدا کی لعنت ہے اور) وہ خود کاذب ہوتا ہے (اس طرح وہ اپنے نفس پر لعنت کرتا ہے)

(۶) قال الحسن انخذ تم قرأة القرآن مراحل وجعلتم اللیل جملاً فانتم ترکبونه فتقطعون به مراحله وان من کان قبلکم رأوه رسائل من ربهم فکانوا یتدبرون القرآن باللیل وینفذونها بالنهار۔

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے قرأت قرآن کو مراحل بنالیا ہے اور رات کو اونٹ بنالیا ہے پس اس پر سوار ہو کر مراحل کو طے کرتے ہو اور تم سے پہلے کے لوگ (ایسے نہیں تھے، وہ قرآن کو اپنے پروردگار کی جانب سے رسائل سمجھتے تھے تو اس کو رات میں سمجھتے تھے اور دن میں اس کو نافذ کرتے تھے۔ (یعنی عمل کرتے تھے)

(۷) قال ابن مسعودؓ انزل القرآن علیهم لیعملوا به فاتخذوا دراسته عملاً ان احدکم لیقرأ القرآن من فاتحته الی خاتمته ما یسقط منه حرفاً وقد اسقط العمل به۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ پس ان لوگوں نے یہ کیا کہ اس کے پڑھنے پڑھانے ہی کو عمل کے قائم مقام قرار دے لیا۔ اور اب یہ حال ہے کہ تم میں کا ایک شخص شروع سے آخر تک قرآن اس طرح پڑھ جاتا ہے کہ ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا لیکن عمل کو بالکل ہی چھوڑے رہتا ہے۔

(۸) وفی حدیث ابن عمر وحدیث جندب رضی الله عنهما عشنا دهراً طویلاً واحدنا یؤتی الایمان قبل القرآن فتنزل السورة علی محمد صلی الله علیه وسلم فیتعلم حلالها وحرامها وامرها وزاجرها وما ینبغی ان یقف عندها منها ثم لقد رأیت رجالاً یؤتی احدهم القرآن قبل الایمان فیقرأ

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جندب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ہم نے ایک مدت اس حال میں گذار دی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کو قرآن سے پہلے ایمان ملتا تھا پھر کوئی سورۃ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی تب وہ (ایمان کے تقاضے سے) اس سورت کے حلال وحرام کو معلوم کرتا تھا اور اس کے اوامر ونواہی معلوم کرتا تھا۔ اور یہ بھی معلوم کرتا تھا کہ کہاں توقف کرنا مناسب ہے۔ اب میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو ایمان تو ابھی نہیں ملا لیکن قرآن مل گیا

مابین فاتحۃ الکتاب الی خاتمتہ لایدری ما آمرہ ولا زاجرہ ولا ما ینبغی ان یقف عندہ منہ ینثرہ نثر الدقل

تو ایک شخص سورہ فاتحہ سے لیکر ختم قرآن تک پڑھ جاتا ہے مگر اُسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ قرآن اسے کس بات کا حکم کر رہا ہے۔ اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ کہاں توقف کرنا چاہئے بس قرآن کو ردی کھجوروں کی طرح بکھیرتا چلا جاتا ہے۔

یعنی جس طرح ردی کھجور کو آدمی دیر تک منہ میں نہیں لئے رہتا اس لئے کہ اسمیں کوئی مزہ و مٹھاس نہیں پاتا۔ اسی طرح قرآن سے ذرا لطف وحظ جس کے قلب کو نہیں ملا رہتا اور دل میں کچھ تاثر نہیں رہتا وہ زبان سے فر فر پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ذرا غور نہیں کرتا کہ کس کے کلام کی تلاوت کر رہا ہے۔ اس لئے اسکی قرأت نہایت پھیکی اور بے لطف معلوم ہوتی ہے۔ نہ خود اس کو کوئی حلاوت ملتی ہے اور نہ سامعین ہی کو۔

ذرا اس پر غور فرمائیے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جندبؓ اپنا مشاہدہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں کہ شروع سے آخر تک قرآن پڑھ جاتے ہیں اور اس کے احکام پر اصلا غور نہیں کرتے۔ اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ قرآن ایمان سے پہلے ہی دیدیئے گئے ہیں قراءت کر رہے ہیں مگر ایمان ندارد یہ کتنی بڑی بات فرمائی۔ حالانکہ حضورؐ کے عہد مبارک سے بہت ہی قریب کا زمانہ تھا تاہم اس قدر تفاوت احوال میں ہو گیا تھا۔ تو اب کے زمانہ کے لوگوں کے حال کا پوچھنا ہی کیا ہے۔

میں لوگوں کے حالات دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اگرچہ قراءت وغیرہ کر رہے ہیں مگر ایمان ضعیف اور تصدیق نہایت کمزور معلوم ہوتی ہے ورنہ تلاوت انھیں کہاں سے کہاں پہونچا دیتی۔ ضرور بالضرور ان لوگوں کی تلاوت نفاقی اور سرسری ہوتی ہے۔ اب حضرت ابن عمر و جندب رضی اللہ عنہما کے فرمانے سے تقویت ہوئی اور بات خوب سمجھ میں آئی۔ اور اب علی الاعلان اس بات کو کہہ سکتا ہوں۔

(۹) وقد ورد فی التوراۃ یا عبدی اما تستحی منی یاتیک کتاب من بعض اخوانک وانت فی الطریق تمشی فتعدل عن الطریق وتقعد لاجلہ وتقرأہ وتتدبرہ حرفا حرفا حتی لا یفوتک شئی منہ وھذا کتابی انزلتہ الیک انظر کم فصلت لک فیہ من القول وکم کررت علیک فیہ لتتامل طولہ وعرضہ

توراۃ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! کیا تم مجھ سے شرم نہیں کرتے کہ جب تمہارے کسی بھائی کا کوئی خط تمھیں راستہ چلتے ہوئے ملتا ہے تو تم راستہ سے کنارے ہو جاتے ہو اور اس کے لئے بیٹھ جاتے ہو اور پڑھتے ہو۔ اس کے ہر حرف میں تدبر کرتے ہو کہ کہیں کوئی چیز تمہارے پڑھنے سے چھوٹ نہ جائے۔ اور یہ میری کتاب ہے جس کو میں نے تم پر نازل کیا ہے۔ دیکھو کس قدر میں نے اسمیں تفصیل اور توضیح کی ہے اور کتنا تمہارے لئے تکرار کیا ہے تاکہ تم اسکے طول و

ثم انت معرض عنه افكنت اهون عليك من بعض اخوانك۔

یا عبدی یقعد الیك بعض اخوانك فتقبل علیه بكل وجهك فتصغی الی حدیثه بكل قلبك فان تكلم متكلم او شغلك شاغل عن حدیثه اومأت الیه ان كف وها انا مقبل علیك ومحدث بك وانت معرض بقلبك عنی افجعلتنی اهون عندك من بعض اخوانك

(احیاء العلوم)

عرض میں تامل کرو۔ لیکن تمہارا یہ حال ہے کہ تم اس سے اعراض کرتے ہو۔ کیا میں تمہارے کسی بھائی سے بھی کمتر ہوں۔

اے میرے بندے تمہارا کوئی بھائی جب تمہارے پاس بیٹھا رہتا ہے تو تم کامل طور پر اسکی طرف متوجہ رہتے ہو اور اسکی گفتگو کی طرف ہمہ تن گوش بنجاتے ہو اگر کوئی درمیان میں بولنے لگتا ہے یا کوئی شاغل تم کو اسکے کلام سے روکتا ہے تو تم اشارہ کرتے ہو کہ ٹھہرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ (کس قدر افسوس کی بات ہے) کہ میں تو تمہاری جانب متوجہ ہوں اور تم سے ہمکلام ہوں اور تمہارا قلب مجھ سے اعراض کر رہا ہے کیا تم نے مجھکو اپنے ادنی بھائی سے بھی کمتر سمجھ لیا ہے۔

دیکھا آپ نے اللہ رب العالمین اپنے بندوں سے یہ فرما رہے ہیں کہ ہماری کتاب کے ساتھ ایسی بے اعتنائی اور بے وقعتی کا برتاؤ۔ گویا اس کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت و عظمت ہی نہیں اس سے کہیں زیادہ تو تم اپنے دوست واحباب کے خطوط کی جانب توجہ کرتے ہو اور اس میں غور و خوض کرتے ہو کہ کوئی حرف بلا پڑھے اور سمجھے نہ رہ جائے۔ کیا میں تمہارے دوست سے بھی کمتر ہوں۔ اور میرا کلام تمہارے نزدیک تمہارے دوست کے مکتوب سے بھی بے وقعت ہے۔

یہ کلام کس قدر غیرت دلانے والا ہے ظاہر ہے مومن کا دل تو یہ سن کر موم ہی ہو جانا چاہیئے اور قرآن کی طرف کامل توجہ اور اعتنا ہونا چاہیئے اور کسی کلام کو اس پر فوقیت نہ دینا چاہیئے۔ اگر اب بھی جمود ہی رہے تو یہ مومن مخلص کی شان سے نہایت بعید امر ہے۔

ان احادیث و آثار سے بھی قرآن پاک کی کس قدر عظمت معلوم ہوتی ہے۔ اس کی قراءت اور اس پر عمل کی کتنی تاکید ظاہر ہوتی ہے اس کی قراءت میں کوتاہی اور اس کی طرف سے بے اعتنائی پر کتنی تہدید اور وعید مفہوم ہوتی ہے۔

قرآن پاک کی تلاوت کے متعلق احادیث و آثار کثیر ہیں مگر جتنی نقل کی گئی ہیں طالبین کے لئے یہی کافی وافی ہیں اگر کسی کو تفصیل دیکھنا ہو تو مطولات کا مطالعہ کرے۔

تلاوت کلام اللہ بلا فہم معنی بھی مفید اور موجب ثواب ہے

اس مسئلہ پر بھی سلف نے مفصل کلام فرمایا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جملہ مسائل پر تو شافی کلام کریں اور اسی بحث سے پہلوتہی کر جائیں جس پر دین کی بنیاد ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے نسبت اور تعلق کا اہم و اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ اگر یہ خیال ہے کہ سلف نے اس مسئلہ پر کلام نہیں کیا ہے یا واضح طور پر بیان نہیں فرمایا ہے تو یہ ان حضرات قدسیہ کے ساتھ صریح بدظنی اور بد اعتقادی ہے جو نہایت مذموم اور منکر ہے۔ اس لئے جن حضرات نے اس قدر جانفشانی اور مشقتوں کو برداشت کرکے دین کی حفاظت کی اور ہم تک انھیں کے ذریعہ سے دین پہونچا انھیں کی تقصیر کا اعتقاد کیا جائے۔ نعوذ باللہ۔

سچے! کام کرنے والوں کے لئے لازم ہے کہ پہلے لوگوں کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور اس کے مطابق کام کریں۔ جبھی کچھ کام کی توقع ہے ورنہ سوائے دوڑ، دھوپ اور محنت و مشقت کے کچھ نتیجہ نیک میسر نہ ہوگا۔ وہ حضرات کتاب و سنت کے ہم سے کہیں زیادہ عالم تھے اس لئے کہ ان کا زمانہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تھا خیر و صلاح زیادہ تھی۔ دین و تقویٰ لوگوں میں زیادہ تھا۔ اب وہ بات نہیں ہے اور روز بروز انحطاط ہوتا ہی جائیگا جب اپنی عقل و رائے سے کام کیا جائیگا تو ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔

سلفؒ نے جو طریقہ اختیار کیا اس کے ثمرات حسنہ ظاہر و باہر ہیں کہ کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی اور واصل الی اللہ ہوئے بخلاف اب کے کہ کام ہو رہا ہے مگر چونکہ سلف کے طریقہ پر نہیں ہے اس لئے کامیابی نہیں ہو رہی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے تعلیم الدین میں شیخ قوام الدینؒ کے اس قول کو نقل فرمایا ہے کہ اے درویش محک و معیار این کار کتاب و سنت است و سیر سلف کہ اہل اقتدا بودند یعنی اے درویش اس کام کی کسوٹی اور معیار کتاب و سنت اور ان اسلاف کی سیرت ہے جو کہ مقتدا تھے۔

دیکھئے شیخ قوام الدین جو کہ بہت بڑے شخص ہیں فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے علاوہ سلفؒ کی سیرت بھی اس کام کا معیار ہے اس لئے کہ ان کی سیرت کو مستحضر نہ رکھا جائیگا تو فہم و عقل بھی دشوار ہو جائے گی ان حضرات کی سیرت کو دیکھ کر ہی عمل کرنے کا ڈھنگ و شعور حاصل ہوتا ہے۔ نیز عمل کی طرف رغبت و شوق پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر امت کا تعامل نہ ہوتا تو نماز کتاب دیکھ کر کسی کو رکوع و سجدہ کرنا بھی نہ آتا۔

چنانچہ ان حضرات کی سیرت تلاوت کلام اللہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے :-

علامہ شعرانیؒ تنبیہ المغترین میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے جب کوئی شخص رات میں قرآن پڑھتا تھا تو صبح کے وقت لوگ اس کا اثر یعنی تغیر اور زردی رنگ اور دبلا پن اس کے چہرے میں محسوس کرتے تھے۔ اور اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ رات میں اگر پورا قرآن بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت اس کے چہرے پر اس کا کوئی اثر دکھلائی نہیں دیتا اور اس کا قرآن پڑھ لینا ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ چادر اٹھا لینا۔

اب آپ لوگ اپنے سلفؒ کے حال میں غور کیجئے اور سوچئے کہ آپ کا حال اپنے پروردگار کے کلام کی تلاوت اور اس کے سماع کے وقت یہی ہوتا ہے؟ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ہمارے اور سلفؒ کے احوال میں کس قدر تفاوت ہوگیا ہے۔

مثال کے طور پر سیدنا امام ابوحنیفہؒ کا ایک واقعہ سنئے :-

ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں امام نے سورہ اِذَا زُلْزِلَتْ کی قرارت کی جب سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو امام اعظم رحمۃ اللہ اپنی داڑھی پکڑ کر مسجد ہی میں کھڑے ہوگئے اور صبح تک یہ فرماتے رہے کہ اے وہ ذات جو ایک ذرہ خیر کی جزا خیر کے ساتھ اور ایک ذرہ شر کی جزا شر کے ساتھ دے گا اپنے اس بندہ نعمان کو جہنم سے پناہ دیدیجئے۔

سبحان اللہ! یہ حال تھا ہمارے امام صاحبؒ کا بھلا اس سے بڑھ کر کیا حال ہوسکتا ہے۔ یہ حال قرآن سے تھا قیامت کا خوف غالب تھا وہاں کا منظر پیش نظر تھا اس لئے وہاں کے حساب و کتاب سے لرزتے رہتے تھے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ پڑوسیوں کو رحم آجاتا تھا اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ ان کے قلب میں رجاء کی کیفیت پیدا فرما دیجئے کہ بکاء کم ہوجائے۔

اب ہم لوگ امام صاحبؒ کو محض احکام ظاہری میں تو اپنا پیشوا و مقتدا مانتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ آپ کی سیرتِ باطنی اور قلبی حال کس قدر زبردست تھا۔ آپ کو قرآن پاک سے کیسا تعلق و شغف تھا اور اس سے آپ پر کیسا حال طاری ہوتا تھا کہ رات رات بھر ایک ہی آیت کا تکرار کرتے رہ جاتے تھے۔

بھائی بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ تابعی تھے۔ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھے ہوئے تھے۔ ان حضرات کے خوف و خشیت اور قرآن الٰہی سے تعلق اور نسبت کو ملاحظہ فرمائے ہوئے تھے۔ اور صحابہؓ کے شاگرد اور ان سے نورِ باطن اخذ کئے ہوئے تھے۔ اس لئے امت کے سامنے صحابہ کا نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ قرآن پر اس درجہ کا ایمان و ایقان تھا اور قیامت کا اتنا استحضار تھا کہ کسی کل ان کو چین نہیں ملتا تھا

امام صاحبؒ کا کمال تو دیکھئے کہ انہوں نے سمجھا کہ میرے استنباط کئے ہوئے ظاہری احکام و مسائل کی لوگ اقتدا کریں گے اور میرے اقوال کو سند و حجت بنائیں گے تو بس اس پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ احوال و کیفیات کو بھی پیش کیا کہ اس میں بھی ہماری اقتدا ہونی چاہئے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جس سے سلفؒ کا قرآن کے ساتھ انتہائی شغف و ذوق اور انتہائی خشوع و خضوع معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ نوویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ سلف میں اکثر لوگ ایسے تھے کہ ایک ہی آیت کی رات رات بھر تلاوت اور اس میں تدبر کرتے رہجاتے تھے۔ بہت سے حضرات تلاوت کے وقت بیہوش ہوجاتے تھے۔ اور کتنے تو قرآن کی آیتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی وفات ہی ہوگئی۔

جب سلفؒ کو اس قدر تعلق قرآن سے تھا تو کیا وہ اس کے متعلق کوئی گوشہ چھوڑ دیں گے کہ بعد والوں کو اس میں تحقیق کرنے کی ضرورت پڑے۔ چنانچہ اب میں سلفؒ کے اقوال نقل کرتا ہوں جس سے یہ مسئلہ کہ بغیر فہم معنی بھی تلاوت قرآن مفید ہے واضح ہوجائے گا۔

قال اللہ تعالیٰ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

تقربا الی اللہ تعالیٰ بقراءتہ وتحفظا لالفاظہ واستکشافا لمعانیہ فان القاری المتامل قد ینکشف لہ بالتکرار ما لم ینکشف لہ اول ما قرع سمعہ انتہی

(تلاوت قرآن کا امر اس لئے ہے کہ) اللہ تعالیٰ کا قرب اسکی تلاوت سے حاصل ہو اور اس کے الفاظ محفوظ ہوجائیں اور اس کے معانی منکشف ہوں کیونکہ غور سے پڑھنے والے شخص پر بعض دفعہ تکرار سے ایسے مضامین منکشف ہوتے ہیں جو پہلی بار سننے سے نہیں کھلے

اس میں تصریح ہے کہ نفس قراءت سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے اور کثرت قراءت سے تدبر کی کیفیت اور معانی کا انکشاف بھی ہوتا ہے۔ نفس تلاوت خود مامور بہا ہے۔ اور عبادت ہے جیسے نماز تو جس طرح نماز بلا فہم معنی کے صحیح ہوجاتی ہے اور موجب قرب ہے اسی طرح قراءت بلا فہم معنی صحیح ہے اور موجب قرب ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ذکر اللہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ اور ذکر اللہ کے لئے فہم شرط نہیں جیسا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے متعلق علماء نے یہی فرمایا ہے کہ چونکہ یہ ذکر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ پس اس کے لئے فہم ضروری نہیں ہے اس لئے عربی ہی میں ہونا چاہئے۔ غیر عربی میں جائز نہیں۔ اگر فہم ضروری ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم و فارس ان کے زمانہ میں فتح ہوچکا تھا اور حضرات صحابہؓ کا گذر عجم پر ہوا جب بھی ان کی زبانوں میں ترجمہ

نہیں کیا بلکہ عربی ہی میں خطبہ دیتے رہے حالانکہ ان زبانوں کے جاننے والے موجود تھے۔ یہ صریح دلیل ہے کہ جو ذکر اللہ ہو اس کا تلفظ خود عبادت ہے اس کے عبادت ہونے کے لئے فہم معنی شرط نہیں خوب سمجھ لیجئے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وقال ابن حجر اما الثواب علی قرأته فهو حاصل لمن فهم ولمن لم يفهم بالكلية للتعبد بلفظه بخلاف غيره من الاذكار فانه لا يثاب عليه الا من فهمه ولو بوجه ما۔ وفيه نظر لان نفي الثواب يحتاج الى نقل من حديث اوكتاب والقياس ان لا فرق بينهما فى اصل الثواب وان كان يتفاوت بين القرآن وبين من فهم ومن لا يفهم۔

(مرقات)

ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ قرآن کی قراءت پر تو ثواب حاصل ہی ہے جو سمجھے اسے بھی اور جو نہ سمجھے اسے بھی کیونکہ وہ قرآن کے الفاظ تو زبان سے ادا کر ہی رہا ہے اور اس کا تلفظ عبادت ہے برخلاف قرآن کے علاوہ دوسرے اذکار کے کہ ان کا یہ حال نہیں۔ کیونکہ ان کو جب تک نہ سمجھے ثواب نہیں ملتا اگرچہ سمجھنا کسی درجہ کا ہو۔ مگر یہ بات قابل غور ہے کیونکہ (عام اذکار پر بلا فہم) ثواب کی نفی کرنے کے لئے کتاب و سنت سے کوئی نص و سند درکار ہے ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ قرآن اور عام اذکار میں نفس ثواب کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہ ہو اگرچہ قرآن و غیر قرآن میں اور سمجھ کر پڑھنے والے اور بلا سمجھے پڑھنے والے کے اعتبار سے ثواب میں کمی و زیادتی ہو جائے۔

علامہ ابن حجرؒ بہت ہی محقق شخص ہیں علماء ان کے اقوال کو سند بناتے ہیں اور ان کو اپنی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے نقل فرمایا ہے اور اس پر کچھ نقض بھی وارد نہیں فرمایا ورنہ تو عموماً ان کے اقوال کو نقل فرما کر رد کر دیتے ہیں مگر اس قول کو سالم رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاریؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ نفس تلاوت کلام اللہ سے ثواب ملتا ہے۔ اگرچہ بلا سمجھے ہی ہو۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ سمجھ کر تلاوت کرنے میں ثواب زیادہ ملے گا۔ مگر نفس ثواب کا انکار کب جائز ہو سکتا ہے۔

اور ابن حجرؒ نے جو یہ فرمایا کہ قرآن کے علاوہ اذکار میں بغیر فہم کے ثواب نہ ملے گا تو اس میں ملا علی قاریؒ نے کلام فرمایا ہے کہ نفی ثواب کے لئے نص کی ضرورت ہے تو یہ ٹھیک ہے مگر ذاکر کو اتنا تو سمجھنا ہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے رہا ہوں کسی مخلوق کا نام نہیں لے رہا ہوں ایسی غفلت اور جہالت نہ ہو کہ کچھ کا کچھ کہتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہوں۔ یہ بہت ہی بُرا ہے۔ اور جاہلوں سے یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ ایسا کر ڈالیں اس لئے کہ ایک شخص دعا میں یہ کہتا تھا کہ "اے اللہ صدق و کذب سے پناہ دیجئے" میں نے سُن کر ایک دو بار تو تاویل کی کہ بھلا کوئی مسلمان صدق سے پناہ مانگے گا۔ مگر جب کئی بار سُنا تو اُس سے

دریافت کیا تو بات صحیح نکلی واقعی صدق ہی سے پناہ مانگتا تھا۔ میں نے منع کیا کہ ایسا مت کرو ورنہ دعا قبول ہو جائے گی۔ تو کبھی صدق وسچائی نصیب نہ ہوگی۔

اب ہم تلاوت کلام اللہ بلا فہم معنی کے مفید اور موجب قرب ہونے کی تائید میں طبقات کبریٰ کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ وھو ھذا۔

كان رضي الله تعالى عنه يقول في معنى قول الامام احمد ابن حنبل رضؓ حين رأى رب العزت جل جلاله في منامه فقال يا رب بما يتقرب اليك المتقربون قال بكلامي يا احمد قال قلت يا رب بفهم او بغير فهم فقال يا احمد بفهم وبغير فهم. المراد بفهم ما يتعلق بعلماء الشريعة وبغير فهم ما يتعلق بعلماء الحقيقة فان العلماء ما لهم آلة بفهم كلام الله تعالى الا بالفكر والنظر واما العارفون فطريقهم الى فهمه الكشف والتعريف الالهي وذالك لا يحتاج الى تفهم. فقيل له ما تقول في من لقرأه من العوام من غير فهم فقال قد صح ان له بكل حرف عشر حسنات فتحت قوله وبغير فهم مسئلتان۔ (طبقات کبریٰ للشعرانی ص۱۹۰ ج۲)

سید علی دمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام احمد ابن حنبل رضؓ کے اس ارشاد کے بیان میں فرماتے ہیں جبکہ انھوں نے (امام احمد نے) اللہ جل شانہ کو خواب میں دیکھا تھا۔

اور یہ فرمایا تھا کہ آپ کا قرب پانے والوں نے سب سے زیادہ قرب کس چیز سے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد میرے کلام کی تلاوت سے انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب تلاوت سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔ ارشاد ہوا جیسے بھی ہو سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے" مراد بفہم سے (یعنی سمجھ کر تلاوت کرنا) تو اس کا تعلق علماء شریعت سے ہے۔ اور بغیر فہم کا تعلق علماء حقیقت سے ہے۔ اس لئے کہ کلام اللہ کے سمجھنے کا کوئی آلہ علماء شریعت کے پاس بجز غور و فکر کے نہیں ہے اور رہے عارفین تو ان کے لئے کلام اللہ کے سمجھنے کا طریقہ کشف اور تفہیم الٰہی ہے اور یہ سمجھنے اور نظر کرنے کے محتاج نہیں ہیں پھر ان بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ اچھا عوام کی تلاوت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کہ بلا فہم تلاوت کرتے ہیں تو فرمایا کہ یہ تو حدیث صحیح ہے کہ ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے پس امام کے قول بغیر فہم کے تحت دو مسئلے ہیں (ایک تو عوام کی قرأت دوسرے عارفین کی)

یہی حدیث تمام علماء کی مستدل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بغیر فہم معنی کے بھی ثواب ملتا ہے کیونکہ اسی حدیث میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔ اس طرح اس کو تیس نیکی ملتی ہے۔ حالانکہ کوئی بھی اسکا مطلب نہیں سمجھتا

امام احمد ابن حنبل کے خواب کو امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں نقل فرمایا اور علامہ شعرانی نے بھی اس کتاب میں نقل فرمایا نیز اور بزرگان دین سے بھی سنا ہے تو گویا اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے پس اس کو سند میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سید علی دمیریؒ نے اس کا خوب ہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ بفہم کا تعلق علمائے شریعت سے ہے اس لئے کہ کلام اللہ کے سمجھنے کے لئے ان حضرات کو نظر و فکر کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے جس سے معانی تک رسائی ہو سکے۔ اور بغیر فہم کو علمائے حقیقت کے ساتھ متعلق فرما اس لئے کہ ان نفوس قدسیہ کو نظر و فکر کی ضرورت ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان کو خود سمجھاتے ہیں وہ جیسے جیسے تلاوت کرتے جاتے ہیں معانی منکشف فرماتے جاتے ہیں تو بھلا پھر ان کو نظر و فکر کرنے کی ضرورت ہی بلکہ یہ حضرات تو نظر و فکر کو اپنے اور خدا کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں۔

رہے عوام تو ان کے متعلق فرمایا کہ بلا فہم کے معنی بھی نفس تلاوت سے ثواب ملتا ہے اس کے متعلق صریح حدیث ہے کہ ایک حرف کی قرأت پر دس نیکی ملتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نظر و فکر اور تدبر علماء کے لئے ہے۔ عوام اور عارفین کے لئے نظر و فکر ضروری نہیں ہے صرف تلاوت ضروری ہے اسی سے اور مراتب کی توقع کی جاتی ہے۔

عن عبد اللّٰہ ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قرأ حرفاً من کتاب اللّٰہ فلہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول الٓمٓ حرف ولکن الف حرف ولام حرف ومیم حرف رواہ ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس گنا کر کے دیجاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ (لفظ) الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے (یعنی الٓمٓ تین حروف ہیں جس پر تیس نیکیاں ملتی ہیں) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کر کے حسن اور صحیح کہا ہے۔

(التبیان)

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حرف کی قرأت پر دس نیکی کو فرمایا ظاہر ہے کہ حرف کے معنی تو کوئی بھی نہیں سمجھتا پھر بھی ثواب ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بغیر فہم معنی کے بھی ثواب ملتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ اہل اللہ صاحب دہلویؒ اپنے رسالہ چہار باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فضیلت تلاوت قرآن و قراءت آن نیک

(تلاوت قرآن پاک کی فضیلت) قرآن پاک کی تلاوت عمدہ

ترین عبادت است کہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام فرمودہ است کہ ہر حرف کہ از قرآن مجید بخواند ثواب آں یک حسنہ بیابد. ثواب آں رادہ چند کردہ دہند نہ پندارند کہ الٓمٓ یک حرف است بلکہ الف یک حرف است ولام یک حرف است ومیم یک حرف است وفرمود کہ می خوانید قرآن راروز قیامت شفاعت خواہد کرد. اصحاب وقاریان خود را.

وفرمود کہ روز قیامت خوانندۂ قرآن رابگویند کہ قرآن را بترتیل بخواں ودر درجات بہشت ترقی کن مکان تو آنجاست کہ تمام کنی قرارت آں را.

وفرمود کہ خواندن قرآن شریف بہتر است از تکبیر وتسبیح وصوم وصدقہ پس لازم بر ہر مسلمان است کہ ہر روز قدرے بترتیل وتجوید بخواند وورد خود گیر دکہ فضیلت آں در احادیث صحاح بسیار وارد شدہ.

اگر مطلع باشد وبفہمد معانی آں پس بہتر است والا در وقت تلاوت ایں قدر داند کہ کلام خدا است وآنچہ درآں امر ونہی وقصص ذکر کردہ است راست ودرست است ایمان آوردم بداں۔

(چہار باب ص۳۰)

ترین عبادت ہے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت پر جو ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا کر کے عنایت فرماتے ہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن شریف پڑھا کرو اس لئے کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔

اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ قرآن مجید ترتیل کے ساتھ پڑھتے جاؤ اور بہشت کے درجات میں ترقی کرتے جاؤ جہاں قرأت ختم ہوگی وہیں تمہارا مقام ہوگا۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت تکبیر اور تسبیح، صوم وصدقہ سب سے افضل ہے لہٰذا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ ہر روز کچھ قرآن ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھتا رہے اور اپنا معمول بنائے۔ کیونکہ اس کی فضیلت صحیح حدیثوں میں بکثرت وارد ہے۔

اگر معنی سمجھ سکے اور اس پر مطلع ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ تلاوت قرآن پاک کے وقت اس کا استحضار رکھے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس میں جن باتوں کا حکم ہے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور جو قصص وحکایات بیان کئے گئے ہیں سب سچ اور درست ہیں ان سب پر ایمان لاتا ہوں۔

دیکھئے حضرت شاہ صاحبؒ نے کس قدر تفصیل سے اس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے کہ جو شخص معانی کو

سمجھتا ہے اس کے لئے تو سمجھ کر تلاوت کرنا بہتر ہے اور جو لوگ اس کے اہل نہیں ان کو چاہئے کہ بلا فہم ہی تلاوت کریں مگر اس استحضار کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جو کچھ اوامر و مناہی و قصص اس کتاب میں ہیں درست و راست ہیں۔ یہ تلاوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر اور مقبول ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ خشوع و خضوع کی وجہ سے ایسی تلاوت سمجھ کر تلاوت کرنے والوں کی تلاوت سے بڑھ جائے۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف صاحب دانا پوری ماصح السیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

" نماز میں اگر آیات قرآنی کو سمجھ کر پڑھے تو اسکی بہتری میں کلام نہیں لیکن نہ سمجھے تاہم نفس نماز میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی۔ نماز ایک عبادت ہے اور اس سے مقصود اصل خشوع و خضوع پیدا کرنا ہے اور وہ آیات کے نہ سمجھنے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ ایک بے علم جو آیات کو کلام اللہ کو سمجھ کر پڑھ لیتا ہے۔ دل سے خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ خشوع و خضوع اس پر غالب رہتا ہے اس کی نماز اس عالم کی نماز سے ہزار درجہ بہتر ہے جو آیات کو پڑھ کر معانی کی تحقیق اور مسائل کے استخراج میں پھنس جاتا ہے اور عبادت کے وقت علمی تحقیقات کرنے لگتا ہے۔" (اصح السیر ص۳)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ تلاوت کلام اللہ میں خشوع و خضوع فہم معانی پر موقوف نہیں بلکہ بغیر اس کے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہوا کہ تلاوت سے پہلے ہی آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور ھذا کلام ربی۔ ھذا کلام ربی (یہ میرے رب کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے) بار بار فرمانے لگتے تھے ــــ سبحان اللہ! کس قدر عظمت و جلالت کلام اللہ کی صحابہ کے قلوب میں راسخ تھی۔ یہ سوچ کر کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ تو کیا اب ہر شخص تلاوت سے پہلے یہ سوچ نہیں سکتا۔ اور کیا اس سے اثر نہیں لے سکتا؟

اس میں تو پڑھے۔ بے پڑھے۔ عربی۔ عجمی سب برابر ہیں۔ پس ہر شخص پر لازم ہے کہ کلام اللہ کی عظمت و جلالت کے استحضار کے ساتھ تلاوت کرے۔

اور یہ بھی سنئے! عمل کا تعلق فہم سے نہیں ہے بلکہ ایمان سے ہے۔ عمل ایمان سے ہوتا ہے فہم سے نہیں۔ اگر فہم سے تعلق ہوتا تو جتنے عالم ہیں سب عامل ہو جاتے اور جتنے یہودی، نصرانی عربی جانتے ہیں مسائل اسلامیہ پڑھتے پڑھاتے ہیں سب عمل کرنے لگتے اور ایمان لے آتے مگر سب کافر کے کافر ہی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عمل کا تعلق فہم اور عربی دانی سے نہیں بلکہ اس کا تعلق محض ایمان سے ہے جس درجہ کا

ایمان اسی درجہ کا عمل ہوتا ہے اور اس کا مدار توفیق خداوندی پر ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ایمان کسی تلاوت سے پیدا ہوتا ہے۔ تلاوت ایمان کی مورث اور ازدیاد ایمان کا ذریعہ و موجب ہے۔ جب تلاوت ہوگی ایمان میں اضافہ ہوگا۔ پھر ایمان کے خیرات و برکات بھی حاصل ہوں گے اور سب سے بڑا فیض و خیر نماز ہے جس کی نماز درست ہو جائے گی بقیہ اعمال بھی کامل طور پر ادا ہونے لگیں گے۔

تلاوت سے ایمان بڑھنے پر نصوص وارد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝

پس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات ان پر پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں

صاحب روح المعانی نے اس آیت کے تحت ایک بہت عمدہ بات تحریر فرمائی ہے اسکو نقل کرتا ہوں

(الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم) ای فزعت استعظاما لشانہ الجلیل وتھیبا منہ جل وعلا والاطمینان المذکور فی قولہ سبحانہ تعالیٰ (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) لاینافی الوجل والخوف لانہ عبارۃ من ثلج الفواد وشرح الصدر بنور المعرفۃ والتوحید وھو یجامع الخوف۔

(پ ۹ ص ۱۳۶)

یعنی مومنین کے قلوب اللہ کے ذکر سے ان کی ہیبت اور شان جلیل کی عظمت کے استحضار سے ڈر جاتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول (خبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) میں جو اطمینان مذکور ہے تو وہ وجل اور خوف کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ اطمینان سے مراد قلب کی ٹھنڈک اور شرح صدر ہے جو نور معرفت اور توحید سے حاصل ہوتا ہے اور یہ خوف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

الحاصل تلاوت قرآن بلا فہم کے متعلق ہمارے اکابر کی یہ تصریحات ہیں جو صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ تلاوت بلا فہم بھی مفید اور موجب قرب ہے۔ پھر بھلا ان علمائے محققین کے اقوال و ارشادات کو کیونکر نسیاً منسیاً کیا جا سکتا ہے ہر مسئلہ میں تو ان کے ارشادات کو حجت اور سند بنایا جائے پھر آخر اسی مسئلہ میں کیوں ساقط الاعتبار قرار دیا جائے۔

خود سوچئے کہ آج تلاوت کلام اللہ کو غیر ضروری قرار دیا جائے۔ کل کو کسی دوسرے امر دین کو غیر ضروری کہہ دیا جائے تو اس طرح سارا دین ہی ختم ہو جائے گا اور دین کا کوئی رکن سالم نہ رہ جائے گا۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ بلا فہم بھی تلاوت کرنی چاہئے اس فکر میں رہنا کہ ہم میں فہم پیدا ہو جائیگی

اور عربیت سے بخوبی واقف ہو جائیں گے تب تلاوت کریں گے یہ دھوکا ہے اور نفس وشیطان کا کید ہے اس کی طرف اصلا التفات نہ کرنا چاہیئے۔ اگر فہم کو شرط قرار دیا جائے تو بہت سے مسلمان اس تلاوت کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جائیں گے اس لئے کہ اکثریت تو بے سمجھوں ہی ہے ہے جب تک سمجھ پیدا کریں گے عمر کا ایک کثیر حصہ ختم ہو چکے گا اور اکثر تو مر ہی جائیں گے تو نہ سمجھ ہی پیدا ہوگی اور نہ تلاوت ہی کے برکات سے حصہ ملے گا خالی کے خالی ہی رہ جائیں گے اور تلاوت کے ذریعہ جو رشتہ اور تعلق اللہ سے جڑتا ہے وہ منقطع ہو جائے گا تو یہ کس قدر حرمان اور خسارہ کی چیز ہوگی۔ خوب سمجھ لیجئے۔

اور یہ بھی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر طرح سے اعجاز رکھا ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے بھی اور معانی کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ عرب فصاحت، بلاغت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ کئی کئی سو شعر فی البدیہہ کہدیتے تھے مگر قرآن کی ایک چھوٹی سورہ کے برابر بھی نہ لا سکے۔

اسی طرح اس کے معانی کے سمجھنے میں اعجاز ہے۔ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ کتنی ہی کتب تفاسیر دیکھ لی جائیں۔ مگر قرآن کے مطالب ومعانی محفوظ نہیں رہتے۔ تو آخر کیا بات ہے بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ معنی میں اس قدر وسعت ہے کہ احاطہ نہیں ہو پاتا۔ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ایک ہی آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ہوتے ہیں سب کا مستحضر رکھنا بہت دشوار امر ہے۔ بار بار مراجعت کی ضرورت پڑتی ہے۔

قرآن پاک کے الفاظ ہی کا یاد کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے چونکہ حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس لئے حفاظ پر اس کے حفظ کو آسان فرمادیتے ہیں ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ یاد رکھ سکے۔

پس اگر ہر شخص کو فہم کا مکلف کر دیا جائے تو بہت ہی دشواری ہو جائیگی۔ جیسے کوئی انگریزی اور ہندی نہ جانتا ہو ایسے شخص سے کہا جائے کہ اس میں تدبر کرو تو بھلا کیسے تدبر کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ یہ امر تکلیف مالا یطاق کے قبیل سے ہوگا۔

سنئے! میں تدبر وتفکر اور فہم قرآن کو منع نہیں کرتا۔ سب لوگ عالم ہو جائیں اور تفکر فی القرآن کرنے لگیں تو اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ مگر تلاوت کا اس کو موقوف علیہ ٹھہرانا البتہ خلاف نقل وعقل ہے اور بزرگوں کی تصریحات کے مزاحم ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "التبیان" سے حامل قرآن کے آداب نقل کر دیئے جائیں جو نہایت ہی ضروری اور قابل رعایت ہیں۔ اس کے بعد انشاء اللہ تلاوت قرآن کے آداب بیان کئے جائینگے۔

حامل قرآن کو جن آداب سے مؤدب اور جن صفات سے متصف ہونا چاہیئے وہ بہت ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس کے حالات نہایت ہی عمدہ اور خصال بہت ہی بہتر ہونی چاہیئیں نیز قرآن کریم کی تعظیم اور اس کے اجلال کی خاطر اس کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو ان تمام چیزوں سے دور رکھے جن سے قرآن شریف نے منع فرمایا ہے۔ نیز اسے چاہیئے کہ رذیل کمائی سے احتراز کرے شریف النفس ہو اور اہل دنیا جو ظالم اور جابر ہیں ان سے استغناء و ترفع برتے اور جو لوگ اہل خیر اور صالحین یا مساکین ہیں ان سے غایت تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ نیز حامل قرآن کو چاہیئے کہ صاحب خشوع ہو اور صاحب وقار و اہل سکینہ ہو۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے قراء کی جماعت اپنے سروں کو اٹھاؤ دیکھو! تمہارے لئے راستہ واضح ہے لہذا نیکی میں سبقت کرنے والے ہو اور لوگوں پر بار نہ ہو۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس کے سینے میں قرآن ہو اس کو ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ سورہے ہوں اور اپنے دن سے پہچانا جائے جبکہ لوگ کھا پی رہے ہوں (یعنی روزہ رکھے ہوئے ہو) اور اپنے حزن و غم سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ خوشیاں منا رہے ہوں اور اپنے گریہ وزاری سے پہچانا جائے جبکہ لوگ ہنس بول رہے ہوں اور اپنی خاموشی و سکوت سے پہچانا جائے جبکہ سب لوگ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہوں اور لگو اس میں مشغول ہوں۔ اسی طرح اپنی مسکنت و تواضع سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ فخر و غرور کی باتوں میں لگے ہوئے ہوں۔

حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے ان کی حالت یہ تھی کہ قرآن کو اپنے رب کے پاس سے آیا ہوا مکتوب سمجھتے تھے چنانچہ رات کو اس میں تدبر کرتے تھے اور دن میں اپنے پر اس کو نافذ کرتے تھے یعنی اس کے احکام پر عمل کرتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ حامل قرآن کو اپنی کوئی حاجت خلفاء کے پاس اور دوسرے کسی اعیان سلطنت کے پاس نہیں لیجانا چاہیئے۔ انہیں سے یہ بھی منقول ہے کہ حامل قرآن گویا پرچم اسلام

کا حامل ہے لہذا اس کی شان سب سے الگ ہونی چاہیئے یعنی نہ تو کسی لہو کرنے والے کے ساتھ لہو کرے اور نہ کسی سہو کرنے والے کے ساتھ سہو کرے اور نہ کسی لغو کام کرنے والے کے ساتھ ہو کر لغو میں پڑے حق قرآن کے اجلال اور اس کی تعظیم کا یہی تقاضا ہے۔

فصل۔ حامل قرآن کو جن امور کا حکم کیا جائے گا ان میں سے ایک اہم شئے یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو ذریعہ معاش اور کمائی بنانے سے بہت ہی زیادہ حذر کرے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن شبیل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"قرآن کو پڑھو مگر اس کو کھانا نہ بناؤ۔ نہ اس پر ظلم وجفا کرو کہ سیکھو ہی نہیں اور نہ اس میں غلو کرو کہ محض آواز درست کرنے اور حروف نکالنے ہی کے درپے رہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن کو اس سے پہلے پہلے پڑھ لو کہ ایک ایسی قوم آوے جو اس کو تیر کے مانند سیدھا کرے گی اور دنیا ہی میں اس کا صلہ چاہے گی (یعنی تعریف وشہرت اور مال وغیرہ) اور آخرت اس کو مقصود نہ ہوگی۔

حضرت فضیل بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی میں سے دو شخص کسی مسجد میں گئے نماز کے بعد جب امام نے سلام پھیرا تو کوئی شخص کھڑا ہوا اور قرآن شریف کی چند آیتیں تلاوت کیں پھر لوگوں سے سوال کیا۔ یہ دیکھ کر ان دونوں صحابیوں میں سے ایک نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ عنقریب ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرے گی سو جو شخص قرآن کے ذریعہ سوال کرے اس کو مت دو۔

معمولاتِ سلف رحمہم اللہ

فصل۔ مناسب ہے کہ تلاوت قرآن پر محافظت کیجائے اور اس کا زیادہ سے زیادہ معمول دکھاجائے چنانچہ اسلاف کا معمول ختم قرآن کے مقدار کے باب میں مختلف تھا۔ بعض سلف کا تو یہ معمول تھا کہ وہ دو ماہ میں ایک ختم کرتے تھے اور بعض ہر مہینہ میں ایک ختم۔ اور بعض ہر عشرہ میں ایک بار یعنی ایک ماہ میں تین ختم کرتے تھے۔ اور بعض ہر ہفتہ میں ایک ختم کرتے تھے۔ اور ایسے تو بہت گذرے ہیں جو ہفتہ میں ایک ختم کرتے تھے۔ بعض چھ دن میں اور پانچ دن میں۔ بعض چار دن میں قرآن شریف

ختم کرتے تھے۔ اور بہت سے لوگوں کا معمول تین دن میں ختم کرنے کا تھا۔ بعضے دو ہی دن میں ختم کرتے تھے۔ بعض شبانہ روز میں ختم کرتے تھے۔ اور بعض حضرات ایک دن میں دو ختم فرماتے تھے۔ بعضے حضرات تین ختم فرماتے تھے۔ بعضوں سے رات دن میں آٹھ آٹھ ختم منقول ہے۔ چار دن میں اور چار رات میں۔

چنانچہ حضرت سیدنا عثمان رضؓ تمیم داریؓ۔ سعید بن جبیرؒ۔ مجاہدؒ اور حضرت امام شافعیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا معمول ایک دن رات میں سارا قرآن ختم کرنے کا تھا۔ اور جن لوگوں نے ایک دن رات میں تین تین ختم کیا ہے ان میں سے ایک حضرت سلیم بن عمرؓ ہیں جو خلافت معاویہؓ کے دور میں مصر کے قاضی تھے اور ابوبکر بن داؤد کے بیان کے مطابق تو وہ ایک شب میں چار ختم فرمایا کرتے تھے۔

اور ایک بزرگ ہیں ابن الکاتب ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دن میں چار ختم کرتے تھے اور پھر چار ہی ختم رات کو بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور یہی سب سے زیادہ مقدار ہے جو اس باب میں ہم تک پہونچی ہے یعنی روزانہ آٹھ ختم سے زائد کسی کے متعلق روایت نہیں پہونچی رہا یہ کہ قرآن شریف کا ختم کم سے کم کتنے وقت میں کیا گیا تو اس کے متعلق سنئے!

حضرت منصور بن زاذان جو عُبّاد تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں وہ رمضان شریف میں روزانہ دو ختم فرماتے تھے ایک ظہر اور عصر کے مابین اور دوسرا مغرب و عشاء کے درمیان۔

نیز ابوداؤد کی روایت ہے کہ مجاہدؒ مغرب اور عشاء کے مابین قرآن ختم فرمایا کرتے تھے۔ منصور کہتے ہیں کہ علی ازدیؒ رمضان شریف میں مابین مغرب و عشاء ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد حبوہ باندھ کر بیٹھتے تھے اور اپنے حبوہ کو کھولتے نہ تھے یہانتک کہ قرآن ختم فرمالیتے تھے۔

(**احتباء:**۔ یہ ایک طریقہ نشست ہے کہ اس میں بیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی رومال یا چادر وغیرہ سے باندھ لیتے تھے جس کی وجہ سے بیٹھنے میں راحت ملتی ہے اور اس کپڑے کو جس سے باندھتے ہیں حبوہ کہتے ہیں۔)

اور وہ حضرات جنھوں نے ایک رکعت میں ختم قرآن کیا ہے تو وہ بھی بیشمار ہیں۔ چنانچہ متقدمین میں سے حضرت عثمانؓ تمیم داریؓ۔ سعید بن جبیرؓ اسی فہرست میں ہیں۔

اسی طرح جو حضرات ہفتہ میں ایک دفعہ قرآن شریف ختم فرماتے تھے وہ بھی بکثرت ہیں۔ چنانچہ صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ اور تابعین میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ۔ حضرت علقمہؒ۔ حضرت ابراہیمؒ وغیرہم کا یہی معمول تھا۔ یہی معمول "فمی بشوق" کہلاتا ہے۔ اس میں قرآن شریف کی سات منزلوں کی طرف اشارہ ہے

اس طرح کہ ہر منزل کی اول سورہ کا نام پہلے حرف سے مراد ہے۔ یعنی فاؔ سے فاتحہ۔ میمؔ سے مائدہ۔ یاؔ سے یونس۔ باؔ سے بنی اسرائیل۔ شینؔ سے شعرا۔ واؔو سے والصّٰفّٰت۔ اور قافؔ سے سورہ قٓ
یہی ہمارے بزرگوں یعنی حضرت حاجی صاحبؒ و حضرت مولانا تھانویؒ کا بھی معمول تھا۔ اسلاف کا معمول تلاوت کے باب میں جو تھا آپ نے ملاحظہ فرمایا اب سنئے کہ قول فیصل اس باب میں یہ ہے کہ یہ مقدار اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہے۔ چنانچہ جس شخص کے لئے دقیق ذکر سے لطائف و معارف قرآنیہ ظاہر ہوں اس کو چاہیے کہ اتنی مقدار پڑھے کہ جس سے اپنے پڑھے ہوئے کو کامل طور سے سمجھ بھی سکے اور جو شخص اشاعت علم دین یا اسی طرح کے اور دوسرے مہمات دین اور مصالح عامہ مسلمین میں مشغول ہو تو اس کو چاہئے کہ تلاوت میں اتنی ہی مقدار پر اکتفا کرے جس سے اس کے مقصد میں خلل واقع نہ ہو اور اگر ان لوگوں میں سے نہیں ہے تو پھر جس قدر زیادہ تلاوت کر سکے کرے بس اس کا خیال رکھے کہ اتنی تکثیر نہ کرے جو موجب کلال و ملال ہو جائے یا جلدی ختم کرنے کے لئے تیز تیز پڑھنے لگے جیسے گھاس کاٹ رہا ہو معاذ اللہ۔

فصل۔ (ایک ادب حامل قرآن کا یہ ہے کہ) اس کو چاہیے کہ قرآن شریف کی تلاوت شب کے اوقات میں زیادہ کرے۔ بالخصوص تہجد کی نماز میں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ

یہ سب برابر نہیں ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں۔ اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور نیک کام بتلاتے ہیں۔ اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں۔ اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں ہیں۔

نیز صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبد اللہ بہت ہی خوب آدمی ہیں کاش وہ رات میں بھی نمازیں پڑھتے۔ دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبد اللہ اس شخص کے مانند مت ہو جانا کہ وہ رات کو اٹھا کرتا تھا پھر اٹھنا ترک کر دیا۔
حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا شرف قیام لیل میں ہے احادیث و آثار اس باب میں بہت ہیں۔ چنانچہ ابو الاحوص جشمی کہتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں کے خیموں کے

درمیان سے شب میں گذرتا اور اس کے رہنے والوں کی آواز ایسی سنتا تھا جیسے کہ شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے تو یہ سن کر ترحما کہتا تھا کہ کیا صورت ہو کہ یہ لوگ جس چیز سے خوف کر رہے ہیں (جیسا کہ انکی آواز سے ظاہر ہو رہا ہے) اس سے مطمئن اور بے خوف ہو جائیں۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شب میں قرآن شریف ضرور پڑھا کرو چاہے تھوڑی ہی دیر سہی۔ مثلاً اتنی ہی دیر جتنا بکری دوہنے میں لگتا ہے۔ حضرت یزید رقاشیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں شب میں سو رہوں اور آخر شب میں آنکھ کھلے (تو بھی نہ اٹھوں اور پھر سو جاؤں تو خدا کرے کہ میری آنکھوں کو کبھی سونا نصیب نہ ہو (شب بیداری کی دولت پاکر پھر اس سے متمتع نہ ہونے کے قلق کو اس عنوان سے ظاہر کرتے تھے)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صلوٰۃ لیل اور اس میں تلاوت کی فضیلت اس لئے بیان کی اور اس کو راجح اس لئے کہا کہ اس وقت جو تلاوت ہوتی ہے وہ قلب کی جمعیت کے ساتھ ہوتی ہے۔ دیگر مشاغل لہو ولعب اور ضروریات وحوائج کی فکر سے خالی ہوتی ہے۔ ریا سے پاک ہوتی ہے۔ اور دوسری محبطات اجر سے محفوظ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شریعت میں رات کے جو فضائل وارد ہیں۔ مثلاً یہ کہ خیرات و برکات کا ایجاد رات ہی میں ہوتا ہے۔ وہ سب تالی کو حاصل ہونگی۔

دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج ہوئی وہ شب ہی میں ہوئی۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ تمھارا رب ہر شب نصف رات گذرنے کے بعد سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اعلان فرمایا جاتا ہے کہ ہے کوئی دعا کرنے والا جس کے دعا کی اجابت کروں الحدیث (تو دیکھو یہ بھی رات ہی میں ہوتا ہے) اور سنو! حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر رات میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کی دعا قبول فرماتا ہے۔

پھر یہ سمجھو کہ قیام لیل کی فضیلت اور اسمیں قرات کا شرف قلیل مقدار اور کثیر مقدار سب سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جس قدر زیادہ مقدار ہوگی اتنی ہی بہتر ہوگی۔ باقی ساری رات کو گھیر لینا تو اگر کبھی کبھی ہو تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ صحت کے لئے مضر نہ ہو۔ لیکن اس پر دوام برتنا مکروہ ہے۔ اور جو کہا گیا ہے کہ فضیلت قیام لیل سے بھی حاصل ہوتی — تو اس کی دلیل سنو!

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے شب میں دس آیتیں نماز میں پڑھیں تو وہ غافلین میں سے نہیں شمار ہوگا۔ اور جو شخص سو آیتیں پڑھیگا اس کا شمار قانتین میں ہوگا اور جو ایک ہزار آیتیں پڑھ لیگا وہ مقسطین میں شمار ہوگا۔

حضرت ثعلبیؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات میں صرف دو رکعتیں بھی پڑھ لیں تو گویا اس نے ساری رات اللہ کے آگے رکوع اور سجدے میں گزاری۔

فصل ۔ ایک ادب حامل قرآن کا یہ ہے کہ وہ اپنے پڑھے ہوئے کو یاد بھی رکھے بھولنے نہ دے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قرآن کی اچھی طرح سے حفاظت کرو اور نگرانی رکھو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ یہ قرآن اس اونٹ سے بھی زیادہ بھاگ نکلنے والا ہے جس کی ٹانگیں رسّی میں بندھی ہوں۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ صاحب ابل جس نے اس کی ٹانگ باندھ رکھی ہو اب اگر اس نے اس کا خیال رکھا تب تو اونٹ پر اس کا قابو رہے گا اور اگر کھول دیا تو اونٹ نکل بھاگے گا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال کے اجور پیش کئے گئے یہانتک کہ اگر کسی شخص نے مسجد سے خس و خاشاک کو دور کیا تھا تو وہ بھی پیش ہوا۔ اسی طرح میری امت کے ذنوب بھی پیش کئے گئے۔ مجھے ان میں کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں نظر آیا کہ کسی انسان کو قرآن شریف کی کوئی سورۃ یا کوئی آیت یاد ہو اور پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو۔

حضرت سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن شریف کو پڑھا پھر اس کو بھلا دیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے بدن پر جذام ہوگا۔

فصل ۔ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص شب میں اپنے ورد وغیرہ سے سو جائے پھر اس کو صبح، فجر اور ظہر کے درمیانی وقت میں ادا کرے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اُس نے شب ہی میں ادا کیا ہو۔ حضرت سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں ایک شب اپنے ورد کو نہ پڑھ سکا اور میرا ورد سورہ بقرہ کی تلاوت کا تھا جب صبح کو اٹھا تو میں نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اسی رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بقرہ (یعنی گائے) ہے جو مجھ کو اپنے سینگ سے مار رہی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کسی حافظ قرآن کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شب وہ سو گئے اور اپنے معمول کو نہ ادا کر سکے۔ شب کو انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا ان سے کہہ رہا ہے کہ "بڑے افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ ایسا تن و توش اور ایسی صحت رکھنے والا جوان تو صبح تک پڑا سوتا رہے یعنی اس قدر غافل ہو۔ اور موت کا یہ حال ہے کہ اس کے جھپٹنے سے رات کی تاریکی میں امن نہیں ہے۔ (اس کا تو تقاضا تھا کہ انسان اس طرح سے غافل نہ سوتا۔

آدابِ تلاوتِ قرآن

میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا کہ آدابِ تلاوت مستقل طور پر بیان کروں گا اس لئے بیان کرتا ہوں بعض آداب پہلے بیان ہو چکے ہیں تاہم ثانیاً لکھتا ہوں تاکہ سب یکجا ہو جائیں۔ وھُوَھٰذَا

کتاب الاذکار میں ہے کہ

سب سے پہلی چیز جس کا قاری اپنی قرات میں مامور ہے وہ اخلاص ہے۔ اور قرآن پاک کے آداب کی رعایت ہے۔ پس اس کو چاہئے کہ اپنے نفس میں یہ استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے۔ اور قرات ایسے حال پر کرے گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ نہیں دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو دیکھتے ہیں۔

احیاء العلوم میں ہے کہ

تلاوت کرنے والے کو چاہئے کہ کلام کی عظمت کو سمجھے اور ابتداء تلاوت ہی میں متکلم کی تعظیم کو مستحضر کرے اور یہ سوچے کہ جس کلام کی تلاوت کرنے جا رہا ہے وہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ جل شانہ کا کلام ہے۔

نیز احیاء العلوم میں ہے کہ

قاری کے لئے مناسب ہے کہ باوضو ہو۔ وقار اور سکون کی ہیئت میں ہو۔ قبلہ رو ہو۔ اس کا بیٹھنا متکبر کے طور پر نہ ہو بلکہ اس کا جلوس خلوت میں اس طور پر ہو جیسے ایک شاگرد رشید اپنے استاد محترم کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اور افضل احوال یہ ہے کہ نماز میں کھڑے ہو کر پڑھے اور اگر وہ مسجد میں ہو تو یہ افضل الاعمال ہے اور اگر بلا وضو کے لیٹ کر قرات کرے تب بھی فضیلت ہے مگر پہلی قرات سے اسکی افضلیت کم ہے۔

کتاب الاذکار میں ہے کہ

(**فصل**) قاری کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اس کی قرات میں خشوع وتدبر اور خضوع ہو اور یہی مطلوب ومقصود ہے اسی سے سینوں میں انشراح اور قلوب میں نور پیدا ہوتا ہے چنانچہ سلف کے کچھ لوگ ایک آیت کی تلاوت رات رات بھر کرتے رہ جاتے تھے۔ اور رات کے اکثر حصہ کو تدبر کرنے میں گذار دیتے تھے۔ اور ایک جماعت تو قرات کے وقت بیہوش ہو گئی اور کتنے لوگ مر بھی گئے اور مستحب یہ ہے کہ قرات کے وقت

روئے اگر رونے پر قادر نہ ہو تو رونے کی صورت بنادے۔ اس لئے کہ قراءت کے وقت بکاء عارفین کی عادت اور اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا الآیہ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے، اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔

صاحب روح المعانی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ

وقد جاء فی مدح البکاء من خشیۃ تعالیٰ اخبار کثیرۃ اخرج الحکیم الترمذی عن النضر ابن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان عبداً بکی فی امۃ لانجی اللہ تعالیٰ تلک الامۃ من النار ببکاء ذالک العبد۔

اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی مدح میں بہت کثرت سے روایات آئی ہیں چنانچہ حکیم ترمذی نے نضر بن سعد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ کسی قوم میں (اللہ تعالیٰ کے خوف سے) روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پوری امت کو (اس ایک بندہ کے رونے کے سبب) نار جہنم سے رہائی نصیب فرما دیتے ہیں۔

وما عمل الا لہ وزن وثواب الا الدمعۃ فانہا تطفی بحوراً من النار وما اغرورقت عین بماءھا من خشیۃ اللہ تعالیٰ الا حرم اللہ تعالیٰ جسدھا علی النار فان فاضت علی خدہ لم یرھق وجہہ قتر ولا ذلۃ۔

اور ہر عمل کے لئے ایک خاص وزن اور ثواب ہوتا ہے بجز آنسو کے کہ وہ آگ کے بہت سے سمندروں کو بجھا دیتا ہے اور کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جس میں خدا کے خوف سے آنسو ڈبڈبا آئے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو دوزخ پر حرام فرمائیں گے اور اگر وہ آنسو اس کے رخسارہ پر گر جائے تو اس کے چہرہ کو ذرا بھی نہ دھواں پہونچے گا نہ ذلت۔

واخرج ایضا عن ابن عباس قال سمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عینان لا تمسہا النار عین بکت من خشیۃ اللہ وعین تحرس فی سبیل اللہ

اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ نار جہنم ان کو نہ چھوئے گی ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں حفاظت کے لئے جاگی ہو۔

واخرج ھو والنسائی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یلج النار رجل بکی من خشیۃ اللہ تعالیٰ حتی یعود اللبن فی الضرع ولا اجتمع علی عبد غبار فی

اسی طرح نسائی وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جو کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا ہو اس وقت تک دوزخ میں داخل نہ ہوگا جب تک کہ دودھ تھن میں نہ لوٹ جائے (یہ تعلیق بالمحال ہے یعنی نہ یہ ہوگا اور نہ وہ ہوگا) اور یہ فرمایا

سبیل اللہ تعالٰی ودخان جہنم رواہ النسائی فی مخرجہ ومسلم ابدا۔ وینبغی ان یکون ذالک حال العلماء فقد اخرج ابن جریر وابن المنذر وغیرھما عن عبد الاعلی التیمی انہ قال ان من اوتی من العلم ما لا یبکیہ لخلیق ان لا یکون اوتی من العلم ما لا ینفعہ لان اللہ تعالٰی نعت اہل العلم فقال ویخرون للاذقان یبکون۔

کہ کسی انسان کے نتھنوں میں اللہ تعالیٰ کے رستہ کی گرد اور دوزخ کا دھواں یہ دونوں چیزیں ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں (یعنی دنیا میں جب اللہ کے راستہ میں گرد کھائی ہے تو آخرت میں عذاب جہنم سے محفوظ رہے گا) اور لائق ہے کہ یہی حال علما کا بھی ہو۔ اسلئے کہ ابن جریر وغیرہ نے عبدالاعلیٰ تیمی سے تخریج کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایسا علم دیا گیا جو اس کو نہ رلائے تو حق ہے کہ کہا جائے کہ وہ ایسا علم دیا گیا جو اس کے حق میں نافع نہیں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کے وصف میں یہ فرمایا ہے کہ اپنے منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں (پس جو عالم خدا کے خوف سے رویا نہیں وہ کیا عالم ہوا)

فصل۔ قرآن دیکھ کر پڑھنا افضل ہے زبانی پڑھنے سے یہی ہمارے اصحاب نے کہا ہے اور سلف سے بھی منقول ہے مگر یہ علی الاطلاق نہیں بلکہ اگر قاری کا حال یہ ہے کہ زبانی پڑھنے میں اس کو زیادہ تدبر و تفکر اور جمعیت قلب حاصل ہوتی ہے تو اس صورت میں اس کے لئے یہی افضل ہے اور دونوں میں تدبر و تفکر یکساں ہے تو پھر قرآن دیکھ کر ہی پڑھنا افضل ہے اور یہی سلف کی عادت ہے

فصل۔ قرات میں رفع صوت کے بارے میں احادیث آئی ہیں اور اسرار (پوشیدہ پڑھنا) کی فضیلت میں بھی بہت سے آثار وارد ہیں ان دونوں میں تطبیق اور جمع کی صورت یہ ہے کہ اسرار ریاء سے بہت بعید ہے تو جن لوگوں کو اس کا خوف ہو ان لوگوں کے حق میں اسرار ہی افضل ہے اور اگر ریاء کا خوف نہ ہو تو جہر افضل ہے بشرطیکہ اس سے کسی نماز پڑھنے والے یا سونے والے کو اذیت نہ ہو۔

جہر کے افضل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں عمل بڑا ہے اور اس کا نفع غیروں کو بھی پہونچتا ہے اور جہر قاری کے قلب کو بیدار کر دیتا ہے اس کے خیال کو غور و فکر کی طرف جمع کر دیتا ہے۔ اس کے کان کو اس کی طرف پھیر دیتا ہے نیند کو ختم کر دیتا ہے نشاط کو زیادہ کرتا ہے۔ دوسرے نائمین و غافلین کو بیدار کر کے ان میں نشاط پیدا کر دیتا ہے۔ پس اگر جہر سے ان مذکورہ اشیاء میں سے کوئی شے مقصود و مطلوب ہو تو جہر افضل ہے

فصل۔ قرات میں تحسین صوت اور اس کی تزئین مستحب ہے مگر جبکہ حد سے تجاوز نہ ہو جائے پس اگر کوئی حرف کو زیادہ کر دے یا کم کر دے تو یہ حرام ہے۔ اور الحان سے قراءت کرنے میں اگر افراط نہ ہو تو

جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

فصل۔ قاری کو چاہیئے کہ ایسی جگہ سے قرات شروع کرے اور ایسی جگہ پر وقف کرے کہ معنی مربوط رہیں۔ اب اس امر میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے اس لئے ہرگز ہرگز اس میں لوگوں کی تقلید نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ سید جلیل ابو علی فضیل ابن عیاض کے مقولہ کو اپنا لائحہ عمل بنانا چاہیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

لا تستوحش طرق الھدی لقلۃ اھلہا ولا تغتر بکثرۃ الہالکین	ہدایت کے راستوں سے اس بنا پر کہ ان پر چلنے والے کم ہیں متوحش نہ ہو اور کثرت ہالکین سے دھوکہ میں نہ پڑو (یعنی انکی کثرت کو دیکھکر تم بھی انکی اتباع کرنے لگو اور ہلالت میں پڑ جاؤ)۔

(یہ سب آداب کتاب الاذکار "للنووی" سے ماخوذ ہیں)

پس اگر ان آداب مذکورہ کا لحاظ کر کے تلاوت کی جائے تو ضرور تلاوت کے فیوض و برکات حاصل ہوں گے اور تلاوت کی لذت وحلاوت ملے گی اور جس کو تلاوت میں لذت وحلاوت ملجائے گی اس کو کبھی بھی تلاوت سے سیری نہ ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کو قرآن پاک میں ایسی حلاوت حاصل تھی کہ ان کو کسی دوسری چیز میں ایسی حلاوت ملتی ہی نہ تھی۔

روایت ہے کہ جب صلوٰۃ خمسہ فرض ہوئیں تو صلوٰۃ تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ تہجد کی فرضیت کے ساقط ہو جانے کے بعد دیکھیں صحابہ کا کیا حال ہے۔ اخیر شب میں تلاوت کلام اللہ کرتے ہیں یا نہیں چنانچہ آپ صحابہ کے حجروں سے گذرے تو شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناہٹ سُنی۔ یعنی بدستور سابق لوگ قرات قرآن میں مشغول تھے۔ بھلا وہ کیسے چھوڑ سکتے تھے ان کے گوشت و پوست، سمع، بصر، دل و دماغ میں قرآن رچ بس گیا تھا۔ اور پوری طرح سرایت کر گیا تھا ان کا جزو لاینفک ہو گیا تھا۔ اس لئے فرضیت تہجد رہے نہ رہے ہر حال میں تلاوت کرنے پر مجبور تھے ان کو قرآن پاک سے تعلق ہو گیا تھا اور اس بابرکت وقت سے تعلق ہو گیا تھا ان کو اسوقت کی برکت و حلاوت مل چکی تھی تو پھر کیسے اس سے غافل ہو سکتے تھے۔

ایک صحابی قرآن پاک کی قرات نہایت خوش الحانی سے کر رہے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سنا تو فرمایا کہ فلاں شخص تو لحن داؤد دیئے گئے ہیں۔ انھوں نے یہ سُنکر کہا کہ اگر میں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُن رہے ہیں تو اور زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا

ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی طبیعت رمضان شریف میں ناساز ہوئی امام صاحب سے لوگوں نے کہدیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو کچھ نقاہت ہے لہٰذا تراویح میں قرآن پاک معمول

سے کم پڑھا جائے چنانچہ امام صاحب نے ایسا ہی کیا جب امام صاحب فارغ ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہئے امام صاحب مزاج تو اچھا ہے؟ کیوں کم پڑھا۔ امام صاحب نے کہا کہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی اس لئے کم پڑھا تب حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں۔ میرا تو حال یہ ہے کہ جب قرآن شریف کوئی پڑھتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ سنتا ہی چلا جاؤں ــــــ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور اکابر کو قرآن پاک سے انتہائی مناسبت تھی اور اس کی تلاوت سے ان حضرات کو حظ و حلاوت ایسی ملتی تھی جس کی وجہ سے بس قراءت کرتے اور سنتے ہی چلے جاتے تھے ذرا تکان و ملال محسوس نہ فرماتے تھے۔

سنئے! بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معجزات عطا فرمائے اور یہی معجزات ان کی نبوت و رسالت کے لئے حجت اور دلیل بنتے ہیں اور اولیاء کو انبیاء کی وراثت میں کرامت عطا فرماتے ہیں تاکہ منکرین کو زیر کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نہایت زبردست کشش اور تاثیر عطا فرمائی ہے جسکی وجہ سے وہ بڑے بڑے منکر و معاند کو مغلوب و مجوج کر دیتا ہے۔ آخر کوئی بات ہے جبھی تو عرب کے لوگ اسکی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر منہ کے بل گر پڑے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اقرار کیا حالانکہ وہ لوگ اپنے سامنے کسی دوسرے کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اور انھوں نے یہ تسلیم کیا کہ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کوئی بشر ایسے کلام پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اس بات کو تو دل میں سب مان گئے مگر جن کی قسمت میں سعادت تھی وہ ایمان لائے اور جو شقی تھے وہ اپنے کفر و عناد ہی پر ڈٹے رہے

ایک بات اور سنئے! مختصر المعانی میں گھوڑوں کی تعریف میں یہ مصرع آیا ہے:-

ع "سبوح لہا منہا علیہا شواہد"

یعنی ایسے گھوڑے ہیں کہ ان کے لئے انھیں سے ان پر شواہد ہیں یعنی خارج سے ان کی خوبیوں کے لئے دلائل و شواہد کی ضرورت نہیں ہے اس مصرع کو میں قرآن پاک پر پڑھتا ہوں اور بیشک قرآن ہی ایسا ہے کہ اس پر یہ مصرع پڑھا جاوے کہ قرآن کے فضائل اور اس کی خوبیوں پر خود قرآن پاک ہی شاہد ہے ع "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

بس اب اخیر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نازل فرما کر فیوض و برکات کے ابواب کو مفتوح فرما دیا ہے اور اپنے سے رشتہ و تعلق جوڑنے کے لئے اعلیٰ ترین ذریعہ ہم میں چھوڑ رکھا ہے۔ اب ہم اگر اس کی قدر نہ کریں بلکہ اس کے علاوہ کلام و اشعار سے ذوق و حال پیدا کریں اور کلام اللہ میں تدبر و تفکر تو درکنار تلاوت کے بھی روادار نہ ہوں تو بہت ہی خسران اور حرمان ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی ناراضی کا موجب ہے۔

سنئے! اگر آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی رأفت و عنایت کو مبذول کرانا چاہتے ہیں تو بس کلام اللہ کی طرف توجہ کیجئے اور اپنا رشتہ کلام اللہ سے جوڑیئے اور قوی تعلق پیدا کیجئے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کی عنایت متوجہ ہوتی ہے یا نہیں۔

آخرت میں جو عزت وشرف وکرامت ملیگی اس کا تو پوچھنا ہی کیا دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی کفالت فرمائیں گے چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جس کو قرآن کی قراءت اور ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھا تو سائلین کو جو کچھ دیتا ہوں اس سے افضل شئے اس کو دوں گا۔

اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ادعیہ پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

وَاَسْأَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجِلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ۔ یعنی سوال کرتا ہوں میں تجھ سے بحق ہر اس نام کے جو تیرا ہے کہ تو نے جس کے ساتھ اپنی ذات کو موسوم کیا ہے یا اس کو اپنی کتاب میں اُتارا ہے یا اُسے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا علم غیب ہی میں اسکو رہنے دیا ہے یہ کہ کردے قرآن عظیم کو بہار میرے دل کی اور نور میری آنکھ کا اور کشائش میرے غم کی اور دفعیہ میرے فکر کا"۔ دیکھئے یہاں قرآن کو قلب کی ربیع وبہار فرمارہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سے قلب میں بہار آجاتی ہے تو کوئی شئے ہے جبھی تو یہ دعا فرمارہے ہیں۔

اسی طرح کی دوسری دعائیں سنئے:۔

اَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِيْ اسْتَقَرَّ بِهٖ عَرْشُكَ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ الْمُنَزَّلِ فِيْ كِتَابِكَ مِنْ لَّدُنْكَ وَبِاسْمِكَ الَّذِيْ وَضَعْتَهٗ عَلَى النَّهَارِ فَاسْتَنَارَ وَعَلَى اللَّيْلِ فَاَظْلَمَ وَبِعَظَمَتِكَ وَكِبْرِيَائِكَ وَبِنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تَرْزُقَنِيَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ وَتُخَلِّطَهٗ بِلَحْمِيْ وَدَمِيْ وَسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَتَسْتَعْمِلَ بِهٖ جَسَدِيْ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ فَاِنَّهٗ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

قرآن پاک ہی کے متعلق حضورؐ نے یہ دعا بھی فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً۔ اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

رسالہ تلاوت قرآن سے متعلق بعض مشائخ کے تاثرات

حال۔ ایک حافظ صاحب نے جو حضرت والا کے مخصوص خدام میں سے ہیں لکھا کہ:۔

معرفت حق کے پرچے محرم اور صفر کے ایک ساتھ آئے شوق کے ہاتھوں لیکر دیکھنا شروع کیا حضرت بالاشبہ بار بار زبان سے نکلا ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ✦ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

سبحان اللہ! عجب مضامین ہیں (اور اسکے بعد دور تک رسالہ ہی کی تعریف تھی) حضرت والا نے اپنے منصب اصلاح کے پیش نظر کہ لوگ صرف زبان سے مجھے خوش کرنے پر اکتفاء نہ کریں بلکہ دل سے اثر لیں اور کام کریں ان مولوی صاحب کو تحریر فرمایا اور اسی میں ایک بزرگ کے جذبات و تاثرات کا بھی حوالہ دیا مجھے یہاں بس اسی کا بیان کرنا مقصود تھا، حضرت نے حاضرین میں سے کسی سے لکھوایا کہ

تحقیق۔ آپ نے رسالہ معرفت حق کی خوب خوب تعریف فرمائی ہے ہم لوگ بھی اس سے محظوظ ہوئے لیکن حضرت والا نے فرمایا ہے کہ پرتابگڈھ کے ایک مولوی صاحب ہیں محمد احمد صاحب (مراد اس سے مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی مدظلہ ہیں) وہ کہتے تھے کہ میں نے آپکے مضامین بالخصوص تلاوت قرآن سے متعلق جو کلام ہے اس کی اشاعت کو زندگی کا ایک مقصد بنا لیا ہے طریق سے متعلق بڑی گمراہی میں لوگ مبتلا تھے آپ نے راستہ اتنا صاف اور ایسا آسان کر دیا ہے کہ میں ضعیف الہمۃ کو بھی دیندار بننے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ہمت ہو گئی ہے۔

واقعی تلاوت کا حق ہم لوگ پہچانتے ہی نہ تھے۔ حضرت والا نے ہی اس کا عارف بنایا، یہ انکے تاثرات ہیں اور صرف تاثر ہی نہیں ہے اسکے مطابق عمل بھی کرنا شروع کر دیا ہے (جیسا کہ مولانا کے اس فرمانے سے کہ اس کی اشاعت کو زندگی کا ایک مقصد بنا لیا ہے، ظاہر ہے) تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ حافظ جی! آپ بنا صرف تاثر ہی لکھتے ہیں یا کچھ کام بھی کر رہے ہیں یا کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں، اس کے بارے میں کچھ فرمائیے؟۔ (رجسٹر نقل خطوط ۱۷ ؍ ۱۸۱)

مجھے یاد ہے کہ جسوقت مولانا پرتابگڈھی مدظلہ نے اپنے ان تاثرات کو حضرت اقدسؒ کے سامنے ظاہر فرمایا تو حضرت والا اس سے بہت متاثر ہوئے اور چند حضرات کو طلب فرمایا (جن میں احقر بھی تھا) اور فرمایا کہ سنو دیکھو مولانا کیا کہہ رہے ہیں مولانا پرتابگڈھی نے اپنی بات کو دہراتے ہوئے فرمایا کہ ابھی میں نے حضرت سے یہ عرض کیا تھا کہ حضرت کے رسالہ تلاوت قرآن کے مطالعہ کے بعد سے تو اور دوسرے موضوع پر وعظ کہنا تقریباً بند ہی کر دیا ہے بس اسی کا وعظ کہتا ہوں اور میرا یہی موضوع بیان ہوتا ہے (انتہی)، بہرحال اللہ تعالیٰ اب ہم سب کو قرآن کریم سے انس اور تلاوت قرآن کی توفیق عطا فرما دے اور اس سے بچائے کہ ہم دوسروں کے لئے تو سامان ہدایت فراہم کر دیں اور خود اس سے محروم رہیں۔

ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ (از ناکارہ جامی)

وَصِیَّۃُ التِّلَاوَۃ

از افاضات

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

ناشر

دفتر ماہنامہ معرفت حق ۲۳ بخشی بازار الہ آباد ۳

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد! حضرت مصلح الامت مولانا و مرشدنا نور اللہ مرقدہٗ جیسی شخصیت کی طرف کسی مضمون کے انتساب کے بعد پھر اس مضمون کی اہمیت و خصوصیت بیان کرنے کی چنداں حاجت باقی نہیں رہ جاتی بلکہ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ حضرت والا کے ارشادات و ملفوظات ہیں تاہم بعض امور کے پیش نظر اس خاص مضمون کے متعلق چند کلمات لکھدینا مناسب معلوم ہوا۔ امید کہ ناظرین کرام کے لئے بصیرت کا سبب ہوگا۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بعض خصوصی حضرات کے بار بار اصرار کے بعد، اکتوبر ۱۹۶۳ء میں بمبئی کا سفر فرمایا اور یہ سفر اعلاء کلمۃ اللہ و اشاعت دین کی غرض سے پہلا سفر تھا اور وہاں جاکر شہر ہی کے علاقہ میں کلیر روڈ پر دس گیارہ روز تک قیام فرمایا۔ اثناء قیام میں شہر کے مختلف مقامات پر متعدد مواعظ ہوئے جنکو وہیں کے بعض احباب نے ٹیپ ریکارڈر میں ضبط کر لیا تھا پھر اسے الٰہ آباد لاکر دوسرے ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کر لیا گیا اور وقتاً فوقتاً اسے نقل کرکے اس کی تبییض و ترتیب ہوتی رہی یہاں تک کہ اس سے نقل کئے ہوئے پانچ مواعظ پر حضرت والا نے نظر ثانی بھی فرمالی اور اسکے بارہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کو مستقلاً کتابی شکل میں طبع کرایا جائے اور جلد از جلد لوگوں تک پہونچایا جائے تاکہ لوگ اس سے منتفع ہو سکیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ حضرت کی حیات میں یہ کام انجام کو نہ پہونچ سکا اور اسباب کے نامساعد ہونے کی وجہ سے ان کی حیات میں یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ کتابت شروع کی جا چکی تھی لیکن اس کے طباعت کی نوبت نہ آئی۔

اب بعد میں ارباب ادارہ کے مشورہ سے ان مواعظ کے اشاعت کی یہ صورت تجویز ہوئی کہ رسالہ معرفت حق ہی میں ان مواعظ کا مجموعہ ایک ہی قسط میں شائع کر دیا جائے تاکہ ان کی کتابی شکل بھی ہو جائے اور سب قارئین رسالہ کو یہ مضامین پہونچ بھی جائیں، اس طور پر اسکا نفع عام

ہوجائے گا۔ ورنہ اگر کتاب علیحدہ مستقلاً طبع بھی کرالی جائے تب بھی حالات وتجربات کے پیش نظر یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ چھاپنے کے بعد ان کی حفاظت ہی کرنی ہوگی۔

اسی بنا پر یہ خیال ہوا کہ ماہ محرم وصفر کے دونوں رسالے یکجا کرکے محرم ہی میں شائع کردئیے جائیں تاکہ یہ سب مضامین ایک جگہ ہوجائیں اور اس کے انتظامات بھی شروع کردئیے گئے لیکن اچانک کاتب صاحب کی علالت کیوجہ سے رسالہ کو مؤخر کرنا پڑا۔ آپ حضرات کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی اسے معاف فرمائیں۔

چونکہ اس سلسلہ میں حضرت اقدسؒ کا بمبئی کے لئے یہ پہلا سفر تھا اس لئے پہلے ہی وعظ میں حضرت والاؒ نے اہل بمبئی سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جو حضرات یہاں تشریف لایا کرتے ہیں ان میں سے نہیں ہوں یعنی میں اپنی کوئی غرض لیکر آپ کے یہاں نہیں آیا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

یعنی حق تعالیٰ نے میری گردن میں ایک قلادہ ڈالدیا ہے۔ جب جہاں چاہتے ہیں لیجاتے ہیں۔

پھر اس کے بعد استفادہ واستفاضہ کے ظاہری وباطنی موانع کو بیان فرمایا تاکہ ان کا انسداد کرکے عقیدت کے ساتھ باتوں کو سنا جائے۔ کیونکہ وعظ وتذکیر اسی وقت مفید ومؤثر ہوتی ہے جبکہ عقیدت کے ساتھ سماع قبول سے ان کو سنا جائے ورنہ انکار وبدعقیدگی اتنا بڑا مانع ہے کہ نبی کے فیض کو بھی نہیں آنے دیتا تا بہ اولیا چہ رسد۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ؎

گر ہزاراں طالبند ویک ملول   از رسالت باز می ماند رسول

اور اس سلسلہ میں حضرت اقدسؒ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ الآیۃ اور پانچ روز تک روزانہ شروع وعظ میں خطبہ مسنونہ کے بعد اسی آیت کی تلاوت فرماکر اس کی توضیح وتشریح فرماتے اس کے بعد دوسرا مضمون بیان فرماتے تھے۔ پہلا وعظ تو صرف اسی پر تھا اور دوسرے روز سے مقصود اصلی اور اس کے طرق واسباب کا بیان بھی شروع فرمادیا اور دس روز تک مسلسل پوری جد وجہد سے اس کو بیان فرماتے رہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس دار دنیا میں آپکا مقصود اصلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ان کا قرب حاصل کیا جائے اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ اور قریب تر راستہ اعتقاد وتصدیق کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کا التزام ہے۔ اور زیادہ زور تلاوت کلام اللہ پر ہی دیا۔ چنانچہ اخیر کے پانچ مواعظ تو صرف اسی آیت کے بیان میں ہوئے اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جس کتاب کی وحی آپکی

طرف کی گئی ہے اس کی تلاوت کیا کیجئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ عجیب و غریب انداز سے نہایت دل نشین پیرایہ میں اسکو بیان فرمایا ہے اور مختلف عنوانات سے تلاوت کلام اللہ پر امت کو ابھارا ہے اگر یہ کہدیا جائے کہ یہ مضمون خود آپ اپنی مثال ہے تو کچھ بھی مبالغہ نہ ہوگا۔

یوں تو حضرت والا کی ایک کتاب "تلاوت قرآن" پہلے بھی اس موضوع پر تصنیف ہوکر شائع ہو چکی ہے لیکن اس کی شان الگ ہے اور اس کی شان الگ ہے۔ اس کتاب کا نام حضرت اقدس کی اور دیگر تصنیفات کی مناسبت سے وصیۃ التلاوۃ تجویز کیا گیا ہے اور یہ پانچ مواعظ پر مشتمل اس کا حصہ اول ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ وصیۃ التلاوۃ حصہ ثانی اخیر کے پانچ مواعظ پر مشتمل ہوکر ملاحظہ سے گذرے گا۔ اب مواعظ عالیہ ملاحظہ فرمائیں اور ان کی افادیت و تاثیر کا اندازہ خود اپنے مطالعہ و تاثر سے کریں۔ اور اس ناکارہ کے حق میں اور تمام ارباب ادارہ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی و ایمانی تلاوت اور تلاوت کلام اللہ کی حلاوت سے بہرہ ور فرمائے۔ اور ان مضامین عالیہ سے ہم سب کو اور حضرت اقدسؒ کے جملہ متوسلین کو اور تمام مسلمانوں کو مستفیض فرمائے اور حضرت اقدس کی روح کو اس سے خوش فرمائے اور ہم سب کی طرف سے حضرت اقدسؒ کو اجر جزیل مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین

والسلام

یکے از خدام عفی عنہ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

آستانہ عالیہ حضرت مصلح الامۃ عارف باللہ مولانا و مرشدنا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

۲۳- بخشی بازار - الہ آباد ۳

پہلا وعظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اَمَّا بَعْدُ:۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاھِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَکَانُوْا فِیْہِ مِنَ الزّٰھِدِیْنَ ۝

یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انکو بہت ہی کم قیمت میں بیچ ڈالا یعنی گنتی کے چند درہم کے عوض اور وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ لوگ انکے قدرداں تو تھے ہی نہیں کہ انکو متاع نفیس کی طرح مال کثیر کی تحصیل کا آلہ بناتے۔ اس آیت کے متعلق تو میں بعد میں عرض کروں گا ابھی یہ سنیئے کہ:۔

جو حضرات یہاں تشریف لایا کرتے ہیں میں ان میں سے نہیں ہوں میری زندگی کے حالات شاید آپ لوگوں کو معلوم نہیں۔ اس کے متعلق اتنا عرض کرتا ہوں کہ زمانہ کے فتن اور حوادث سے جیسا کہ آپ گھبراتے ہیں میں بھی گھبراتا ہوں۔ اس لئے گھر سے باہر نکلنا بھی پسند نہیں کرتا لیکن مسجد جانا چونکہ ضروری ہے اس لئے وہاں تک چلا جاتا ہوں۔ پھر بھی ظاہری و باطنی فتنوں کی وجہ سے ڈرتا ہی رہتا ہوں اور خاص کر اُن فتنوں سے جو ہم لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں طبیعت میں ہر وقت ایک خوف و ہراس سا رہتا ہے۔ اور انہیں فتنوں کے خوف سے کہیں جانے کی ہمت نہیں پڑتی اور نہ کہیں آتا جاتا ہوں۔ مگر اسکی وجہ آپ لوگ خود سمجھ لے کہ آخر یہاں کیوں آ گیا ہوں۔ یعنی جو آدمی کہیں جانا نہ چاہتا ہو بلکہ گھر کے باہر نکلنے سے بھی گھبراتا ہو وہ یہاں اتنی دور دراز کا سفر کر کے کیسے آ گیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کچھ بھید ہو گا۔ بس یوں سمجھئے کہ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

دوست یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک قلادہ میری گردن میں ڈال رکھا ہے جہاں چاہتے ہیں لیجاتے ہیں۔

لیکن آپ کے یہاں آنے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ ہم اکیلے ہیں اور آپ کی کثرت ہے کیا آپ ہماری بات کو رلا دینگے ؟ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگرچہ آپ بہت ہیں لیکن اللہ تعالےٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ یعنی کیا بہت سے ارباب بہتر ہیں یا صرف اللہ واحد قہار۔

میں نے یہ مضمون اسلئے شروع کیا ہے کہ زمانہ کے فساد کی وجہ سے طبیعت میں ایک ہول وہراس سما گیا ہے مگر اس کو ہم اچھا بھی سمجھتے ہیں۔ اسلئے کہ اسکی وجہ سے ہم ہر وقت اس سے چوکنا وہشیار رہیں گے تو یک دم سے کھل کر کوئی اقدام نہ کرینگے بلکہ ڈرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہ دعا کرتے رہیں گے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ یعنی یا اللہ ہم ظاہری و باطنی فتنوں سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ جب ڈر سمایا ہوا ہے تو اس سے نکلنے کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ مانگے۔ یہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لہٰذا جو شخص دین کے کام کے لئے تیار ہو اور کچھ کام کرنا چاہتا ہو اسکو وہ سب باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی جو انبیاء علیہم السلام نے اصلاح امت کے سلسلہ میں اختیار فرمائیں۔ جب تک بالکل اسی طریقہ کو نہ اپنائے گا کچھ کام نہ کر سکے گا۔ لہٰذا جسطرح فتن سے احتراز کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اسی طرح انکے متبعین کو بھی کرنا ہوگا۔

اور ہمارے ساتھ ان فتنوں کا ہونا بھی ضروری ہے اس لئے کہ ہمارے متعلق جو فتنے ہیں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ یعنی اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن۔

قرآن شریف میں شیاطین الانس اور شیاطین الجن دونوں گروہوں کو بیان فرمارہے ہیں۔ ان میں سے شیاطین الجن شیاطین الانس کو اغوا کرتا ہے اور طرح طرح

کی باتیں ان کے قلوب میں ڈالتا رہتا ہے یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط

چنانچہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیاطین الانس وہ لوگ ہیں جو شیاطین الجن کے اغواء اور وسوسے کو بیداری وخواب میں قبول کرتے ہیں۔

سنئے جس طرح ہم لوگ پڑھاتے لکھاتے ہیں اسی طرح شیطان نے بہتوں کو پڑھادیا ہے اور اس کے بہت سے شاگرد ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنے شاگردوں کو لوگوں کے اغوار کے لئے چھوڑ دیا ہے اور خود سامنے نہیں آتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء جو اپنے وقت کے امام تھے انکی تصانیف آپ نے بھی دیکھی ہوں گی اور ان کے احوال کا مطالعہ فرمایا ہوگا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انکی زندگی اسوۂ حسنہ تھی اور ان کے قلب میں (ہاتھوں سے اشارہ کرکے فرمایا کہ) اتنے اتنے انوار تھے مگر بجائے اسکے کہ ان کے زمانہ کے لوگ ایسے حضرات کے وجود کو غنیمت شمار کرتے اور ان کی طرف رجوع ہوتے اور ان سے نور ایمان وعرفان حاصل کرتے۔ مخالفت ہی پر کمربستہ رہے اور ان کی وفات کے بعد یہ دیکھا کہ ان کو بری طرح سے کریہہ الفاظ میں یاد کرتے ہیں حالانکہ خود ان لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ دین کا کچھ زیادہ احساس نہیں ہے چنانچہ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ اسی دنیا میں ہم بھی رہتے ہیں پھر ہماری رائے کیوں معتبر نہیں ہے آخر ہم بھی تو عقل رائے رکھتے ہیں۔ آنکھ رکھتے ہیں۔ تجربہ رکھتے ہیں تو پھر ہمارے مشاہدات وتجربات کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟ ہم تو آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ میں کچھ بھی دین نہیں ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جو لوگ کامل بلکہ اکمل دین رکھتے ہیں اور حقیقی متبع سنت ہیں انکے متعلق آپ بدگمانی رکھتے ہیں اور انکے متعلق ناشائستہ کلمات استعمال کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

کیا یہی دین ہے کہ اپنے اکابر کو برا کہا جائے۔ اب اس کو کیا کہا جائے۔ بس اسی آیۃ کو بار بار پڑھتا ہوں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝

یعنی جس طرح آپ کے دشمن ہیں اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیاطین الانس اور شیاطین الجن میں سے بنائے جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالدے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اسکو آپ رہنے دیجئے یعنی انکی فکر وغم میں نہ پڑیئے ہم

خود متعین وقت پر مناسب سزا دیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے دشمن اس واسطے بنائے کہ عداوت سے بہت کام ہوتا ہے کیونکہ یہ دنیا دار الابتلاء ہے۔ چنانچہ ابتلاء ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیطان اور نفس کو پیدا فرمایا مگر یہ ابتلاء اس وقت تک تام نہیں ہوتا جب تک کہ اچھی طرح دشمنی نہ کی جائے۔ اسلئے شیاطین الانس کو بھی پیدا فرمایا اور وہ یہی کفار اور فساق و فجار ہیں جو دین کو ناپسند کرتے ہیں اور دراصل یہ شیطان کے اولیاء اور شیطان ہی کے مقرب ہیں اسکی باتوں کو سنتے اور کان لگاتے ہیں۔ اور ہر نبی کے لئے اس کا ہونا ضروری ہے اسلئے کہ نبی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ تو جب تک اس کے بالمقابل کوئی ضلالت کا پھیلانے والا نہ ہو یہ ابتلاء کیونکر کامل ہو سکتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقے پر ہیں اور اس کام کو کر رہے ہیں ان کے دشمن بھی شیاطین الجن اور شیاطین الانس ہوں اس واسطے ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم جو ہم سے عداوت کرتے ہو تو یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور اس میں ہمارا فائدہ ہے۔ لہٰذا اب تم بھی کوشش کرو اور ہم بھی کوشش کرینگے اور جس طرح شیاطین الانس اپنی کوشش کر کے تھک گئے مگر انبیاء برابر آتے رہے اسلام کا چرچا ہوتا رہا لوگ اس کو قبول کرتے رہے اسی طرح ہوتا رہے گا چنانچہ اب بھی اسلام باقی ہے تو اس عداوت سے کچھ بھی نقصان نہیں بلکہ نفع ہی ہوا۔ اسلئے کہ عداوت کی وجہ سے حضرات انبیاء اور ان کے تابعین پورے طور سے ان دشمنوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ظاہر و باطن میں رجوع ہو جاتے ہیں اور اپنی دعوت و تبلیغ میں خوب اچھی طرح مستعد ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ان لوگوں کی عداوت اور ضرر سے بچائے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے۔ پس جس طرح ادھر شیاطین ہیں تو ادھر فرشتے ہیں۔ ہر طرح کی نصرت اور تائید ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور یہ دشمن کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور جب یہ حضرات اللہ تعالیٰ پر کامل توکل رکھتے ہیں تو ان کو خاطر میں کب لاتے ہیں کہ یہ کس گنتی کے بچھوے ہیں۔

آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا ہوگا کہ میں یہ کیوں کہہ رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ خود بھگتا ہوا ہوں اس لئے کہہ رہا ہوں۔ جہاں بھی رہتا ہوں کسی سے کچھ تعرض نہیں کرتا اور پھر سنتا ہوں کہ

کوئی یہاں کچھ کہہ رہا ہے۔ کوئی وہاں کچھ کہہ رہا ہے۔ اسی وجہ سے کہیں جاتا نہیں ہوں مگر معلوم نہیں کس طرح یہاں آ گیا ہوں۔

عام طور پر لوگوں کے حالات سے جہاں تک تجربہ ہوا ہے یہی کہ نہ تو ان کے پاس قرآن ہے نہ حدیث نہ کچھ عقل ہے نہ فہم۔ نہ سمجھ ہے نہ دین۔ نہ سنت جانتے ہیں نہ فرض مگر علماء کرام کی نسبت بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرے سلسلہ کے لوگ ہیں۔ یعنی شیاطین الانس جو شاگرد ہیں شیاطین الجن کے۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ جب قرآن شریف میں شیاطین الانس کا بھی ذکر ہے تو اس کا وجود ماننا ہوگا۔ شیطان الجن کی تفسیر تو آپ جانتے ہوں گے کہ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (وہ جنوں میں سے تھا پس اپنے رب کے حکم سے عدول کیا) اسی طرح شیطان الانس کو بھی معلوم کرنا ہوگا کہ کسے کہتے ہیں اسکے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رح فرماتے ہیں کہ:-

"شیطان الانس وہ لوگ ہیں جو شیطان الجن کے اغوا کو بیداری اور خواب میں قبول کرتے ہیں جس طرح سے شیطان الانس انبیاء علیہم السلام کے دشمن تھے اور ان کی طرح طرح سے شکایت کرنے اور ضرر پہنچانے میں رات دن ان کی سعی صرف ہوتی تھی۔ اسی طرح اب انکے نائبین کے ساتھ ان کا برتاؤ ہوتا ہے کیونکہ دونوں سلسلے اس وقت سے ابتک برابر چلے آ رہے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم لوگ جو کر رہے ہیں یہ شیاطین الانس جو شیطان الجن کے شاگرد ہیں ان کا کام ہے اور یہ حقیقت ان کی سمجھ میں آجاوے کہ ہم لوگوں کا شمار اس سلسلہ میں ہے تو اپنی حرکات سے باز آجائیں مگر ان لوگوں کے حال سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ ایک بہت بڑا کام کر رہے ہیں کہ جتنے بڑے بڑے درجہ کے لوگ ہیں سب کو سمجھ لیتے ہیں کہ بڑے سے بڑا ولی بھی کچھ نہیں ہے۔ تو میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے کو بھی سمجھتے ہیں کہ آپ کون ہیں؟ اگر آپ نے بڑے بڑے لوگوں پر اعتراض کر دیا اور سب کو ذلیل کر دیا تو اس سے کیا ہوا؟ اور اگر آپ نے اکابر اولیاء اور علماء کا عیب نکالدیا تو کیا آپ کامل ہو گئے؟ ہاں اگر آپ اپنا عیب نکالیں گے تو البتہ کامل ہو سکتے ہیں۔ دوسرے کا عیب نکالنے سے کوئی کامل نہیں ہوتا۔ بلکہ آدمی اپنی اصلاح کرنے سے کامل ہوتا ہے۔ دوسروں کی عیب جوئی سے نہیں۔ البتہ دوسروں کی اصلاح وہ شخص کر سکتا ہے جو خود صالح ہو چکا ہو۔ کہاں تک

پہونچ چکا ہو۔ ایسا شخص جب دوسروں کی اصلاح کریگا اور ان کے متعلق کچھ کہے گا تو اس سے ان لوگوں کو نفع ہوگا اور اسکی وجہ سے اس شخص کے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہے گی اور عنداللہ قرب وقبول حاصل کریگا۔ مگر آپ کو تو ہم اس مرتبہ پہ دیکھتے نہیں بلکہ ہم تو بجائے اس کے اب کے لوگوں کا یہ حال دیکھ رہے ہیں کہ فساد میں خود بھی مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی مبتلا کر دیتے ہیں۔ خود یہ لوگ فتنہ کرتے ہیں اور دوسروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی گھر بھی فتنہ سے خالی نہیں بلکہ کوئی آدمی فتنہ سے خالی نہیں۔ ان لوگوں کو دیکھ دیکھ کر طبیعت گھبراتی ہے۔ اگر ان لوگوں سے یہ کہدوں کہ تم اپنے گھر رہو ہم اپنے گھر تو اس پر بھی راضی نہیں ہوتے اور کہتا ہوں کہ آتے ہو تو اصلاح کر دو۔ یہ بھی نہیں کرتے۔

جن فتنوں میں لوگ مبتلا ہیں انھیں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ علماء دین کو اور اکابر ملت کو جنھوں نے دین کی بہت سی خدمات کیں اور دین کی گاڑی چلائی ان کی غیبت شکایت کی جاتی ہے حالانکہ آپ کے ذمہ ہے کہ ان کا ہاتھ بٹایئے ان کی نصرت کیجئے نہ یہ کہ بجائے اسکے ان کی غیبت شکایت کیجئے۔ دین کو نقصان جو پہنچا ہے وہ اسی وجہ سے کہ کوئی آدمی اگر کام کو اٹھاتا ہے اور کچھ دین کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو یہی لوگ ان کے ساتھ وہ کام کرتے ہیں جو شیطان کا ہے یعنی لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ چنانچہ مجھ کو برابر ایسا ہی پیش آیا ہے جب میں نے عام طور پر لوگوں کا یہی حال دیکھا تو یہ سوچا کہ کام تو مجھ کو کرنا ہی ہے اور یہ لوگ مانیں گے نہیں آوینگے بھی اور شکایت بھی کرینگے تو میں نے بھی کہا کہ اچھا پھر آؤ ہم وہ آیت یاد کریں گے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ الآیۃ پھر ہم نے کہدیا کہ اگر آپ کو یہی کام کرنا ہے تو ہم کو دوسرا کام کرنا ہے۔ اسلئے کہ کام کے دو سلسلے ہیں ایک ہدایت کا سلسلہ ہے جسمیں انبیاء علیہم السلام ہیں اور دوسرا سلسلہ ضلالت کا ہے جس میں شیاطین الجن والانس ہیں تو جب انبیاء علیہم السلام کو یہ منصب سپرد ہوا ہے اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت ان کے ساتھ ہے تو پھر ان لوگوں کی پروا کیوں کریں کہ یہ کس کھیت کے بتھوے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے شیاطین الانس والجن کو ان حضرات کا دشمن بنایا ہے تو اس میں ضرور حکمت ہے اور وہ یہی ہے کہ جب کسی کا کوئی مقابل و دشمن ہوتا ہے تو وہ اپنے اس

دشمن کے مقابلہ میں خوب اچھی طرح سے مستعد اور تیار ہو جاتا ہے۔ پھر دونوں طرف سے پورا مقابلہ ہوتا ہے وہ اپنی کوشش کرتا ہے یہ اپنی کوشش کرتا ہے۔ مگر سنئے یہاں انجام کار یہ ہوتا ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی غلبہ متقیوں کا ہوتا ہے۔ یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا۔ یہ دشمن لوگ باوجود اپنی کثرت کے ان کے مقابلے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ان کی دشمنی دین کی وجہ سے ہے تو جو شخص دین کا دشمن اور خدا کا مخالف ہو وہ بھلا کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔

پس اگر ہم لوگ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہم خدا کے دین کا کام کر رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ خدا کی نصرت و تائید ہے اور جو لوگ اس میں روڑا اٹکا رہے ہیں وہ دین کے مخالف ہیں۔ خدا کے مخالف ہیں تو پھر ہمکو ان لوگوں کی پرواہ نہ ہو۔ چنانچہ اسی کو سمجھانے کے لئے میں نے یہ آیت پڑھی تھی۔ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ یعنی کیا بہت سے متفرق ارباب بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار۔

اور یہ شعر بھی پڑھ چکا ہوں ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اس سے ممکن ہے کہ آپ کو کچھ تنبہ ہوا ہو یا مجھ کو تنبہ ہوا ہو جس طرح شیخ مدین کی خدمت میں جا کر ایک عالم کو تنبہ ہوا تھا جنہوں نے اپنی ساری عمر علم حدیث کی خدمت میں صرف کی تھی۔ پھر انھوں نے ایک بزرگ کے چند اشعار کی شرح کی اور اسکو شیخ مدین کی خدمت میں بھیجا انھوں نے اسکے سرورق پر یہ شعر لکھ کر واپس فرما دیا ؎

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّبًا   شَتَّانَ بَيْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبِ

یعنی میری محبوبہ تو مشرق کی جانب چلی گئی اور میں مغرب کی طرف کو چلا (تو اب دونوں میں ملاقات کیونکر ہو اسلئے کہ) مشرق اور مغرب دو مخالف رخ پر چلنے والوں میں تو بون بعید ہے۔

اس سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ آپ کو بزرگوں کے اقوال اور ان کے احوال سے کیا سروکار اور آپ ان کے کلام کی کیا شرح کر سکتے ہیں اسلئے کہ آپ نے تو ابھی اس راہ میں قدم ہی نہیں رکھا فَتَنَبَّهَ لِمَا كَانَ عَنْهُ غَافِلًا وَأَذْعَنَ لِأَهْلِ الطَّرِيْقِ یعنی ان کو تنبہ ہوا اور غفلت سے بیدار ہوئے اور اہل طریق کا اذعان کیا یعنی یہ سمجھے کہ ہم اگرچہ عالم ہیں مگر ابھی تک اہل طریق کے حالات سے غافل ہیں۔

پس جس طرح ان عالم کو تنبہ ہوا اسی طرح میں کہہ رہا ہوں کہ شاید آپ کو تنبہ ہوا ہو یا مجھکو ہوا ہو۔ یا

دونوں کو ہوا ہو۔ یہ تنبہ بہت بڑی چیز ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کے لئے تنبہ ہو۔ مگر ہم لوگوں کا زیادہ وقت اس میں صرف نہیں ہو رہا ہے۔ حالانکہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ جس چیز سے غافل ہیں اس کی طرف متوجہ ہوں اس لئے کہ ہم نرغے میں ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہمارا وجود ہی ناگوار ہے مگر ہم کس کو سمجھائیں اور کون سمجھنا چاہتا ہے۔ آپ کو تو ان کاموں کی فرصت ہی نہیں ہے بلکہ میں تو یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں سے دنیا کا کام تو پڑتا نہیں دین کا کام کیا کریں گے۔

ہاں آپ سے ایک کام ہو سکتا ہے یعنی جھگڑا اور فساد۔ ابھی اگر جھگڑا ہو تو ہزاروں ہزار آدمی جمع ہو جائیں۔ برابر سنتا ہوں کہ باہر شور و غل ہو رہا ہے۔ پوچھتا ہوں کہ کیسا شور و غل ہو رہا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جھگڑا ہو رہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی ایک کام ایسا ہے جو سب سے آسان ہے۔ بلکہ جتنے بُرے کام ہیں وہ سب آسان معلوم ہوتے ہیں لیکن جس چیز کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اور جن امور سے دینی اور دنیاوی نفع متعلق ہے وہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔

لوگوں سے برابر کہتا ہوں کہ اگر آپ سے دین کا کام نہیں ہوتا تو دنیا ہی کا کام کر لیجئے اور اگر مرد ہیں تو اسی کو کر دکھا ئیے آخر سب لوگ کر ہی رہے ہیں تو جیسے ان کے ہاتھ پیر ہیں ویسے ہی آپ کے پاس بھی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ سے نہ ہو سکے۔ مگر ان کو جھگڑے فساد اور بد اخلاقی سے فرصت ہی کب ہے کہ دوسرے کام میں مشغول ہوں۔ یہ یاد رکھئے کہ جو آدمی بد اخلاق ہوگا اسے دنیا بھی حاصل نہیں ہو سکتی اسلئے کہ جب تک لوگوں سے میل ملاپ نہ ہوگا اور آپس کے تعلقات خوشگوار نہ ہوں گے اسوقت تک کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ ابنائے زمانہ کا عموماً یہی حال ہے اور اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ جب ہم جیسے لوگوں کو دیکھتے ہیں تو معلوم نہیں ان کو کیا خیال ہو جاتا ہے کہ اسکے گرد جمع ہو جاتے ہیں لیکن محض اتنے سے کیا کام چل سکتا ہے یعنی اگر کوئی آدمی ایسا مل جائے تو اس کے پاس ہزاروں ہزار کی تعداد میں دو چار دن یا دس دن یا ایک مہینہ جمع ہو جائیں تو کیا اس سے کچھ کشود کار ہوگا؟ اور آدمی بس اسی اتنے سے کامل ہو جائیگا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ آدمی جب اصلاح کی طرف توجہ کریگا اور باتوں کو غور سے سُنے گا اور سمجھے گا تب کچھ اصلاح کی امید ہو سکتی ہے۔ مگر اب جو لوگ ہمارے پاس آتے ہیں: نہ تو سنتے ہیں اور نہ بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں پھر عمل کیا کریں گے۔ اس لئے

کر عمل تو اسی کی فرع ہے۔

اور ان لوگوں کو یہ بھی آسان معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسا ہو جس سے اصلاح ہوسکتی ہو تو اسکے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جسکی وجہ سے وہ سمجھے کہ یہ لوگ ہم کو مانتے ہیں۔ اسواسطے اب ہم لوگوں کو اس میں بڑا دھوکہ ہو رہا ہے کیونکہ ہم لوگ اپنے بارے میں یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جب اتنے اتنے آدمی ہمارے پاس آرہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ کچھ ہو گئے ہیں (یعنی درجۂ کمال تک پہونچ گئے ہیں) ہاں اگر یہ خیال ہو جائے کہ ہماری طرف مسلمانوں کا رجوع ہمارے لئے فال نیک ہے شاید انھیں کے حسن ظن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم کو بخش دیں تو البتہ ایک اچھی بات ہے۔

حضرت مولانا رح فرماتے تھے کہ میں بعض لوگوں کو اس واسطے اجازت دے دیتا ہوں کہ جب سب کو خبر ہوگی کہ ان کو مولانا کی طرف سے اجازت ہے تو لوگوں کو ان کی طرف سے حسن ظن ہوگا اور جب لوگوں کو حسن ظن ہو جائیگا تو اللہ تعالیٰ بہت سے مسلمانوں کے حسن ظن کو ضائع نہیں فرمائینگے۔ اور اس کی حالت کو ٹھیک کر دیں گے۔ اسواسطے کہ جب کسی کے ساتھ بہت سے لوگوں کا حسن ظن متعلق ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے حسن ظن کے مطابق اس سے معاملہ فرماتے ہیں۔ یہ تو الگ بات ہے۔ لیکن یہ کہ صرف آپ کے اس اجتماع سے ہم غرہ میں آویں کہ اس میں کچھ حقیقت ہے۔ تو یہ مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ اجتماع نہ تو ہمارے کمال کی دلیل ہے اور نہ آپ کے کمال کی۔ آج کل کا وقت ایسا نہیں ہے۔ ذرا غور سے سنئے کیا کہہ رہا ہوں۔

حقیقت دین کی تو بہت دنوں سے مٹا چکے ہو اور مٹتی ہی چلی جارہی ہے۔ اور خال خال لوگ ایسے ہیں جنکو اس کی فکر ہے آپ کو تو فکر بھی نہیں کہ ہم کس دور میں ہیں اور ہمارا کیا حال ہے۔ یہ آپ کو تو نہیں معلوم لیکن اسی دور میں اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنکو فکر ہوگی۔ حالات کو دیکھتے ہوں گے اور دل ہی دل میں کڑھتے ہوں گے۔ اور رہی صورت دین کی۔ یعنی یہ کہ آپ لوگ جو یہ جمع ہیں تو اسکو مٹا دینا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے جیسا کوئی آدمی آوے اور آپ اسپر خالی ڈھیلا برسانے لگیں تو یہ بہت دنوں تک نہیں ہوگا۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ اس ظاہری اجتماع کو بھی ختم کر دیں۔ بلکہ دونوں چیزیں چلتی رہیں گی اس لئے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی گردن پکڑ کر لوگوں کو اس کی جانب جھکا دیتے ہیں اور دین کی جگہ پہونچا دیتے ہیں

(۱) کہ سب پر حجت قائم ہو جائے اور قیامت میں یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہم کو دین نہیں پہنچا یہ اسواسطے کہہ رہا ہوں (۲) کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ لوگوں کا یہ اجتماع ہمارے یا آپ کے کمال کی دلیل نہیں ہے بلکہ دین الٰہی کی دلیل ہے۔ جس نے دین بھیجا ہے وہ خود اس کی حفاظت کا کفیل اور اس کی نصرت کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا علماء و مشائخ برابر پیدا ہوتے رہیں گے اور ان کے ذریعہ سے یہ دین قیامت تک باقی رہے گا چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ۔ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ عَادَاهُمْ۔ یعنی میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور اس کی منجانب اللہ نصرت ہوتی رہے گی اور لوگوں کا ساتھ چھوڑ دینا اور ان سے عداوت کرنا ان کو کچھ بھی مضر نہ ہوگا۔

یہ بخاری شریف کی حدیث ہے اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ یہ دین بھی ہمیشہ رہے گا اور تا قیامت ایک جماعت اسکی حامل و محافظ ہر دور میں رہے گی اور اس کی نصرت برابر ہوتی رہیگی۔ اب اگر کوئی چاہے کہ اسکو مٹائے تو اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ یوں دشمن تو یہی چاہے گا اور وہ اسی لئے پیدا ہی کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا ہے کہ ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے۔ اور وہ ان کی ذات کے افعال و اقوال کے اور تعلیمات کے دشمن ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ کسی آدمی کی ذات کا آدمی دشمن نہیں ہوتا۔ بلکہ دشمن جو ہوتا ہے تو اسکے اوصاف کی وجہ سے۔ چنانچہ کفار و فساق جو انبیاء علیہم السلام کے دشمن ہوئے ہیں تو ان کی تعلیمات اور احوال و افعال نیز تقویٰ و دیانت سکھلانے کی وجہ سے۔ اس لئے کہ یہ لوگ آزادی چاہتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام تقویٰ وطہارت دین و دیانت سکھلانے کے واسطے اور تمام احکامات کو بتلانے کے واسطے آتے ہیں۔ جو لوگ آزاد ہوتے ہیں اور آزاد رہنا چاہتے ہیں یہ سب چیزیں ان کی طبیعت اور مقصد کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسلئے ان حضرات کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نبوت سے پہلے دشمن نہیں ہوتے۔ بس جہاں تعلیم شروع کی اور ان کو عداوت ہوئی اور مخالفت کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ تو یہ لوگ درحقیقت اللہ سے عداوت کرتے ہیں مگر یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے عداوت کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس قسم کے لوگ عداوت ظاہر کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے۔

پس جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے کرنے والے ہوں تو وہ کیسے وجود میں نہ آئے گی، مگر جس طرح ان کو دشمن بنایا ہے اسی طرح نبی کو دین کی اشاعت کے لئے مامور فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں :-

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

یعنی وہی وہ ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اللہ کی آیتیں اُن پر پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور انکو کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

پس یہ دونوں سلسلے چل رہے ہیں اور ان دونوں سلسلوں میں ایک زبردست مڈ بھیڑ اور جنگ ہے اور زبردست تصادم ہے مگر یہ کہ یہ حق و باطل میں تصادم ہے۔ ان میں ایک حق ہے اور ایک باطل۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ یعنی بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے۔ سو وہ دفعتًہ جاتا رہتا ہے۔

آپ لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ تعلیمات کو صحیح طریقہ پر سمجھئے گا تب کچھ ہوگا یا محض رسمی دین سے دوسروں پر غالب ہونا چاہتے ہیں۔ حقیقی دین کی اور اصلاح کی اور اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق کی فکر کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ سنتا ہوں کہ وعظ و نصیحت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ قرآن و حدیث پڑھا جاتا ہے۔ مگر اس کا اثر یہ جو ہو رہا ہے کہ لوگ کچھ بہکی بہکی سی باتیں کرتے ہیں اور ہمارے ہی سامنے آکر کہتے ہیں۔ یہ تو نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اس کے اثرات دوسرے ہونے چاہئیں خاصکر ایسے حالات میں جبکہ آپ سمجھ رہے ہیں کہ نازک حالات ہیں اور ہم لوگ نرغے میں ہیں۔

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالےٰ کو یہ منظور ہے کہ دونوں سلسلے حق و باطل کے رہیں، تو جو دشمن ہے وہ عداوت کرے گا ہی۔ مگر اتنا نہیں کرسکتا کہ آپ کا استیصال کردے یعنی بالکل جڑ سے اُکھیڑ دے۔ اس بارے میں قرآن شریف کی بہت سی آیتیں ہیں اور اس کی تفاسیر موجود ہیں کہ یہ لوگ استیصال نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ؎

چراغے راکہ ایزد بر فروزد ہر آنکو تف زند ریشش بسوزد

(یعنی جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن کرتے ہیں اسکو اگر کوئی اپنی پھونک سے بجھانا چاہے تو

اس کی داڑھی جل جائے گی۔)

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

(یعنی اگر تمام عالم میں آندھی ہی چلنے لگے (تو ظاہر ہے کہ سب چراغ بجھ جائیں گے مگر) جو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں ان کا چراغ ہرگز نہیں بجھ سکتا۔)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :-

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

یعنی یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہیگا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں۔

اور

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

یعنی وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

اس آیت میں خوب مضمون ہے وہ یہ کہ :-

ایک طرف تو اللہ کا ارادہ ہے اور دوسری طرف کفار کا۔ پس اگر اللہ کے ارادے کے خلاف سارا عالم ملکر کوئی ارادہ کرے اور اپنی پوری کوشش کرے تب بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسلئے کہ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی اللہ اپنے امر پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ حقیقت پیدا کیجائے۔ اپنی اصلاح کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے اسکو راضی کیا جائے اسکے لئے سچا ایمان لانا ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں پر جب کبھی مصیبت آئی ہے اور کوئی سخت وقت ان پر پڑا ہے تو انھوں نے اپنے ایمان کو خوب مضبوط کیا ہے اور اسی سے غالب ہوئے ہیں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت جو یہاں آنا ہوا ہے تو اس لئے نہیں کہ آپ کے بلانے کی وجہ سے آگیا ہوں۔ اتنی کمزوری نہیں ہے۔ یوں بظاہر دیکھنے میں آپ کمزور پاتے ہونگے کہ اتنا کمزور نہیں ہوں۔ بلکہ یہ سوچا کہ اگر کچھ کام ہی کرنا ہے تو کسی دوسری جگہ دوچار

روز کے لئے چلکر دیکھ لوں۔ یوں مسلمانوں کے حالات سے طبیعت بہت مرجھائی ہوئی رہتی ہے
اور کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ لہذا آپ یہ مت سمجھئے گا کہ یہاں کسی اور کام کے لئے آئے ہیں
بس یہی سمجھ لیجئے کہ بمبئی دیکھنے کے واسطے آئے ہیں یعنی جس طرح آپ ہم لوگوں کو دیکھنا چاہتے
ہیں ہم بھی آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ لہذا اب آپ ہم کو دیکھئے اور ہم آپ کو دیکھیں کہ آپ نے
ہم سے کتنا تاثر لیا ہے اور کیا کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔ بہت دن سے بمبئی کا شور سنتے تھے۔ یوں
بہت زمانہ ہوا اس سے پہلے بھی یہاں آچکے ہیں مگر یہ کہ انقلابات ہوتے ہی رہتے ہیں ؎

دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلابات عظیم
آسماں بدلا زمیں بدلی نہ بدلی خوئے دوست

اسواسطے ہم نے سوچا کہ چلکر دیکھیں کہ لوگ کیا کر رہے ہیں یعنی کچھ بدلے ہیں یا پہلے ہی کی
طرح ہیں۔ یوں تو جہاں بھی رہتا ہوں وہیں جگہ جگہ سے لوگ پہنچ جاتے ہیں اس کے متعلق ابھی کہہ
چکا ہوں کہ اگر آپ چاہیں کہ ہم لوگوں کے اس سلسلے کو بھی ختم کردیں تو اس پر آپ لوگ قادر نہیں ہوسکتے
یعنی یہ کہ آپ سارے مدرسوں کو بند کردیں اور قفل لگادیں اور سب مولویوں کو ختم کردیں اور ان سے
بائیکاٹ کرلیں یا اگر کوئی مولوی آپ کے یہاں آوے تو اس سے ملاقات نہ کریں اس پر آپ قادر نہیں
ہیں۔ اسلئے کہ یہ خدائی انتظام ہے۔ علما بھی رہیں گے اور یہ سب چیزیں رہیں گی اور آپ چونکہ مسلمان ہیں
اسلئے اللہ تعالیٰ آپ کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا کرینگے کہ آپ احترام کریں مولویوں کا۔ احترام کریں مشائخ
کا۔ احترام کریں اہل دین کا۔ احترام کریں اہل اللہ کا۔ اگر یہ چیزیں آپ کے اندر پیدا ہوجائیں تو آج
آپ کا کام بن جائے۔

ہم آپ کے یہاں آگئے ہیں اسواسطے آپ سے کہتے ہیں کہ یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ خواب
غفلت میں سوتے رہیں بلکہ آپ کو چاہئیے کہ غافل نہ ہوں اور جو کام کرنے کا ہے اسکو کریں خواہ دنیا
کا کام کیجئے یا دین کا اس میں اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کیجئے اور اسی پر اپنی نظر رکھئے۔

بعض لوگ ہم کو بھی ڈراتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں کہتے ہیں۔ تو ہم نے ان سے کہا کہ بھائی
ویسے ڈر کی چیزیں تو بہت سی ہیں لیکن ہم کس کس سے ڈریں۔ بس ایک ہی سے ڈرینگے اور صرف
اسی ایک ہی سے ڈرنا بھی چاہئیے۔ اسلئے کہ وہ ایک ایسا ہے کہ اس کے اختیار میں سب کچھ ہے اور اسی
کو یہ قدرت ہے کہ سب کے خوف کو امن سے بدل دے اسوجہ سے اس قسم کی باتوں کا سننا بھی برا معلوم

ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی باتیں کرنے والوں سے کہہ دیتا ہوں کہ باہر آپس میں جو کہنا ہو کہو سنو۔ لیکن یہاں آکر ہم کو یہ سب مت سکھاؤ۔ یہاں آنا ہو تو سیکھو اور سمجھو کہ طریقہ کیا ہے۔ سنو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُم بِاللهِ الْغَرُورُ ۵ إِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۵	یعنی اے لوگو اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ یہ دنیوی زندگی تمکو دھوکہ میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ تمکو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈالدے۔ یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے سو تم اسکو دشمن سمجھتے رہو۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا۔ میں تو شیاطین الانس والجن کے عدو ہونے کی خبر دی ہے اور یہاں امر ہے کہ فاتخذوہ عدوا یعنی شیطان کو اپنا دشمن بنا لو۔ یعنی جس طرح کسی آدمی کو کوئی شخص دوست بناتا ہے یا استاد اور شیخ بناتا ہے اسی طرح تم شیطان کو دشمن بنالو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لئے فرمایا کہ شیطان چونکہ خود دوزخی ہے اسلئے تم کو بھی دوزخی بنانے کے لئے بہکاتا ہے تاکہ اپنی ایک جماعت تیار کرے اور تنہا دوزخ میں نہ جائے بلکہ تم کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ اس لئے اس کا پورا مقابلہ کرو۔ اللہ تعالےٰ سے دعا کرو اور انبیاء کی اطاعت کرو۔ نیز اس کی عداوت کا دل میں ہونا اسلئے ضروری ہے کہ اگر عداوت نہ ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ آدمی دھوکہ میں آکر اسکو دوست سمجھ لے اور غلطی میں پڑ کر اس کا اتباع کرلے اسلئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اس کے ساتھ معاملہ دشمنی کا کرو۔ تاکہ گمراہی کا سدباب ہوجائے۔

میں نے ابتداء میں ایک عالم کے تنبیہ کا واقعہ ذکر کیا تھا۔ وہ علامہ ابن حجر کا واقعہ ہے انھوں نے شیخ ابن فارض کے بعض ابیات تائیہ کی شرح کی تھی اور اسکو شیخ مدین کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے اسکے سرورق پر یہ شعر لکھ کر واپس فرمادیا ؎

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّبًا ۔ شَتَّانَ بَیْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبِ

یعنی وہ تو مشرق کی طرف چلی گئی اور مغرب کی طرف کو چلا۔ اور مشرق و مغرب دو مخالف رخ پر چلنے والوں میں تو بون بعید ہے پھر دونوں میں ملاقات کیونکر ہو۔

شیخ مدین نے اس میں یہ بتلایا کہ آپ تو دوسرے کام میں ہیں یعنی علم میں رہے ہیں اور اسکی کچھ خدمت کی ہے تو اس میں آپ کو مہارت ہوگئی ہوگی مگر اس راستہ میں تو آپ نے ابھی قدم رکھا نہیں تو اس میں آپ کی بات کیسے معتبر ہوسکتی ہے۔ کیونکہ یہ راستہ ہی دوسرا ہے اور اہل اللہ اسکو قطع کر رہے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم لوگ بزرگوں کے کلام کی شرح کرتے تو ہم کو حق ہے اور ہماری

بات معتبر ہوتی اور جبکہ آپ ابھی غفلت میں ہیں تو کیا ہم ہی سے اپنے غفلت کی تصدیق کرانا چاہتے ہیں؟

اس سے وہ سمجھے کہ شیخ مدین ہماری حالت کو پسند نہیں فرما رہے ہیں اور متنبہ ہوئے کہ اہل طریق کے حالات کچھ اور ہیں اور اسکی طرف متوجہ ہوئے یعنی شیخ مدین کی خدمت میں آئے اور انھیں کے پاس رہے پھر بہت کچھ اصلاح ہوئی اور شیخ کی خدمت میں رہ پڑے اور وہیں وفات پائی رحمہ اللہ

دراصل یہ ان کے خدمت حدیث کی برکت تھی، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کی شرح اور توضیح میں ساری عمر گذاری تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ یہ میرے حبیب کے کلام کا شارح یونہی خالی رہ جائے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے ایسے اسباب فرما دیے کہ ان کا کام بن گیا۔ سچ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ +

یہ اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ علماء کرام نے اہل طریق کا اذعان کیا ہے۔ دیکھئے یہ اتنے بڑے عالم تھے جو شہرہ آفاق اور دین کے علمبردار تھے۔ ہزاروں ہزار ان کے شاگرد تھے۔ یہ بخاری کے شارح ہیں۔ مگر جب شیخ مدین نے ان کو اللہ تعالےٰ کے راستہ میں لا کر ڈالا اور اہل طریق کے حالات میں آئے تب جا کر ان کی تکمیل ہوئی اور ان کی وجہ سے بہت مخلوق کی اصلاح ہوئی۔ اس لئے کہ لوگوں نے دیکھا اور ان کو معلوم ہوا کہ اتنے بڑے بڑے لوگ جو دین کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں ان کو بھی بزرگوں کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت ہوئی۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ اگر ایک عالم کی اصلاح ہو جائے تو ہزارہا ہزار آدمی درست ہو جائیں کیونکہ عالم کی اصلاح سے عالَم کی اصلاح ہے۔

اسی طرح سے ایک اور عالم تھے۔ ان کے رجوع کرنے کا واقعہ بھی عجیب و غریب اور نہایت عبرتناک اور سبق آموز ہے۔ طبقات کبریٰ میں موجود ہے وہ یہ کہ شیخ عبادہ سادات مالکیہ میں سے ایک ممتاز عالم تھے اور اپنے ہم عصر شیخ مدین پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ یوں کہتے تھے کہ یہ طریق جس پر یہ لوگ اپنے کو کہتے ہیں (یعنی تصوف) کیا بلا ہے؟ ہم تو صرف شریعت کو جانتے ہیں اس کے علاوہ سب ڈھکوسلا ہے۔ ان کو شیخ مدین کا انکار تو تھا ہی اس میں مزید اضافہ اس سے ہو گیا کہ شیخ عبادہ کے درس کو چھوڑ چھوڑ کر لوگ شیخ مدین کی

مجلس میں آنے لگے۔ ایک مرتبہ شیخ مدین نے ان کی دعوت کہلا بھیجی اور پھر شیخ مدین نے اپنے اصحاب سے تاکید کردی کہ جب شیخ عبادہ آویں تو خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے اور نہ ان کی تعظیم کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو اور نہ مجلس میں ان کے لئے جگہ ہی کشادہ کی جائے چنانچہ شیخ عبادہ آئے تو آکر خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہو گئے اور سب لوگ حتیٰ کہ شیخ مدین بھی گردن جھکائے بیٹھے رہے یہ منظر دیکھ کر ان کو بہت رنج ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غصہ کی وجہ سے پاش پاش ہو جائیں گے اور قریب تھا کہ کچھ کہہ دیں۔ کیونکہ عالم جب خفا ہوتا ہے تو کم از کم فسق کا درنہ کفر کا فتویٰ صادر کر دیتا ہے۔ جب اس حالت پر کچھ دیر گذر گئی تو سید مدین نے سر اٹھا کر حاضرین سے فرمایا کہ بھائی شیخ عبادہ کے لئے راستہ کشادہ کر دو اور ان سے فرمایا کہ تفضل یا شیخ یعنی تشریف لائیے۔ جب وہ پاس آکر بیٹھ گئے تو ان سے فرمایا کہ ابھی ایک سوال ذہن میں آگیا اجازت ہو تو عرض کر دوں! شیخ عبادہ نے جواب دیا کہ ہاں سوال کیجئے۔ کہا کہ آیا آپ کے نزدیک مشرکین کی تعظیم کے لئے قیام جائز ہے باوجودیکہ ان کی جانب سے کسی قسم کے شر کا خوف نہ ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ سید مدین نے فرمایا کہ اچھا تو آپ کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اور کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ کو یہ فعل کچھ ناگوار خاطر ہوا تھا یا نہیں۔ شیخ عبادہ نے کہا کہ ہاں بے شک ناگوار ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر سید مدین نے ان سے دوسرا سوال یہ کیا کہ اچھا یہ بتلائیے کہ اگر آپ سے کوئی شخص یہ کہے کہ میں آپ سے اسوقت تک راضی نہ ہونگا جب تک کہ آپ میری ایسی تعظیم نہ کریں جیسی کہ اپنے رب کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ اس شخص سے کیا فرمائیں گے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس سے یہ کہونگا کہ اے شخص تو کافر ہو گیا۔ پھر کچھ دیر تک سلسلۂ کلام جاری رہا۔ میرا یہ خیال ہے کہ شیخ مدین نے ان مقدمات کو تسلیم کرانے کے بعد ان کا انطباق فرمایا ہوگا کہ یہی حال آپ کا بھی ہے کہ ہم سے بھی آپ اپنی تعظیم ایسی ہی چاہتے ہیں جیسی خدا اپنے بندوں سے چاہتا ہے۔ اس کے متعلق کبھی تو حکم لگائیے کہ یہ کیسا ہے؟ غرض شیخ عبادہ کی سمجھ میں بات آگئی یہاں تک انھوں نے کھڑے ہو کر اسی بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ آپ سب لوگ گواہ رہئے کہ میں آج سیدی مدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور دین اسلام میں صحیح طور پر داخلہ کا آج میرا پہلا دن ہے۔ پھر تازیست ان کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ وہیں انتقال ہوا اور مقابر فقراء میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالےٰ۔

اس واقعہ سے جس طرح شیخ مدین کی کرامت اور اصلاح و تربیت کے معاملہ میں ان کے کمال اور تصرف کا پتہ چلتا ہے اسی طرح شیخ عبادہ کے بھی کمال خلوص کا اندازہ ہوتا ہے کہ جب ان کو اپنے حال کی معرفت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی تو فوراً تائب ہوگئے۔ کہاں تو طریق و اہل طریق کے منکر اور شیخ مدین پر معترض تھے اور کہاں سب کے سامنے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آج حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہوں۔ سبحان اللہ کس قدر بے نفسی اور تواضع کی بات ہے۔ آخر تھے تو عالم ہی کتاب و سنت کے علم نے ان کے قلب پر اثر کیا تھا۔ ان میں اخلاص تھا۔ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت فرمائی۔ (اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ)

(یعنے اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضایع نہیں فرماتے)

یہ واقعات آپ کو اس لئے سنا رہا ہوں کہ جب اتنے بڑے بڑے علماء و فضلاء کو بھی اہل طریق کا اذعان کرنے کی اور ان کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہوئی تو آپ جو کہ کچھ نہیں ہیں نہ تو ظاہری علم ہے نہ باطنی علم و عمل پھر بھی اہل طریق کو کچھ نہ سمجھیں تو کیا اصلاح ہوگی۔

سنئے! جب تک بزرگان دین کو جو اصلی بزرگ ہیں ان کو نہیں پکڑیں گے اور اصلاح میں قدم نہیں رکھیں گے کچھ کشود کار نہ ہوگا لہٰذا آپ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی اصلاح کریں اور اسکے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اکابر دین کو پہچانیں اور ان کی طرف توجہ کریں اسلئے کہ دین و دنیا دونوں کا حصول ان کی اتباع میں منحصر ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصور ہوتے ہیں تو جو شخص ان کا ساتھ پکڑے گا وہ بھی منصور من اللہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسکے ساتھ ہوگی۔ اس مضمون کو بہت بیان کرنا چاہتا ہوں گویا یہ سمجھ لیجئے کہ شاید اسی کے کہنے کے لئے آگیا ہوں۔ مگر یہ کہ اس آجانے کو مہمل اور عبث نہ ہونے دیجئے گا۔ کہ مجھ کو تو آپ نے اپنی جگہ سے سرکا دیا اور آپ خود اپنی جگہ سے نہ سرکیں۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ آپ کو بھی اپنی جگہ سے کھسکنا ہوگا لہٰذا آپ اپنا مرکز چھوڑیئے اور جس کو کہتا ہوں اس چیز کی طرف آیئے یعنی اپنی زندگی کا نصب العین آخرت کو بنایئے۔

آپ نے مجھ کو کہنے کی اجازت دی ہی ہے۔ اس مضمون کو پھر بیان کروں گا۔ اسوقت جو آیت میں نے شروع میں پڑھی تھی اس کے متعلق مختصراً کچھ کہتا ہوں۔ تفصیلی بیان انشاء اللہ پھر کروں گا۔ اس آیت میں یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ۝ یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انکو بہت کم قیمت میں یعنی گنتی کے چند درہم کے عوض بیچ ڈالا سو وجہ یہ وہ لوگ انکے کچھ قدرداں تو تھے ہی نہیں۔

سورۂ یوسف میں اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں اسکے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا تو بھی ان کا سب دُکھ مٹ جاتا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ تسلی فرما رہے ہیں۔ کہاں تو یوسف علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر نیز کس قدر خوبصورت تھے اور پھر یہ کہ بھائی تھے۔ لیکن ان سب کے باوجود بھائیوں نے ان کی ایسی بے قدری کی کہ چند دراہم میں ان کو بیچ دیا اور ان کے بارے میں زاہد تھے۔ اور یہ چاہتے تھے کہ یہ دنیا سے نکل جائیں۔

اس کے متعلق پھر کہونگا کہ یہ آیتہ میں نے اسوقت کیوں پڑھی ہے۔ یہی سمجھ لیجئے کہ آپکے لئے پڑھی ہے کہ آپ دراھم معدودہ یعنی دنیا میں پڑکر خدا کو بھولے ہوئے ہیں اور دین حاصل نہیں کررہے ہیں۔ بلکہ اکثر لوگوں کو تو دنیا بھی حاصل نہیں لیکن اس کے باوجود فکر دنیا میں پڑکر آخرت کو بھولے ہوئے ہیں۔ اور زیادہ تعجب تو ان لوگوں سے ہے جن کا تعلق کسی اہل اللہ سے ہے اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے کسی کا وقت پایا ہے پھر بھی اس طرف التفات نہیں کرتے۔ بالکل اس کا مصداق ہیں ؎

لیے تیں گئے پر نہ کیا عشق بتوں کا زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

اہل اللہ سے تعلق بھی رکھتے ہیں اور پھر بھی محروم ہیں۔ اگر ایک آدمی سیکھ لے اور دین حاصل کرنے لگے تو اسکو دیکھ کر دوسرا اور پھر تیسرا سیکھنے لگے۔ اسی طرح دنیا میں یہ خیر خیرات بڑھ جائے۔ اور دین کی اشاعت عام ہونے لگے۔ لیکن جب ایک آدمی آیا اس نے کچھ نہیں کیا دوسرا آیا وہ بھی کام پر نہیں لگا اسی طرح بہت سے لوگ جمع ہو گئے تو عوام الناس دیکھتے ہیں کہ فلاں جگہ جانے والے لوگوں میں سے ایک آدمی کو بھی کچھ حاصل نہیں ہوا تو سمجھتے ہیں کہ وہاں جانے سے کیا فائدہ۔ دنیا میں اہل اللہ جو بدنام ہوتے ہیں تو انھیں مریدوں کی وجہ سے کہ یہ لوگ آنے جانے کے باوجود سچے نہیں ہوتے۔ اگر یہ دین سیکھیں اور صدق وخلوص اختیار کریں اپنی اصلاح پر لگ جائیں تو بہت سے لوگوں کو نفع ہو۔

اب آپ سے کہتا ہوں کہ جو چیزیں میں بیان کیا کرتا ہوں ان سب کو چند روز میں آپ سے بیان کردوں گا اور کوشش کروں گا کہ آپ کو سمجھادوں۔ یوں تو یہ بات اللہ کے

ہی کے اختیار میں ہے کہ آپ لوگوں کے کان میں صحیح طور پر بات پہنچے اور آپ لوگ صحیح طور پر اسکو سمجھیں۔ ہمارے اختیار میں محض یہ ہے کہ ہم خلوص اختیار کریں اور حق بات کہنے کا عزم کریں اور سچی بات آپ سے کہیں۔

لہذا ہم جو کہنا چاہتے ہیں اسکو اچھی طرح سمجھئے کہ کیا مقصد ہے اور کیا کہنا چاہتے ہیں ہملوگوں کو تبرک نہ بنایئے۔ اسلئے کہ تبرک بنانے کا وقت نہیں ہے۔ اب یہی ہوگیا ہے کہ جو مشائخ اچھے اچھے اور بڑے درجے کے ہوتے ہیں ان کو عوام الناس تبرک بنا لیتے ہیں اور ان کا ہاتھ چومتے ہیں تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اور بس۔ خیر بزرگوں کی تعظیم و تکریم تو اچھی چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسکو چھوڑ دیجئے لیکن محض اتنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ ان کی تعلیمات کو اپنانا چاہیئے اور انکے اعمال کو اخلاق کو لینا چاہیئے۔ ان کی باتوں کو سمجھنا چاہیئے کہ کیا کہتے ہیں ورنہ اگر ایک دن گیا دوسرا دن گیا تیسرا دن گذرا تو اسی طرح کل وقت گذر جائیگا۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بڑے بڑے فاضل اور کامل لوگ جو بہت سے انوار و برکات کے حامل تھے اسی دور میں رہے ہیں مگر یہ کہ لوگوں کو ان سے جتنا فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا نہیں اٹھایا۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ ایسے بلند درجے کے ہیں تو ٹوٹ پڑتے۔

اسواسطے کہ ۔۔۔۔ کہ وقت کی قدر کرنی چاہیئے اور فکر سے کام کرنا چاہیئے۔ جو باتیں کام کی ہوتی ہیں وہ جلدی سمجھ میں نہیں آتیں دیر لگتی ہے۔ سُن لینا تو پھر بھی آسان ہے مگر اسکو سمجھنا اور جیسا کہ حق ہے سمجھنے کا ویسا سمجھنا ذرا دشوار ہوتا ہے۔ اسلئے اگر آدمی نہ سمجھے تو دوسرے کسی سمجھدار سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا کہہ رہے تھے اور کس بات پر زیادہ زور دیتے تھے۔ یہ بہت ضروری ہے اسلئے کہ ہم لوگوں کی سمجھ کم ہوگئی ہے ورنہ ہمارے وعظ اور جلسے بہت ہوتے ہیں۔ اگر اس طرح سمجھنے کے ارادے سے اور عمل کرنے کے لئے اتنے اتنے آدمی وعظ میں شریک ہوں تو ہم لوگ معلوم نہیں کیا کرلیں اور کتنا کام ہو جائے۔ مگر بات یہ ہے کہ وعظوں اور جلسوں میں عوام الناس تبرکا ہی شریک ہوتے ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ برکت کی چیز ہے۔ عمل کرنے کے لئے اور اصل چیز کو حاصل کرنے کے لئے نہیں شریک ہوتے۔ ورنہ یہ وقت ایسا نہیں رہتا جسکی ہم اور آپ شکایت کر رہے ہیں۔ بلکہ بہت کچھ کام ہو جاتا۔ انشاء اللہ کل پھر کہوں گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا وعظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

اَمَّا بَعْدُ - فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ۝

اس آیۃ میں اللہ تعالٰے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرما رہے ہیں کہ جس طرح کفار آپ کے دشمن ہیں اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالدیں۔ اور اگر اللہ تعالٰی چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے۔ سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اسکو آپ رہنے دیجئے:۔

میں اس مضمون کی توضیح کرنا چاہتا ہوں گو آپ لوگوں کو ذرا مشکل سے سمجھ میں آئے گا۔ لیکن جو مضمون مشکل ہونے کے باوجود ضروری ہو اگر اسی کو چھوڑ دیا جائے تو مضمون ہی ناتمام رہ جائیگا۔

اس لئے اس قسم کے مضامین کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلے ربط کیلئے ماقبل کی آیتیں پڑھتا ہوں پھر آیت متلوہ کی توضیح کروں گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَاۤ اِذَا جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یعنی قرآن شریف کے نازل ہونے سے پہلے ان منکر لوگوں نے قسموں میں زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشان آجاوے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آوینگے (یعنی نزول قرآن سے پہلے کھا قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی آیۃ آجائیگی تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے، تو اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے) آپ کہہ دیجئے کہ نشان سب خدائے تعالیٰ کی قبضہ میں ہیں اور (اے مسلمانو) تمکو اس کی کیا خبر کہ وہ نشان جس وقت ظہور میں آجاویں گے تو یہ لوگ (غایت عناد سے) جب بھی ایمان نہ لاوینگے۔ پھر آگے فرماتے ہیں۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

یعنی اور (ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہم بھی ان کے دلوں کو (حق طلبی کے قصد سے) اور ان کی نگاہوں کو (حق بینی کی نظر سے) پھیر دینگے (یعنی ان کے دلوں پر اور ان کی آنکھوں پر ایسا تصرف کر دینگے کہ اسی میں حیران و سرگرداں رہیں گے۔ اور ایمان کی توفیق ان کو نہ ہوگی اور ان کا یہ ایمان نہ لانا ایسا ہے) جیساکہ یہ لوگ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی (اور کفر) میں حیران (سرگرداں) رہنے دینگے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ یہ شیاطین الانس کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ جو انبیاء کے مقابل میں لشکر بنکر سامنے آتے ہیں تو پھر اپنے منہ کی کھاتے ہیں۔ اسلئے کہ ہم اس کی سزا میں ان کے دلوں پر اور ان کی آنکھوں پر ایسا تصرف کرتے ہیں کہ ان کی بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور طغیان میں ان کو چھوڑ دیا ہے کہ یہ اسی میں سرگرداں اور متحیر رہیں اور اسی بنا پر طرح طرح کے بیجا سوالات کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ

وَلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا یعنی ہم پر ملائکہ کیوں نہیں نازل ہوتے یا ہم اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھ لیتے یا یہ کہتے ہیں کہ ہم سے مردے زندہ ہوکر باتیں کیوں نہیں کرنے لگتے اور یہ کہ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا یعنی اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کو ہمارے روبرو لائیے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ○

یعنی ان کے عناد کی تو یہ کیفیت ہے اور یہ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے زندہ ہوکر باتیں کرنے لگتے (بلکہ) ہم تمام موجودات غیبیہ) کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لاکر جمع کر دیتے (کہ یہ سب کو کھلم کھلا دیکھ لیتے) تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے۔ ہاں مگر خدا ہی چاہے تو اور بات ہے۔ لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں:

اس کے بعد بطور قاعدہ کلیہ کے بیان فرماتے ہیں کہ:۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ الآیۃ

اب اس کی توضیح کرتا ہوں سنیئے۔

سب سے زیادہ برگزیدہ اور پسندیدہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق رکھنے والی جماعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی ہے اور ان میں بھی سب سے افضل اور محبوب تر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے جس طرح ہر نبی کو نبی بنایا اسی طرح ہم ہی نے شیاطین الانس اور شیاطین الجن کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے۔ پس جس طرح دنیا میں نبی کا مبعوث ہونا حکمت ہے اسی طرح ان کے دشمنوں کے ہونے میں بھی حکمت ہے اور جب اللہ تعالیٰ ہی ان کے دشمن بنانے کے جاعل ہیں تو اس میں اہمیت بھی ہے۔ اس بات کو انبیاء علیہم السلام نے سمجھا اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں استغاثہ اور استعاذہ پیش فرمایا۔

نیز جس طرح نبی کا وجود ایک رحمت ہے اسی طرح ان کے دشمنوں کا وجود ایک قہر ہے اور جس طرح نبی اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کا مظہر ہے اسی طرح شیطان بھی اسم مضل کا مظہر ہے

ان دونوں میں پورا مقابلہ اور زبردست جنگ ہے اور دونوں طرف سے پوری قوت صرف ہوتی ہے۔ درحقیقت کامل مقابلہ اور قوت کا اندازہ تو اسی وقت ہوتا ہے جب جانبین میں برابر کی قوت ہو۔ ورنہ اگر کوئی پہلوان کسی بچے سے لڑجائے اور وہ بچہ بری طرح گرجائے تو یہ کوئی تعریف کی بات نہیں۔ بلکہ تعریف تو جب ہے کہ دوسری طرف سے بھی کوئی پہلوان ہی ہو اور ایک قوت دوسری قوت سے ٹکرائے اور دونوں میں مڈبھیڑ ہو تب اسکی قوت کا پتہ چلتا ہے۔

اسی سے سمجھئے کہ شیاطین کا گروہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پوری قوت سے ٹکراتا ہے اس لئے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسم مضل کا پورا مظہر ہے۔ نیز وہ اپنی قوت بڑھانے کے لئے شیاطین الانس کو بھی اپنا شاگرد بنالیتا ہے۔ جیسا کہ نص قرآنی بتلا رہی ہے کہ شیطان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شیطٰن الانس دوسرے شیطٰن الجن۔ اور ان میں سے بعض دوسرے بعضوں کو وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں۔ یعنی جس طرح انبیاء کے پاس وحی آتی ہے اسی طرح بالکل اسکے مدمقابل شیطان لوگوں کے قلوب پر میٹھا بھونکتا رہتا ہے۔ اور جو اس کے شاگرد ہیں وہ اس کے وسوسوں کو قبول کرتے ہیں اور شیطان انھیں کو انبیاء کے مقابلے میں سکھا پڑھا کر لا کھڑا کرتا ہے۔ خود سامنے نہیں آتا۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ط اور اگر اللہ تعالے چاہتے تو یہ ایسا نہ کرسکتے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں اور ان کی مشیت کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ دونوں سلسلے ساتھ ساتھ رہیں ہدایت کا سلسلہ بھی رہے، اور ضلالت کا بھی تاکہ جس کا جی چاہے جہنم کا راستہ اختیار کرے اور جس کا جی چاہے وہ دوسرے سلسلہ میں داخل ہوجائے اور کتاب و شریعت اس لئے نازل کی گئی ہے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط یعنی تاکہ جو زندہ رہے (اور مسلمان ہو) وہ بعد بیّنہ کے زندہ رہے اور جو ہلاک ہو وہ بعد بینہ کے ہلاک ہو تاکہ اس پر حجت قائم ہوجائے اور وہ کوئی عذر قیامت میں پیش نہ کرسکے۔ یہ حکمت ہے کتاب کے نزول میں۔ اسی لئے آگے فرماتے ہیں کہ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ آپؐ ان کو اور ان کی افتراء پردازی کو چھوڑ دیجئے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ بھی رہیں اور ان کا افتراء بھی رہے۔

ان دونوں سلسلوں کے باقی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ دنیا دار الابتلاء ہے اور یہاں جتنی چیزیں ہیں سب ابتلاء ہی کے لئے ہیں۔ چنانچہ انسان کی پیدائش بھی اسی لئے ہوئی ہے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ اور فرماتے ہیں کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ یعنی ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے پھر ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝

یعنی اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں میں ان سے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا۔ اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں۔ اللہ خود ہی سب کو رزق پہونچانے والا ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کو اسی طرح جن اور انسان کو ابتلاء ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور ان کے ساتھ احکام خداوندی کا نزول یہ تمام عالم والوں کے لئے سخت ابتلاء ہے پھر یہ ابتلاء مخلوق کے حق میں نعمت بھی ہے اور نقمت بھی۔ اس طور پر کہ جو شخص انبیاء کی تصدیق کریگا اور احکام خداوندی کا اتباع کریگا اس کے حق میں یہ ابتلاء نعمت ہے اور جو انبیاء کی تکذیب کریگا احکام کی خلاف ورزی کرے گا اور نفس وشیطان کا اتباع کرے گا اسکے حق میں نقمت ہے۔ آدمی کا نفس اور شیطان بھی ابتلاء خداوندی ہے بلکہ اس کی وجہ سے مجاہدہ اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ نفس وشیطان بالکل شرع کے مزاحم ہوتے ہیں تو اگر صرف انبیاء تشریف لاتے اور محض ان کی تعلیمات ہوتیں اور کوئی چیز اس کے مزاحم اور خلاف نہ ہوتی اسوقت لوگوں کا ان تعلیمات کو قبول کر لینا اتنا کمال نہ ہوتا جتنا کہ اس حالت میں ہے کہ انبیاء کی تعلیمات کے بالمقابل نفس شریر بھی موجود ہے اور شیطان کا القاء اور وسوسہ بھی موجود ہے۔ یعنی جس طرح انبیاء کے پاس وحی آتی ہے اسی طرح شیطان لوگوں کے قلوب پر بیٹھا ہوا پھونکتا رہتا ہے۔ ایسی صورت میں ان سب دشمنوں کا مقابلہ نہایت دشوار ہو جاتا ہے مگر جو لوگ مُوَفَّقٌ مِنَ اللہ ہوتے ہیں وہ سب ابتلاآت کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ دنیا کا بھی مقابلہ کرتے ہیں اور نفس وشیطان کا بھی مقابلہ کرتے ہیں۔ گویا زبان حال یہ کہتے ہیں ؎

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کو اسلئے پیدا فرمایا ہے تاکہ تم کو آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے کون اچھا ہے۔ ۱۲

گر دو صد زنجیر آری بگسلم
غیر زلف آں نگار مقبلم

یعنی اگر دو سو زنجیریں اور بیڑیاں ڈالو گے تو سب کو توڑ پھینکوں گا۔ البتہ اس محبوب حقیقی کی زلف میں لپٹا چلا آؤں گا۔

ان کی نظر اللہ تعالی پر ہو جاتی ہے اور ان کو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ قیامت آنیوالی ہے اور اللہ تعالی کے سامنے پیش ہونا ہے اور یہ دنیا کی زندگی ایک خیالی زندگی ہے جو آخرت کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس زندگی کا کچھ نتیجہ مرتب نہ ہوگا اور یہ اسی طرح ختم ہو جائیگی۔ اسلئے کہ اسی زندگی کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:-

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ۝ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی مہمل (مفت سفت) چھوڑ دیا جاوے گا۔ اور اس زندگی کا کچھ نتیجہ مرتب نہ ہوگا۔

آدمی کا نفس بہت شریر و سرکش ہوتا ہے لیکن جب انبیاء علیہم السلام کی صحبت کے برکات اس پر پڑتے ہیں تو وہ مطلبینہ ہو جاتا ہے اور پھر انبیاء کے اتباع پر چلنے لگتا ہے اور پہلے جس نیک کام کو نہیں کر سکتا تھا یا اس کا کرنا دشوار معلوم ہوتا تھا اور اس میں حظ و لطف نہیں آتا تھا اسی کو اب خوشی خوشی اور آسانی کے ساتھ کرنے لگتا ہے اور اس میں لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے

انبیاء علیہم السلام اسی کام کے لئے مبعوث ہوتے ہیں اور یہ منصب انکو منجانب اللہ سپرد ہوتا ہے اس وجہ سے ان سے یہ کام انجام پاتا ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے ان کی نصرت اور مدد ہوتی ہے اور شیطان چونکہ دوسرے کام کے لئے پیدا ہوا ہے اسلئے وہ تو اپنا کام کرتا ہے مگر سوائے برے برے وسوسہ ڈالنے کے ہمکو کسی فعل پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اسی بنا پر قیامت کے دن اپنے شاگردوں سے کہے گا کہ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم۔ یعنی میں تم پر حاکم نہیں مقرر ہوا میں نے تو تم کو دعوت دی اور تم نے مان لیا تو مجھ پر ملامت مت کرو بلکہ اپنے اوپر ملامت کرو۔

آپ دیکھتے ہیں کہ آخرت میں چلکر شیطان یہ فیصلہ کریگا کہ خالی مجھ کو ملامت کا نشانہ کیوں بناتے ہو۔ میں تو وسوسہ ڈالکر الگ ہو جاتا تھا۔ البتہ تمھارا نفس تمھارے ساتھ تھا اور تمھارے سامنے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات موجود تھیں تم ان کو نہیں لیتے تھے اور ہمارے وسوسوں کو

خوشی خوشی قبول کرتے تھے تو اب میں بھی بھگت رہا ہوں اور جہنم میں جا رہا ہوں تم بھی بھگتو اور اسی گرم جگہ میں تم بھی رہو۔

شیطان سے جس قدر عداوت اور نفرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تھی وہ کسی دوسرے کو نہیں تھی حتیٰ کہ شیطان بھی سمجھتا تھا کہ یہ اللہ کے امر میں بہت سخت ہیں اس لئے ان سے بہت ڈرتا تھا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرؓ جس گلی سے گذر جاتے ہیں شیطان اس گلی کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے جاتا ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے دوسری زندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کو آخرت یاد دلائیں اور یہ سمجھائیں کہ یہ زندگی ناپائدار اور فانی ہے اس میں چند روز ہی رہنا ہے اور یہ کسی مقصد کے لئے پیدا ہوئی ہے اور سب سے بڑا مقصد اس سے یہ ہے کہ آدمی اس دار دنیا میں آکر اللہ تعالیٰ کو پہچانے آخرت کو پہچانے اور جنت اور دوزخ کو پہچانے وہاں کے قرب و رضا کو پہچانے اور یہ سمجھے کہ آخرت باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور دنیا فانی و ناپائدار ہے۔ یہ منصب بہت بڑا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو انتخاب خداوندی سے ملتا ہے۔ پھر وہ خدا کی طرف سے یہاں کی زندگانی میں تصرفات کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے احکامات کو بتلاتے ہیں اور ایسے با اخلاق ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جس سے دنیا والوں کو ذرا بھی نفرت اور انقباض ہو۔

بخاری شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ صحابہ غزوات میں ہر طرف جایا کرتے تھے۔ لیکن ایک مقام ایسا تھا جہاں نہیں جاتے تھے وہاں کے لوگوں نے خود آپس میں غور کیا کہ آخر کیا بات ہے کہ یہ لوگ ہر طرف جاتے ہیں اور یہاں نہیں آتے۔ حالانکہ ہم قریب ہیں اور یہیں سے ہو کر یہ لوگ گذرتے ہیں تو ایک شخص نے بتایا کہ یہاں کے ایک آدمی نے ان کو پانی پلایا ہے اسلئے اس کا احسان مانتے ہیں۔ تمہارے یہاں غزوے کے لئے کبھی نہیں آوینگے اس کا اثر ان لوگوں پر یہ ہوا کہ وہ سب لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر برضا و رغبت مسلمان ہو گئے۔

سبحان اللہ یہ ہیں نبی کے اخلاق۔ سب سے زیادہ عمل کرنے والے اور سب سے زیادہ احسان ماننے والے انبیاء علیہم السلام ہی ہوتے ہیں۔ جس کا یہ اچھا اثر ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ احکام کی تعلیم فرماتے ہیں یعنی اوامر کا حکم دیتے ہیں اور مناہی

سے روکتے ہیں تو یہ سب قیود آزادی کے خلاف ہوتی ہیں اور نفس کو ناگوار ہوتی ہیں اسلئے لوگ ابتدا میں بھناتے ہیں اسواسطے انبیاء کے دشمن ہوجاتے ہیں لیکن جب ان کے اخلاق سے متاثر ہوکر ایمان لاتے ہیں اور آخرت قلب میں آجاتی ہے تو ان سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں ہوتا۔ چنانچہ جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ مانتے تھے بعد میں بڑے بڑے اولیاء اللہ ہوئے ہیں مگر مانتے میں ان کے عشر عشیر بھی نہیں ہوئے اس وجہ سے کہ صحابہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف رکھتے تھے اور وہ آپؐ کے فیوض و برکات کا مشاہدہ کرتے تھے اور جتنی جس کی استعداد تھی وہاں تک حضور نے ہر ایک کو پہنچایا جو دولت وصول الی اللہ کی انبیاء کے ذریعہ سے ملتی ہے وہ کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اسکے مقابلے میں ایسی ہزاروں دنیا کو ٹھکرادیں اور کچھ نہ سمجھیں۔

صحابہؓ ایک مرتبہ فارس تشریف لے گئے جب وہاں دربار میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ریشم کے فرش بچھے ہوئے ہیں ان کو نیزوں سے ہٹانے لگے اور فرمایا کہ نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحریر والدیباج او کما قال۔ یعنی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ ان لوگوں کو اس سے بہت تعجب ہوا کہ یہ عجیب لوگ ہیں نھانا رسول اللہ کہتے ہیں وہ بیچارے اس کو کیا سمجھتے۔ اسکو تو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے قلب میں آخرت آچکی ہے اور اللہ و رسول کی محبت سما چکی ہو۔ اس چیز سے جسکو جسقدر حصہ ملتا ہے اسی قدر وہ دنیا سے مستغنی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کو یہ چیز حاصل تھی اور آخرت پیش نظر تھی اسلئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے لئے یہ سب ریشم وغیرہ آخرت میں اور جنت میں ہیں وہ دنیا سے بالکل مستغنی تھے لیکن اسکے باوجود سب سے زیادہ دنیا انھیں کو ملی اور جس قدر فتوحات صحابہ پر ہوئیں بعد میں نہیں ہوئیں اور جو عزت ان کو ملی بعد والوں کو نہیں مل سکی۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی اللہ کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے لیکن منافق لوگ جانتے نہیں اور فرماتے ہیں۔ وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَھُوْنَ ۝ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔

تو صحابہ سے زیادہ نہ کسی کو عزت ملی نہ دولت مگر باوجود اس کے اس امر پر سب کا اتفاق

ہے کہ بعد والے ایمان میں صحابہ کے پاسنگ بھی نہیں ہوئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ آسمان و زمین کے خزانے ان کے لئے کردیئے مگر انھوں نے دنیا کو منہ نہیں لگایا اور ان کے قلوب میں دنیا کا گذر نہیں ہوا۔

سنئے دنیا وہ مذموم ہے جو کہ قلب میں ہو اور اگر قلب سے باہر جیب میں اور صندوق میں ہو تو کیا بُرا ہے۔ بلکہ اچھی چیز ہے کہ قوام زندگی اس سے متعلق ہے اور اسکو آدمی ذریعہ آخرت بنا سکتا ہے۔ ایک جگہ میں نے اس مضمون کو بیان کیا تھا تو لوگ بہت محظوظ تھے اور خوش ہو ہو کر بازاروں میں کہتے پھرے میں نے سوچا کہ یہ بات چونکہ لوگوں کے نفس کے موافق ہے اسلئے خوش ہو رہے ہیں اور جب نفس کے خلاف کوئی بات آئیگی تو یہی لوگ گالی دینے لگیں گے۔

یہ بات بہت مشکل ہے کہ روپیہ جیب میں یا صندوق میں ہو اور دل میں نہ رہے یہ صحابہ ہی کا مقام تھا اور انھیں کی یہ شان تھی کہ فتوحات پر فتوحات ہوتی چلی جاتی تھیں مگر ان کی توجہ ایک ساعت کے لئے بھی خدا کی طرف سے نہیں ہٹی۔ بلکہ وہ دین میں بڑھتے ہی رہے۔ اس واسطے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ایمان کی اور قرب کی دولت پائی تھی اور دنیا و آخرت کو پہچانا تھا اور دونوں کا تقابل بھی ان کو خوب اچھی طرح معلوم ہوگیا تھا اسلئے جنت اور لذات جنت کے سامنے دنیا کی طرف ان کی نظر التفات ذرا بھی نہیں ہوئی۔ بلکہ دنیا اور لذات دنیا کی قیمت ان کے نزدیک ایک سینگنی سے بھی کم تھی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دل میں ایمان ہو اور آخرت کا اعتقاد جازم اور راسخ ہو اور اسکے ساتھ دنیا کی طرف التفات باقی رہ جائے۔ اسلئے کہ آخرت کے ساتھ دنیا کو وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہے۔ کیونکہ قطرہ اور سمندر دونوں فانی ہیں تو فانی کو فانی کے ساتھ کچھ نسبت ہو سکتی ہے لیکن آخرت باقی اور دنیا فانی تو ان دونوں میں کچھ بھی نسبت نہیں۔ کیونکہ باقی کو فانی سے کیا نسبت۔

جس ذات نے ان چیزوں کو بتلایا ہے اور عقائد حقہ و اخلاق فاضلہ کو مخلوق تک پہنچایا ہے اس کا وجود کیسا بابرکت تھا۔ یہ صحابہ ہی سے پوچھ سکتے ہیں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت تھی۔ ان میں مرد و عورت سب کے سب حضور کی محبت میں بالکل چور تھے اور ان کے سویدائے دل میں آپ کی محبت گھر کئے تھی۔ صحابہؓ کے لئے جہاد وغیرہ بڑے بڑے اعمال تھے لیکن انکا سب سے بڑا عمل یہی محبت تھی اور یہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے

اور حضور تمام امت کے لئے شفیع ہیں اور آپ کی شفاعت کے لئے سب سے بڑی چیز آپ سے محبت ہے۔ تو جو ذات کہ اس منصب پر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا فریضہ ادا کرے اور اللہ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے وہ کیسی کچھ ہوگی۔ حضرت حسان فرماتے ہیں کہ:-

لَهُ هِمَمٌ لَا مُنْتَهٰی لِكِبَارِهَا وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰی اَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

حضور کی نسبت فرماتے ہیں کہ آپ کے لئے بہت سی ہمتیں ہیں ان میں سے بڑی ہمت کی کوئی انتہا نہیں۔ یعنی وہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی سیر کرتی ہے جو غیر متناہی ہے۔ اس لئے اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ آپ کی چھوٹی ہمت بھی دہر سے زیادہ بڑی ہے۔

تو جو ذات ایسی عظیم الشان ہو اسکے ساتھ محبت کا اور عقیدت کا کیسا کچھ تعلق ہوگا اسکو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ اور اگر اسکو مثال کے طور پر کچھ سمجھایا جاسکتا ہے تو اس طرح کہ جو لوگ مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے تھوڑی بہت محبت ان کو ہوئی ہے اور ان کی صحبت سے خدائے تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا کچھ حصہ ملا ہے اور ایمان قلب میں آیا ہے اور اس کی وجہ سے مشائخ سے محبت ہو گئی ہے اسی سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسا تعلق اور کتنی محبت رہی ہوگی۔ مگر محبت کامل ہونے کے باوجود صحابہ سب کے سب باہوش تھے۔ یہ صحابہ کا انتہائی کمال تھا۔ بعد والوں میں تو کچھ بے خودی بھی ہو جاتی ہے۔ کسی کو کسی حال کا غلبہ ہو جاتا ہے اور کسی پر کسی کیفیت کا غلبہ رہتا ہے۔ چنانچہ بڑے پیر صاحب پر قضا و قدر کا غلبہ رہتا تھا۔ کسی نے ان کی خدمت میں چینی آئینہ پیش کیا انھوں نے خادم کو دے دیا اور یہ فرما دیا کہ کبھی کبھی لاکر دیدیا کرنا اس میں چہرہ دیکھ لیں گے۔ ایک دفعہ اتفاقاً وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور ٹوٹ گیا۔ وہ بہت خائف ہوا کہ اب تو حضرت خفا ہونگے۔ مگر چونکہ وہ جانتا تھا کہ شیخ پر قضا و قدر کا غلبہ رہتا ہے اسلئے اسی کے مناسب الفاظ سوچ کر خدمت میں جاکر عرض کیا کہ "از قضا آئینہ چینی شکست"۔ یعنی بحکم قضا، آئینہ چینی ٹوٹ گیا۔ حضرت نے یہ سنکر برجستہ یہ فرمایا کہ "خوب شد اسباب خود بینی شکست"۔ یعنی بہت اچھا ہوا کہ خود بینی کا ذریعہ ٹوٹ گیا۔

جن چیزوں سے خود بینی وغیرہ پیدا ہوتی ہے ان کو یہ حضرات توڑ دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ محبت جب قلب میں ہوتی ہے تو سب چیزوں کو توڑ دیتی ہے اور تمام تعلقات کو ختم کر دیتی ہے

اور اس محبت میں کبھی کبھی جذب بھی ہوتا ہے جیسا کہ میں نے حضرت مولانا کے یہاں دیکھا کہ ایک آدمی مدراس کے مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم سب لوگ بھی بیٹھے تھے کہ یکایک ان پر کوئی کیفیت طاری ہوئی وہ اپنی جگہ سے جست کرکے حضرت کی گود میں جاگرے۔ حضرت کا قلمدان اُلٹ گیا سیاہی وغیرہ سب گر گئی لیکن حضرت نے کچھ نہیں فرمایا۔ کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ محبت ہے اور اس میں یہ مغلوب ہوگئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہاں سے جست کیا اور اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ ہم کو بہت اچھا معلوم ہوا اور اپنے دل میں سوچا کہ یہ کام یہاں ہوتا ہے۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اب یہیں سے میں ایک مسئلہ بیان کرتا ہوں سنئے :۔

یہ صاحب جو اپنی جگہ سے جست لگا کر حضرت مولانا کے پاس پہونچے تو یہ جذب تھا اور اگر قدم سے چل کر وہاں تک جاتے تو یہ سلوک ہوتا۔

اب یہ سمجھئے کہ ہر جذب کے لئے سلوک شرط ہے۔ عادۃ اللہ یونہی جاری ہے۔ اسکو مثال سے واضح کرتا ہوں۔

بزرگوں سے ایک حکایت سنی ہے کہ ایک بزرگ اپنے مریدین کے ساتھ ایک دن شاہی محل کے نیچے سے گذر رہے تھے بادشاہ بالاخانہ پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اوپر سے کمند لٹکا دی اور ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ جب وہ اوپر پہنچے تو بادشاہ نے ان سے سوال کیا کہ بتائیے آپ اللہ تعالیٰ تک کیسے پہنچے؟ انھوں نے فرمایا کہ اسی طرح پہنچے جیسے آپ تک۔ یعنی اگر میں خود آپ تک پہنچنا چاہتا تو میرے لئے تقریباً ناممکن تھا۔ کیونکہ اگر میں سارے محل کا چکر لگا کر دروازہ پر پہنچتا بھی تو وہاں دربان مجھے روکتے اور اندر نہ جانے دیتے لیکن جب آپ ہی نے مجھے بلانا چاہا تو کمند کے ذریعہ اپنے پاس بلا لیا۔ یہی حال بندہ کے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ہے جب وہ چاہتے ہیں کمند لگا کر بلا لیتے ہیں اور اسی کو تصوف میں جذب کہا جاتا ہے۔ انتھیٰ

جو حضرات بھی اس قصہ کو بیان فرماتے ہیں تو اخیر بات کی طرف زیادہ توجہ دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو بندے کو جذب فرما لیتے ہیں اور جو اس سے پہلے کی بات ہے اسکی طرف غور نہیں کرتے کہ آخر وہ بزرگ اپنے شہر سے چلکر بادشاہ کے محل کے گرد تک از خود گئے تھے اسکے بعد بادشاہ کو توجہ ہوئی اور کمند لٹکا کر کھینچ لیا۔ تو وہ بزرگ جو از خود چلکر گئے تھے وہ سلوک تھا اور

جو بادشاہ نے کھینچ لیا وہ جذب تھا۔ اگر اپنے گھر ہی بیٹھے رہتے تو بادشاہ ان کے گھر میں کمند لٹکا کر تھوڑا ہی کھینچتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جذب سے پہلے سلوک لازم ہے۔ اس کی طرف بھی توجہ دلانا چاہیئے۔ اسلئے کہ عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ جب کوئی سلوک اختیار کرتا ہے تب ہی جذب فرماتے ہیں اور شواذ و نوادر پر حکم کلی نہیں لگایا جاسکتا اور نہ اس پر اعتماد و اتکال کرکے بیٹھا جاسکتا ہے۔ پس سلوک کو شروع کرو اور اپنے قدرت و اختیار سے جتنا کر سکتے ہو کرو۔ جذب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ اپنے سلوک سے بغیر جذب کے وصول ناممکن ہے مگر سلوک شرط ہے۔

اسی حکایت کے مناسب ایک دوسرا واقعہ بھی سنیئے :۔

انبیٹھہ میں ایک بزرگ گذرے ہیں شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب سہارنپور تشریف لے گئے اور اتفاق سے گھر پر کچھ خرچ وغیرہ کا انتظام کرکے نہیں گئے تھے جب وہاں پہنچے تو ان کے خادم جنکا نام بھیک تھا انھوں نے رات کو سونے کے وقت جب شاہ صاحب کو چارپائی پر لٹا دیا اور وہ سو گئے تو صاحب خانہ سے جاکر چپکے سے کہا کہ حضرت یہاں تشریف لائے ہیں اور گھر پر بچے فاقے سے ہوں گے وہاں کوئی انتظام نہیں ہے۔ چونکہ سہارنپور سے انبیٹھہ کی مسافت بارہ کوس کی تھی اسلئے لوگوں نے کہا پھر کیا صورت کی جائے کہ حضرت کے گھر کھانا پہنچایا جاسکے تو شاہ بھیک نے کہا کہ میں لیجاکر پہنچاآؤنگا۔ چنانچہ ان لوگوں نے فوراً کھانا ان کے حوالے کیا جب رات کو حضرت شاہ صاحب سو گئے تو شاہ بھیک کھانا لیکر دوڑتے دوڑتے انبیٹھہ پہنچے اور دروازہ کھلا کر وہاں کھانا دیا اور فوراً سہارنپور کیلئے واپس ہو گئے۔ رات میں تہجد کے وقت سہارنپور پہنچ کر حضرت شاہ صاحب کو وضو کرایا۔ غالبًا بیس روز تک وہاں قیام رہا اور شاہ بھیک روزانہ رات میں اسی طرح کھانا لیکر انبیٹھہ جاتے اور تہجد کے وقت تک واپس آکر حضرت کو وضو کراتے تھے۔ پھر جب حضرت شاہ ابو المعالی رح مکان واپس تشریف لائے تو بچوں سے فرمانے لگے کہ میں تو وہاں خوب عمدہ عمدہ کھانے کھاتا تھا خدا معلوم تم لوگوں پر کیا گذری۔ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں ہم لوگوں کو بھی بھیک بھائی روزانہ رات کو اچھے اچھے کھانے لاکر پہنچا جایا کرتے تھے اور ہم لوگ خوب آسودہ ہوکر کھاتے تھے۔

ظاہر ہے کہ اس سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو کس قدر مسرت ہوئی ہوگی اور ان مخلص

مرید کی کیسی کچھ قدر آپ کے قلب میں ہوئی ہوگی۔

اب انھیں شیخ و مرید کا ایک دوسرا واقعہ سنئے اس کے بعد بطور نتیجہ کے کچھ بیان کرونگا۔ قصہ یہ ہے کہ :۔

ایک مرتبہ حضرت ابوالمعالی رح کسی بات پر ناراض ہوئے اور شاہ بھیک کو اپنے پاس سے ہٹا دیا وہ باہر ادھر ادھر جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔ جب بارش کا زمانہ ہوا تو مکان کی چھت ٹپکنے لگی تو حضرت کی اہلیہ نے کہا کہ ایک ہی تو آدمی تھا جو اس قسم کا کام کر دیا کرتا تھا۔ اس کو بھی آپ نے نکال دیا۔ اب چھت ٹپک رہی ہے اسکو کون بنائے اور یہ جو مولوی مولانا ہیں یہ لوگ ہمارے کام کے نہیں ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے نہ نکالا ہے تم نے تو نکالا نہیں اس سے انھوں نے اشارہ پایا کہ میں بلا سکتی ہوں۔ پس انھوں نے بلا کر ان سے کہا کہ چھت ٹپک رہی ہے اسکو بنا دو۔ چنانچہ وہ جنگل سے لکڑی لائے مٹی وغیرہ جمع کیا چھت پر چڑھ گئے اور اسکی مرمت کرنے لگے جب کھانے کا وقت ہوا اور حضرت شاہ صاحب کھانے بیٹھے تو دریافت کیا کہ چھت کوٹنے کی آواز آرہی ہے اوپر کون ہے تو اہلیہ نے بتایا کہ شاہ بھیک ہیں۔ بس حضرت کو جوش آگیا اور ہاتھ میں جو لقمہ اٹھائے ہوئے تھے اسی کو لیکر صحن میں تشریف لائے اور فرمایا کہ لو لو۔ بس یہ سنتے ہی بغیر زینے کے وہ چھت سے کود پڑے اور شاہ صاحب نے اس لقمہ کو ان کو کھلا دیا۔ اس کا کھانا تھا کہ ان کے قلب کی کیفیت بدل گئی اور وہ انوار سے بھر گیا اور ان کو نسبت حاصل ہوگئی۔ شیخ کو جو کچھ دینا تھا اسی ایک لقمہ میں دے دیا۔ اس وقت شاہ بھیک نے ہندی کے دوہے پڑھے ؎

مائی پرواریاں پل میں سو سو بار
کاگا سے ہنس کیا اور کرت نہ لاگی بار

شاہ بھیک کے اس دوسرے واقعہ کو اکثر حضرات نقل فرماتے ہیں اور اس بات پر نہایت شد و مد سے زور دیتے ہیں کہ حضرت شاہ ابوالمعالی رح نے صرف ایک لقمہ میں پہنچا دیا۔ مگر ان کے پہلے کے واقعات کی طرف توجہ نہیں ہوتی کہ انھوں نے اس سے پہلے کتنے مجاہدات کئے ہوں گے اور کیسا کچھ خلوص و تعلق مع الشیخ کا ثبوت دیا ہوگا۔ مثال کے طور پر یہی ایک واقعہ جو نقل کیا گیا ہے ملاحظ فرمایئے کہ سہارنپور سے انبیٹھہ تک رات ہی رات جاتے اور واپس آکر حسب معمول وظیفہ

خدمت انجام دیتے تھے لیکن اپنی اس دوڑ دھوپ کا اظہار کبھی بھی شیخ سے نہ کیا اور نہ اولاد ہی سے اشارۃً کنایۃً کہا کہ اس کو شاہ صاحب پر ظاہر کریں مگر اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کے قلب میں یہ بات ڈال دی کہ بطور افسوس وحسرت اس قسم کے کلمات اپنی اولاد سے کہیں جس سے یہ حقیقت ظاہر ہو جائے اور جو امر صیغۂ راز میں ہے وہ فاش ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور نہ شاہ بھیک کے تو گوشۂ خیال میں بھی ہرگز نہ رہا ہوگا کہ ایسی صورت اس بات کے ظہور کی نمودار ہوگی۔ انھوں نے تو خلوص سے محض شیخ اور شیخ کی اولاد سے محبت میں اس قدر جانفشانی و مشقت برداشت کی تھی جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ شیخ پر بھی ظاہر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو طشت ازبام کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلصین ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیرومرشد اور ان کی اولاد سے ایسا تعلق رکھتے ہیں۔ اور تاکہ ان کے اس قصہ کو ہمیشہ ہمیش بطور مثال کے بیان کیا جائے۔ اور ان کے صدق وخلوص کا چرچا برابر ہوتا ہے۔

اب سنئے! کہ ان کے یہ سب مجاہدات جو انھوں نے اپنے خلوص سے اختیار کئے تھے وہ سب سلوک تھے اور شیخ کا ایک لقمہ کھلا کر ان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دینا یہ جذب تھا۔ اسی کو میں نے کہا تھا کہ ہر جذب سے پہلے سلوک لازم ہے۔ عادت اللہ یونہی جاری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ:- وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ میرے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور بالضرور ان کو اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدہ کو بندوں کی طرف منسوب فرمایا ہے اور ہدایت کو اپنی طرف سے اس مجاہدہ پر مرتب فرمایا ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ شرط ہے اور ہدایت اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ مجاہدہ کو مقدم فرمایا ہے اور ہدایت کو اس پر مرتب فرمایا ہے۔ ان دونوں میں سے مجاہدہ تو بندوں کی طرف سے ہوتا ہے جسکو سلوک کہتے ہیں اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر مرتب ہوتی ہے اسی کو صوفیائے کرام جذب سے تعبیر فرماتے ہیں اور ان حضرات کی کتب میں اس جذب و سلوک کی بھی مستقل بحث موجود ہے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں جذب کے اقسام اور اس کے اسباب کو مفصل بیان فرمایا ہے۔ ہم اس کو نقل کر کے اس پر کچھ کلام کرنا چاہتے ہیں۔ ذرا غور سے سنئے۔

قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ قرب الٰہی کا سبب جذب یعنی خدائے تعالیٰ کا اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچنا ہے۔ یہ جذب کبھی بلا واسطہ کے ہوتا ہے۔ اسکو اجتباء کہتے ہیں۔

اور اکثر کسی امر کے توسط سے ہوتا ہے۔ اور وہ متوسط بحکم استقراء دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔ ایک عبادت دوسرے انسان کامل کی صحبت۔ اس لئے جذب الٰہی جو عبادت کے توسط سے ہو اسکو عبادت کا ثمرہ کہتے ہیں۔ اور جو صحبت کے توسط سے ہو اسکو تاثیر شیخ کہتے ہیں۔

پھر اس بحث کے اخیر میں فائدہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہ مذکور ہو چکا کہ قرب کی ترقی تین چیزوں سے ہوتی ہے۔

(۱) برکات عبادات (۲) تاثیر شیخ (۳) جذب مطلق

پس جاننا چاہیئے کہ عبادات کی برکت سے قوت و وسعت و اقربیت حاصل ہوتی ہے لیکن ایک ہی مقام میں۔ اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک یعنی ولایت صغریٰ سے ولایت کبریٰ تک پھر ولایت علیا تک اور اس سے کمالات نبوت تک ترقی نہیں ہو سکتی۔ اور تاثیر صحبت سے ایک مقام سے دوسرے مقام میں مقام شیخ تک ترقی ہو سکتی ہے۔ اور جذب مطلق سے مقام بہ مقام برابر ترقیات حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جہاں تک خدا کو منظور ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قاضی صاحب کا کلام آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرب الٰہی جس کو وصول بھی کہتے ہیں اس کا سبب اصلی جذب ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو اپنی طرف بلا واسطہ یا بالواسطہ کھینچ لینا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جذب الٰہی کا واسطہ جو چیز بنتی ہے وہ یا تو عبادت ہے یا تاثیر شیخ ہے یعنی عبادت کے ذریعہ اور اسی طرح تاثیر صحبت شیخ کی برکت سے قرب الٰہی حاصل بھی ہوتا ہے اور اس میں ترقی بھی ہوتی ہے۔ لیکن ان دونوں کا قرب ایک خاص مقام ہی تک مقصور ہوتا ہے اسلئے کہ ہر عبادت کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک خاص مقام ہے وہ عبادت بندے کو اس خاص مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ اس سے آگے وہ ترقی نہیں کرتا۔ اسی طرح تاثیر شیخ سے جو قرب ہوتا ہے وہ بھی ایک خاص مقام ہی تک ہوتا ہے اور اس کی بھی ایک حد ہے لیکن جذب مطلق سے جو قرب ہوتا ہے اسکے لئے کوئی انتہا نہیں ہے بلکہ اس سے مقام بہ مقام ترقیات حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور جہاں تک خدا کو منظور ہوتا ہے اسکو قرب عطا فرما دیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ سب سے بڑا ذریعہ قرب خداوندی کا جذب خداوندی ہوا۔ مگر اس جذب کے مرتب ہونے کے لئے بھی سلوک یعنی اسباب قرب کو اختیار کرنا ضروری و لازم ہے۔

آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اس کی شاہد ہے جیسا کہ میں ابھی آپ سے اس کے متعلق بیان کر چکا ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ مجاہدہ ہی پر ہدایت مرتب ہوتی ہے جب آپ مجاہدہ کرینگے اور اعمال قرب اختیار کرینگے تب ہی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوگی۔ پس [illegible] ہے اور قرب و وصول عطا فرما دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لئے

اسی پر جذب الٰہی مرتب ہوگا جس کا ذکر اس وقت کر رہا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے تک پہونچانے کے لئے جو کمند لٹکائی ہے وہ یہی قرآن پاک ہے جسکو حبل اللہ (اللہ کی رسی) خود حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا یعنی تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے پکڑنے میں یہ بھی داخل ہے اور اعتصام بحبل اللہ کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ اس کی تلاوت حضور و مراقبہ کے ساتھ کیجائے۔ حضور یہ کہ تلاوت کے وقت قرآن کی عظمت کا استحضار کیا جائے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ اور مراقبہ یہ کہ قلب میں حاضر کیا جائے کہ ہم حق تعالیٰ کے سامنے ان کا کلام ان کو سنا رہے ہیں۔ اور وہ ہماری تلاوت سن رہے ہیں۔ اگر اس طریقہ سے تلاوت کیجائے گی تو انشاء اللہ ضرور قرب کی موجب ہوگی۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اسی لئے نازل ہی فرمایا ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی معرفت اور قرب و وصول کا ذریعہ بنایا جائے اور اس کمند کے واسطے سے خدا تک پہونچا جائے۔ یہ خدا کی مضبوط رسی ہے اس کا ایک سرا تو خود حق تعالیٰ کے دست مبارک میں ہے اور دوسرا بندوں کے ہاتھ میں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اَبْشِرُوْا فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرْفُہٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرْفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ لَنْ تَھْلِکُوْا اَوْلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ۔ طبرانی (منتخب کنز العمال ص)

یعنی خوش ہو جاؤ کہ اس قرآن کا ایک سرا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اسکو مضبوط پکڑ لو تو پھر تم اس کے بعد کبھی ہلاک نہ ہوگے یا یہ فرمایا کہ ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔

سبحان اللہ! حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ کس قدر شفقت اور ان کے حال پر کیسی عنایت ہے کہ محض اپنے فضل و کرم سے اتنا بڑا شرف بخشا کہ خود اپنا کلام ان پر اس لئے نازل فرمایا کہ اس کے واسطے سے اپنے دربار عظیم تک بلاویں اور ان کو حضوری کا شرف بخشیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کو کس قدر آسان فرما دیا۔ اب اگر ہم اسکو بھی اختیار نہ کریں اور اس سے اعراض ولاپرواہی برتیں بلکہ اس میں قرب کا اعتقاد ہی نہ کریں تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے۔ اس سے بڑھ کر وبال و محرومی کی چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کل سب سے زیادہ بے اعتنائی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے اور اسکے ساتھ شغف اور اس کے بارہ میں قرب کا اعتقاد تو کجا لوگوں کے حال سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تلاوت قرآن کو قرب کا ذریعہ ہی نہیں جانتے اور اس کا قرب میں کوئی دخل نہیں سمجھتے اس لئے کہ اس کے ساتھ کوئی برتاؤ بھی عقیدت و محبت کا نہیں کرتے۔ حالانکہ کلام اللہ کی تلاوت ہی کیا۔ اس کا دیکھنا، اس کا چومنا، اس سے برکت حاصل کرنا، اس کے وسیلہ سے دعا مانگنا، ان سب کو قرب الٰہی میں دخل ہے اور

اسباب قرب کو معلوم کرنا اور ان کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔ نیز یہ بھی معلوم کرنا لازم ہے کہ کونسی چیز یں قرب میں زیادہ دخل رکھتی ہیں اور اس کے اختیار کرنے سے عنایت خداوندی جلد متوجہ ہوتی ہے تاکہ باآسانی قرب خداوندی کی دولت حاصل کیجا سکے۔ چنانچہ ان کی نشاندھی بھی ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندے کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے اعمال کو تبلاتے رہتے ہیں۔

اس کے متعلق بھی آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہوں سنئے :-

یوں تو قرب خداوندی کے اسباب اور اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کے راستے بیشمار ہیں جیساکہ حضرات اہل اللہ فرماتے ہیں کہ طُرُقُ الْوُصُوْلِ اِلَی اللّٰہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کے راستے اسقدر ہیں جتنی تمام مخلوقات کی سانس ۔ مطلب یہ کہ ان طرق کا احصا نہیں کیا جا سکتا اور وہ شمار میں نہیں آسکتے تاہم اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وصول الی اللہ کے راستے بیشمار ہیں۔ کوئی کسی راستے سے خدا تک پہونچتا ہے۔ اور کوئی کسی راستہ سے۔ البتہ ان میں بعض راستے دشوار ہیں اور بہت سے سہل و آسان بھی ہیں۔ اب جو کاملین وقت ہوتے ہیں وہ قرب خداوندی کے سہل سے سہل تر طریقوں کو تبلاتے اور تعلیم فرماتے ہیں تاکہ ہر خاص و عام قرب و وصول کی دولت سے باآسانی مشرف ہو سکے اور حضرات اہل اللہ کی تو وضع ہی اسلئے ہوئی ہے کہ وہ کسی طرح مخلوق کو خالق سے ملادیں اور خدا کے بندوں کو ان تک پہونچا دیں اور ان سے قریب کرنے والے راستوں کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے اس لئے انکی نیابت کا بھی یہی حق ہے جس کو ان کے سچے نائبین و وارثین ہر زمانہ میں اپنی اپنی استعداد کے بقدر ادا فرماتے رہتے ہیں اور اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق اس خدمت کو انجام دیتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ اپنے قرب و وصول کے نئے نئے ابواب مفتوح فرماتے ہیں جنکی وجہ سے وہ اس کام کو باآسانی انجام دیتے رہتے ہیں اس سلسلہ میں اولیاء امت اور علماء کرام نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے پیش کروں گا اور آپ کے شہر میں آگیا ہوں تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کچھ آپ کی خدمت کر ہی کے جاؤں گا۔ ابھی اس وقت ایک خاص چیز کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ وصول الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں نے اسکی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا ہے۔ یہ قرب بہت بڑی چیز ہے اس کے لئے لوگوں نے جان تک کی بازی لگا دی ہے اور اس دار دنیا میں اس کا حاصل کرنا مطلوب ہے اور اللہ و رسول کی عین مرضی ہے۔ اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی اس کی فکر کیجئے اور تلاوت کلام اللہ کو قرب کا ذریعہ بنائیے جب تلاوت کا التزام کریں گے اور کلام الٰہی کا تکرار صدق دل سے اور حسن نیت سے کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ

ان میں سے ایک ایک چیز عبادت ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کا عام طور پر یہ حال ہے کہ ان سب سے بالکل مستغنی ہیں یعنی کلام اللہ کی تلاوت سے بھی استغناء ہے اسکے معنی سمجھنے سے بھی استغناء اور اس کے واسطہ سے دعا کرنے اور حاجات مانگنے سے بھی استغناء اسی طرح اسے چومنے اور آنکھوں سے لگانے سے بھی استغناء ہے۔ پھر آپ خود فیصلہ کیجئے کہ جب یہ حال ہو جائے کہ جو چیز قرب ہی کیلئے موضوع ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسی لئے اسے نازل فرمایا ہو لوگ اس سے بالکل مستغنی ہو جائیں تو پھر حق تعالیٰ کی عنایت کیسے متوجہ ہوگی ؎

چوں ترک قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجا خود شمع ایماں کشتۂ پس نور ایمانی کجا

یعنی جب تم نے قرآن کو بالکل چھوڑ ہی دیا تو پھر تم مسلمان کہاں رہ گئے اور جب ایمان کی شمع کو تم نے خود ہی بجھا دیا تو پھر نور ایمانی کہاں سے آئے گا۔

اور اس سے کہیں زیادہ تعجب تو ان لوگوں سے ہے جو حافظ اور قاری بھی ہیں۔ اسی کی وجہ سے امامت بھی کرتے ہیں اس کے باوجود تلاوت کی برکات سے محروم ہیں اور قرآن کے ساتھ ان کی عقیدت درست نہیں ہے ان کے اس حال پر مجھے بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

کعبے بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

مطلب یہ کہ جس طرح کعبہ شریف جانے کے باوجود بتوں کا عشق باقی رہ جائے اور غیر اللہ سے قلب خالی نہ ہو جائے اسی طرح قرآن پاک پانے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اسکو قرب کا ذریعہ نہ بنائے نیز اس کے واسطے سے عقائد و اخلاق کی پاکی اور خیالات کی پاکی اور نفس کی رذائل ملکات سے پاکی حاصل نہ کرے اور تلاوت قرآن نہ کرے اور اس کی حلاوت نہ چکھے تو اس پر بھی میں یہ شعر پڑھتا ہوں کہ ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

بزرگان دین نے سب سے زیادہ قرب کا ذریعہ قرآن ہی کو سمجھا ہے اور سب سے زیادہ اعتقاد اسی کیساتھ رکھا ہے اور سب سے بڑھ کر فلاح دارین کا موجب اسی کو جانا ہے اسی بنا پر سب سے زیادہ شغف اہل اللہ نے تلاوت قرآن ہی کیساتھ رکھا ہے چنانچہ اسکی وجہ سے انکو آخرت میں جو درجات عالیہ میسر ہوں گے وہ تو ہیں ہی اس دنیا میں بھی اسکی برکت سے ان کو حیات طیبہ نصیب ہوئی اور عنایت خداوندی انکے شامل حال رہی۔ اگر آپ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت خاصہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں تو کلام اللہ کیساتھ اپنا اعتقاد درست کر کے اور اسکو قرب و وصول کا ذریعہ یقین کر کے اسکی تلاوت کیجئے انشاء اللہ چند ہی روز میں آپ اپنے کو وجداناً اللہ تعالیٰ سے قریب پادیں گے اور اپنے قلب کی کیفیت بدلی ہوئی محسوس کرینگے۔ ابھی تلاوت سے متعلق مفصل کلام کروں گا۔ مجلس کا وقت ختم ہو گیا اسلئے آج اتنے ہی پر بس کرتا ہوں۔

تیسرا وعظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ۝

اس مضمون کو میں کئی روز سے بیان کر رہا ہوں یہ بڑا اہم مضمون ہے۔ یہ مظہریت کا مسئلہ ہے اور ہدایت وضلالت کی بحث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کو قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے اور جگہ جگہ اس مضمون کو لائے ہیں۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں، مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ ۝ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۝ یعنی جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پا سکتا ہے اور جسکو وہ بے راہ کر دیں تو آپ اسکے لئے کوئی مددگار راہ بتانے والا نہ پاویں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت اور ضلالت، اضلال اور ارشاد کا ایک مستقل مضمون ہے جسکو اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں بیان فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس کی تعلیم فرمائی ہے تو دوسرے لوگوں کیلئے بھی یہی راہ متعین ہے خواہ وہ خواص ہوں یا عوام سب کو وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا جسکو قرآن نے بیان کیا ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے پس آپ کے متبعین کو اس سے سرمو تجاوز کرنا روا نہیں ہے۔ پس جس طرح قرآن شریف کے دیگر مضامین کو لیتے ہیں اس اضلال وارشاد کے مضمون کی طرف بھی توجہ ضروری ہے۔ اور بزرگان دین اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ آیت میں جو مضمون آیا ہے اسی کو شیخ سعدیؒ فرما رہے ہیں کہ آپ کے ہاتھ کے اوپر کوئی ہاتھ نہیں ہے اور جسکو آپ ہدایت کر دیں اسی کو ہدایت ہے اور جسکی ہدایت نہ کریں وہ ہدایت یاب نہیں ہو سکتا۔

فرماتے ہیں ؎

از تو بکہ نالم کہ دگر داور نیست　　　وز دست تو ہیچ دست بالا تر نیست

یعنی سوائے تیرے اور کس سے نالہ کروں اسلئے کہ کوئی دوسرا مالک نہیں ہے اور کوئی ہاتھ تیرے ہاتھ سے بالا تر نہیں۔

آں را کہ تو رہ دہی کسے گم نہ کند　　　و آنرا کہ تو گم کنی کسے رہبر نیست

یعنی جس کو آپ ہدایت عطا فرمائیں کوئی دوسرا اس کو گمراہ نہیں کرسکتا اور جسکو آپ ہی بے راہ کردیں اسکو کوئی راستہ پر نہیں لاسکتا

نیز مولانا روم ؒ اسی کے ساتھ مترنم ہیں ؎

اے خدائے رازدان و خوش سخن　　　عیب کارِ بد ز ما پنہاں مکن

یعنی اے رازجاننے والے اور اچھے کلام والے خدا بُرے کام کا عیب ہم سے پوشیدہ مت کیجئے

دیکھئے یہ ایسا مضمون ہے کہ اس کی طرف تمام عارفین متوجہ ہیں۔ شیخ سعدی ؒ نے بھی یہی فرمایا اور مولانا روم بھی اسی کو فرمارہے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فرماکر یہ کہتے ہیں کہ جو بُرے کام ہیں ان کا عیب ہم سے پوشیدہ نہ فرمائیے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ جو بُرا کام ہے اسکو ہم اچھا سمجھنے لگیں۔ ایک طرف تو یہ فرمایا اور دوسری طرف یہ فرمارہے ہیں کہ ؎

عیب کارِ نیک را منما بما　　　تا نہ گردیم از روش سرد رھبا

یعنی نیک کام کے عیب کو مجھے نہ دکھلائیے تاکہ کہیں ہم اپنے اس رویّہ سے پریشان اور سرگرداں نہ ہوجائیں۔

سبحان اللہ! انتہائی قرب میں مولانا روم یہ دعا فرمارہے ہیں اور دراصل یہ توحید کی طرف راجع ہے اسکو یہ حضرات اگر نہیں سمجھیں گے تو دوسرا اور کون سمجھے گا۔ یہ دعا اسلئے فرمارہے ہیں کہ نیک کام اگر بُرا معلوم ہونے لگے گا تو نیک آدمی بھی بُرا معلوم ہونے لگے گا کیونکہ نیکی تو نیک آدمی ہی سے ہوتی ہے اور جب کسی کام کا عیب پوشیدہ ہوجائے گا تو بُرا کام اچھا معلوم ہونے لگے گا۔ اسی طرح جتنے بُرے لوگ ہیں سب اچھے معلوم ہونگے اور اچھے لوگ بُرے دکھائی دینگے۔ ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

چنانچہ ہم نے دیکھا ہے کہ ایسے حضرات جن سے لوگوں کو عرفان و محبت حاصل ہوتی تھی اور وہ خود اعلیٰ درجہ کے عارف اور اعلیٰ درجہ کے محبّ اور عاشق صادق تھے انھیں کو دنیا بری نظر سے دیکھتی ہے۔ اور جو لوگ ظاہری نماز و روزہ کے بھی پابند نہیں۔ وہ ان کی شان میں بُرے بُرے الفاظ کہتے ہیں آج کی دنیا میں ہم یہی دیکھ رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہی گمراہی کا پھاٹک ہے اور کام یہیں سے بگڑا ہے کہ لوگوں کی مت بدل گئی ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک شان ہے کہ آپ پر کوئی دوسری تجلی (اسم مضل کی) فرمادیں اور آپ اس تجلی میں آکر کچھ غلط سلط کام کرنے لگیں۔

یہ مضمون ذرا دقیق ہے لیکن بہت عمدہ مضمون ہے اور مولانا روم اسکو جگہ جگہ لاتے ہیں چنا

کو تو اس کے بیان میں بہت لطف آرہا ہے شاید آپ کو لطف نہ آتا ہو اور آپ اپنے دل میں یہ کہتے ہوں کہ ہم تو دوسری چیز کے عاشق ہیں اسلئے کہ ان چیزوں سے مناسبت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ دیکھئے مولانا روم رح کیا فرما رہے ہیں ؎

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن گر بدم من سرّ من پیدا مکن

اے اللہ اس بندہ کو رسوا نہ کیجئے اور میں اگرچہ برا ہوں آپ میرے باطن کو ظاہر نہ فرمایئے

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

نالہ کردم کاے تو علام الغیوب زیر سنگ مکر بد مارا مکوب

یعنی اے علام الغیوب ہم آپ ہی سے فریاد وزاری کرتے ہیں کہ مکر بد کے پتھر کے نیچے ہم کو مت کچلئے (یعنی ہم کو بری تدبیروں کے پتھر سے نہ ماریئے)

یا کریم العفو ستار العیوب انتقام از ما مکش اندر ذنوب

یعنی اے مہربانی سے معاف کرنے والے عیب چھپانے والے ہم سے گناہوں کے اندر انتقام نہ لیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا انتقام کبھی کبھی اس طرح سے ہوتا ہے کہ گناہوں کے اندر مبتلا فرما دیتے ہیں۔ اسلئے کہ تمام عالم اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر ہے اور سب پر کوئی نہ کوئی تجلی ہو رہی ہے اسی وجہ سے کوئی کچھ کہہ رہا ہے، کوئی کچھ کر رہا ہے۔ حضرات اہل اللہ نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے اپنے لئے یہی اختیار کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے فریاد وزاری کریں۔ کیونکہ جب ہم یہ کرینگے تو ہمارے معتقدین اسی راہ پر چلیں گے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے دربار میں تضرع اور فریاد وزاری کا ایک سلسلہ جاری رہے گا جو اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب وپسندیدہ ہے۔

چنانچہ مولانا روم رح نے یہ مضمون بیان کرکے نہ جانے کتنے لوگوں کو جگا دیا اور بہتوں کے ہاتھ خدا کی طرف اٹھ گئے۔

آگے فرماتے ہیں ؎

آنچہ در کون است زاشیاء آنچہ ہست وانما جاں را بہر حالت کہ ہست

یعنی دنیا میں جو کچھ اور جتنی چیزیں ہیں میری روح کو اسی طرح دکھایئے جیسی وہ دراصل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ:۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ۔ یعنی یا اللہ ہمکو حق کو حق دکھایئے اور اس کے اتباع کی توفیق عطا فرمایئے اور باطل کو باطل دکھایئے اور اس سے اجتناب کی توفیق عطا فرمایئے۔

مولانا روم رح اسی حدیث کا ترجمہ اوپر کے شعر میں فرما رہے ہیں۔ یہ حضور کا ارشاد ہے اور آپ

کے اولیاء یہ دعا کر رہے ہیں۔ اور آپ کا یہ حال ہے کہ نہ تو آپ کو دعا یاد ہے اور نہ کچھ معرفت ہی ہے اور نہ اس کے لئے آپ کو فرصت ہی ہے تو پھر آپ راستہ پر ہیں کیسے؟ اور جب راستہ پر نہیں ہیں تو ہو سکتا ہے کہ بری چیز اچھی معلوم ہو۔ اور اچھی چیز بری معلوم ہو۔ اسی طرح برا آدمی اچھا معلوم ہو اور اچھے آدمی کو برا سمجھتے ہوں۔ آج کل لوگوں کا یہی حال ہے۔

چنانچہ ایک ولی کامل سفر حج میں جا رہے تھے۔ بادبانی جہاز میں سوار تھے۔ اتفاقاً ہوا مخالف ہو گئی اور جہاز ادھر ادھر چکر کھانے لگا۔ حج کا زمانہ قریب آ گیا۔ کھانے پینے کا سامان ختم ہونے لگا اور لوگوں کی تشویش بڑھنے لگی تو آپس میں ایک دوسرے سے انھیں بزرگ کے متعلق کہنا شروع کیا کہ ہم لوگ جو اس مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں یہ اسی آدمی کی نحوست ہے۔ جو لوگ ان بزرگ کو جانتے تھے انھوں نے کہا کہ یہ کیا واہیات خیال کر رہے ہو یہ بہت بڑے شخص اور اولیاء کاملین میں سے ہیں تم لوگوں کو ان سے بدگمانی ہے اسی کی نحوست کی وجہ سے طوفان میں گرفتار ہوئے ہو۔ جلدی اس سے توبہ کرو اور ان سے معافی مانگو اور دعا کی درخواست کرو۔ لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ حضرت دعا فرما دیجئے ان میں ذرا ظرافت بھی فرمایا کہ ہماری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چپکتی۔ اس پر کسی امیر نے کچھ وعدہ کیا۔ آپ نے سب لوگوں کے ساتھ ملکر دعا کی اور ہوا موافق ہو گئی۔ جہاز کا لنگر کھولدیا گیا اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہونچتا تھا اس سے نصف دنوں میں پہونچ گیا۔ اس سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جہاز والوں کے پاس پانی بالکل ختم ہو گیا۔ سب لوگ نہایت پریشان ہوئے اور وہ سب لوگ آئے اور مولانا سے دعا کی درخواست کی مولانا نے فرمایا کہ تم سب دعا کرو میں بھی دعا کروں گا۔ مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چپکتی نہیں۔ اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز والوں کو مقطعی حلوا کھلاؤں گا۔ اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا۔ اس پر آپ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ ملکر دعا کی جس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوا اور چشمہ شیریں پانی کا جو لمبائی چوڑائی میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا۔ دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے اسکو دیکھ کر فرمایا کہ اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے لوگوں نے جو چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لئے۔ جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک نواب صاحب جو بہت دیندار تھے ان کے متعلق ایک دوسرے نواب نے اپنے مصاحبین سے کہا کہ چلو ان کو بنایا جائے۔ اپنے ذہن میں کچھ مضمون سوچکر آئے تھے۔ جیسے ہی آ کر نواب صاحب کے پاس بیٹھے تو انھوں نے ان کے بارہ میں فرمایا کہ میرا ظاہر ایسا ہی اچھا ہے جیسا ان کا باطن اچھا ہے۔ اور میرا باطن ایسا ہی خراب ہے جیسا کہ ان کا ظاہر خراب ہے۔

یہ سنکر وہ سست پڑگئے اسلئے کہ یہی مضمون وہ اپنے دل میں سوچکر آئے تھے اب کیا کہتے۔ تھوڑی دیر بیٹھے رہے پھر اٹھ کر چلدیئے۔

دیکھا آپ نے یہی حال ہوگیا ہے کہ لوگ نیک لوگوں کو برا کہیں اور ان کے متعلق بدگمانی رکھیں اور برے کو اچھا سمجھیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر ایسے ہی لوگ آپ میں داخل ہوجائیں تو آپ کا کل کارخانہ ہی درہم برہم ہوجائے بلکہ ہو ہی گیا۔ یہی ایک قصہ نہیں ہے بلکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب میرے پاس آتے ہیں ان کو دین کا کچھ خیال ہوا تو انھوں نے داڑھی بھی رکھ لی پھر ان کا ایک دوست ان سے مذاق کرنے لگا اور ان کو شیطان کہنے لگا۔ انھوں نے اس سے کہا کہ پہلے ہم سنتے تھے کہ "ولی را ولی می شناسد" یعنی ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ "شیطان را شیطان می شناسد" یعنی شیطان کو شیطان پہچانتا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ شیطان ہوں گے اسی وجہ سے مجھے پہچانتے ہیں۔ میں نے جب سنا تو کہا کہ خوب جواب دیا۔

اصل میں بات یہ ہے کہ آدمی کو جب بصیرت ہوتی ہے اور آئینہ صاف ہوتا ہے تو صاف نظر آتا ہے ورنہ پاس ہی میں انبیاء علیہم السلام موجود ہوتے ہیں اور آدمی ان کو عدم بصیرت کیوجہ سے نہیں پہچانتا ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

یعنی کسقدر تعجب کی بات ہے کہ حسن بصرہ رضی سے آکر اور بلال رضی حبشہ سے اور صہیب رضی روم سے آکر حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں اور سرزمین مکہ ہی میں ابوجہل کا فر و بے ایمان رہ جائے۔

آگے مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گر سگی کردیم اے شیر آفریں شیر را مگمار بر ما زیں کمیں

یعنی اے شیر کو پیدا کرنے والے اگر ہم نے کتوں کے سے کام کئے تو اس گھات روجہا سے ہم پر شیر کو مسلط نہ کر دیجئے۔

آب خوش را صورت آتش مدہ اندر آتش صورت آبی مدہ

یعنی بہتر پانی کو آپ مجھے پانی ہی دکھائیے۔ آگ بنا کر نہ دکھائیے اور آگ کو پانی کی شکل نہ دیجئے۔

از شراب قہر چوں مستی دہی نیستہا را صورت ہستی دہی

یعنی تو اپنے قہر و ناراضگی کی شراب سے اگر کسی کو مست کردے تو اس کی نظروں میں نیست یعنی بری اور غلط چیزیں بشکل ہست یعنی اچھی معلوم ہونے لگیں۔ اور آدمی اسوقت بداخلاقی کو اچھا سمجھنے لگے اور حسن خلق کو برا جاننے لگے۔

تو ز دریا ہا بیا آب طہور تا شود ایں نار عالم جملہ نور

یعنی اے ہمارے رب ذرا آب طہور کا ایک چھینٹا ڈال دیجئے تاکہ عالم کی یہ ساری آگ نور ہی نور بنجائے۔

مولانا روم اس مضمون میں مظہریت کے مسئلہ کو بیان فرما رہے ہیں اگر کسی کو ساری عمر میں تھوڑا سا حصہ بھی ملجائے تو بہت ہے۔ مگر یہ بہت مشکل سے ملتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دوسری تجلی فرما دیتے ہیں۔ یعنی اسم مضل کی تو آدمی بُرے بُرے کام کرنے لگتا ہے۔ ایک بزرگ تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے کوئی اسی قسم کی تجلی فرما دی تھی بہت دنوں تک اس میں رہے اس کے بعد پھر دوسری تجلی ہوئی تب ان کو حقیقت نظر آنے لگی اور کہا کہ ہائے میں کس حالت میں تھا ہوں اور پھر سنبھلے۔ ان تجلیات کو سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

ہم نے یہاں بھی اور الہ آباد میں بھی راستہ گذرتے ہوئے دیکھا کہ چوراہوں پر ایک سپاہی کھڑا رہتا ہے اور جس طرف وہ اشارہ کرتا ہے اسی طرف موٹر اور دوسری سواریاں جاتی ہیں۔ اسی سے سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے بھی اسی طرح اشارات ہوتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ برابر تجلیات فرماتے رہتے ہیں۔ اب جو لوگ اسکو سمجھنے والے ہوتے ہیں وہ سمجھ لیتے ہیں۔

یہ تجلی سب پر ہوتی ہے۔ ہم پر بھی ہوتی ہے اور آپ پر بھی۔ اور اتنا تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں کہ اس وقت برا کام بہتر معلوم ہوتا ہے اور اچھا کام عیب سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو سب لوگ صراط مستقیم ہی پر ہو جائیں اور آدمی کو اگر صراط مستقیم نظر آوے تو اس پر چلنے لگے۔ لیکن اس کے لئے جس طرح علم دین کی ضرورت ہے اور اس پر عمل لازم ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی فریاد و زاری کرے اور ایسا گڑگڑائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو اس کے حال پر رحم آجائے۔

یہ مضمون میں نے اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ آپ کو بتلاؤں کہ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی معاصی کو اور بُرے کاموں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا۔ یعنی کیا جس کے لئے اس کا بُرا عمل مزین کر دیا گیا ہے۔ پس وہ اسکو اچھا سمجھتا ہے۔ دوسرا مضمون محذوف ہے یعنی اور وہ شخص جسکو اچھا عمل اچھا کر دیا گیا ہے یعنی ایمان اور عمل صالح اس کی نظر میں اچھے معلوم ہوتے ہیں تو کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ یعنی ایک شخص تو ایسا ہے کہ واقعی جو چیز اچھی ہے اسکو اچھا سمجھ رہا ہے اور دوسرا شخص جو چیز بری ہے اسکو اچھا سمجھے یہ انتہائی ضلال ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جو چیز کھانے کی نہ ہو اسکو غذا سمجھے چنانچہ جو چیزیں نجاست میں پیدا ہوتی ہیں اور اسی میں رہتی ہیں وہ اسی کو غذا سمجھتی ہیں۔ اسی طرح سوءِ عمل حسن عمل معلوم ہو اور حُسن عمل برا معلوم ہو یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

جب آدمی سے کوئی اچھا کام چھوٹتا ہے تو بس اتنا ہی نہیں ہوتا بلکہ ہوتے ہوتے اسکی اچھائی ذہن سے نکل جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی برا کام کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ رہا ہے کہ یہ کام

بُرا ہے تو یہ پھر بھی غنیمت ہے مگر یہ اتنے پر باقی نہیں رہتا بلکہ رفتہ رفتہ اس کام کی برائی ذہن سے جاتی رہتی ہے اور بُرے کام کو اچھا سمجھنے لگتا ہے ایسا شخص پورا گمراہ اور حق تعالیٰ کے ارشاد اَفَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ کا پورا مصداق ہے اور یہ خاصی تزئین اور شیطان کی رہزنی اور شیطانی کام ہے۔ امید کہ اب آپ لوگوں کی سمجھ میں یہ مضمون اچھی طرح آگیا ہوگا کہ اللہ کے نبی کے اور دین کے نیز صالحین کے دشمن یہ شیطان ہیں اور یہ بھی کہ اس میں ہمارے لئے حکمت ہی ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں اسلئے کہ اگر نفس و شیطان دشمن نہ ہوتے تو ہم اس طرح گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ جب آدمی پریشان ہوتا ہے اور کوئی مقدمہ وغیرہ میں پھنس جاتا ہے تو پریشان ہو کر ہم لوگوں کے پاس دعا کرانے آتا ہے۔ اسی طرح صالحین جب شیطان کے مقابلہ سے عاجز ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مناجات کرتے ہیں کہ یا اللہ یہ آپ ہی کا ہے اگر آپ اس کی کوک ذرا سی اینٹھ دیں تو ہماری طرف نہ آئے اسی طرح دعا کرتے کرتے پھر ایسی قوت آجاتی ہے کہ شیطان پاس نہیں پھٹکتا۔ اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ مغلوب کر دیتے ہیں تو اس کی ایک نہیں چلتی پھر سوچتا ہے کہ یہ تو مانتے نہیں چلیں اب دوسرے لوگوں کو بہکا دیں۔ اس طرح اس سے پناہ اور نجات مل جاتی ہے۔

یہ مضمون کل کے مضمون کے مناسب تھا۔ اب دوسرا مضمون شروع کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ﴿﴾ اس آیت کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اس طرح پر پیدا کیا کہ اس سے مقصد حق ہے یعنی اس سے باطل کا قصد نہیں فرمایا ہے بلکہ مقصود بالذات ان کے خلق سے خیر کا افاضہ ہے اور اپنی ذات اور صفات پر دلالت کرنا ہے جیسا کہ اگلی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ یقیناً اس میں مؤمنین کیلئے نشانی ہے اسلئے کہ مؤمنین ہی اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ۔ یعنی جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے۔ ان دونوں آیتوں کو ملا لیجئے تو ان کا ربط ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس طور پر کہ آسمان اور زمین کو عبث نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس سے مقصود ذات و صفات پر دلالت کرنا اور لوگوں کو خیر پہونچانا ہے اور اس کا نفع مؤمنین کو پہونچتا ہے اور اسی کیلئے کتاب اللہ بھی نازل ہوئی اور اسکی تلاوت سے بھی یہی مقصود ہے۔ چنانچہ تلاوت کے امور بیان ہونے کی علت قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں تَقَرُّبًا اِلَی اللّٰہِ تعالیٰ بقراءتہٖ و تحفظًا لالفاظہٖ و استکشافًا لمعانیہٖ یہ سب اُتْلُ کے مفعول لہٗ ہیں۔ تلاوت کا ایک سب سے بڑا فائدہ تقرب الی اللہ ہے یعنی قرآن کی قرأت اللہ تعالیٰ سے بندے کو قریب کرتی ہے اور دوسرے اس کے ذریعہ الفاظ کا

تحفظ ۔ ہوتا ہے یہ بھی مقصود ہے جو لوگ تلاوت نہیں کرتے ان کو رمضان میں بڑی تکلیف ہوتی ہے ۔ اور بہت مصیبت اٹھانی پڑتی ہے ۔ یہ لوگ حافظ رمضانی کہلاتے ہیں ۔ قرآن کے محافظت کی عجیب سے صورت اختیار کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں یہ ڈال دیا کہ اپنے بچوں کو حفظ کرائیں چنانچہ ہمارے لڑکے حفظ کرتے ہیں اور دوسری کتب سماویہ کا یہ حال نہیں ہے کہ اس کا لفظ لفظ سب کو یاد ہو یہ قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی حفاظت کا یہ خدائی انتظام ہے کہ بیشمار مکاتب اسی الفاظ کے تحفظ ہی کے لئے کھلے ہوئے ہیں ۔

میں نے ایک جگہ انگریزی دانوں سے کہا کہ آپ لوگوں کو اب بھی قرآن کا فیض سمجھ میں نہیں آیا ؟ کیا یہ اس کی کرامت نہیں ہے کہ معلوم نہیں کتنوں کو رزق تقسیم کرتا ہے کتنے ایسے لوگ جو کہ عالم نہیں ہیں انکو اسی سے تنخواہ ملتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو رزقاً للعباد بھی کر دیا ہے ۔ مگر یہ کہ ابھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتا ۔ آخر کس بات میں بھولے ہوئے ہیں ؟ اور جو لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں ان کو کیوں کم سمجھتے ہو ؟ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا ایک درجہ بھی حاصل کر لوگے یعنی الفاظ کا تحفظ تب بھی تم کو روزی مل جائیگی ۔

بہرحال الفاظ کا تحفظ بھی مقاصد دین سے ہے اور اس کی طرف آپ کی توجہ بھی ہے ۔ لیکن اس سے بھی بڑا مقصد تقرب الی اللہ ہے جسکو آپ بھولے ہوئے ہیں ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنا کان قاری قرآن کی طرف لگاتے ہیں کسی چیز کی طرف نہیں لگاتے یہی تقرب ہے اور قرب کی یہی صورت ہے ۔

ایک بزرگ سمندر کے کنارے بیٹھ کر تلاوت کرتے تھے تو پانی ٹھہر جاتا تھا اور تمام طیور انکے گرد آکر بیٹھ جاتے تھے اور ان کی تلاوت کو سنتے رہتے تھے ۔ یہ بھی تقرب ہے ۔ نیز حضرت مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ میرے سامنے ہی حضرت مولاناؒ وہاں تشریف لے گئے تھے تو صاحبزادے مولانا کو اندر لے گئے اور ایک جگہ لیجا کر دکھلایا کہ یہاں حضرت گنگوہیؒ بیٹھ کر تلاوت فرمایا کرتے تھے ایک چڑیا آکر ان کے پاس بیٹھ جاتی تھی اور جب تک تلاوت فرماتے رہتے وہ بیٹھی رہتی تھی ۔

یہ تلاوت کوئی معمولی چیز نہیں ہے ۔ یہ خدا کا کلام ہے ۔ اس میں جذب ہے ۔ اس میں مقناطیس سے بھی زیادہ کشش ہے ۔ میں نے کسی مفسر کو اس آیت کے تحت ایسا کلام کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسا کہ اس بیچارے علامہ بیضاوی رحؒ نے کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے ۔ میرے پاس کتابیں موجود ہیں ان سے آپ کو دکھلاؤں گا اور جب یہ بحث چھیڑی ہے تو پوری کرونگا ۔ سنیئے تین دولتیں آپ کے پاس ہیں ۔ ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں ۔ اور

دوسری خانۂ کعبہ مکہ شریف میں اور تیسری کلام اللہ ہر ایک کے پاس۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تجلی ہوتی ہے جسکو عُرفاً و کُملاً محسوس کرتے ہیں۔ یہ تجلی کیسی کچھ ہو گی۔

حضرت مولانا اس کو ایک مثال سے بیان فرماتے تھے۔ حضرتؒ کے وعظوں میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ شاہ ایران کی زبان سے بے ساختہ ایک مصرع موزوں ہو گیا ع

در ابلق کسے کم دیدہ موجود

اس پر بادشاہ نے دوسرا مصرع لگانا چاہا مگر نہ بن سکا تو اس نے دوسرے شعراء کو حکم دیا کہ اس پر مصرع لگاؤ سب حیرت میں رہ گئے۔ کیونکہ کوئی مضمون ہو تو اسکو پورا کیا جائے یہ کچھ مضمون ہی نہ تھا کہ چتکبرا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا۔ غرض شعراء ایران نے کہا کہ یہ مصرع بے تکا ہے۔ اس پر بے تکا مصرع لگ سکتا ہے۔ شاہ ایران کو یہ جواب ناگوار ہوا کہ ہمارے مصرع کی ان لوگوں نے بے قدری کی تو اس نے ہندوستان کے بادشاہ کو خط لکھا کہ وہاں کے شعراء سے اس پر دوسرا مصرع لگانے کی فرمائش کی جائے ایران کے شعراء اس سے عاجز ہو گئے ہیں۔ عالمگیر نے شعراء کو اس کی اطلاع کی۔ یہاں بھی سب کے سب حیران رہ گئے کہ اس بے تکے مضمون کو کون پورا کرے۔ عالمگیر کی لڑکی زیب النساء بھی شاعرہ تھی اسکو جو اس مصرع کی خبر پہنچی تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئی کہ اس کو کس طرح پورا کیا جائے۔ اتفاقاً ایک دن صبح کو شہزادی سرمہ لگا رہی تھی وہ کسی قدر تیز لگا اور آنکھ سے ایک قطرہ آنسو ٹپکا جس میں سرمہ کی کچھ سیاہی تھی اور کچھ سفیدی۔ اور آنسو کو موتی سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں تو فوراً اس کا ذہن شاہ ایران کے مصرع کی طرف گیا اور اس پر دوسرا مصرع لگا کر اس طرح شعر پورا کر دیا ؎

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود

یعنی کسی نے چتکبرا موتی کم دیکھا ہوگا بجز سرمہ آلود آنکھوں کے آنسو کے

شہزادی نے فوراً عالمگیر کو اطلاع کی عالمگیر بہت خوش ہوئے کہ جس مصرع کی تکمیل سے شعرائے ایران عاجز ہو گئے تھے خوشی کی بات ہے کہ شعرائے ہندوستان نے اس کو پورا کر دیا اور ایسا پورا کیا کہ پہلا مصرع بھی جو بے معنی تھا بامعنی ہو گیا۔ عالمگیر نے شاہ ایران کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا کیونکہ اسے تو اپنے مصرع کے ناتمام رہ جانے سے رنج تھا خصوصاً جبکہ شعراء نے اسکو بے معنی قرار دیکر ٹھکرا دیا تھا۔ اب اس نے تمام شعراء ایران کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے ہمارے مصرع کو بے معنی کہہ کر واپس کر دیا تھا تو ہندوستان کے ایک شاعر نے اس کو پورا کر دیا۔ پھر اس نے پورا شعر سنایا کہ ؎

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود

شعرا سب کے سب محو حیرت ہو گئے کہ واقعی شاعر نے کمال کیا۔ اب سب نے درخواست کی کہ ہم اس شاعر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ شاہ ایران نے عالمگیر کے پاس شکریہ کا خط لکھا اور لکھا کہ شاعر کو ایران بھیج دیا جائے۔ یہاں سب اس کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ عالمگیر وہ خط اور انعام لیکر زیب النساء کے پاس آئے کہ لو یہ بادشاہ کا خط ہے وہ تم کو بلاتے ہیں۔ اور شعر کہو۔ اب بتلاؤ میں بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ شاہزادی نے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ میری طرف سے ان کو جواب میں یہ شعر لکھ بھیجئے ؂

بلبل از گل بگزرد گر در چمن بیند مرا بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

یعنی بلبل اگر مجھ کو دیکھ لیتی تو پھولوں کو چھوڑ دیتی اور اگر برہمن مجھ کو دیکھ لیتا تو پھر بت پرستی کیوں کرتا۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں اس طرح مخفی ہوں جیسے پھول کی خوشبو اسکی پتیوں میں پنہاں ہوتی ہے۔ جو شخص میرے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو وہ میرے کلام میں مجھ کو دیکھے۔

زیب النساء کا تخلص بھی مخفی تھا اور اس شعر میں اس لفظ سے اپنے پردہ نشین ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

عالمگیر نے یہی شعر لکھکر بھیجدیا جس سے شاہ ایران کو معلوم ہو گیا کہ شاعر پردہ نشین عورت ہے اسلئے آنے سے معذور ہے۔

یہاں میرا مقصود یہی آخری شعر ہے کہ جب ایک انسان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ۔ ع

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

تو حق تعالیٰ اگر اپنے کلام کے بارے میں یہ فرمائیں تو کیا تعجب کی بات ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ شعر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن ہی پر پڑھنا چاہیئے کہ ؂

در سخن مخفی منم چوں بوے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

پس دنیا میں اگر کوئی حق تعالیٰ کو دیکھنا چاہے تو وہ قرآن میں حق تعالیٰ کی تجلی دیکھ لے۔ کلام اللہ میں حق تعالیٰ متجلی ہیں اور یہ تجلی ایسی ہے کہ تمام عالم کی تجلیات ایک طرف اور تنہا کلام اللہ کی تجلی ایک طرف کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ شعر کہا ہے کہ ؂

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یعنی یوسف علیہ السلام کا حسن، عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک اور موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا یہ سب آپ رکھتے ہیں جو کچھ خوبیاں وہ سب الگ الگ رکھتے ہیں آپ تنہا ان سب کے جامع ہیں۔

اسی شعر کو میں قرآن شریف پر پڑھتا ہوں۔ اس لئے کہ قرآن میں ہر رنگ کی تجلی ہے اور یہ جملہ تجلیات کا جامع ہے اور اس تجلی کا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے۔ اس تجلی کا حال امام احمد ابن

حسین ؒ سے تو پوچھو کہ اسی پر فدا ہو گئے ان پر یہ تجلی منکشف تھی اسی وجہ سے کلام اللہ کو قدیم فرماتے تھے اور اسی کی وجہ سے ان کو شہید کیا گیا۔

ایک صاحب مجھ سے بیان کرتے تھے کہ ایک بزرگ یہ فرماتے تھے کہ جس کسی کی نسبت ضعیف ہو وہ خانہ کعبہ کے انوار کی طرف متوجہ ہو اسکی تکمیل ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ جب بزرگان دین فرمارہے ہیں تو وہ کعبہ کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہوں گے۔ مگر میں ایک دوسری بات کہتا ہوں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تجلی ہے کہ جس کی نسبت میں ضعف ہو وہ اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنی تکمیل کرے۔ یہاں تک تو تقرب پر گفتگو تھی۔ تلاوت کا تیسرا فائدہ معنی کا انکشاف ہے۔ یعنی عُرفا جب تلاوت کرتے ہیں تو نفس تلاوت ہی کے وقت ادھر سے معانی کا القا ہوتا جاتا ہے یہ کہہ رہا ہوں کہ محض تلاوت کرنے سے تین چیزیں متعلق ہیں۔ الفاظ کا تحفظ۔ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور معانی کا انکشاف۔ اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ احکام کو سمجھنے کے لئے دوسرا وقت مقرر کیجئے اور اس کے لئے الگ الگ مجلس منعقد کیجئے۔ یہ بھی ضروری ہے لیکن نفس تقرب معنی سمجھنے پر موقوف نہیں۔ بلکہ بلا فہم معنی بھی تلاوت موجب قرب ہوتی ہے۔

اب ہم تلاوت کلام اللہ بلا فہم معنی کے مفید اور موجب قرب ہونیکی تائید میں طبقات کبریٰ کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ وہو ھذا۔

وکان رضی اللہ عنہ یقول فی معنی قول الامام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ حین رأی رب العزۃ جل جلالہ فی منامہ فقال یا رب بما یتقرب الیک المتقربون قال بکلامی یا احمد قال قلت یا رب بفہم او بغیر فہم فقال یا احمد بفہم وبغیر فہم۔

سید علی وحیری رضی اللہ عنہ امام احمد ابن حنبل رضہ کے اس ارشاد کے بیان میں فرماتے تھے جبکہ انھوں نے امام احمد رضہ اللہ جل شانہ کو خواب میں دیکھا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ آپ کا قرب پانے والوں نے سب سے زیادہ قرب کس چیز سے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد میرے کلام کی تلاوت سے۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب تلاوت سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔ ارشاد ہوا جیسے بھی ہو سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

المراد بفہم ما یتعلق بعلماء الشریعۃ وبغیر فہم ما یتعلق بعلماء الحقیقۃ فان العلماء ما لھم آلۃ یفہم کلام اللہ تعالیٰ الا بالفکر والنظر واما العارفون

مراد بفہم سے (یعنی سمجھ کر تلاوت کرنا) تو اس کا تعلق علماء شریعت سے ہے۔ اور بغیر فہم کا تعلق علماء حقیقت (عرفاء) سے ہے اسلئے کہ کلام اللہ کے سمجھنے کا کوئی آلہ علماء شریعت کے پاس بجز غور وفکر کے نہیں ہے اور رہے

فطریقھم الی فھمہ الکشف و التعریف الالٰھی وذلک لا یحتاج الی تفھم فقیل لہ ماتقول فیمن یقرء من العوام من غیر فھم فقال قد صح ان لہ بکل حرف عشر حسنات فتحت قولہ وبغیر فھم مسئلتان۔ (طبقات کبریٰ للشعرانی) (ص ۱۶۹ ج ۲)

عارفین تو ان کے لئے کلام اللہ کے سمجھنے کا طریقہ کشف اور تفہیم آلہی ہے اور یہ حضرات سمجھنے اور نظر کرنے کے محتاج نہیں ہیں۔ پھر علامہ دمیری سے کسی نے پوچھا کہ اچھا عوام کی تلاوت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کہ بلا فہم تلاوت کرتے ہیں تو فرمایا کہ یہ تو حدیث صحیح ہے کہ ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے۔ پس امام کے قول بغیر فہم کے تحت دو مسئلے ہیں (ایک تو عوام کی قرأت اور دوسرے عارفین کی)

یہی حدیث تمام علماء کی مستدل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بغیر فہم معنی کے بھی تلاوت پر ثواب ملتا ہے کیونکہ اسی حدیث میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ الٓم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے اس طرح اسکو تیس نیکی ملتی ہے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھتا۔

امام احمد ابن حنبل کے خواب کو امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں نقل فرمایا اور علامہ شعرانی نے بھی اس کتاب میں نقل فرمایا۔ نیز اور بزرگان دین سے بھی سنا ہے تو گویا اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔ پس اس کو سند میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

سید علی دمیری رحنے اس خواب کا خوب ہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ بفھم کا تعلق علماء شریعت سے ہے اس لئے کہ کلام اللہ کو سمجھنے کے لئے ان حضرات کو نظر و تفکر کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ان کے پاس اسکے علاوہ کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے جس سے معانی تک رسائی ہو سکے اور بغیر فھم کو علماء حقیقت کے ساتھ متعلق فرمایا اس لئے کہ ان نفوس قدسیہ کو نظر و فکر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو خود سمجھاتے ہیں وہ جیسے جیسے تلاوت کرتے جاتے ہیں معانی منکشف فرماتے جاتے ہیں تو بھلا پھر ان کو نظر و فکر کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ یہ حضرات تو نظر و فکر کو اور معانی کی طرف توجہ کو اپنے اور خدا کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ تلاوت قرآن سے تین مقاصد کا ذکر علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے ان میں سب سے اعلیٰ مقصد تقرب الی اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی سب سے زیادہ تلاوت قرآن ہے۔ اس کی دلیل ہمارے پاس بزرگان دین کے ارشادات ہیں۔ ان کو آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

ذکر کے فضائل سے تو احادیث بھری پڑی ہیں۔ محدثین مستقل ابواب اس کے لئے قائم فرمارہے ہیں تو سب اذکار میں بڑھ کر قرآن شریف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود اسکو جگہ جگہ ذکر فرمارہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمارہے ہیں۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ اور فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ الآیۃ۔

یعنی بیشک ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم جانتے نہیں ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ پر قرآن اسلئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کیلئے اس چیز کو صاف صاف بیان فرمادیں جو ان کی طرف نازل کیگئی ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن خود ذکر ہے اور احادیث میں تصریح ہے کہ یہ افضل الذکر ہے۔

بہر حال سب سے زیادہ قرب کا موجب تلاوت کلام اللہ ہے مگر اس کے لئے تصحیح نیت کی ضرورت ہے جس عمل سے آدمی خدا کا قرب چاہے اس عمل میں تقرب کی نیت ضروری ہے۔ پس آپسے کہتا ہوں کہ سب اذکار سے زیادہ تلاوت قرآن کا التزام کیجئے۔ جب اس کا التزام ہوگا تو آپ کو قرآن سے محبت بڑھیگی۔ اُنس پیدا ہوگا۔ اور مناسبت بڑھے گی اور جس قدر آپ کو قرآن سے اُنس ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عنایت آپ کی طرف ہوگی۔ اس مضمون کو پھر تفصیل سے کہوں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر حضرت مرشدی رح کا تعلیم فرمودہ طریقہ تلاوت بھی نقل کردیا جائے۔ وہ یہ ہے کہ تلاوت شروع کرنے سے قبل قرآن پاک کی عظمت کا استحضار کیا جائے اور استغفار و تجدید ایمان اور اس بات کی تصدیق کرلیا کرے کہ یا اللہ یہ آپ کا کلام برحق ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے اسمیں جو کچھ ہے سب حق ہے۔ اور یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کلام کی معرفت اور اس کی تلاوت باخلاص عطا فرمایئے۔ اور اس کے مطابق ہماری زندگی بنادیجئے۔ اور اس کے جملہ اوامر کے امتثال اور نواہی سے اجتناب اور قصص سے انزجار و اعتبار کی توفیق دیجئے۔ اور اس کے ثمرات و برکات سے نواز دیجئے اور قرآن کے مطابق ہماری زندگی بنادیجئے۔ انتہی

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔

آمین ثم آمین!!

چوتھا وعظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ○ وَلِتَصْغٰٓی اِلَیْہِ اَفْئِدَۃُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَلِیَرْضَوْہُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا ھُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ○ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ط

اس آیت میں کفار کی تکذیب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اور یہ لوگ جو آپ سے عداوت کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ جس طرح آپ سے عداوت رکھتے ہیں اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن۔ جنمیں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالدیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ پھر ایسے کام نہ کر سکتے۔ سو ان لوگوں کو اور جو یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے (اور وہ شیاطین اس لئے وسوسہ میں ڈالتے تھے) تاکہ اس (فریب آمیز بات) کی طرف ان کے قلوب مائل ہوجائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اسکو پسند کرلیں اور تاکہ مرتکب ہوجاویں ان امور کے جنکے وہ مرتکب ہوتے تھے (آپ کہدیجئے کہ) تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں۔ حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیجدی ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں۔

کئی دن سے یہ مضمون بیان کر رہا ہوں بلکہ الہ آباد ہی سے اسکو شروع کر چکا ہوں جس مضمون کو ضروری سمجھتا ہوں اس کو مکرر سہ کرر بیان کرتا ہوں چنانچہ بعض دفعہ ایک ہی آیت کا بیان کئی کئی دن تک کرتا رہتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں سے یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ مجھکو ایک چیز پسند ہوتی ہے اس کا ذکر کرتا ہوں خواہ آپ لوگوں کو پسند آوے یا نہ آوے آپ لوگوں کے لئے نہیں بیان کرتا ہوں۔ اور نہ آپ کو آپ کے گھر سے بلانے جاتا ہوں۔ آپ خود تشریف لاتے ہیں اسلئے کہتا ہوں۔ اب اگر آپ کا جی چاہے تو سنئے اور نہ چاہے تو جو چاہے کیجئے۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

گرچہ در ناصح بود صد داعیہ　　پندرا اذنے بباید واعیہ

یعنی اگرچہ ناصح اور واعظ میں سو داعیہ موجود ہو لیکن اس کی نصیحت کارگر ہونے کے لئے محفوظ کرنیوالا کان بھی ہونا چاہیئے۔

جس طرح کہنے کے لئے واعظ میں لسان کے ساتھ ساتھ داعیہ کی ضرورت ہوتی ہے ویسے ہی قبول کرنے کے لئے کان کی ضرورت ہے۔ چنانچہ لسّان اسے کہتے ہیں جو زیادہ بولنے والا ہو۔ یہ لسّان مبالغہ کا صیغہ ہے تو اسی طرح اس کے مقابل میں دوسرا مبالغہ بھی بنا لیجئے۔ سمّاع یعنی زیادہ سننے والا اب آپ لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ لسّان کی تو بہت فکر ہے اور بولنے کی ضرورت زیادہ سمجھتے ہیں اسلئے بڑے بڑے متکلم کو بلاتے ہیں کیونکہ ان کا بولنا آپ کو بہت پسند ہوتا ہے۔ مگر اس کا سننا اور سماع قبول سے سننا اس کی ضرورت نہیں سمجھتے بس یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی بولنے والا ملے تو بغیر کان ہی کے ہم لوگ سنیں اور اگر کچھ سنیں بھی تو غلط معنی پر اسکو محمول کریں اور اس پر الزام قائم کر کے اس کو ذلیل کر دیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اصل ناصح تو انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور مومنین ان کی باتوں کو سنتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ صحابہ کی تعریف میں یہ فرما رہے ہیں کہ :۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○

یعنی اعتقاد رکھتے ہیں رسول اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کیگئی ہے اور (دوسرے) مومنین بھی (اس کا اعتقاد رکھتے ہیں) سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے سب پیغمبروں کے ساتھ۔ (اور پیغمبروں پر اعتقاد رکھنا ان کا اس طور پر ہے کہ یہ کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں

تفریق نہیں کرتے اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور اسکو خوشی سے مانا ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔

یہاں صحابہ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ اس کو لا رہے ہیں کہ انھوں نے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہا اور یہ مدح اس لئے ہو رہی ہے کہ ان سے یہ کہا گیا تھا کہ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ یعنی اور جو باتیں از قسم عقائد فاسدہ و اخلاق ذمیمہ و عزم معاصی) تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم (زبان و جوارح سے) ظاہر کرو گے یا کہ (دل ہی میں) پوشیدہ رکھو گے (دونوں حالت میں) حق تعالیٰ تم سے (مثل دیگر معاصی کے ان کا) حساب لیں گے پھر جسکے لئے بخشنا منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کو (سزا دینا) منظور ہوگا سزا دینگے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

یہ آیت صحابہ پر اسقدر مشکل ہوئی کہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ اب تک تو ہم ایسے افعال کے مکلف تھے جو ہمارے طاقت و اختیار میں تھے۔ جیسے نماز و روزہ اور زکوٰۃ و جہاد اب یہ آیت آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وہ اعمال جو بے اختیار صادر ہوتے ہیں اور ولیس آتے ہیں ان پر بھی مواخذہ ہوگا۔ یہ تو ہماری طاقت سے خارج ہے تو کیا ان پر بھی مواخذہ ہوگا۔ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اہل کتاب کی طرح سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا کہو (یعنی انھوں نے یہ کہا کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا) تو صحابہ نے کہا کہ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا (یعنی ہم نے سنا اور اس کو مانا اور قبول کیا) پس چونکہ صحابہ نے ایسے حال میں سمعنا و اطعنا کہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ان کی مدح فرما رہے ہیں۔

یہ آسان کام نہیں ہے صحابہ کا بال بال بیکا ہو گیا اور ان کی زبان لڑکھڑاتی تھی مگر سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم افعال اختیاریہ کو تو چھوڑتے ہی تھے معلوم نہیں کس طرح غیر اختیاری کو ترک کرتے تھے اس لئے کہ اس پر تو قدرت ہوتی نہیں مگر اس کے باوجود صحابہؓ نے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہہ کر پہاڑ اٹھا لیا اور سال بھر تک ان کو اسی مجاہدہ میں رکھا گیا۔ معلوم نہیں کیا حال ہوا ہوگا۔ احیاء العلوم میں ہے کہ ایک سال کے بعد پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا لَھَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو اسکو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے۔

اس سے گویا پہلا حکم منسوخ ہوا اور یہ بتایا گیا کہ یہ غیر اختیاری کے لئے نہیں تھا بلکہ اختیاری کیلئے تھا۔ یعنی جو چیز وسعت سے باہر ہے اس کا مکلف نہیں کیا گیا اور جس کے ساتھ قصد و ارادہ متعلق نہیں اس کا نہ ثواب ہے نہ عقاب۔ اور وساوس طاقت سے خارج ہیں تو ان کے آنے کو حرام اور ان کے نہ آنے دینے کو واجب

نہیں کیا اور نہ ان پر عذاب رکھا۔

اور اسی سلسلہ میں مقام مدح میں ہی اس سے اوپر والی آیتیں بھی نازل ہوئی ہیں۔ یعنی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ الآیۃ

غرض حکم خداوندی صحابہ کے اگرچہ خلاف تھا لیکن چون وچرا نہیں کرسکے۔ ایسے ماننے والے تھے کہ ان کے سمع اور اطاعت کی اور ایمان کی اللہ تعالےٰ نے مدح فرمائی۔ ایک سمع تو یہ ہے جس کو سماع قبول کہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے احکام کو سنے اور اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے اور دوسرا سمع وہ ہے جس کی نسبت کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ بے شک جو لوگ کافر ہوچکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لاوینگے۔ بند لگادیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر۔ اور انکی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لئے سزا بڑی ہے۔

چنانچہ کفار کو کان ہونے کے باوجود احکام خداوندی کو سننے کی اور اس کو قبول کرنیکی توفیق نہ ہوئی۔ اسکو سمع غیر قبول کہتے ہیں۔ یعنی کان ہے لیکن سنتے نہیں۔ مؤمنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم ہوا کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو امید کہ تم پر رحم کیا جائیگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی طرف کان لگانے کا امر فرمایا ہے۔ کفار نے جب یہ سنا تو اس کے مقابل میں انھوں نے یہ منصوبہ گانٹھا کہ اس کو ہرگز نہ سنا جائے اور اس سننے ہی کو بند کردیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے یہ کہا کہ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ یعنی یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو بلکہ خوب شور وشغب مچاؤ شاید کہ تمھیں لوگ غالب آجاؤ۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب اور بائیں جانب قبیلہ عبدالدار کے دو دو آدمی کھڑے ہوکر شور وشغب کرتے تھے اور تالی، سیٹی بجاتے تھے اور اشعار پڑھ پڑھ کر آپ پر قرآن پڑھنے کو خلط کردیتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ کفار نے یہی کیا ہے اور اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ پس وہ لوگ بھی انھیں کے نقش قدم پر ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اچھا تم نہیں سنو گے تو مت سنو بہت سے سننے والے ہیں، انسان بھی سنیں گے اور جن بھی سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ - یعنی آپ کہدیجئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر اپنی قوم میں واپس جاکر کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست تبلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔

انبیاء علیہم السلام کا کام کفار کے ان منصوبوں سے کبھی ختم نہیں ہو سکتا لوگ ان کی باتوں کو سنیں گے اور ایمان لاویں گے۔ ہاں اس کے ساتھ ساتھ یہ دوسرا سلسلہ بھی اعداء و مخالفین کا باقی رہے گا۔ جیساکہ آجکل کے حالات دیکھ رہا ہوں کہ ایک طرف قرآن شریف پڑھا جاتا ہے اور دوسری طرف شور و غل مچایا جاتا ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر بات کرنے کو جی نہیں چاہتا اور یہ بالکل لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ کا مصداق ہے۔ ایک مرتبہ کانپور میں ایک مسجد کا کوئی واقعہ ہو گیا تھا جس میں کچھ لوگ پکڑے گئے تھے پھر جب چھوٹ کر آئے تو ان کی ہمدردی میں لوگوں نے ایک جلسہ کیا جس میں بہت سے وکیل وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ سو اتفاق سے میں بھی پہونچ گیا اس جلسہ میں انگریزوں کی مخالفت میں دھواں دھار تقریریں ہو رہی تھیں۔ جب جلسہ ختم ہوا تو اس کی کامیابی پر سب لوگوں نے تالیاں بجائیں میں نے بعض لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو لوگوں نے بتایا کہ انگریزوں کے یہاں یہ دستور ہے کہ خوشی اور کامیابی کے موقع پر تالیاں بجائی جاتی ہیں میں نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ انھیں کی مخالفت میں جلسہ ہوا اور ایسی دھواں دھار تقریریں ہوئیں اور پھر انھیں کی تقلید کر رہے ہیں اور ان کے طریقے کو اپنا رہے ہیں یہ خاتمہ بالخیر نہیں ہوا اور میں نے کہا کہ اس قسم کی تقریر کبھی نہیں سننی چاہیئے یہ سیاسی چیزیں ہیں مذہبی نہیں۔ آج کل سیاست اسی کو کہتے ہیں کہ غیر دینی سب چیزیں لے لی جائیں اور مذہب کو چھوڑ دیا جائے۔ سیاست اسلام میں بھی ہے مگر اس سیاست سے میل نہیں کھاتی اس لئے کہ اس میں ہر جگہ جائز و ناجائز کا سوال ہے اور اس سیاست میں سب جائز ہے کوئی چیز ناجائز نہیں خواہ عقلاً بھی خلاف ہی ہو۔ اور قبیح سے قبیح تر ہو۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ جس چیز کی مخالفت میں جلسہ تھا اسی کو اپنا رہے تھے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اور اس تقریر کا خاتمہ بالخیر اس واسطے نہیں ہوا کہ اس کام کی ابتدا یہاں سے ہونی چاہیئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ الخ اور انتہا اس پر ہونی چاہیئے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تو اس کا شروع بھی بابرکت ہوتا اور خاتمہ بھی بالخیر ہوتا۔

اسی طرح ایک صاحب اور تقریر کر رہے تھے مجھ کو بھی وہاں لوگ لے گئے ان کی رعایت میں گیا

بھی جاکر بیٹھ گیا وہ مقرر صاحب بیان کرتے کرتے صحابہ کی شان میں کچھ بیجا کلمات کہنے لگے اسوقت مجھے رہا نہیں گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ کجا صحابہ رضی اللہ عنہم اور کجا آپ۔ صحابہ کو کچھ پہچانتے بھی ہو؟ ہم تو آپ کا کام بھی دیکھ رہے ہیں اور صحابہؓ کے حالات بھی کتابوں میں پڑھے ہیں۔ اور بزرگوں سے سنا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی خدمات کی ہیں۔ تو ہمارا اور آپ کا منہ نہیں ہے کہ صحابہ کی شان میں کچھ لب کشائی کریں پھر میں نے یہ طے کرلیا کہ اب کسی جلسہ میں نہیں جاؤں گا۔

بات زیادہ طویل ہو گئی میں یہ کہہ رہا تھا کہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ　　　پند را اُذنے بباید واعیہ

یعنی جس طرح ناصح کے لئے داعیہ کی ضرورت ہے اسی طرح قبول کرنے کے لئے محفوظ کرنے والا کان ہونا چاہیئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَتَعِیَهَا اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ۔ نصیحت کو محفوظ کرنے والے کان محفوظ کرتے ہیں۔

بعض مرتبہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ یہ آلہ مکبر الصوت خراب ہوگیا ہے اس لئے سامعین تک آواز نہیں پہونچ رہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی طرح اولاً تو صحیح بولنا مشکل ہے اور اگر متکلم صحیح بھی ہو لیکن کان بگڑا ہوا ہو تو آدمی نہیں سن سکتا۔ زبان کتنی ہی درست ہو لیکن اگر سب کان بگڑے ہوئے ہوں تو کوئی نصیحت نہیں پہونچے گی۔ کافروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نہیں تھی اسلئے انھوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دوسرا معاملہ کیا اسی کو مولانا روم رح فرمارہے ہیں کہ ؎

اشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود　　　نیک و بد در دیدشاں یکساں نمود

یعنی اشقیاء کو چونکہ بصیرت کی آنکھ نہیں تھی اسلئے اچھا اور بُرا سب ان کی نظروں میں یکساں ہی معلوم ہوتا تھا نہایت عارفانہ کلام ہے مولانا روم رح مست ہو کر یہ اشعار فرمارہے ہیں بہت ہی عمدہ اشعار ہیں کہ نبی جو سراپا نور ہوتا ہے اس کے ساتھ ان کا یہ معاملہ تھا۔ نبی کے چہرہ میں ایسا نور ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ کذاب کا چہرہ نہیں ہے۔

اس پر حضرت مولانا رح کا ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرتؒ پنجاب سے گذر رہے تھے کچھ مخالف لوگ ایک اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے انھوں نے جب حضرت رح کا چہرہ دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے اور حضرت رح سے بار بار مصافحہ کرتے تھے لیکن تسلی نہیں ہوتی تھی حالانکہ حضرت رح کا کوئی کلام نہیں سنا تھا۔ بات یہ ہے کہ جو آدمی سلیم الفطرۃ ہوتا ہے وہ ایسے لوگوں کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیتا ہے اور ایک آدمی ایسا ہوتا ہے کہ کلام بھی سنتا ہے مگر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اسی کے متعلق مولانا روم رح فرمارہے ہیں کہ ؎

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
اشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود — نیک و بد در دیدشاں یکساں نمود
ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیاء را ہمچو خود پنداشتند
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر — ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ — ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

یعنی اکثر لوگ اسی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں کہ اولیاء اللہ کے حالات سے کم واقف ہوتے ہیں۔ شقی لوگوں کو دیدۂ بینا میسر نہ ہوا اسلئے اچھے اور بُرے ان کی نظر میں یکساں نظر آتے ہیں اسی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہمسری کا دعویٰ کیا۔ اولیاء کرام کو مثل اپنے سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم بھی بشر ہیں یہ انبیاء بھی بشر ہیں اور یہ دونوں خواب و خورش کے مقید ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اقوال آئے ہیں۔ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا یعنی ابنیاء علیہم السلام سے انھوں نے کہا کہ تم لوگ ہماری ہی طرح بشر ہو۔ اور مَا لِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ۝ (یعنی اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔)

یہ ان کو کوری دل سے نظر نہ آیا کہ دونوں کے درمیان بے انتہا فرق ہے یعنی چونکہ یہ لوگ دل کے اندھے تھے اور جب دل اندھا ہو جاتا ہے تو آنکھ بھی غلط بیں ہو جاتی ہے۔ اسی کو مولانا روم ؒ فرماتے ہیں ؎

خشم و شہوت مرد را احول کند — ز استقامت روح را مبدل کند
چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد — صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد
چوں دہد قاضی بدل رشوت قرار — کے شناسد ظالم از مظلوم زار

مطلب یہ کہ غضب و شہوت آدمی کو غلط بیں کر دیتے ہیں اور روح کو استقامت سے بدل دیتے ہیں کیونکہ ان دونوں کی وجہ سے غرض نفسانی غالب ہو جاتی ہے اور غرض ایسی چیز ہے کہ جہاں درمیان آئی ہے ہنر اور امر اصلی پوشیدہ ہوا۔ اور اول قلب پر اس سے حجاب واقع ہوتا ہے اور اس کا ادراک غلط ہو جاتا ہے اور چونکہ حواس اکثر آثار میں قلب کے تابع ہوتے ہیں اسلئے قلب سے آنکھ کیطرف حجاب آجاتا ہے یعنی ادراک حسی میں بھی غلطی ہونے لگتی ہے۔ مثلاً قاضی اپنے دل میں قرار دے لے کہ اس مقدمہ میں رشوت لونگا پھر ظالم و مظلوم کو ہرگز نہیں پہچان سکتا۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ غرض نفسانی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کسی منفعت کا حاصل کرنا اس کو شہوت کہتے ہیں۔ دوسرے کسی مضرت کا دفع کرنا اس کو غضب کہتے ہیں۔ یہی دو وجہیں ہوتی ہیں بے انصافی کی۔ اور دوسرے کے نفع و نقصان کے رعایت نہ کرنے کی جب دوسرے کے نفع و نقصان

کی رعایت کا عزم نہ ہوگا تو حقیقت حال اور امر واقعی کو کیوں تحقیق کرے گا بلکہ بلا تحقیق بھی جو کچھ معلوم ہوگا اسکو اوروں سے پوشیدہ بھی کرے گا اور خود اپنے قلب سے نکالنے کی بھی کوشش کرے گا ایسی حالت میں قلب اور حواس اپنا پورا کام نہ دیں گے۔ یہ معنی ہیں قلب اور چشم پر حجاب آنے کے۔

(کلید مثنوی دفتر اول ص۹۵)

مولانا روم رحنے یہ جو فرمایا کہ ع

نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو معجزے دکھلاتے ہیں ان کو لوگ سحر کہتے تھے اور نبی کو ساحر کہتے تھے حالانکہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور سحر ساحر کا دونوں میں بہت فرق ہے۔ معجزہ خیر ہے اور سحر بری چیز ہے مگر ان لوگوں کی نظر میں دونوں یکساں معلوم ہوتے تھے۔ دراصل بات وہی ہے جو ابھی کہی گئی کہ جب دل غلط ہوجاتا ہے تو صحیح چیز بھی اسکی آنکھ میں غلط معلوم ہوتی ہے۔

اس کی ایک مثال بیان کرتا ہوں

ایک عورت کے شوہر ولی تھے لیکن وہ ان کی معتقد نہ تھی۔ ایک دن وہ بزرگ ہوا میں اُڑے اور مکان کی طرف سے گذرے سب لوگوں نے دیکھا اور ان کی بیوی نے بھی دیکھا کہ ایک بزرگ اُڑے چلے جارہے ہیں جب گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ آپ تو ناحق بزرگی کا دم بھرتے ہیں۔ ہم نے بزرگ آج دیکھا ہے کہ ہوا میں اُڑے چلے جارہے تھے تو ان بزرگ نے کہا کہ اچھا کیا وہ ولی تھے؟ بیوی نے کہا ہاں انکی ولایت میں کیا شک ہے۔ انھوں نے پھر پوچھا کیا وہ واقعی بزرگ تھے؟ کہا ہاں صاحب ان کی بزرگی میں کیا کلام ہے جب اس طرح اس کا اقرار کرالیا تو کہا کہ وہ میں ہی تو تھا۔ بیوی نے یہ سنکر کہا اچھا آپ ہی تھے جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اُڑ رہے تھے۔

دیکھا آپ نے اُڑنا بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ہی اڑنا دوسروں کے لئے سیدھا ہوتا ہے تو بیوی کے لئے وہی ٹیڑھا ہوجاتا ہے۔ سب لوگوں نے تو ان بزرگ کے اُڑنے کو ان کی کرامت شمار کیا کیونکہ معتقد تھے اور بیوی چونکہ غیر معتقد تھی اس لئے اس نے اسی میں ایک عیب لگادیا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب آدمی کسی کو نہیں مانتا تو کوئی نہ کوئی شوشہ نکال ہی دیتا ہے۔

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ جو فصاحت و بلاغت کا اور تکلم کا اور ہمارے واعظ اور متکلم ہونے کا ہم سے مطالبہ کرتے ہیں گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہتے ہیں کہ اس میدان میں سنبھل کے آؤ نہیں تو اگر ہم کو پسند نہ ہوگا تو ہم لوگ قبل کردینگے۔ تو میں کہتا ہوں کہ آخر اب ہم جیسے لوگ کہاں جائیں اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ محض بولنے سے کام نہیں چلتا کیونکہ اگر ہماری زبان گویا بھی ہوئی اور با اثر بھی ہوئی لیکن کان سننے

والے نہ ہوں تو ہم بول کر کریں گے کیا ؟ تاثیر قبول کرنے کے لئے دل کا کان ہونا چاہیئے۔ آپ جو یہ سمجھتے ہیں کہ جتنا بڑا قوال ہوگا اتنا ہی اثر زیادہ ہوگا۔ یہ غلط خیال ہے۔ بڑے بڑے قوال ہوئے ہیں لیکن ضرورت اس سے زیادہ فعال کی ہے۔

حضرت عثمان رضؓ جب خلیفہ ہوئے تو ممبر پر بیٹھ کر کچھ زیادہ بولے نہیں۔ یہ فرمایا کہ اَنْتُمْ اِلیٰ اِمَامٍ فَعَّالٍ اَحْوَجُ مِنْکُمْ اِلیٰ اِمَامٍ قَوَّالٍ یعنی تمھیں امام قوال سے زیادہ امام فعال کی ضرورت ہے مطلب یہ کہ بولنے والے سے زیادہ کام کرنے والے کی ضرورت ہے۔

اتنا فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ عصر تک خاموش بیٹھے رہے لیکن کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ اٹھ کر چلا جائے۔ مولانا روم رح نے مثنوی میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ خاموش تو تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار سے نور کی بارش ہو رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے ان سے اسی کی توقع تھی۔ خلیفہ کا کام نور پاشی ہی کرنا ہے۔ چنانچہ صحابہ رضؓ نے ان کی خاموشی سے یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضؓ جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو اپنی جانشینی کے لئے چھ اشخاص نامزد فرما دیئے۔ حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ، حضرت جبیر رضؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضؓ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ چنانچہ حضرت عمر رضؓ کی تدفین کے بعد یہ حضرات جمع ہوئے اور کچھ گفتگو کے بعد ان سب کی طرف سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ اختیار دیدیا گیا کہ وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضؓ میں سے جسکو چاہیں منتخب فرما دیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے خفیہ طور پر ہر مسلمان مرد و عورت کی رائے لی وہ فرماتے ہیں کہ دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علی رضؓ کو حضرت عثمان رضؓ پر ترجیح دیتے ہوں۔ حضرت عثمان رضؓ نہایت باحیا اور شرمیلے تھے۔ چنانچہ جب سب لوگ جمع ہوئے تو حضرت علی رضؓ آگے ہی آ کر بیٹھے اور حضرت عثمان رضؓ سب سے پیچھے کسی گوشہ میں بیٹھ رہے۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پوچھا کہ عثمان کہاں ہیں وہ آئے تو ہاتھ پکڑ کر بیعت کی۔ چنانچہ بغیر کسی نزاع و اختلاف کے حضرت عثمان رضؓ کا انتخاب ہو گیا اور سب مردوں اور عورتوں نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر بر سر ممبر تشریف لائے اور سب سے بالائی حصہ پر جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھا کرتے تھے اس جگہ بیٹھے۔ اس ممبر کے تین درجے تھے۔ سب سے بالائی والے پر حضورؐ خطبہ دیتے تھے اس کے بعد والے پر حضرت صدیقؓ تشریف رکھا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ اس کے بعد والے پر آ کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضؓ کا جب وقت آیا تو انھوں نے شیخین کی جگہ سے اوپر جو حضورؐ کی جگہ تھی وہاں جا کر بیٹھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی شریف سے اس واقعہ کو بعینہٖ نقل کردیا جائے۔

مولانا روم رحؒ فرماتے ہیں کہ ؎

قصۂ عثمان رضؓ کہ بر ممبر برفت   چوں خلافت یافت بشتابید تفت

ممبر مہتر کہ سہ پایہ بدست   رفت بوبکر و دوم پایہ نشست

بر سوم پایہ عمر در دور خویش   از برائے حرمت اسلام و کیش

دور عثماں آمد و بالائے تخت   بر شد و بنشست آں مسعود بخت

پس سوالش کرد مردے بوالفضول   کاں دو نہ نشستند بر جائے رسول

پس تو چوں جستی از ایشاں برتری   چوں بہ رتبت تو از ایشاں کمتری

گفت اگر پایہ سوم را بسپرم   وہم آید کہ مثال عمرم

در دوم پایہ شوم من جائے جو   گوئیم مثل ابوبکرست او

ہست ایں بالا مقام مصطفےٰ   وہم مثلے نیست با آں شہ مرا

حضرت عثمان رضؓ نے جب خلافت پائی تو تشریف لائے اور اس ممبر پر جاکر بیٹھے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اس کے تین درجے تھے جب حضرت ابوبکر رضؓ خلیفہ ہوئے تو وہ دوسرے درجے پر بیٹھے۔ اور جب حضرت عمر رضؓ کا وقت آیا تو تیسرے درجے پر جو سب سے نیچے والا تھا بیٹھ کر خطبہ فرمایا۔ اور ان دونوں حضرات نے بمقتضائے ادب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ چھوڑ دی (بلکہ حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کی بھی) تاکہ دین و اسلام کی حرمت بڑھے۔ اور جب حضرت عثمان رضؓ کا دور ہوا تو یہ مسعود بخت بالائے تخت یعنی سب سے اوپر والے درجہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تھا اور اس پر آپ خطبہ فرمایا کرتے تھے تشریف فرما ہوئے۔ یہ دیکھ کر ایک شخص بوالفضول نے آپ سے پوچھا کہ حضرات شیخین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر نہیں بیٹھے تھے پھر آپ نے اپنے کو ان سے برتر کیسے سمجھا باوجودیکہ آپ رتبہ میں ان سے کمتر ہیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ بھائی اگر میں تیسرے درجہ پر بیٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ حضرت عمر رضؓ کی برابری کرنا چاہتا ہوں۔ اور دوسرے درجہ پر بیٹھتا تو تم حضرت صدیق رضؓ کے ساتھ مساوات کا گمان کرتے۔ لیکن جب سب سے اوپر والے درجہ پر بیٹھا تو اب اس کا احتمال ہی نہ تھا کہ یہ گمان کیا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کرنا چاہتے ہیں۔ اسلئے کہ کوئی امتی نبی کے برابر بھلا کہاں ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد مولانا روم رحؒ حضرت عثمان رضؓ کے خطبہ کے متعلق فرماتے ہیں جس میں حضرت نے یہ فرمایا تھا کہ انتم الی امام فعال احوج منکم الی امام قوال یعنی تمھیں امام قوال سے زیادہ امام فعال کی ضرورت ہے۔

بعد ازاں برجائے خطبہ آں ددود　　تا بقرب عصر لب خاموش بود
زہرہ نے کس راکہ گوید ہیں بخواں　　تا بروں آید زمسجد آں زماں
ہیبتے بہ نشستہ بُد ہر خاص و عام　　پر شد از نورِ خدا آں صحن و بام
ہر کہ بینا ناظر نورش بُدے　　کور ازاں خورشید ہم گرم آدرے
پس زگرمی فہم کردے چشمِ کور　　کہ بر آمد آفتاب بے فتور
لیک ایں گرمی کشاید دیدہ را　　تا ببیند عین ہر بشنیدہ را
گرمیش را ضجرتے و حالتے　　زاں تپش دل راکشاید فسحتے
کور چوں شد گرم از نورِ قدم　　از فرح گوید کہ من بینا شدم
سخت خوش مستی ولے اے بوالحسن　　پارۂ راہ است تا بینا شدن

پھر اس کے بعد وہ ددود (حضرت عثمان رضؓ) خطبہ کی جگہ پر عصر کے قریب تک خاموش لب بستہ رہے لیکن نہ تو کسی کی یہی ہمت تھی کہ ان سے یہ کہتا کہ کچھ فرمائیے اور نہ یہی مجال تھی کہ مسجد سے نکل کر باہر چلا جاتا۔ اور ایک عجیب منظر تھا کہ ہر خاص و عام پر ایک ہیبت اور رعب طاری تھا (اور نور کی ایسی بارش ہو رہی تھی) کہ مسجد کا صحن و بام یعنی سب در و دیوار نورِ الٰہی سے پُر تھا۔ جو کہ بینا تھا وہ تو اس نور کو دیکھ رہا تھا اور جو نابینا تھا وہ بھی اس خورشید سے گرم ہو گیا تھا۔ پس اس گرمی سے نابینا بھی یہ سمجھتا تھا کہ نہایت روشن آفتاب نکل آیا ہے۔ لیکن یہ گرمی آنکھ کی پٹی کھول دیتی ہے تاکہ آنکھ ہر سنے ہوئے کو دیکھے۔
گرمی میں ایک تنگی اور ایک حالت ہوتی ہے۔ اس تپش سے دل کو ایک وسعت کشادہ ہوتی ہے۔ نابینا جب نورِ قدم سے گرم ہو جاتا ہے تو فرح سے کہتا ہے کہ میں بینا ہو گیا۔ اے بوالحسن تم بہت سخت مست ہو لیکن بینا ہونے تک ابھی ایک بڑا ٹکڑا باقی ہے جس کو قطع کرنا باقی ہے

شرح۔ جب محبت کی گرمی پہونچتی ہے تو دل میں ایک وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ فرح بطرے مدعی ہوتا ہے کہ میں بینا ہو گیا اور میرا سلوک تمام ہو گیا اور میں واصل ہو گیا۔ اس میں ایک عقبۂ باطنیہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو اکثر اہل سلوک کو پیش آتا ہے کہ قبل کمال کمال کے مدعی ہو جاتے ہیں۔ اسکا منشا محبت کا حصول ہوتا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ آفتاب نکلنے کے وقت دو کیفیتیں ملتی ہیں۔ ایک گرمی دوسرے نور کور کو صرف گرمی ملتی ہے۔ اسی طرح توے کو بھی صرف گرمی ہی ملتی ہے۔ اور جو قلوب مصفّٰی ہیں اور جو اجسام صیقل ہیں گرمی کے ساتھ ان کو نور بھی ملتا ہے۔
اسی کو مولانا گنگوہی رح فرماتے ہیں کہ ولایت نظری کے یہ معنی ہیں کہ بعض وقت بدون اختیار عارف کے ایسا آجاتا ہے کہ عارف کے نظر میں اور توجہ ہی میں اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس

پر ایک اثر پڑتا ہے جس سے وہ ملون ہو جاتا ہے مثل آفتاب کے کہ جب وہ نمایاں ہوتا ہے تو ہر شے پر اس
کی شعاع ہوتی ہے مگر جو طبع مصفا قابل ہوتی ہے تو انوار کا عکس آتا ہے اور نہیں تو حرارت کا اثر ہوتا ہے
اس میں بھی تفاوت استعداد ہے آئینہ پر نور زیادہ اور ساج پر کم پتھر پر گرمی زیادہ اور گارے پر کم۔ اسی
کو مولانا روم رح فرماتے ہیں کہ ؎

سخت خوش مستی ولے اے بوالحسن — پارۂ راہ است تا بینا شدن

اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ گرمی سے بینا ہونے تک بہت بڑی مسافت باقی ہے۔ جب تک وہ طے
نہ ہوگی نور نہیں ملے گا۔

دیکھئے مولانا روم رح تو یہ فرما رہے ہیں اور ابھی آپ فصاحت و بلاغت کی تلاش کر رہے ہیں تو سن
لیجئے کہ جب تک نور قلب میں نہ ہو کسی کا کلام کافی نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا فصیح و بلیغ ہو۔ ہم نے بھی
بڑے بڑے فصیح و بلیغ دیکھے ہیں لوگوں کو اس کی کوئی نہ کوئی بات ناپسند ضرور ہوگی۔ اس لئے ضرورت
ہے کہ متکلم کے اندر تاثیر کا داعیہ ہو اور پھر اس کے ساتھ ساتھ سننے والوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ
وہ ارادت و عقیدت کے ساتھ سنیں۔ شیخ سعدی رح فرماتے ہیں ؎

وسعت میدان ارادت بیار — تا بزند مرد سخن گوئے گوئے

یعنی اے مخاطب ارادت کے میدان کی وسعت پیش کر تاکہ اسکے اندر متکلم گیند پھینک سکے مطلب یہ کہ جب سننے والا ارادت و عقیدت
کے ساتھ بیٹھے گا تو متکلم انشراح قلب سے بیان کرے گا ورنہ نہیں۔

اسی کو مولانا روم رح فرماتے ہیں کہ ؎

گر ہزاراں طالب اند و یک ملول — از رسالت باز می ماند رسول

یعنی اگر ہزاروں طالب ہوں اور ان میں ایک شخص بددل ہو تو رسول اپنی رسالت پہونچانے سے باز رہتا ہے

دیکھئے شیخ سعدی رح اور مولانا روم رح دونوں اپنے وقت کے امام مانے گئے ہیں۔ اگر آپ ان
ان کو نہیں تسلیم کرینگے تو تمام اولیاء اللہ ناخوش ہو جائیں گے۔

یہ حضرات فرما رہے ہیں کہ جب ارادت و عقیدت ہوتی ہے اور اسی نیت سے آدمی آتا ہے
تو فیض پہونچتا ہے ورنہ نہیں۔ پس جس درجہ کی ارادت ہوگی اسی قدر فیض پہونچے گا۔ یعنی اگر ارادت
کامل ہے تو فیض بھی کامل ہوگا اور اگر ارادت ناقص ہوگی تو فیض بھی ناتمام ہوگا۔ اس لئے آدمی کو
چاہئے کہ ارادت و عقیدت پیدا کرے اور حسن نیت سے آئے ورنہ بدعقیدگی اور انکار اتنا بڑا مانع ہے
کہ کسی کے فیض کو آنے نہیں دیتا۔ حتی کہ نبی کے فیض کو بھی روک دیتا ہے ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

یعنی حسنؓ بصرہ سے اور بلالؓ حبشہ سے اور صہیبؓ روم سے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہوجائیں اور ابوجہل مکہ ہی میں رہنے کے باوجود محروم رہ جائے کیسے تعجب کی بات ہے۔

مرید جب پیر کے پاس جائے اور وہیں غافل اور بداعتقاد رہے تو کیا فیض ہوگا اسلئے کہ جب شیخ مجلس میں بیٹھتا ہے تو اسی لئے کہ عام لوگوں کو فیض پہونچائے۔ لہٰذا فیض حاصل کرنے کا وہی وقت ہوتا ہے۔ پس اگر اسی میں اعتقاد حاضر نہ کرے اور شک وشبہ میں پڑا رہے تو پھر کیا گھر جانے کے بعد فیض ہوگا؟ آج جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہزار ہا ہزار آدمی وعظوں میں شریک ہوتے ہیں مگر ان کو فیض نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہی اعتقاد کی کمی ہے۔ کافروں کو اسی انکار کی وجہ سے انبیاء کا فیض نہیں پہونچ سکا اور انھوں نے اپنے انکار کی نحوست دنیا میں تو دیکھی آخرت میں بھی دیکھیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا حال بیان فرماتے ہیں:۔

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۝ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝

اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور یہ اہل اعراف اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم۔ ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔ اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پڑینگی تو (اس وقت ہول کھا کر) کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ عذاب میں) شامل نہ کیجئے اور اہل اعراف (دوزخیوں میں سے) بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے (کہ یہ کافر ہیں) پکارینگے اور کہیں گے کہ تمھاری جماعت اور تمھارا اپنے کو بڑا سمجھنا (اور انبیاء کا اتباع نہ کرنا) تمھارے کچھ کام نہ آیا۔ کیا یہ مسلمان وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے۔ کہ ان پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نہ کریگا (لو ان پر تو اتنی بڑی رحمت ہوئی کہ)

ان کو یہ حکم ہو گیا کہ جاؤ جنت میں۔ تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہوگے۔
دیکھتے ہیں آپ! کفار غایت تکبر کی وجہ سے دنیا میں مسلمانوں کو حقیر سمجھتے تھے اور قسمیں کھا کھا کر یہ کہا کرتے تھے کہ یہ بیچارے کیا مستحق فضل و کرم ہوتے جیسا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا سے بھی یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہتے تھے کہ لَا یَنَالُھُمُ اللّٰہُ بِرَحْمَۃٍ یعنی ان پر اللہ تعالیٰ رحمت نہ کریگا اور اسی قسم کی بہت سی متکبرانہ باتیں کہا کرتے تھے۔ اب آخرت میں چل کر اہل اعراف ان کو بھی یاد دلاوینگے کہ یہ وہی مسلمان ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نہ کریگا۔ ان مسلمانوں کو اب تو دیکھو کہ ان پر کتنی بڑی رحمت ہوئی اور یہ جنت میں کس طرح عیش کر رہے ہیں۔
جنت اور دوزخ کے مابین کچھ ایسا سلسلہ رہے گا کہ اہل جنت اور اہل دوزخ باہم گفتگو کرینگے چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ یعنی دوزخ والے جنت والوں کو پکارینگے کہ (اب مارے بھوک اور پیاس اور گرمی کے بے دم ہوئے جاتے ہیں خدا کے واسطے) ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈالدو (شاید کچھ تسکین ہی ہو جائے) یا اور ہی کچھ دیدو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے جنت والے جواب دیں گے۔ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَھُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَھْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا یعنی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی (یعنی جنت کے کھانے اور پانی کی) کافروں کے لئے بندش کر رکھی ہے۔ جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ اور غفلت میں ڈال رکھا تھا۔
اس لئے دین کی کچھ پرواہ ہی نہ کی اور یہ وارالجزا ہے جب دین نہیں تو اس کا ثمرہ کہاں آگے حق تعالیٰ اہل جنت کے اس جواب کی تصدیق و تائید میں فرماتے ہیں فَالْیَوْمَ نَنْسٰھُمْ کَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِھِمْ ھٰذَا وَمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ۝ یعنی جب ان کی دنیا میں یہ یہ حالت تھی تو ہم بھی آج (قیامت) کے روز ان کا نام نہ لیں گے (اور کھانا پینا خاک نہ دینگے) جیسا انھوں نے اس (عظیم الشان) دن کا نام تک نہ لیا اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔
اس سے معلوم ہوا کہ جب آدمی کسی چیز کا انکار کرتا ہے اور معتقد نہیں ہوتا تو اس سے مشرف بھی نہیں ہوتا۔ دنیا میں کفار جنت اور نعمائے جنت کا انکار کرتے تھے اور اس کے معتقد نہیں تھے اس لئے وہاں محروم رہینگے۔ نیز مزید برآں یہ بھی کہتے تھے کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو بھی جس

طرح ہم دنیا میں تم سے اچھے ہیں اسی طرح وہاں بھی اچھے رہیں گے اور جنت اور حسنیٰ ہمارے لئے ہے۔ بات یہ ہے کہ جب آدمی کو کھانا ملتا ہے تو اسی قسم کی سوجھتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ مومنین کیلئے فرماتے ہیں کہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ۔ یعنی جن لوگوں نے نیکی کی ہے (یعنی ایمان لائے ہیں) ان کے واسطے خوبی (یعنی جنت) ہے اور مزید برآں (خدا کا دیدار بھی)

سنئے جنت میں ایسے ایسے کھانے ملیں گے اور ایسی نعمتیں ہونگی کہ آپ بھی یاد کرینگے اور پھر دنیا کی تمام لذتوں اور کھانوں کو بھول جائیں گے بلکہ پھر کوئی کھانا اچھا ہی نہ معلوم ہوگا۔ وہاں کی ہر چیز ایسی ہی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تو ان کو اس میں اس قدر لذت حاصل ہوئی کہ پھر کسی دوسرے کا کلام ان کو اچھا ہی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

کل میں نے تلاوت قرآن کے متعلق کچھ بیان کیا تھا اور مزید تفصیل کا وعدہ کیا تھا۔ اس سلسلہ میں علماء کرام کی تصریحات آپ کے سامنے موجود ہیں آج اس پر مزید کچھ اور کہنا چاہتا ہوں غور سے سنئے۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ۔ یعنی جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے۔ اولاً ماقبل سے اس کا ربط بیان کرتا ہوں پھر مزید کلام کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور اس سے پہلے بعض قوموں پر عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور دور سے یہ مضمون چلا آرہا ہے۔ عذاب کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کا مطلب قاضی بیضاوی یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کے خلق سے حق کا ارادہ فرمایا ہے باطل کا قصد نہیں کیا۔ یعنی ان کے پیدا کرنے میں لعب نہیں ہیں کہ یونہی عبث اور مہمل کام کر دیا۔ بلکہ ان کے پیدا کرنے میں حکمت ہے اور اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ خدا کی ذات وصفات پر دلالت کریں۔ چنانچہ مفسر فرماتے ہیں کہ فَاِنَّ الْمَقْصُوْدَ بِالذَّاتِ مِنْ خَلْقِهِمَا اِفَاضَةُ الْخَیْرِ وَالدَّلَالَةُ عَلٰی ذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ كَمَا اَشَارَ اِلَیْهِ بِقَوْلِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا۔ یعنی ان کے خلق سے مقصود بالذات خیر کا اضافہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر دلالت کرنا ہے جیسا کہ اسکی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ یقیناً اس میں مومنین کے لئے نشانی ہے اس لئے کہ وہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے اور دوسری چیزیں تو مقصود بالغیر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر دلالت اور اس کی معرفت مقصود بالذات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات مخفی ہے ان پر یہ آسمان وزمین سب کے سب دال ہیں جس طرح آثار قدم

چلنے والے پر اور راستہ میں پڑی ہوئی مینگنی جانور کے گذرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ عارف جب آسمان و زمین کو دیکھتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے بلکہ جملہ مصنوعات سے صانع کی معرفت ہوتی ہے۔ یہ تمام عالم اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مظہر ہے ہر ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی تجلی موجود ہے اور اہل اللہ اس کا مشاہدہ برابر کرتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

یعنی عارف کی نظر میں سبز درختوں کی ایک ایک پتی حق تعالیٰ کی معرفت کا بے پایاں دفتر ہے مگر وہ دوسرے لوگ تھے جنکو ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تھی۔ ہمکو اور آپ کو ان سب چیزوں سے کہاں معرفت ہوتی ہے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ آپ عجائب خانہ کو دیکھتے ہیں اور سمندر کو دیکھتے ہیں اور عجیب سے عجیب تر مخلوق کو دیکھتے ہیں مگر کچھ معرفت اللہ تعالیٰ کی آپ کو نہیں ہوتی۔ حالانکہ اللہ کے بندوں نے انھیں چیزوں سے معرفت حاصل کی ہے۔

ایک عالم تفسیر پڑھا رہے تھے انھوں نے سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کا ترجمہ کیا تو یہ کہا کہ یہاں فِیْ عَلیٰ کے معنی میں ہے۔ اور آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ زمین کے اوپر سیر کرو اسلئے کہ سیر زمین کے اوپر ہوتی ہے زمین کے اندر نہیں اور فی اندر کے معنی میں آتا ہے۔ ایک دوسرے آدمی وہاں بیٹھے ہوئے تھے وہ عارف تھے انھوں نے کہا کہ مولانا آپ قرآن میں کیوں تاویل کرتے ہیں آپ یوں تاویل کیجئے یہاں فی اپنے ہی معنی میں ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ زمین کے اندر سیر کرو۔ یہ کہہ کر زمین کی طرف اشارہ کیا وہ شق ہوگئی اور وہ بزرگ اس کے اندر اتر گئے اور کچھ دور جاکر پھر اوپر نکل آئے اور ان سے فرمایا کہ یہ ہے سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ۔ ان مفسر صاحب کو بڑی ندامت ہوئی۔

اسی کو حضرت مولانا رومؒ ان لفظوں میں ادا فرما رہے ہیں۔ کہ ؎

تازہ کن ایماں نہ از قول زباں اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں

یعنی اے وہ شخص جو باطن میں ہوائے نفسانی کو تازہ کئے ہوئے ہے ایمان کو تازہ کرو مگر زبان سے نہیں بلکہ دل سے ایمان کو تازہ کرو اسلئے کہ

تا ہوا تازہ است ایماں تازہ نیست کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

یعنی جب تک ہوائے نفسانی تازہ رہتی ہے یعنی نفس زندہ رہتا ہے اس وقت تک ایمان تازہ نہیں ہوتا اس لئے کہ ہوائے نفسانی ایمان کے دروازے کا قفل ہے۔

اسکے بعد فرماتے ہیں کہ ؎

کردہ تاویل لفظ بکر را خویش را تاویل کن نے ذکر را
فکر تو تاویل کردہ ذکر را ذکر را مان و بگرداں فکر را
بر ہوا تاویل قرآں می کنی پست و کج شد از تو معنی سنی

یعنی تم قرآن و حدیث کے محفوظ الفاظ میں تاویلیں کرتے ہو؟ تم کو چاہیئے کہ اپنی تاویل کرو۔ الفاظ قرآن کی تاویل مت کرو۔ تمھاری قوت فکریہ نے لفظ قرآنی کی تاویل کر رکھی ہے تم کو چاہیئے کہ قرآن کو تو اسکی اصلی حقیقت پر رہنے دو اور اپنی قوت فکریہ کو بدلو۔ تم محض ہوائے نفسانی پر قرآن کی تاویل کرتے ہو جس سے تمھاری تاویل کی وجہ سے قرآن کے روشن و صاف معنی کج اور متغیر ہو گئے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ مصنوعات سے معرفت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے خدائے تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اور بزرگان دین نے لکھا ہے تو اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ میں نے خود ہی بیان کیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو معرفت ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ گھڑی لیکر رات بھر اسکو دیکھتے ہی رہ گئے۔ اللہ جانے ان کے قلب میں کیا چیز آگئی تھی کہ ساری رات اسکو دیکھتے ہی رہ گئے اور اسی میں صبح ہو گئی۔ اور تعجب معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس گھڑی کو ایجاد کرنے والے ہیں ان کو ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے زیادہ غافل وہی لوگ ہیں اور جو لوگ عارف ہیں انھوں نے اسی گھڑی سے کیسی کیسی معرفت حاصل کی ہے۔ ایک معرفت یہ بھی ہے کہ آپ کا قلب گھڑی ہے اور اس میں جو کوک دیجاتی ہے وہ ذکر اللہ ہے۔ اللہ والے اس میں برابر کوک دیتے رہتے ہیں جب اس میں کمی دیکھتے ہیں تو بھر دیتے ہیں۔ الغرض اہل اللہ نے مصنوعات سے بھی صانع کی معرفت حاصل کی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مصنوعات سے معرفت حاصل کرنا بہت مشکل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا سہل ذریعہ تعلیم فرمایا کہ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ اس سے زمین کی بھی معرفت ہوگی، آسمان کی بھی ہوگی، خدا کی ذات کی اور صفات کی ان سب کی معرفت اسی سے ہوگی، قرآن شریف میں صراط مستقیم کا بیان، بعث و نشر کا بیان، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفا کا بیان موجود ہے بلکہ تمام علم اولین و آخرین قرآن میں ہے۔ حضرت سے سنا ہے جب آدمی تلاوت کرنے والا اس سے گذرتا ہے تو اس کو ان سب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور مختلف اوقات میں اس کی تفصیلی نظر ان چیزوں پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے ذات و صفات کی طرف عروج ہوتا ہے۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے جو چیز موضوع ہے وہ قرآن ہے اور اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ تلاوت ہے۔ جس کا امر اس آیت میں ہے کہ جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے۔

قاضی بیضاوی رحنے تلاوت کے مامور بہا ہونے کی علت اور غرض جو بیان فرمائی ہے کل

میں نے اس کو نقل کیا تھا کہ :-

تَقَرُّبًا اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِقِرَاْءَتِہٖ وَتَحَفُّظًا لِاَلْفَاظِہٖ وَاِسْتِکْشَافًا لِمَعَانِیْہِ

آج اسی کی توضیح کرنا چاہتا ہوں۔

"تلاوت کی ایک غرض تقرب الی اللہ کو فرما رہے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قاری قرآن قرأت کرتا جاتا ہے اور اس کو قرب اللہ تعالیٰ کا ہوتا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان جو حجابات ہیں وہ سب مرتفع ہوتے جاتے ہیں۔

تھانہ بھون میں ایک آدمی کو میں نے دیکھا کہ تلاوت کر رہے تھے کہ یکایک حضرت مولانا کی سہدری میں قرآن شریف لیکر پہونچے اور حضرت کے پاس پہونچکر کہا کہ خُذْ یَا شَیْخ وہ عالم نہیں تھے لیکن عربی بولنے لگے۔ حضرت مولانا نے قرآن شریف ان کے ہاتھ سے لے لیا اور ان کو اپنے پاس بٹھایا اور پانی منگا کر اس پر دم کر کے ان کو دیا کہ اس کو پی لو۔ کچھ دیر کے بعد ان کی وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضرت مولانا نے ان سے پوچھا کہ کیا کیفیت تھی انھوں نے کہا کہ حضرت فلاں آیت نے پکڑ لیا تھا آگے بڑھنے نہیں پایا۔

دیکھا آپ نے ! آیت جسکو پکڑتی ہے وہی جانتا ہے۔ آپ کی سمجھ میں بھی کچھ آتا ہے ؟ بھائی سمجھنا بہت مشکل ہے۔ آپ کے یہاں آگیا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ وعظ وغیرہ کھیل نہیں ہے۔ ہر آدمی کو کھیل مت بناؤ اور تماشائی کی طرح میرے گرد جمع مت رہو بلکہ سمجھو کہ کیا کہہ رہا ہوں۔

اب دوسرا واقعہ سنئے :-

دہلی میں ایک آدمی نماز پڑھا رہے تھے اس میں سورۂ قیامہ کی تلاوت کر رہے تھے جب ان آیات پر پہونچے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۝ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝ ثُمَّ ذَھَبَ اِلٰٓی اَھْلِہٖ یَتَمَطّٰی ۝ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ۝ ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ۝ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کافر کا حال بیان فرمایا ہے اور ایسا ڈانٹا ہے کہ اس نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی لیکن خدا اور رسول کی تکذیب کی تھی، اور احکام سے منہ موڑا تھا۔ اور ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا۔ ایسے شخص سے کہا جاویگا کہ تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے۔ پھر تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ایسا پڑھا کہ سب عرب مسلمان ہو گئے۔ اور ان پر اسی لئے پڑھا ہی گیا تھا تاکہ کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوں اور اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ۝ ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی دو مرتبہ اس لئے فرمایا کہ حشر دو مرتبہ ہوگا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ۝ یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مفت سفت چھوڑ دیا

جائیگا۔ کیا وہ منی کا نطفہ نہیں تھا جو رحم میں بہایا جاتا ہے۔

جب وہ امام صاحب اس جگہ پر پہونچے ہیں تو زور سے ایک جست لگائی اور محراب سے باہر آگئے پھر باہر سے جست کی اور محراب میں آگئے اسی طرح کئی مرتبہ جست لگائی پھر ٹھہر گئے۔ وہ کامل شخص تھے اسلئے سنبھل گئے ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو برداشت نہ کرسکتا اور گر جاتا۔ اسلئے کہ یہ ایسا حال تھا کہ پہاڑ بھی متحمل نہیں ہوسکتا تھا لیکن انھوں نے برداشت کرلیا۔ اسی موقعہ پر یہ کہا جاتا ہے۔ ع

کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا است

جب کوئی آیت کسی کو لطف دے جاتی ہے اور اس کی حلاوت وہ پا جاتا ہے تو اسکو وہی جانتا ہے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

جب آپ کے یہاں آگیا ہوں تو آخر کیا بیان کروں کیا غیبت شکایت کروں ؟ یا کوئی کام کی بات کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا تقرب ہوتا ہے چنانچہ اسوقت جو واقعات میں نے نقل کئے اس میں ان تلاوت کرنے والوں کو قرات قرآن میں سے تقرب ہوا چنانچہ انھوں نے کہا کہ آیت نے مجھے پکڑ لیا۔

یہ تو آپ نے سنا کہ تلاوت قرآن سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسکے بعد قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ تحفظاً لِاَلْفَاظِہٖ یعنی تلاوت کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے الفاظ قرآن کا تحفظ ہوتا ہے۔ اس کے متعلق میں کل عرض کرچکا ہوں کہ اسی تحفظ کے لئے تمام مدارس کھلے ہوئے ہیں اور یہ اس کی حفاظت کا خدائی انتظام ہے۔ پس قاضی بیضاوی ؒ نے جو فرمایا کہ تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا تقرب ہوتا ہے۔ اور جب تلاوت کی جائے گی تو الفاظ قرآن کے محفوظ رہیں گے۔ یہ بالکل صحیح و درست ہے۔ لیکن میں یہاں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ تَلَذُّذاً بِاَلْفَاظِہٖ وَتَسَلِّیًا بِالْمَعْشُوْقِ الْحَقِیْقِیْ مِنْ کَلَامِہٖ یعنی تلاوت کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ قرآن کے الفاظ سے تلذذ حاصل کیا جائے اور معشوق حقیقی سے تسلی اس کے کلام کے ذریعہ کی جائے۔

قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے عشاق کے لئے اس دار دنیا میں بجز کلام اللہ کے اور کوئی چیز تسلی کی نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو مخفی ہیں اس لئے وہ خود تو نظر آتے نہیں۔ لہذا اب ان کے عشاق کے لئے اگر تسلی کا کوئی ذریعہ ہے تو یہی کلام اللہ ہے وہ اسی سے تلذذ حاصل کرتے ہیں۔

مثنوی میں مولانا روم ؒ نے مجنوں کا ایک واقعہ لکھا ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد ۔۔۔ در بیابان غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم ۔۔۔ می نمودے بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنون شیدا چیست ایں   می نویسی نامہ بہر کیست ایں

یعنی ایک مسافر نے مجنوں کو اپنے غم کے بیابان میں تنہا بیٹھا ہوا دیکھا ورآنحالیکہ ریت کاغذ تھی اور انگلیاں قلم یعنی وہ اپنی انگلیوں سے ریت پر کچھ لکھ رہا تھا تو اس نے کہا کہ اے عاشق مجنوں یہ کیا ہے اور کس کے نام خط لکھ رہے ہو ؟

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم   خاطر خود را تسلی می دہم

اس نے کہا کہ اپنے لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اپنے دل کو اسی سے تسلی دے رہا ہوں۔

اور حضرات تو اس واقعہ کو اس بات پر لاتے ہیں کہ جس طرح مجنوں لیلیٰ لیلیٰ لکھ کر اپنے دل کو تسلی دیتا تھا اسی طرح اللہ والے ذکر اللہ سے اور اللہ اللہ سے تسلی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن میں اس واقعہ کو اس پر لا رہا ہوں کہ معشوق حقیقی سے ان کے عشاق کو تسلی کلام اللہ کی تلاوت ہی سے ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے۔ پس جتنی تجلی اور نشاط اور جس قدر لذت وحلاوت ان کو تلاوت سے حاصل ہوتی ہے کسی اور چیز سے نہیں۔

جب عارف تلاوت کرتا ہے تو اس کا رُواں رُواں اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔ کان بھی سنتا ہے اور تمام بدن سننے لگتا ہے گویا تمام بدن ہی کان بنجاتا ہے۔ اور تلاوت کلام اللہ اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ذکر جب تمام بدن میں سرایت کرجاتا ہے تب سستی بدن کی دور ہوجاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر تمام بدن میں سرایت کرتا ہے۔

ذکر جس طرح دل میں ہوتا ہے اسی طرح تمام بدن اس سے ذاکر ہوجاتا ہے اور جب قرآن شریف کی لذت قلب میں آجاتی ہے تو دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لئے کہ دنیوی لذتیں جسمانی ہیں اور یہ لذت روحانی ہے جو خداوندی لذت ہے اس کے سامنے کوئی لذت بھی باقی نہیں رہتی۔ جس طرح عمدہ اور میٹھی چیز کھانے سے زبان کو لذت ملتی ہے اسی طرح تلاوت سے زبان کو بھی ایک لذت وحلاوت ملتی ہے اور اس میں آدمی ایسا محو ہوجاتا ہے کہ تمام بدن ہی زبان بنجاتا ہے اور نعمائے جنت کی حلاوت سے بھی یہ حلاوت کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ وہ حلاوت بھی جسمانی ہوگی اور یہ حلاوت روحانی ہے

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اہل کتاب کی مذمت کے بعد پھر ان میں سے جو مسلمان ہوگئے تھے ان کی مدح میں فرماتے ہیں کہ لَيْسُوا سَوَاءً ط مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ یعنی یہ اہل کتاب سب برابر نہیں بلکہ انہی اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو دین حق پر قائم ہے اور اللہ کی آیتیں (یعنی قرآن) اوقات

شب میں پڑھتی ہے اور وہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

اس آیت میں عبداللہ ابن سلام وغیرہ جو اہل کتاب میں سے تھے پھر ایمان لائے اور مومن مخلص ہو گئے ان کی مدح اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اگر ان کی مدح نہ فرماتے اور اہل کتاب کی مذمت عام رہ جاتی تو یہ لوگ جو مخلص تھے وہ ختم ہی ہو جاتے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے آیت نازل فرمادی۔

اور ان کے اوصاف میں خصوصیت کے ساتھ یہی ذکر فرمایا کہ شب کے اوقات میں آیات اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور رات کی تخصیص اسلئے فرمائی کہ رات ہی کو عشق ستاتا ہے اور اسی وقت تسلی کا سبب اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے تسلی ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے لئے رات کا یہی عمل ہے کہ وہ رات کی ساعات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور اسی سے تسلی اور تلذذ حاصل کرتے ہیں۔

اور تلاوت کا تیسرا فائدہ قاضی بیضاوی رحنے یہ فرمایا کہ اِسْتِکْشَافًا لِلْمَعَانِیْہِ یعنی تلاوت ہی سے معانی کا انکشاف بھی ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی تلاوت کرتا جاتا ہے اور اسی تلاوت ہی کی وجہ سے اسکو قرآن سے مناسبت بڑھتی رہتی ہے اور رفتہ رفتہ ایسی مناسبت ہو جاتی ہے کہ خود بخود معانی قرآن کا القاء اس کے قلب پر ہونے لگتا ہے اور آیات کے معانی اس پر منکشف ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ بعضے بزرگ ایسے بھی گذرے ہیں جنکو تین چار آیتیں بھی یاد نہیں تھیں۔ لیکن بڑے بڑے علماء آیات کے مطالب دریافت کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ قرآن کے معانی بیان فرمایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی مراد بتلاتے تھے کبھی کبھی یہ بھی فرمادیتے تھے کہ اس آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر کل بتادوں گا۔ پھر حضورؐ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور دریافت کرکے دوسرے روز اس کو بیان فرمادیتے تھے۔

اب اگر آپ یہ کہیں کہ ہم تو جاہل ہیں قرآن کو کیسے سمجھیں؟ تو ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ قرآن شریف اسی لئے اُتارا گیا ہے کہ آپ کا جہل دور ہو۔ علماء لکھ رہے ہیں کہ مومن کو علم تلاوت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میں نے طبقات کبریٰ سے امام احمد بن حنبل کا واقعہ نقل کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ تلاوت سے جو تقرب ہوتا ہے وہ فہم معنیٰ پر موقوف نہیں بلکہ تلاوت خواہ بفہم ہو یا بغیر فہم موجب قرب ہوتی ہے اور علامہ سید علی دمیری نے اس کا خوب ہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ بفہم کا تعلق علمائے شریعت سے ہے اس لئے کہ کلام اللہ کو سمجھنے کے لئے ان کو نظر و فکر

کرنا ضروری ہے کیوں کہ ان کے پاس اس کے علاوہ دوسرا کوئی ذریعہ نہیں جس سے معانی تک رسائی ہو سکے۔ اور بغیر فہم کو علماء حقیقت کے ساتھ متعلق فرمایا ہے۔ اسلئے کہ ان نفوس قدسیہ کو نظر و فکر کی ضرورت ہی نہیں اللہ تعالیٰ ان کو خود سمجھاتے ہیں اور وہ جیسے جیسے تلاوت کرتے جاتے ہیں ان پر معانی منکشف فرماتے جاتے ہیں پھر ان کو نظر و فکر کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بلکہ یہ حضرات تو نظر و فکر کو اور معانی کی طرف توجہ کو اپنے اور خدا کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ تلاوت ہی تقرب الی اللہ کا بھی ذریعہ ہے اور اسی سے معانی بھی منکشف ہوتے ہیں۔ لہذا آپ سے کہتا ہوں کہ بزرگوں نے اس کو کیا ہے اور اسی سے ان کو قرب حاصل ہوا اور ان پر معانی بھی منکشف ہوئے تو یہ بزرگوں کا آزمایا ہوا نسخہ ہے اس لیے اس میں شبہہ کی کوئی بات نہیں رہی۔ آپ بھی آزمائیے اور تلاوت شروع کیجئے جس قدر زیادہ تلاوت ہوگی اسی قدر زیادہ مناسبت قرآن سے ہوگی اور جتنی زیادہ مناسبت ہوگی اتنا ہی معانی کا انکشاف ہوگا اور تلاوت کی لذت و حلاوت روز بروز بڑھتی جائے گی۔

جب سے میں نے تلاوت قرآن پر بحث کی ہے اور اس پر زیادہ زور دینا شروع کیا ہے کہ تلاوت سے قرب فہم معنی پر موقوف نہیں بلکہ تلاوت ہی سے معانی بھی منکشف ہونے لگتے ہیں اور اس سلسلہ میں مستقل ایک کتاب لکھدی[1] تو لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی اور اب میرے پاس برابر خطوط آرہے ہیں کہ جب سے یہ مضمون دیکھا ہے تلاوت کی شان بدل گئی ہے اور تلاوت سے فائدہ محسوس ہو رہا ہے۔ پس یہ صالحین کا تجربہ ہے اب آپ اسکو کیوں نہیں تسلیم کیجئے گا؟ آپ بھی عمل کر کے دیکھ لیجئے اور اگر تقرب اللہ تعالیٰ کا چاہتے ہیں تو ذرا اپنی نیت کی تصحیح کیجئے اور توبہ و استغفار کر کے تجدید ایمان اور قرآن شریف کی عظمت کے استحضار کے ساتھ تلاوت کیجئے۔ دیکھئے آپ کو کچھ دنوں کے بعد اس کی لذت و حلاوت ملتی ہے یا نہیں اور قرب حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ اس طرح تصحیح نیت و تجدید ایمان اور عظمت کے استحضار کے ساتھ دل سے کلام اللہ کی تلاوت کریں گے تو انشاء اللہ بہت جلد اس کا نفع پائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے وجداناً قرب محسوس کریں گے۔

میں نے بہت کچھ کہدیا امید کہ آپ لوگوں نے سنا ہوگا اور سماع قبول سے سنا ہوگا اسلئے کہ

پند را اذنے بباید واعیہ

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے!

اخیر میں ایک بات اور سن لیجئے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ جس کو خدا کی طرف سے بولنے کا اذن ہوتا ہے

[1] یہ کتاب تلاوت قرآن کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ بے نظیر تصنیف ہے۔ ۱۲

وہ اس زبان سے نہیں بولتا بلکہ اس کے بولنے کے لئے دوسری زبان ہوتی ہے اور وہ دوسری زبان سے بولتا ہے اور جس طرح وہ نطق میں ماذون من اللہ ہوتا ہے اسی طرح اس کی بات سننے کے لئے دوسرا کان ہوتا ہے جو سامع باذن اللہ ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح اس کو زبان ملتی ہے اسی طرح شاگرد بھی سننے والے ملتے ہیں۔

مولانا روم رح ساری مثنوی میں اپنے شاگرد ضیاء الحق حسام الدین کو مخاطب بناتے ہیں وہ لکھنے کے لئے بیٹھ جاتے تھے اور مولانا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے پھر وہ ایک ایک لفظ لکھتے جاتے تھے اور مولانا روم رح سمجھتے تھے کہ میں انہی کے لئے کلام کر رہا ہوں۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص ناطق باذن اللہ ہو اور اسکو ایسا کان جو سامع باذن اللہ ہو نہ ملے اور چونکہ وہ منجانب اللہ بولتا ہے اس لئے اولاً خود اس کا کان بھی سامع باذن اللہ ہوتا ہے اور وہ خود بھی سنتا ہے پھر دوسرے لوگ بھی سنتے ہیں بجز اس کے جسکو ادھر سے کچھ سمع وارادت ہی نہ ملے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کر لیجئے:۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا. اٰمِيْنَ ثُمَّ اٰمِيْنَ۔

(اے اللہ برکت عطا فرما ہمارے کانوں میں اور ہماری آنکھوں میں اور ہمارے قلوب میں اور ہماری بیبیوں میں اور ہماری اولاد میں، اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بیشک آپ توبہ کو بہت قبول کرنے والے رحم فرمانے والے ہیں اور ہمکو کر دیجئے اپنی نعمتوں کا شکر کرنے والا اور ان کو منعطف کرنے والا اور ان کو قبول کرنے والا اور اپنی تمام نعمتیں ہم کو عطا فرما۔ آمین)

پانچواں وعظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اَمَّا بَعْدُ! میں کئی دن سے ایک آیت کے متعلق بیان کر رہا ہوں جسے آپ نے سنا ہوگا۔ اسی سلسلہ میں آج بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں سنئے!

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:۔ وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○

یعنی اور وہ زمانہ یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کیواسطے اس پر ہم نے حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو بس فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ ۱۲ چشمے (اور بارہ ۱۲ ہی خاندان تھے بنی اسرائیل کے چنانچہ) معلوم کرلیا ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع (اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ) کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد سے مت نکلو فساد کرتے ہوئے سرزمین میں۔

چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ ۱۲ خاندان تھے اور احتمال تھا کہ پانی پینے کے بارہ میں وہ آپس میں لڑجائیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے بارہ چشمے جاری کردیئے تاکہ ہر قبیلہ کے لئے ایک چشمہ ہوجائے اور اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ ہر قبیلہ کیلئے چشمہ الگ الگ تقسیم فرمادیا۔ تاکہ ہر ایک اپنا مشرب جان لے اور آپس میں منازعت نہ ہو۔

مجھ کو دوسرا مضمون بیان کرنا ہے لیکن یہ آیتیں سامنے آگئی ہیں تو ان پر بھی کچھ کلام کرتا ہوں۔

بنی اسرائیل نے یہ بھی کہا تھا جسکو اللہ تعالیٰ اسکے بعد فرما رہے ہیں:۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا۔ یعنی وہ زمانہ یاد کرو جب تم لوگوں نے یوں کہا کہ اے موسیٰ (روز کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے (یعنی من وسلویٰ پر) آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اُگا کرتی ہیں۔ ساگ ہوا، ککڑی ہوئی، گیہوں ہوا، مسور ہوئی، پیاز ہوا۔ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ یعنی آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو۔ ادنیٰ درجے کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے۔

اس موقع پر ایک بات ذہن میں آگئی وہ یہ کہ علم کی مثال ایسی ہے جیسے من وسلویٰ اسلئے کہ علم بھی آسمان ہی سے نازل ہوا ہے اور من وسلویٰ بھی آسمان ہی سے اُترتا تھا۔ پس جس طرح من وسلویٰ کی تبدیل لہسن اور پیاز سے مذموم اور نہایت ناپسند ہوئی اسی طرح علم جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب اور مراتب عالیہ کی تحصیل کے لئے ہے۔ اب اگر اسکو جاہ ومال کا ذریعہ بنایا جائے تو نہایت مذموم وقبیح شے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہے اسلئے کہ ایک اعلیٰ وارفع شے سے ادنیٰ چیز حاصل کی جارہی ہے۔ یہ برابر بیان کیا کرتا ہوں مگر اسکو سنتا کون ہے اور اسی نہ سننے کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں فساد اور تصادم ہے جتنا تصادم ہم لوگوں میں یعنی علماء میں ہے عوام میں نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ فتنہ انھیں سے اٹھے گا اور انھیں میں لوٹے گا۔ عوام گھبرا کر چھوڑ دینگے مگر یہ لوگ فتنہ وفساد اور اختلاف کو نہیں چھوڑینگے۔ اسی پر متنبہ کرنے کے لئے کہا کرتا ہوں کہ جب تک گرم جگہ نہیں جاؤگے تمہاری سمجھ میں اسکی مذمت اور برائی پوری طرح آوے گی نہیں۔ وہاں چلوگے تب پتہ چلے گا۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث آئی ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا فَقَالَ قَاتَلْتُ

حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلا شخص جس کا قیامت کے دن فیصلہ کیا جائیگا وہ ہوگا جو شہید کیا گیا ہوگا۔ پس وہ لایا جائیگا تو اللہ تعالیٰ اسکو اپنی نعمت یاد دلائیں گے وہ اس کا اقرار کریگا پھر اللہ تعالیٰ اس سے سوال فرمائیں گے کہ تم نے

فِیْهِ حَتّٰی اُسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ
وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِیٌّ فَقَدْ
قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ
حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ ۔ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ
الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ
بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا
عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ
وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ كَذَبْتَ وَ
لٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ
وَقَرَأْتَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِیٌ فَقَدْ قِيْلَ
ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ
حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ
فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا
عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ
اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ
كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ
فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ
ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ ۔

(رواہ مسلم)

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

اس نعمت کا کیا حق ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ یا اللہ تعالیٰ میں نے
آپ کی راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید کردیا گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے
کہ تو جھوٹا ہے تونے تو اس لئے قتال کیا تھا کہ تجھ کو بہادر
کہا جائے چنانچہ تجھ کو دنیا میں بہادر کہا جاچکا۔ پھر اسکے بارہ میں
حکم دیدیا جائیگا اور وہ چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں
ڈال دیا جائیگا۔ اور دوسرا شخص جس کا قیامت میں فیصلہ کیا جائے
گا وہ ہوگا جس نے علم حاصل کیا ہوگا اور دوسرے کو علم سکھایا
ہوگا اور قرآن بھی پڑھا ہوگا۔ چنانچہ وہ دربار خداوندی میں لایا
جائیگا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی نعمت اسکو یاد دلائیں گے اور وہ اس
کا اقرار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے سوال فرمائیں گے کہ تم نے
اس کا کیا حق ادا کیا وہ جواب دیگا کہ میں نے خود علم حاصل کیا اور
دوسروں کو سکھایا اور آپ کے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں
گے کہ تم جھوٹے ہو بلکہ تم نے تو علم اسلئے حاصل کیا تھا تاکہ تم
کو عالم کہا جائے اور قرآن اسلئے پڑھا تھا تاکہ تمکو قاری کہا جائے
سو دنیا میں تمکو عالم اور قاری وغیرہ کہا جاچکا۔ پھر اسکے حق میں
بھی حکم دیدیا جائیگا اور وہ چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں
ڈال دیا جائیگا۔ اور تیسرا شخص جو فیصلہ کیلئے قیامت میں
پیش ہوگا وہ وہ شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں
مال کثیر عطا فرمایا ہوگا اور مال کی ہر نوع سے اسکو حصہ دیا
ہوگا جب وہ لایا جائیگا تو اللہ تعالیٰ اسکو اپنی نعمتیں یاد
دلائیں گے وہ اقرار کرے گا۔ پھر سوال فرمائیں گے کہ تم نے
ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا۔ وہ جواب دے گا کہ میں نے آپکے لئے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جسمیں خرچ کرنیکو آپ
پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم جھوٹ کہتے ہو بلکہ تم نے تو اس لئے خرچ کیا تھا تاکہ تم کو سخی کہا
جائے سو تم کو دنیا میں کہا جاچکا پھر اس کے بارہ میں حکم صادر ہوجائے گا اور وہ بھی چہرے کے بل گھسیٹ کر
جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

اس حدیث میں تین اشخاص کا قصہ جو بیان کیا گیا ہے یہ منجملہ اخبار بالغیب کے ہے۔ اور مقصود بالبیان یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی نیات فاسدہ کی وجہ سے معتوب و مغضوب ہوں گے۔ لہذا اس سے سب کو خوف پیدا ہونا چاہیئے کہ ہم جو مقاتلہ یا تعلیم و تعلم یا انفاق فی الخیر کر رہے ہیں۔ اپنی نیات فاسدہ کی وجہ سے کہیں عذاب خداوندی میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ اس سے نیت کی تصحیح کا مسئلہ ثابت ہوا نیز یہ کہ علم میں بھی نیت کی تصحیح ضروری ہوئی جیسا کہ اور عبادات میں ضروری ہے۔

سنئے میں آپ کے شہر میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ آپ کی بیجا رعایت کروں اور محض آپکی یا اپنی رعایت کی بنا پر حق بات نہ کہوں۔ لہذا صاف صاف کہتا ہوں کہ جن کے پاس دولت ہے وہ زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو علماء کو خرید لیا ہے۔ تو میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ بس اب یہ لوگ باقی رہ گئے ہیں ان کو بھی خرید لو۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ جن کو خرید سکتے تھے ان کو تو خرید ہی لیا ہے۔ ہر ایک کو نہیں خرید سکتے ہو۔

دہلی میں ایک بزرگ تھے بادشاہ وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپ ہمارے وہاں آکر نماز پڑھا دیا کریں تو بڑی عنایت ہو۔ ان بزرگ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ اور فرمایا کہ ہم سے اور کچھ عمل تو ہوتا نہیں بس ایک نماز ہی باقی رہ گئی ہے۔ اب اس کو بھی خرید لو۔ جاؤ ہم نہیں جاتے۔

دیکھا آپ نے کسی زمانہ میں ایسے ایسے لوگ بھی موجود تھے۔ اگر ان میں کا ایک بھی اسوقت موجود ہوتا تو آپ سب کو راہ راست پر کر دیتا۔ اب ہم لوگ چونکہ اس درجہ کے نہیں ہیں اور اسکو آپ بھی خوب پہچانتے ہیں کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ اس لئے ہم کو خریدنے کی جرات کی ہے۔ بلکہ خرید ہی لیا ہے۔

بھائی سنو۔ دین بڑی مشکل چیز ہے۔ اس کو چلانے والے اور پھیلانے والے دوسرے قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کو حطام دنیا (مال) لبھا نہیں سکتا۔ وہ لوگ اس دار دنیا میں روز بروز اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب اور طاعات کے لطف اور ثمرات سے واقف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ دنیا سے بالکل نکل چکے ہوتے ہیں گویا وہ دنیا کو قے کر چکے ہوتے ہیں۔ تو پھر آپ کے لالچ دلانے کی وجہ سے جس چیز کو وہ قے کر چکے ہیں اس کی طرف رجوع نہیں ہو سکتے۔ اور یہ مت سمجھئے گا کہ اب ایسے لوگ کہاں ہو سکتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے دنیا کبھی خالی نہیں ہو سکتی مگر آپ نہ ان کو پہچانتے ہیں اور نہ ان کو تلاش ہی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جو چیز اس پر مجبور کرتی ہے وہ خدا کی طلب ہے۔ اور اس زمانہ میں اسی کا فقدان ہو رہا ہے۔ نیز ان کو پہچاننے کے لئے دوسری نظر ہونی چاہیئے کیونکہ ایک ہی شخص کسی کی نظر میں انتہائی محبوب ہوتا ہے اور وہی شخص دوسروں کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں

رکھتا۔ اس کی مثال سنئے :-

مثنوی شریف میں مولانا روم رحؒ یہ واقعہ لا رہے ہیں کہ خلیفۂ وقت نے ایک مرتبہ لیلیٰ کو دیکھا تو وہ کچھ زیادہ حسین وجمیل نہیں تھی اسکو بہت تعجب ہوا کہ آخر کس وجہ سے مجنوں اس پر عاشق ہے یہ تو کوئی ایسی خوبصورت بھی نہیں چنانچہ ازراہ تعجب اس سے کہا کہ تیری ہی وجہ سے مجنوں اس قدر حیران و سرگرداں ہے؟ جیسا کہ مولانا روم فرمارہے ہیں کہ ؎

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

لیلیٰ سے خلیفۂ وقت نے کہا کہ کیا تو ہی وہ ہے جسکی وجہ سے مجنوں حیران و پریشان ہو گیا ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی گفت خامُش چوں تو مجنوں نیستی

دوسرے خوبصورت لوگوں سے تو زیادہ اچھی تو نہیں ہے لیلیٰ نے اسکی اس بات کے جواب میں کہا کہ جب تم مجنوں نہیں ہو تو خاموش رہو۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اگر مجنوں کی آنکھ تمکو ہوتی تو میرے مقابل میں دونوں عالم تمھاری نظر میں ہیچ معلوم ہوتے

باخودی تو لیک مجنوں بیخود است در طریق عشق بیداری بد است

تم خودی میں ہو لیکن مجنوں بے خود ہے اسلئے کہ طریق عشق میں بیداری بُری چیز سمجھی جاتی ہے۔ محبت عقل وخرد کے تابع نہیں ہوا کرتی۔

اس واقعہ کو مولانا روم رحؒ اس پر لا رہے ہیں کہ ہر طالب اپنے مطلوب کو پہچانتا ہے اور اس کی قدر جانتا ہے۔ نیز اس کے پہچاننے کے لئے یہ آنکھ نہیں ہوتی بلکہ دیدۂ بصیرت ہونی چاہیئے۔ اور جو اللہ کا طالب ہوتا ہے اسکو دیدۂ بصیرت حاصل ہوتا ہے تب ہی آدمی کسی اللہ والے کو بھی پہچانتا ہے۔ جو کسی کا طالب ہوتا ہے جس طرح وہ اپنے مطلوب کی قدر جانتا ہے اسی طرح مطلوب بھی اپنے طالب کی قدر پہچانتا ہے۔ طالب کی طلب اس کو مجبور کر دیتی ہے۔ اس پر ایک واقعہ سنئے :-

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص گئے انھوں نے ان سے فرمایا کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ چنانچہ وہ فوراً واپس چلے آئے کچھ دنوں بعد وہ پھر ان کی خدمت میں گئے تو فرمایا کچھ دیر ٹھہر جاؤ اور پھر واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد وہ حکم کے مطابق چلے گئے۔ اور پھر کچھ دنوں کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو کچھ نہیں فرمایا۔ اس کے بعد ان سے فرمایا کہ میں اس مرتبہ بھی چاہتا تھا کہ تم سے کہدوں کہ چلے جاؤ۔ مگر میری زبان میرے اختیار میں نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے زبان کو پکڑ لیا۔ اور میں کہہ نہ سکا۔ اس سے میں نے سمجھا کہ تم طالب ہو اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہو مجھ سے تم

کو نفع پہونچے گا اور تمہارا حصہ نہیں ہے۔

دیکھا آپ نے وہ بزرگ ان کو نکالنا چاہتے تھے مگر نکال نہیں سکے اور ان کی زبان پکڑ لی گئی اس لئے کہ وہ شخص خدا کا طالب تھا اور اپنی طلب میں صادق تھا۔ اسی لئے بار بار انکی خدمت میں باوجود نکالنے کے جاتا رہا بالآخر اس کی صدق طلب نے ان پر اثر ڈالا۔ اسی کو میں نے کہا تھا کہ طلب مجبور کرتی ہے۔ جب آدمی صدق طلب اور حسن عقیدت کے ساتھ کسی اللہ والے کے پاس جاتا ہے تو اس کو ضرور نفع پہنچتا ہے۔

ابتدا میں حضرت مولانا تھانوی رح مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے خدمت میں تشریف لے گئے تھے مگر چونکہ عقیدت سے گئے تھے اس لئے مولانا گنج مرادآبادی نے جو کچھ فرمایا اس کا بالکل برا نہیں مانا۔ پھر اس کے بعد مولانا رح نے حضرت کے ساتھ بڑی مہربانی اور لطف فرمایا۔ اور لوگوں سے فرماتے تھے کہ یہ شخص ایسا ایسا ہونے والا ہے۔

مولانا سید سلیمان صاحبؒ کہتے تھے کہ میں نے مولانا تھانوی رح کے پاس جانے میں عجلت نہیں کی بلکہ ان کی تقریباً ایک ہزار کتابیں دیکھیں۔ میں نے کسی سے یہ بات سنی نہیں کہ کسی کے پاس جانے کیلئے فہم کی ضرورت ہے کہ پہلے آدمی کہیں جائے تو سمجھ بوجھ کر جائے وہ ہی فرماتے تھے کہ کسی بزرگ کے پاس جانے سے پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لینا چاہیئے کہ بزرگ ہیں یا نہیں۔ اور جب تحقیق کو پہنچ جائے اور بزرگوں کی خدمت میں چلا جائے تو اس کے بعد پھر چون وچرا نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے میں نے تاخیر کی مگر جب میری سمجھ میں بات آگئی تو اب جو کچھ فرمادیں بجا ہے۔ بے چون وچرا قبول کروں گا۔

سبحان اللہ بہت عمدہ بات ہے۔ طالب کی شان ایسی ہی ہوتی ہے۔ بلا شبہ بعد تحقیق کے ہی کہیں جانا چاہیئے اور جب کہیں جائے تو تصحیح نیت کرلے تب جائے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِمْرَاَۃٍ یَّتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ۔ یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور آدمی کے لئے وہی ہے جسکی وہ نیت کرے پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے اس کی ہجرت تو اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ وہ حاصل ہوجائے یا کسی عورت کے لئے ہو کہ اس سے نکاح ہوجائے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف سمجھی جائیگی جسکی اس نے نیت کی۔

شراح حدیث فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کتب حدیث کا طلیعہ ہے اور ابتداء کتاب میں تصحیح نیت کیلئے لائی جاتی ہے۔ لیکن اب ہمارے طلباء کو سمجھایا جاتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آخر تک ان کی

نیت صحیح نہیں ہوتی. اسکی اصل وجہ میرے نزدیک یہ معلوم ہوتی ہے کہ نیت کا مفہوم ہی واضح نہیں ہوتا یہ لوگ نیت کو لسان کا فعل سمجھتے ہیں حالانکہ نیت فعل ہے قلب کا اور اس کی تصحیح ہیں اور نیت کے سمجھنے اور سمجھانے میں بہت دیر لگتی ہے. یہ آسان کام نہیں ہے بہت مشکل ہے. بزرگوں نے اس پر زبردست بحث کی ہے. حضرت مولانا رح طلباء کے لئے فرماتے تھے کہ اگر کوئی تحصیل علم میں استعداد کی نیت کرے گا تو اس کو استعداد حاصل ہو جائے گی. لیکن علم سے جو اصل مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب وہ نہیں حاصل ہوگا. اور اگر یہ نیت کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کا قرب علم کے ذریعہ سے حاصل کرے تو استعداد بھی ہو جائیگی اور رضا و قرب بھی حاصل ہوگا۔

اس سلسلے میں امام غزالیؒ کے ابتداء تعلیم کا ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ بادشاہ وقت بھیس بدلکر مدرسہ نظامیہ میں گیا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ اسی مدرسہ میں امام غزالی بھی پڑھتے تھے۔ اور جاکر الگ الگ طلباء سے دریافت کرنا شروع کیا کہ علم سے تمہارا کیا مقصود ہے. سب نے مختلف جوابات دیئے. کسی نے منصب قضا اور کسی نے منصب افتاء کے لئے اپنی نیت بتائی. جب امام غزالی سے پوچھا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا وجود اور وحدانیت بدلیل عقل و نقل ثابت کیا. اس لئے کہ سوچا ہوگا کہ یہ شخص کہیں منکر نہ ہو. پھر اس کے بعد فرمایا کہ میں علم اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کو معلوم کروں اور مرضی الٰہی کے مطابق عمل کروں. بادشاہ ان کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اس نے ظاہر کر دیا کہ میں بادشاہ ہوں اور میں نے اور لوگوں کے جوابات سے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ آج سے اس مدرسہ ہی کو بند کر دوں اس لئے کہ کوئی بھی اللہ کے لئے علم حاصل کرنے والا نہیں روپیہ فضول ضائع ہو رہا ہے مگر آپ جیسے طالب علم جب اس مدرسہ میں موجود ہیں تو میری محنت وصول ہو گئی. اب آپ کی وجہ سے اس مدرسہ کو باقی رکھونگا۔

دیکھئے امام غزالیؒ کے اس واقعہ سے تحصیل علم کے باب میں نیت کی تصحیح کا مسئلہ کیسا واضح ہوا. اور ان کے حسن نیت کی برکت کیسی ظاہر ہوئی کہ انہی کی وجہ سے بادشاہ نے مدرسہ کو باقی رکھا ورنہ اس نے طے کر لیا تھا کہ مدرسہ ہی کو بند کر دے. یہاں یہ بات بھی ظاہر ہے کہ امام غزالی رح کا وہ زمانہ ابتداء تعلیم کا تھا کہ انکو اس وقت کوئی بھی نظر میں نہیں لاتا ہوگا. لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کی شخصیت کو تمام عالم نے تسلیم کیا. اور اتنے بڑے شہرۂ آفاق امام ہوئے۔

اسی طرح ہم بھی جب مدرسہ میں پڑھتے تھے تو ایک طالب علم ہم لوگوں کا مذاق اڑاتا تھا اسکی یہ عادت تھی کہ صوفیوں کا بھی مذاق اڑاتا تھا اور علماء کا بھی مذاق اڑایا کرتا تھا. تو ہم اپنے دل میں یہ کہتے تھے کہ ہم لوگ جب ایسے ہیں تب ہی تو ایسا کر رہے ہو. مگر ہو سکتا ہے کہ اسی میں کوئی شخص ایسا بھی

نکل آئے جس طرح اس بوریے مدرسہ میں امام غزالیؒ نکل آئے۔ چنانچہ آپ یہ جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق سے افضل اور سب انبیاء میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں اور باوجود اس کے بشر بھی ہیں اور مخلوق ہی میں رہتے ہیں اسی طرح کوئی اللہ کا بندہ جو اللہ کا دوست اور ولی ہو وہ بھی انہی لوگوں میں رہتا ہوگا۔ اسی لئے کہا گیا ہے ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی خاکساروں کو بنظر حقارت مت دیکھو تم کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ اس گرد میں کوئی سوار ہو۔

چنانچہ جو لوگ کہ ہنستے تھے ان کا حال بعد میں کچھ اچھا نہیں دیکھا۔ معلوم نہیں اب وہ بیچارہ کہاں ہے ورنہ اس سے پوچھتے کہ اب کیا رائے ہے؟ ایک طالب علم جو ہمارے ساتھی تھے اس شخص کے بارے میں کہنے لگے کہ فلاں آدمی کو میں نے دیکھا کہ نماز بھی ٹھیک سے نہیں پڑھتا تو میں نے کہا کہ تم کو یاد نہیں وہ ہم لوگوں پر ہنستا تھا۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہی حال مل گیا اور عمل کی توفیق نہیں ہوئی۔ یہ استہزاء و مذاق اڑانا کفار و منافقین کی صفت ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسی طرح پیش آتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○ افسوس بندوں کے حال پر کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جسکی انھوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔

ایسے لوگ اسی خصلت بد کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوتے ہم نے بزرگوں کے یہاں خود دیکھا ہے کہ ان کی خدمت میں بہت لوگ جاتے ہیں مگر جو آدمی ان میں سے کچھ ہونے والا ہوتا ہے اسی کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں۔ بعضے لوگ بعد میں مجھ سے کہتے تھے کہ آپ تھانہ بھون میں بولتے نہیں تھے؟ میں نے کہا کہ بھائی میں وہاں سننے کے لئے گیا تھا بولنے کے لئے نہیں۔ جب کوئی قراءۃ کرے تو سامعین کو چاہیئے کہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ یعنی جب قرآن کی قرات کیجائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو امید کہ تم پر رحم کیا جاویگا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص مقتدی ہو تو اسکو ساکت و صامت رہنا چاہیئے پھر وہی مقتدی جب مقتدا اور امام ہو جائیگا تب قراۃ کرے گا جب تک مقتدی ہے اس وقت تک اس کے لئے استماع و انصات لازم ہے۔ اسی کو مولانا روم فرمارہے ہیں کہ جو حالت مقتدی کی امام کے پیچھے ہوتی ہے بالکل اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہونی چاہیئے جو بزرگوں کے پاس رہتے ہیں یعنی ان کو چاہیئے کہ باتوں کو سنیں اور بولیں نہیں۔ پھر جب یہ کام خود اس کو سپرد ہوگا۔

اور اصلاح وارشاد کے لئے خود وہ بیٹھے گا اس وقت اس کے لئے بولنا ضروری ہوگا۔ اور اگر اب نہیں بولے گا تو اس میں نقص سمجھا جائیگا۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے جو بولتے نہیں تھے۔ ان کے مریدوں نے حضرت حاجی صاحب رح سے شکایت کی کہ ہمارے پیر بولتے نہیں ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کا سر پکڑ کر فرمایا کہ پیر کو لسان ہونا چاہئیے اور مرید کو کان، اور یہ بھی فرمایا کہ بھائی بولو۔ تمہارے مرید تمہارے بولنے کے مشتاق ہیں۔

سبحان اللہ حضرت حاجی صاحبؒ نے کیسی عمدہ بات ارشاد فرمائی کہ شیخ کو لسان ہونا چاہئیے اور مرید کو کان، اسلئے کہ شیخ ایسے مقام میں ہوتا ہے کہ اس کے لئے تکلم ضروری ہے اگر نہیں بولے گا تو طریق واضح نہیں ہوگا۔ لہذا نہ بولنا گویا شیخ کے لئے عیب ہے اور مرید کے لئے سکوت لازم ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ خاموش نہیں رہے گا تو پھر شیخ کی باتوں کو نہ سن سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے ویسے ہی بالکل کورا رہ جائیگا۔ لہذا مرید کے لئے شیخ کے سامنے بولنا عیب کی بات ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تکلم اور سکوت کے مواقع ہوتے ہیں ہر ایک اپنے موقعہ اور محل میں مناسب اور بے محل نامناسب ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ قشیری رح جو تصوف میں امام سمجھے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اَلسُّکُوْتُ فِیْ وَقْتِہٖ صِفَۃُ الرِّجَالِ کَمَا اَنَّ النُّطْقَ فِیْ مَوْضِعِہٖ اَشْرَفُ الْخِصَالِ۔ یعنی سکوت اپنے وقت میں رجال کی صفت ہے جیسے کہ نطق اپنے محل میں اشرف خصال ہے۔

جو بات علامہ قشیری رح نے فرمائی ہے یہی بات حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی فرمائی۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ طریق کا نچوڑ ہے۔

جب کوئی شخص خطاب کرے تو مخاطب کو خاموش ہی رہنا اور اس کی طرف کان لگائے رکھنا ضروری ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جب جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر آتے تھے اور اس کی تلاوت حضورؐ کے سامنے شروع کرتے تو حضورؐ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جس کی وجہ سے دوہرا تعب ہوتا تھا۔ ایک تو سننے کا دوسرے یاد رکھنے کا تو آیت نازل ہوئی کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ یعنی اے پیغمبر آپ (قبل وحی کے ختم ہوچکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں کیونکہ ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کردینا اور (آپ کی زبان سے) اس کا پڑھوا دینا۔ تو جب ہم اسکو پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ (اپنے ذہن سے اور فکر سے ہمہ تن) اس کے تابع ہوجایا کیجئے۔ پھر آپ کی زبان سے لوگوں کے سامنے اس کا بیان کرا دینا بھی

ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی آپ کو یاد کرا دینا اور آپ کی زبان پر جاری کرا دینا پھر تبلیغ کے وقت بھی اس کا یاد رکھوانا اور لوگوں کے سامنے پڑھوا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔

یہ مضمون استطراداً آگیا تھا۔ بات اس پر چلی تھی کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ جب استعداد کی نیت سے علم حاصل کرے گا۔ تو استعداد ہو جائے گی۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ اگر وہ نیت نہ بدلے تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ بلکہ رضا فوت رہے گی۔ اور اگر کوئی شخص رضا کا طالب ہو تو استعداد بھی ہوگی اور رضا بھی حاصل ہوگی۔ لہذا علم سے رضا ہی مطلوب ہونی چاہیئے اور مقصود اصلی اسی کو بنانا چاہیئے جب اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے تو علم بھی دیدینگے۔ مگر ابنائے زمانہ کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان کی نیت درست ہی نہیں ہوتی۔ اور بعضے تو اخیر وقت تک اسی بدنیتی میں رہ جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں حضرت مولاناؒ کے یہاں جا رہا تھا۔ ایک آدمی میرے ساتھ ہو گیا۔ راستہ بھر میری ہی خدمت کرتا رہا۔ جب کوئی اسٹیشن آتا تھا تو وہ فوراً اتر کر پانی لاتا اور مجھے وضو کراتا تھا۔ اسی طرح راستہ بھر معاملہ رہا جب سہارنپور پہنچا اور وہ مجھ سے رخصت ہونے لگا اس کو معلوم ہوا تھا کہ میں حج کو جا رہا ہوں تو کہا کہ آپ وہاں جا رہے ہیں، میرے لئے دعا کیجئے گا کہ میں مقرر ہو جاؤں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر اسکو دعا ہی کرانی تھی تو اس بات کی دعا کراتا تاکہ علم آجائے۔ اس پر عمل کی توفیق ہو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ خیر۔ چونکہ اس نے میرے ساتھ احسان کیا تھا اس لئے میں چپ رہا اور وہاں پہنچنے کے بعد اس کے لئے دعا کر دی۔ پھر بعد میں معلوم ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں بعد مقرر ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اصل میں فتور نیت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عام طور پر یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ جو شخص مقرر ہوتا ہے۔ اور اسکو بولنے کی مشق ہو جاتی ہے وہ بہت سے لوگوں کو اپنی تقریر سے گھیر لیتا ہے۔ بس اسی کو مقصود سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں اس پر سخت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ ابن ماجہ میں ہے عَنْ اِبْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُمَارِیَ بِہِ السُّفَہَاءَ اَوْ لِیُبَاہِیَ بِہِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِیَصْرِفَ وُجُوْہَ النَّاسِ اِلَیْہِ فَھُوَ فِی النَّارِ۔ یعنی ابن عمر روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم اس لئے حاصل کرے کہ سفہاء سے جدال کرے گا یا علماء کے ساتھ مباہات و تفاخر کرے گا یا لوگوں کے چہروں کو اپنی طرف پھیرے گا تو وہ جہنم میں ہوگا۔

اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلَا لِتُمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ وَلَا تَخَيَّرُوا بِهِ الْمَجَالِسَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَالنَّارَ النَّارَ (ابن ماجہ صفہ ٢٢)

یعنی حضرت جابر ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم اس لئے مت سیکھو تاکہ علماء سے تفاخر کرو اور نہ اس لئے تاکہ سفہاء سے جدال کرو اور نہ اسلئے تاکہ اس کے ذریعہ مجالس کو جمع کرو بس جو شخص ایسا کریگا اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور میں پھر کہتا ہوں کہ اسکا ٹھکانا جہنم ہے۔

اب چونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا چھوڑ دیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر ان کے رخ کو بدل دیا ہے اور ہم لوگوں کی برائی آپ کے دلوں میں ڈالدی ہے۔ چنانچہ عالموں کی وڈیروں کی سب سے زیادہ برائی میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے اس سے ہم یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب ہم نے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اختیار کی ہے تب ہی تو تم کہہ رہے ہو اور ہمارا مطمح نظر جب آپ لوگ ہیں تب ہی تو آپ کا رخ بدل گیا ہے؟ ورنہ لوگوں نے بادشاہوں کی بھی پروا نہیں کی بلکہ ان کو ڈانٹ تک دیا ہے تم کو کیا سمجھتے کہ تم کس کھیت کے بتھوے ہو اور تمہاری کیا مجال تھی کہ تم ذرا بھی لب کشائی کرتے لیکن بات یہ ہے کہ چونکہ مخلوق کے لئے ہم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم سے مخلوق کو ناراض کر دیا اور یہ شعر بالکل صادق آرہا ہے ؎

میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے　　　سوا　　　ساری دنیا کے ہوئے میرے

یہ گفتگو درمیان میں طویل ہو گئی اور یہ مضمون استطرادی تھا۔ اب مضمون سابق کی طرف عود کرتا ہوں۔ جو آیتیں میں نے آپ کے سامنے اس وقت پڑھی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے کوئی بڑا پتھر رہا ہوگا اس میں بارہ ١٢ گھاٹ ہو گئے۔ اس آیت میں مشرب کا ذکر ہے۔ اسی پر کچھ کہنا چاہتا ہوں پھر تلاوت کے متعلق کلام کروں گا۔ اور جب اس مضمون کو چھیڑا ہے تو آپ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اس وقت ایک گھاٹ سے پانی پلانا چاہتا ہوں۔

سنئے! قرآن میں مشرب کا ذکر بھی آیا ہے اور اس کی جمع مشارب آتی ہے اس کا بھی ذکر آیا ہے۔ چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کا ذکر فرمایا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ یعنی جس طرح جانوروں سے بہت سے منافع ہیں مثلاً گوشت، کھال، اُون اور اس قسم کے دیگر منافع اسی طرح مشارب یعنی پینے کی چیز جان سے حاصل ہوتی ہے جیسے دودھ۔ گھی وغیرہ۔ یہ بھی ایک خاص منفعت ہے اور مشرب کے لغت میں یہی معنیٰ ہیں۔ یعنی پینے کی جگہ اور ایک معنیٰ مشرب کے وہ بھی ہیں جسکو عرف میں مشرب سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ فلاں حنفی المشرب یا شافعی المشرب

ہے تو آپ بس اتنا ہی جانتے ہوں گے۔ لیکن صوفیاء کرام بھی ایک مشرب رکھتے ہیں اور اسی سے اللہ والے معرفت کا پانی پیتے ہیں۔ میں اس وقت آپ کو اسی کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح بنی اسرائیل کیلئے بارہ مشارب تھے اور ان کے بارہ قبیلے کے سرداروں نے اپنے لوگوں کو اپنا اپنا مشرب بتلا دیا تھا جس سے ہر آدمی نے اپنا اپنا مشرب جان لیا۔ اس سے میں یہ استدلال کر رہا ہوں کہ وہاں تو بارہ گھاٹ تھے اور ان کے مختلف مشرب تھے اسلئے ان میں بہت اختلاف ہوا لیکن ہمارا مشرب ایک ہے ہم سب کے سب محمدی المشرب ہیں ہم ایک گھاٹ سے پانی پی رہے ہیں اور وہ مشرب وہی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیتے ہیں یعنی توحید کا مشرب۔ سب سے بڑی توحید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اسی سے آپ سیراب ہیں تو پھر جب ہم حضور کے مشرب سے سیکھیں گے تو وہی مشرب ہمارا بھی ہوگا یعنی ہم کو بھی توحید حاصل ہوگی اور چونکہ وہی آپ کا بھی مشرب ہے اس لئے رسالت بھی اسی میں آگئی یعنی ہمارا مشرب توحیدؔ رسالت دونوں ہی ہیں اور یہی دونوں اصل ہیں جب ان دونوں کو چھوڑ دوگے تو دین بس نام ہی نام کو رہ جائیگا جیساکہ اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ شریعت موجود اور پھر اختلافات موجود آخر یہ اختلاف آیا کہاں سے؟ اس کا اصل سبب یہی ہے کہ قوم اپنے مشرب سے ہٹی ہوئی ہے اور جب سب کا ایک گھاٹ نہیں رہے گا تو اختلاف دھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○

یعنی بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جُدا جُدا کر دیا اور گروہ گروہ بنگئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے۔ پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلادیں گے۔

جب ساری امت محمدی المشرب ہے تو سب کو ایک ہی گھاٹ سے پینا چاہیئے جب مختلف مشارب ہوں گے تو اس کا لازمی نتیجہ اختلاف [illegible] ہے۔ یہ کہہ رہا ہوں کہ حضورؐ نے تو ایک مشرب بنایا بنایا ہے لیکن تم اس پر آنا نہیں چاہتے ہو اس لئے کہ یہ مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے لئے بڑی طلب کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ سمجھ کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر مرشد کامل کے رہبری کی ضرورت ہے۔ بات تو صاف ہے مگر چونکہ روش بدل گئی ہے اسلئے سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ جب کام بگڑ جاتا ہے اور مختلف طریقے ہو جاتے ہیں اور قوم اپنے مرکز سے دور ہو چکی ہوتی ہے تو پھر سب کو ایک مرکز پر لانا دشوار ہو جاتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال نہ ہو اس وقت تک سب کو ایک مرکز پر جمع کرنا بڑا مشکل ہے۔ یہ کام نہ تو عقل سے ہو سکتا ہے نہ فہم اور ظاہری تدبیر سے۔ دنیا میں محض اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق ہی سے راستہ ملتا ہے ورنہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت نہ ہو اور توفیق شامل حال نہ ہو تو طغیان میں بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ یعنی وہ لوگ

اپنے طغیان میں بھٹکتے ہی رہتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ ہی سے ہدایت اور توفیق بھی طلب کرنا چاہیئے اور صحیح راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

اب میں تلاوت سے متعلق کلام شروع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ۔ اس آیت میں حضورؐ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اُتْلُ یہ امر کا صیغہ ہے اور اس سے خطاب حضور کو کیا جا رہا ہے اور اس کے مخاطب اوّلی تو آپ ہی ہیں لیکن بالواسطہ تمام امت کو خطاب ہے اس لئے سب کے لئے تلاوت کلام اللہ مامور بہا ہوئی اور اس کا امر اسلئے کیا گیا ہے کہ اس سے تقرب الی اللہ ہوتا ہے بلکہ سب سے بڑا ذریعہ قرب خداوندی کا تلاوت ہی ہے۔ چنانچہ قاضی بیضاوی کی عبارت تقربا الی اللہ تعالیٰ بقرأته وتحفظا لالفاظہ واستکشافا لمعانیہ کی توضیح و تشریح آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں آج اس پر مزید کلام کرتا ہوں سنیئے۔

ملفوظات حضرت خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ میں ہے :۔

" فرمایا کہ جو مرید اور پیر موافق کتاب وسنت نہ ہو وہ پیر بھی رہزن اور مرید بھی۔ اور کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہیں۔ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کیا کرے کہ اس کا نتیجہ سب طاعتوں سے بڑھ کر ہے۔"

یہ اس لئے فرمایا کہ قرآن میں سب چیزوں کا ذکر ہے جنت کا بھی ذکر ہے اور دوزخ کا بھی اور قرب ورضا کا بھی۔ اور قرأۃ قرآن سے خدا کے ساتھ مناسبت بڑھتی جاتی ہے۔ آپ نے تقرب کا لفظ بہت سنا ہوگا میں کئی روز سے اسی کی تشریح کر رہا ہوں اور اس کا مطلب بیان کر رہا ہوں اور اسکا حاصل اللہ تعالیٰ سے نسبت اور ان کی معیت ہے۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ یعنی جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا جلیس ہوتا ہوں اور فرماتے ہیں کہ اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ یعنی میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ آپ لوگوں میں بہت سے لوگ حافظ بھی ہیں ان سے خصوصیت سے کہتا ہوں کہ حفظ تو تم نے کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ سے مناسبت کب پیدا کروگے ؟ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے تعلق کے لئے نماز اتاری ہے اسی طرح قرآن بھی اتارا ہے اسلئے اب اس سے بہتر چیز اپنے تک پہونچانے کے لئے اور کونسی گوارا فرمائیں گے۔ یا آپ کے اعتقاد کے لئے کیسے جائز رکھیں گے کہ آپ کسی دوسرے چیز کو اس سے بڑھ کر تقرب کا ذریعہ سمجھیں۔ یہیں سے گمراہی آئی ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے قرب میں سب سے زیادہ دخل رکھتی ہے اسی میں قرب کا اعتقاد نہیں رہا۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہی کہنے کے لئے میں الٰہ آباد سے آپ کے پاس آگیا ہوں۔ اور اس مضمون

کو وہاں بھی بہت شد و مد سے برابر بیان کرتا رہا ہوں۔

چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ جب سے آپ نے اس چیز کی طرف توجہ دلائی میں نے سب چھوڑ دیا اور اب صرف قرآن شریف ہی کو لے لیا ہے اور لوگوں سے اسی کی بحث کرتا ہوں اور یہ بھی کہا کہ اگر آج سب علماء ملکر یہی کرنے لگیں تو ہندوستان میں اجالا ہو جائے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے ورنہ ہم تو بالکل جان توڑ رہے ہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں اور یہ جو ہمارے پاس اتنی اتنی کثیر تعداد میں لوگ آتے ہیں اس آنے کو ہم خاطر میں نہیں لاتے۔ اسلئے کہ صرف آنے جانے سے کیا ہوتا ہے۔ مگر یہ آنا جانا ختم بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ اس کے متعلق آپ سے کہہ چکے ہیں کہ دین کی حقیقت اور اصل دین تو بہت دن ہوئے مٹ چکی اور یہ لوگوں کا آنا جانا یہ ظاہری صورت ہے دین کی اسکو آپ مٹا نہیں سکتے۔ اگر آپ چاہیں کہ صورت دین کو بھی ختم کر دیں تو یہ نہیں ہو سکتا۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ یعنی اگر تم لوگ تولیؔ اور اعراض کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دینگے لیکن یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا اور جو لوگ اس کے برعکس کہتے ہیں ان کا خیال غلط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہے۔ یہ گاڑی ابتک علماء چلاتے آئے ہیں اب تم اس کے خلاف کرنا چاہو گے تو اُدھر سے پکڑ ہو جائیگی۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ زبردست سلسلہ ہے اللہ و رسولؐ کی طرف سے اسکی نصرت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عُلَمَاءُ امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی جس طرح بنی اسرائیل میں انبیاء کا سلسلہ قائم رہا اسی طرح میری امت کے علماء برابر اس کام کو انجام دیتے رہیں گے۔

اور فرماتے ہیں :۔

لَایَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ۔ یعنی ہمیشہ ہماری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی اور ان کی منجانب اللہ نصرت ہوتی رہے گی۔ لوگوں کا ان کی نصرت چھوڑ دینا اور ان کی مخالفت کرنا ان کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اب جو لوگ ان کے خلاف ادھر اُدھر کی باتیں کہتے ہیں وہ خود اپنے پیروں میں کلہاڑی مارتے ہیں۔ اور اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف یہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنی کتاب اتاری ہے تو اس سے بہتر اور اس سے بڑھ کر کون سی چیز موصل الی اللہ ہو سکتی ہے۔ معانی اور مطالب کا سمجھنا علماء کے ذمہ ہے اور ایک جماعت ایسی بھی

ہونی ضروری ہے جو قرآن کے معانی کا علم رکھتی ہو۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر ساری امت اسکو چھوڑ دیگی تو سب گنہگار ہوں گے۔ لیکن تلاوت کا تو ہر شخص مکلف ہے اور اس کی فضیلت احادیث میں بکثرت وارد ہے اور ترک تلاوت پر وعید شدید آئی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کی کوئی آیت دیا گیا اور اسکو اس نے بھلا دیا تو قیامت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اجزم حاضر ہوگا یعنی اس کے چہرے سے گوشت کٹ کٹ کر گر جائیگا۔

دیکھئے اس میں قرآن کے بھلا دینے پر کس قدر وعید آئی ہے۔

یوں تو ذکر کی فضیلت بھی احادیث میں آئی ہے اور بزرگوں نے بھی ذکر کیا ہے۔ مگر میں یہ کہہ رہا ہوں کہ قرآن کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ اس میں ذکر سے مراد قرآن ہی ہے۔ تو اب آپ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کم ہے۔ یا موصل الی اللہ نہیں ہے۔ یہ کیسی گمراہی کی بات ہے کہ قرآن تو اسی کے لئے نازل ہوا ہے اور اس کے بارے میں آدمی یہ سمجھے کہ وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہے اور کوئی اس کو پڑھے گا تو پاوے گا نہیں۔ اس سلسلے میں قاضی بیضاوی کا کلام نقل کر چکا ہوں۔ انھوں نے خوب بات فرمائی اور میں نے اس کی شرح بھی آپ کے سامنے کی ہے اور انھوں نے جو یہ فرمایا کہ تَقَرُّبًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِقِرَاءَتِهٖ یعنی تلاوت قرآن سے مقصد اولی اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔

آپ کو سمجھانے کے لئے اسی بات کو میں ان لفظوں میں کہتا ہوں کہ قرآن موصل الی اللہ ہے یعنی اس کی قرات بندے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ ہم کو تو نہیں پہنچاتی تو ہم کہیں گے کہ آپ کو نہ سہی لیکن بہت سے لوگوں کو پہنچاتی ہے۔ جس طرح آپ کو ولایت کے درجات عالیہ حاصل نہیں ہیں لیکن ایمان کی وجہ سے ہم کہیں گے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ مومنین کا ولی ہے اس سے معلوم ہوا۔ کہ ہر مومن اللہ کا ولی ہوتا ہے تو گو نفس ولایت آپ کو بھی حاصل ہے لیکن ولایت کے اور بہت سے درجات ہیں جو آپ کو منکشف نہیں ہوئے مگر اس منکشف نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان درجات کا انکار نہیں کر سکتے اسلئے کہ بہت سے لوگوں کو منکشف ہوئے ہیں اور ان مراتب علیا پر وہ حضرات فائز ہوئے ہیں اسی طرح اس بات کو بھی سمجھئے کہ بہت سے لوگوں پر یہ بھی منکشف ہوا ہے کہ تلاوت کلام اللہ سب سے بڑھ کر موصل الی اللہ ہے۔ ان کو اپنے وجدان سے محسوس ہوتا ہے کہ جب وہ تلاوت کرتے ہیں تو ان کی روح اور وجدان دوسرے ہی قسم کا ہوجاتا ہے۔ اور وہ اس میں مست ہوجاتے ہیں اور وہ خود بھی دوسرے ہی طرح کے ہوجاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرات صحابہؓ جب نماز پڑھ کر آتے تھے تو ان کا چہرہ ایسا بدل جاتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ دوسرے قسم کے ہو گئے ہیں، یعنی ان کے چہروں سے ایسے آثار نمایاں ہوتے تھے کہ دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ یہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرکے آرہے ہیں۔

سبحان اللہ کیا شان تھی ان حضرات کی اور کیسا اثر تھا ان کے نماز کا اور کیسے کچھ ہوتے تھے ان کے احوال۔

اسی طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت میں ایک دن ایسا ہوگا کہ اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی ہوگی۔ جس سے ان کے چہرے بدل جائیں گے۔ جب وہ اپنے محلوں میں واپس آئیں گے تو حوریں ان کو دیکھ کر کہیں گی کہ ہم تمہارا چہرہ بدلا ہوا پاتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ تم وہ نہیں ہو تو وہ لوگ جواب دینگے کہ نہیں ہم تو تمہارے ہی ہیں اور ہم پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوئی ہے جس کے اثر سے تم بدلا ہوا دیکھتی ہو۔

پس جس طرح نماز سے قرب ہوتا ہے اور اس کے آثار نمازی کے چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں اسی طرح تلاوت سے بھی قرب ہوتا ہے اور تالی اسکو وجداناً محسوس کرتا ہے اور اس کے چہرے سے بھی کچھ دوسرے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ لیکن اب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز و تلاوت وغیرہ سے ولایت نہیں ملتی بلکہ جو کپڑا تک اتارے پھرتے ہیں اور بالکل ننگے ہو جاتے ہیں ان میں ولایت اور بزرگی یقیناً جانتے ہیں۔ اب ہم اسکو کیا کہیں آپ کو تو کچھ کہتے نہیں لیکن اپنا سر البتہ پیٹ لیں گے کہ ایسا وقت آگیا کہ صحیح بات سمجھانا مشکل ہو گیا ہے۔

اس سر پیٹنے پر ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک عالم نے کسی جگہ مسئلہ بتایا اور وہ عالم وہاں پر مسلّم تھے۔ لوگ ان کے مسئلے کو مانتے نہیں تھے۔ بس وہ بیچارے دونوں ہاتھوں سے اپنے رخساروں کو پیٹتے تھے۔ یہ سوچکر کہ میں ہی تو یہاں کا مولوی ہوں اور ان کو حکم شرعی بتلا رہا ہوں مگر مانتے نہیں چاند کا شرعی ثبوت ہو چکا تھا۔ مگر وہ لوگ اس لئے اختلاف کرتے تھے اور اس کو مانتے نہیں تھے کہ درزی اور دھوبی نے کپڑے نہیں دیئے تھے تو عید کیسے ہوتی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ایک آدمی تو دلیل شرعی سے کہہ رہا ہے اور دوسرا آدمی محض کپڑا نہ تیار ہونے کی وجہ سے اسکو نہیں مانتا اور یہ کہتا ہے کہ بغیر کپڑے کے ہماری عید کیسے ہوگی؟ ایک درزی نے اس کا خوب ہی جواب دیا کہ آپ کی عید تو ہو جائیگی لیکن آپ کے کپڑے کی عید نہیں ہوگی اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ جو کپڑا پہنے ہوئے ہیں باوجودیکہ وہ پرانا ہے مگر بقدر ضرورت ستر پوشی کے لئے کافی ہے۔ اسلئے اس سے نماز تو ہو ہی جائیگی۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ آپ جو سمجھے ہوئے ہیں کہ قرآن موصل الی اللہ نہیں ہے یہ غلط خیال ہے اور بزرگوں سے جو سلسلہ چلا آرہا ہے اس کے خلاف ہے۔

اور علامہ بیضاوی رحؒ نے جو تحفظاً لالفاظہٖ کہا ہے۔ یعنی تلاوت قرآن کے مامور بہا ہونیکی دوسری وجہ اس کے الفاظ کی حفاظت ہے۔ میں نے اس کو اور واضح کیا کہ تحصیلاً لحلاوتہٖ یعنی قرآن کے جو الفاظ ہیں تلاوت کے ذریعہ ان کا تحفظ تو ہوتا ہی ہے لیکن بار بار پڑھنے سے ایک خاص حلاوت ملتی ہے۔ جس طرح سماع وغیرہ میں کسی شعر کو جو بار بار پڑھا جاتا ہے تو اسی لئے کہ اس میں کوئی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے شاعر ایک شعر کو بار بار تکرار کرتا ہے۔ حتیٰ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ایک شعر آدھ آدھ گھنٹہ تک پڑھتا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح قاری قرآن جو تلاوت کرتا ہے تو بار بار کرنے سے اسکو ایسی کیفیت اور حلاوت اور خاص قسم کی مٹھاس حاصل ہوتی ہے یہانتک کہ ہوتے ہوتے اس سے محبت کامل ہوجاتی ہے۔ کل تو یہ کہہ رہا تھا کہ تلاوت ذریعہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے محبت کا اور جب عشق سنا تاہے تو اہل محبت کو اسی سے تسلی ہوتی ہے۔ لیکن آج یہ کہہ رہا ہوں کہ تلاوت کرنے سے خود اسی سے عشق ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عشق تو جب وہاں جائے گا تب ہوگا۔ وہ اُس دار کی چیز ہے۔ اور یہاں دار دنیا میں قرآن ہی سے عشق ہوجاتا ہے اور اس درجہ عشق ہوجاتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے بھی اس سے جدائی کسی طرح گوارا نہیں۔ اور بالکل وہ کیفیت ہوجاتی ہے جیسے مچھلی پانی سے باہر خشکی میں آجائے تو لوٹنے لگتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کی تلاوت سے اگر کچھ بھی حصہ ملا ہے تو وہ چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ آپ لوگوں میں بہت سے قاری بھی ہیں اور امام بھی۔ تلاوت بھی کرتے ہیں لیکن ابھی یہ درجہ تلاوت کا حاصل نہیں ہوا۔ قرآن شریف سے عشق و محبت عین خدا سے عشق ہے۔ قرآن شریف سے مناسبت اور وصول ہوتا جاتا ہے تو حلاوت بڑھتی جاتی ہے اور پھر اس حلاوت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ قاضی بیضاوی رحؒ نے جو کچھ فرمایا ان کے الفاظ بھی صحیح ہیں۔ مگر میں دوسری بات کہہ رہا ہوں یعنی یہ کہ الفاظ میں مٹھاس ہوتی ہے اور لذت ہوتی ہے اور کلام اللہ کے تکرار سے وہ لذت برابر بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ دنیا کی کوئی لذت اور مٹھاس قلب میں باقی نہیں رہ جاتی۔ قرآن کے نزول سے مقصد ذاتی اور غرض اصلی یہی ہے۔ پھر علماء مشائخ کیلئے انکشاف معانی بھی ہوتا ہے اور اس کا ذریعہ بھی تلاوت ہی ہے یعنی وہ تلاوت کرتے جاتے ہیں اور معانی ان پر منکشف ہوتے جاتے ہیں انکی کتاب یہی ہو وہ اسی میں غرق رہتے ہیں اور وہ اپنی کتاب اسکو کیوں نہ بناویں جبکہ یہ مکتوب رب العالمین ہے اور اس کی طرف اعتنا عین حق تعالیٰ کی طرف اعتنا ہے اور اس کے ساتھ شغف عین حق تعالیٰ کے ساتھ مشغولی ہے۔ اسی طرح اس سے اعراض و بے اعتنائی حق تعالیٰ کو کسی طرح بھی گوارا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی شکایت فرمائی ہے۔

" چنانچہ توریت میں وارد ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) اے میرے بندو! کیا تم مجھ سے شرم نہیں کرتے کہ جب تمھارے کسی بھائی کا کوئی خط تمھیں راستہ چلتے ہوئے ملتا ہے تو تم راستہ سے کنارے ہو جاتے ہو اور اس کے لئے بیٹھ جاتے ہو اور اس کے ایک ایک حرف کو غور سے پڑھتے ہو کہ کہیں کوئی چیز تمھارے پڑھنے سے چھوٹ نہ جائے۔ اور یہ میری کتاب ہے جسکو میں نے تم پر نازل کیا ہے۔ دیکھو کس قدر میں نے اس میں تفصیل اور توضیح کی ہے۔ اور کتنا تمھارے لئے تکرار کیا ہے تاکہ تم اس کے طول و عرض میں تامل کرو۔ لیکن تمھارا یہ حال ہے کہ تم اس سے اعراض کرتے ہو کیا میں تمھارے ایک بھائی سے بھی کمتر ہوں

اور فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! تمھارا کوئی بھائی جب تمھارے پاس بیٹھا رہتا ہے تو تم کامل طور پر اسکی طرف متوجہ رہتے ہو اور اس کی گفتگو کی طرف ہمہ تن گوش بنجاتے ہو۔ اگر کوئی درمیان میں بولنے لگتا ہے یا کوئی شاغل تمکو اس کے کلام سے روکتا ہے تو تم اشارہ سے کہتے ہو کہ ٹھہرو۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ میں تو تمھاری جانب متوجہ ہوں اور تم سے ہم کلام ہوں اور تمھارا قلب مجھ سے اعراض کر رہا ہے۔ کیا تم نے مجھ کو اپنے ادنیٰ بھائی سے بھی کمتر سمجھ لیا ہے "
(احیاء العلوم)

دیکھا آپ نے اللہ رب العالمین اپنے بندوں سے یہ فرما رہے ہیں کہ ہماری کتاب کیسا تھ ایسی بے اعتنائی اور بے وقعتی کا برتاؤ کرتے ہو؟ گویا اسکی تمھارے نزدیک کوئی وقعت و عظمت ہی نہیں اس سے کہیں زیادہ تم اپنے دوست و احباب کے خطوط کی جانب توجہ کرتے ہو۔ اور اس میں غور و خوض کرتے ہو کہ کوئی حرف بلا پڑھے اور بغیر سمجھے نہ رہ جائے۔ کیا میں تمھارے دوست سے بھی کمتر ہوں؟ اور میرا کلام تمھارے دوست کے مکتوب سے بھی بے وقعت ہے؟

یہ کلام کس قدر غیرت دلانے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ مومن کا دل تو یہ سنکر موم ہی ہو جانا چاہیئے اور قرآن کی طرف کامل توجہ اور اعتنا ہونا چاہیئے اور کسی کلام کو اس پر فوقیت نہ دینا چاہیئے۔ اگر اب بھی جمود ہی رہے تو یہ مومن مخلص کی شان سے نہایت بعید امر ہے۔

الغرض اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جنکو سب سے زیادہ شغف خدا ہی کے کلام سے ہوتا ہے حتیٰ کہ قرآن ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے پھر انکو کیسی کچھ لذت و حلاوت ملتی ہے اسکو وہی جانتے ہیں دوسرا کوئی اسکا صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ اور بعضے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں بلکہ ترقی کر کے کہا جا سکتا ہے کہ اب تو زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں کہ اگر پورا قرآن بھی پڑھ جائیں تو نہ خود ان پر اس تلاوت کا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ سننے والوں ہی پر ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا اور پھر اسکے بعد کا حال

بیان فرماتے ہیں سنئے۔

"حضرت ابن عمر اور حضرت جندب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے (کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا) کہ ہم نے ایک مدت اس حال میں گذاری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو قرآن سے پہلے ایمان ملتا تھا پھر کوئی سورۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی تب وہ ایمان کے تقاضے سے اس سورۃ کے حلال وحرام کو معلوم کرتا تھا اور اسکے اوامر ونواہی کو معلوم کرتا تھا اور یہ بھی معلوم کرتا تھا کہ کہاں توقف کرنا مناسب ہے لیکن اب میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جنکو ایمان تو ابھی نہیں ملا لیکن قرآن مل گیا چنانچہ ایک شخص سورۃ فاتحہ سے ختم قرآن تک پڑھ جاتا ہے مگر اسکو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ قرآن اسے کس بات کا حکم کر رہا ہے اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ کہاں توقف کرنا چاہیئے۔ بس قرآن کو ردی کھجوروں کی طرح بکھیرتا چلا جاتا ہے"۔

مطلب یہ کہ جسطرح ردی کھجور کو آدمی دیر تک منہ میں نہیں لئے رہتا اسلئے کہ اسمیں کوئی مزہ ومٹھاس نہیں پاتا اسی طرح قرآن سے ذرا لطف وحظ جسکے قلب کو نہیں ملا ہوتا ہے اور دل میں کچھ بھی تأثر نہیں ہوتا وہ صرف زبان سے فرفر فر پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ذرا بھی غور نہیں کرتا کہ کس کے کلام کی تلاوت کر رہا ہے اسلئے اسکی قرأت نہایت پھیکی اور بے لطف معلوم ہوتی ہے۔ نہ تو خود اس کو کوئی حلاوت ملتی ہے اور نہ سامعین کو۔

ذرا اس پر غور فرمائیے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جندبؓ اپنا مشاہدہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں کہ شروع سے اخیر تک قرآن پڑھ جاتے ہیں اور اس کے احکام پر اصلاً غور نہیں کرتے۔ اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ ایمان سے پہلے ہی قرآن دیدیئے گئے ہیں۔ قرأت کر رہے ہیں مگر ایمان ندارد۔ یہ کتنی بڑی بات فرمائی۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے بہت ہی قریب کا زمانہ تھا پھر بھی احوال میں اسقدر تفاوت ہو گیا تھا تو اب جبکہ زمانہ عہد نبوی سے بہت ہی دور ہو چکا ہے اس زمانہ کے لوگوں کا حال تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ میں اپنا زمانہ کے حالات کو دیکھ دیکھ کر کہتا تھا کہ اگرچہ یہ لوگ قرأت وغیرہ کر رہے ہیں مگر ان کا ایمان ضعیف اور تصدیق نہایت کمزور معلوم ہوتی ہے ورنہ تلاوت ان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہے۔ جب ان پر کوئی اثر تلاوت کا نہیں ہوتا تو یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ضرور بالضرور ان لوگوں کی تلاوت نفاقی اور سرسری ہوتی ہے۔ اور اب تو حضرت ابن عمر وجندب رضی اللہ عنہما کے فرمانے سے اور تقویت ہوئی اور بات خوب سمجھ میں آئی لہٰذا اب تو علی الاعلان اس بات کو کہتا ہوں کہ تلاوت کرنیکے باوجود باطنی حالات جو نہیں بدل رہے ہیں اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ تلاوت بالکل سرسری اور صرف لسانی یعنی زبان ہی سے کی جاتی ہے ورنہ اگر ایمانی تلاوت کیجائے تو ضرور قلب پر اثر ہوگا اور اس تلاوت کا دوسرا ہی رنگ ہوگا۔ یعنی اسمیں ایک لذت وحلاوت ہوگی اور روز بروز بڑھتی ہوئی معلوم ہوگی۔

ابھی تلاوت پر مزید کلام کروں گا اور جب بحث چھیڑی ہے تو پوری کروں گا جو کچھ کہا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی تلاوت اور تلاوت کی حلاوت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
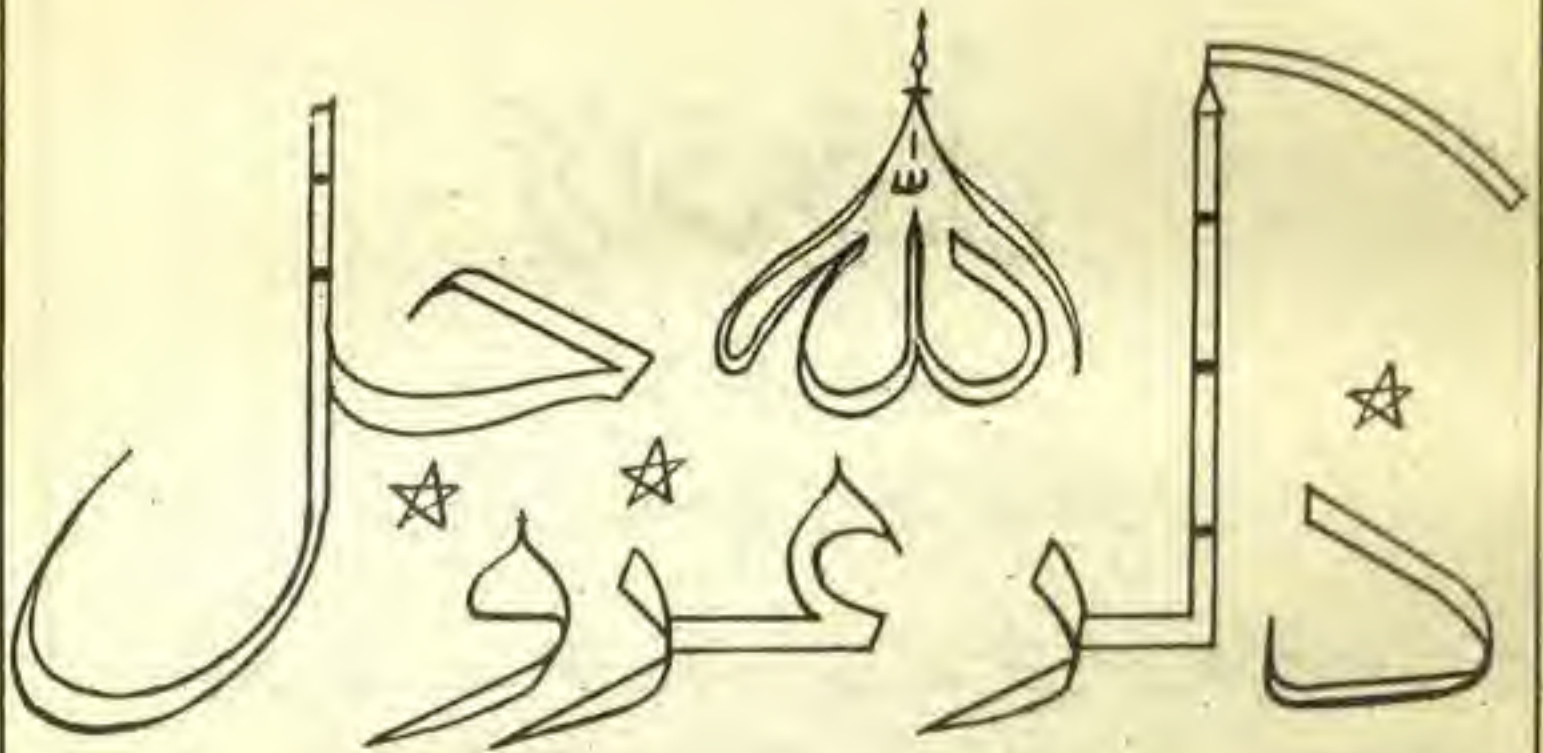
از افاضات

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہ

ناشر
دفتر: معرفت حق - ۲۳ بخشی بازار - الہ آباد۳

ذِکرُ اللہ عزّوجلّ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد ــــ تلاوت قرآن شریف سے متعلق مفصل کلام کرچکا ہوں جو شائع بھی ہوگیا ہے اور الحمد للہ کہ خواص وعوام سبھی نے اُسے پسند کیا۔ چنانچہ بہت سے حضرات نے خود مجھ سے اور میرے بعض احباب سے تحریراً و تقریراً اسکا مفید ہونا بیان کیا۔ ابھی چند ہی روز ہوتے ہیں کہ ایک صاحب نے جن کا میں خود بھی بہت احترام کرتا ہوں نہایت جذبہ اور جوش کے ساتھ اپنے تاثرات کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا کہ میں بھی متاثر ہوگیا۔ انھوں نے فرمایا کہ قرآن شریف کا مضمون بیان کرکے آپ نے اُمت پر احسان عظیم فرمایا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ اس بددینی کے زمانہ میں لوگوں کو دین پر کس طرح لگایا جائے۔ حضرت والا نے راستہ نہایت صاف اور آسان فرمادیا۔ حضرت کے ارشاد فرمانے سے سمجھ میں آیا کہ آج ہماری تباہی کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنا رشتہ کلام اللہ سے منقطع کرلیا ہے۔

غرض اس قدر کثرت سے لوگوں نے اس کی تائید وتحسین کی کہ مجھے بھی اتنی توقع نہ تھی۔ یہ تو سمجھتا تھا کہ آج ہماری خرابی کی وجہ کلام اللہ کا ترک اور حق تعالیٰ سے بے تعلقی ہے لیکن یہ بھی سمجھتا تھا کہ لوگ اس زمانہ میں دین سے اسدرجہ دور ہوگئے ہیں کہ اُن کو راہ پر لگانا مشکل کام ہے لیکن حالات و تجربات نے بتایا کہ مسلمان دین سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہوجائے اللہ تعالیٰ سے اس کو صبر نہیں

ہوسکتا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس کو صحیح طریق نہ معلوم ہو اس لئے اس کی طلب غلط جگہ صرف ہورہی ہو لیکن کوئی شخص اگر صحیح راہ دکھلانے والا موجود ہو اور کتاب و سنت کو اُن کے سامنے تبدریج پیش کرے تو پھر بہت سے اللہ کے بندے اس زمانہ میں بھی اس کی دعوت پر لبیک کہنے والے نکل آئیں گے۔ تلاوت کلام اللہ کے مضمون کا جو تاثر لوگوں میں دیکھا اُس سے مجھے اسکا پورا اندازہ ہوگیا اس لئے جی چاہتا ہے کہ انہی مضامین کو مسلمانوں کے سامنے بار بار بیان کیا جائے اس لئے کہ یہ اللہ اور رسول کی باتیں ہیں جن میں خاصہ مشک کا سا ہے کہ جس قدر اس کو رگڑا جاتا ہے اتنی ہی اُس سے خوشبو پھوٹتی ہے۔ امام شافعیؒ نے تو امام ابوحنیفہؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ ؎

اعد ذکر نعمانٍ لنا ان ذکرہٗ ۔۔۔ ھو المسک ما کررتہ یتضوعُ

یعنی نعمان بن ثابت کا ذکر ہمارے سامنے بار بار کرو اسلئے کہ انکا ذکر مشک کے مانند ہے جتنا اس کو رگڑو گے اتنا ہی خوشبو دیگا۔

میں کہتا ہوں کہ کیا قرآن شریف کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ع

ھو المسک ما کررتہ یتضوع

بیشک کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ایسی خوشبو ہے کہ جس سے بڑھ کر دوسری کوئی خوشبو نہیں۔ لہٰذا میں تو اب اسی پر آگیا ہوں کہ اس زمانہ میں سب سے ضروری کام جو مسلمانوں کے کرنے کا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق استوار کریں اور اسکا سب سے بڑا ذریعہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ ہے۔ آج اگر ہم اسی کو لے کر اپنے کو درست کرلیں تو بہت جلد حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوسکتی ہے اور ہمیں فلاح دارین میسر آسکتی ہے اسلئے میں تو یہی کہتا ہوں کہ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار ۔۔۔ بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

میری نظر میں تو یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ احباب تمام لغویات کو چھوڑ کر یار کی جانب ہمہ تن متوجہ ہوجائیں۔ اسی خیال کے پیش نظر تلاوت کلام اللہ پر معتد بہ کلام

کر چکنے کے بعد اب ذکر اللہ کا مضمون بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یوں قرآن شریف بھی گو ذکر ہی کا فرد ہے لیکن حدیث شریف میں چونکہ فضائل قرآن کا باب الگ بیان کیا گیا ہے اور ذکر اللہ عزوجل کے عنوان سے علیحدہ باب قائم کیا گیا ہے اس لئے میں نے بھی دونوں کا بیان الگ ہی الگ مناسب سمجھا۔ اگرچہ ان دونوں میں شدت اتحاد کے سبب سے ایک کے بیان میں دوسرے کا ذکر آجانا ناگزیر ہے۔ چنانچہ تلاوت قرآن کے مضمون میں بھی ذکر اللہ سے متعلق کچھ باتیں آپ کی نظر سے گذری ہونگی اسی طرح سے یہاں مقصود بیان تو دیگر اذکار مسنونہ ہیں لیکن تلاوت قرآن پر بھی ضمناً کچھ کلام ہو جائیگا۔ چنانچہ سنئے۔

تلاوت قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُن کے ذکر کے کچھ اور طریقے بھی ہیں۔ اس وقت انھیں کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور مقصود یہ ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عموم رسالت کی بناء پر اس شعبہ کی بھی تکمیل باتم وجہ فرما دی اور یہ کیسے ہو بھی سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی جس مقصد کے لئے ہوئی ہو یعنی عبد کا معبود کے ساتھ ارتباط اور تعلق قائم کرنا اسی کے طرق کی تفصیلات آپ نہ بیان فرماتے اور اُسکو بعد والوں کے لئے چھوڑ جاتے تو سنئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی نہایت آسان کرکے بیان فرمایا ہے اور آپ جب کسی چیز کو بیان فرمائیں گے تو سبحان اللہ وہ کیسا کچھ بیان ہوگا۔ آپ نے ایک ایک دُعا ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ اُس کے ذریعہ گندے بندے کو اپنے خالق سے واصل ہی فرما دیا ہے۔

(شیطان کی ایک رہزنی کہ اُس نے اذکار مسنونہ سے لوگوں کو ہٹا دیا *)

روایات اور اُن سے متعلق علماء کی تشریحات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دین میں شیطان کی جہاں اور بہت سی رہزنیاں ہوئی ہیں انھی میں سے ایک بڑی رہزنی یہ بھی ہے کہ اُس نے سبز باغ دکھا کر ایک طرف تو اُمت کو تلاوت سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ سے اسکا رشتہ منقطع کر دیا اُسی طرح سے دوسری جانب اذکار مسنونہ سے پھیر کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بے تعلق کر دیا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ آج مشائخ کے تبلائے ہوئے وظیفوں پر تو لوگ جمے ہوئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمائے ہوئے اوراد و وظائف کی جانب اصلا التفات نہیں ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ عملاً ہی اس کو ترک کئے ہوئے ہیں بلکہ اپنی بدعقیدگی. جہالت اور اغواء شیطانی کی وجہ سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ان دعاؤں میں کوئی تاثیر ہی نہیں ہے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ آج اسی بدعقیدگی کیوجہ سے لوگ محروم ہیں اور یہ بات یونہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہی کام کرتا ہوں لوگوں کے حالات میرے سامنے ہیں برابر اس قسم کے مضمون کے خطوط آتے رہتے ہیں کہ وظیفہ پڑھا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا اب اس جہالت کا کیا علاج کہ لوگ جب اس درجہ بدفہم ہو جائیں اور یہ بھی نہ سمجھیں کہ کوئی بھی کام ہو دین کا یا دنیا کا اس کے لئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ دوستو دل صاف ہونے کو زمانہ چاہیئے اور ہم تو نہیں دیکھتے کہ دنیا کا بھی کوئی کام دفعتاً ہو جاتا ہو۔ خود انسان ہی کو لیجئے کہ ایک وقت میں چھوٹا بچہ ہوتا ہے پھر کتنے دنوں میں جوان ہوتا ہے اور پہلے جاہل ہوتا ہے پھر کتنی مدت میں علم حاصل کرتا ہے۔ یہی حال ذکر کا بھی ہے کہ لسان سے قلب میں اترنے تک کچھ زمانہ لگتا ہی ہے۔ عجلت بازی سے تو کام نہیں چلا کرتا بلکہ ثمرات کے حصول میں تو عجلت کرنے کو مشائخ طریق نے وصول سے مانع قرار دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا میں تقاضا اور عجلت کو پسند نہیں فرمایا۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔ یستجاب لاحدکم مالم یعجل۔ یعنی تم میں سے ہر شخص کی دعا قبول ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ جلدبازی سے کام نہ لے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ نے ہر زمانہ میں سالکین کو اس سے منع فرمایا ہے اور طرح طرح سے اُنکو تسلی دے کر طریق میں اُن کے انتظار کی کلفت کو اُن سے دور کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ؎

دور ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود — بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن
قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطف طبع — عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب	لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ماہ ہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش	صوفی را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
ہفتہا باید کہ تا یک پنبۂ از آب و گل	شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
روزہا باید کشیدن انتظار بے شمار	تا کہ در جوفِ صدف باراں شود در عدن
عــہ صدق و اخلاص و درستی باید و عمرِ دراز	تا قرانِ حق شود صاحبقرانے در قرن

ان اشعار میں یہ مضمون ذہن نشین کرایا ہے کہ کوئی بھی کمال جو حاصل ہوتا ہے اُس میں دیر لگتی ہے اور اس کی کئی مثالیں بیان فرمائیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ دیکھو بہت زمانہ چاہیئے تب جاکر کوئی مرد حق پیدا ہوتا ہے مثلاً خراسان میں حضرت بایزیدؒ پیدا ہوں یا قرن میں حضرت اویسؒ قرنی پیدا ہوں۔ اسی طرح سے عرصہ دراز چاہیئے۔ اس بات کے لئے کہ کوئی بچہ اپنی ذہانت کی بدولت عاقل کامل ہوجائے یا فاضل متکلم بن جائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ سالہا سال کے بعد ایک اچھی ذات کا پتھر ملک بدخشاں میں لعل بنتا ہے اور سرزمین یمن میں عقیق بنتا ہے۔ اسی طرح مہینوں چاہیئے اس کام کے لئے کہ بھیڑ کی پشت کے ایک مشت اُون کے ذریعہ سی صوفی کی گدڑی تیار ہوسکے یا کسی گدھے کے لئے رسّی بٹی جاسکے۔ آگے کہتے ہیں کہ ہفتوں درکار ہیں اس امر کے لئے کہ پانی اور مٹی سے اُگا ہوا کپاس کا ایک رخت ذریعہ بن سکے کسی محبوب کے لباس کا یا کسی شہید کے کفن کا۔ اسی طرح بہت بہت دن درکار ہیں اور بے شمار انتظار چاہیئے تاکہ سیپیوں کے منہ میں بارش کا قطرہ پڑکر موتی بن سکے اور پھر وہ درِ عدن کہلائے

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ کبھی مقصود حاصل ہونے میں ہفتوں۔ مہینوں سالوں اور قرنوں لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ بارش کا کوئی خاص قطرہ سیپ کے منہ میں بہت دنوں رہنے کے بعد درِ عدن بنتا ہے اور شاہی تاج پر اس کو جگہ ملتی ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر ذکر اللہ ہی کو آپ نے کھیل کیوں سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے قلب میں اُتارنے کے لئے چند روز کی بھی پابندی شاق ہے اور یہ حکم اُس شخص کا ہے جو اذکار مسنونہ ادا کرتا ہو اور طریقہ سے کام کرتا ہو اور اگر ان امور کا

عــہ یہ شعر بعد میں اضافہ ہوا ترجمہ یہ ہے۔ سچائی۔ اخلاص درستی اور ایک عمر دراز درکار ہے اس امر کے لئے کہ کسی زمانہ میں کوئی صاحبقران حق تعالیٰ کا عارف کامل بن سکے۔

اہتمام نہ رکھا جائے تو پھر تو نتیجہ اور بھی بعید ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آج جو لوگوں کو نفع نہیں ہو رہا ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ اذکار مسنونہ کی جانب لوگوں کی توجہ نہیں ہے اور غیر مسنونہ کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں جیسا کہ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ

والعوام یترکونها ویتبعون مواظبة الاسماء الغریبة والدعوات العجیبة التی غالبها لا اصل لها فی الکتاب والسنة۔

ترجمہ: اور عوام نے ان اوراد مسنونہ کو ترک کر کے ایسے ایسے اسماء غریبہ اور دعوات عجیبہ کا اتباع اپنے اوپر لازم قرار دے دیا ہے جن کا کتاب و سنت میں کہیں بھی ثبوت نہیں ہے۔

غرض ذکر اللہ ہو یا تلاوت قرآن دونوں اپنی جگہ نافع اور مفید ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ انکو قاعدہ سے کیا جائے اور قاعدہ سے میری مراد یہاں یہی ہے کہ صحت الفاظ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کا کلام اور خدا کا ذکر سمجھ کر ادا کیا جائے باقی نفع کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی ان کے معانی کو بھی سمجھتا ہو۔ مضمون تلاوت قرآن میں میں نے اسپر مفصل گفتگو کی ہے اور علماء محققین کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ تلاوت کا ثواب اور نفع فہم معنی پر موقوف نہیں۔ چنانچہ صاحب مرقات نے بھی ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے لفظ کا پڑھنا بھی تعبد ہے یعنی فہم معنی اور تدبر میں تو ثواب اور نفع ہے ہی لیکن قرآن شریف کے محض الفاظ کی تلاوت بھی ثواب سے خالی نہیں۔ چنانچہ انکے الفاظ یہ ہیں:۔

قال ابن حجرؒ اما الثواب علی قراءته فهو حاصل لمن فهم ولمن لم یفهم بالکلیه للتعبد بلفظه بخلاف غیره من الاذکار فانه لا یثاب علیه الا لمن فهم ولو بوجه ما۔

(مرقاۃ ص۲۱۵ ج ۲)

یعنی علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن پر ثواب تو بہرحال ملیگا خواہ اسکو

سمجھیں یا بالکل نہ سمجھیں اس لئے کہ اس کے الفاظ کی ادائیگی بھی عبادت ہے۔ بخلاف دیگر اذکار کے جو قرآن کے علاوہ ہیں کہ ان کے کہنے میں ثواب اُسی شخص کو ملتا ہے جو اُسے سمجھتا بھی ہو اگرچہ فی الجملہ سہی۔

میں کہتا ہوں کہ صاحب مرقاۃ نے صحیح فرمایا ہے۔ آپ خود خیال فرمایئے کہ شریعت میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں صرف ذکر لسانی ہی معتبر ہے یعنی محض قلبی ذکر کافی نہیں مثلاً نماز میں جو قرأت فرض ہے یا ذبح کے وقت جو اللہ اکبر کہنا ضروری ہے تو انکی ادائیگی اسی وقت صحیح ہوگی جب ان چیزوں کا زبان سے تلفظ کرے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص زبان سے تو کلمات نہ ادا کرے لیکن دل میں کامل اخلاص کے ساتھ انکا تصور رکھے تو یہ عند الشرع کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح سے طلاق۔ عتاق۔ نذر۔ یمین۔ نکاح اور بیع و شراء وغیرہ جتنے اُمور ہیں یہ سب زبان سے کلمات کہنے پر موقوف ہیں محض دل میں اور نیت میں ہونا انکی صحت کے لئے کافی نہیں ہے۔ بس اسی طرح سے تلاوت کو بھی سمجھئے کہ وہ زبان کا وظیفہ ہے اور شریعت میں اسکا حکم ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کلام اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملتی ہے۔ اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے بس الم کہنے میں تیس نیکیاں ملیں گی۔ دیکھئے یہ نیکیاں الم کہنے پر ملیں حالانکہ وہ مقطعات میں سے ہے جس کے معنی بھی معلوم نہیں باقی ابن حجر نے ذکر میں اور تلاوت میں جو فرق کیا ہے کہ تلاوت بلا فہم بھی تعبد ہے اور ذکر میں فہم معنیٰ ضروری ہے تو اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ جس قدر اذکار مسنونہ احادیث میں وارد ہیں وہ یا لفظاً یا بمدلولاً تمہا قرآن شریف میں بھی موجود ہیں لہذا وہ بھی قرآن ہی ہوئے بس وجہ فرق کچھ سمجھ میں نہ آئی لہذا یہی کہنا مناسب ہوگا کہ ذکر میں بھی بلا فہم معنیٰ ثواب ملتا ہے۔ البتہ اتنا ضروری ہے کہ اسکے الفاظ صحیح ہوں غلط تلفظ کر کے اس میں تصحیف نہ

کردے کہ اس پر البتہ ثواب نہ ملیگا۔ اور عجب نہیں کہ سبب گناہ ہوجائے۔ چنانچہ ابن حجر کا قول نقل کرکے صاحب مرقاۃ بھی لکھتے ہیں کہ

وفیہ نظر لان نفی الثواب یحتاج علی نقل من حدیث او کتاب والقیاس ان لا فرق بینھا فی اصل الثواب وان کان یتفاوت بین القرآن وغیرہ وبین من فھم ومن لم یفھم وعلیہ عمل الصلحاء من جعل الادعیۃ والاذکار الواردۃ وغیرھا اوراد ویواظبون علیھا وما حسن المسلمون فھو عند اللہ حسن وفضل اللہ واسع

(مرقاۃ ص۲۱۵ ج ۲)

یعنی علامہ ابن حجرؒ کے اس فرق کرنے میں مجھے کلام ہے اس لئے کہ دعاؤں میں بدون فہم معنی کے ثواب کا نہ ملنا محتاج نقل ہے اس بارے میں کوئی حدیث یا کتاب اللہ کی آیت پیش کرنی چاہیئے باقی قیاس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نفس ثواب ہونے میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اگرچہ قرآن کی تلاوت کے ثواب اور غیر قرآن کے ثواب میں اسی طرح سے سمجھنے والے کے ثواب میں اور نہ سمجھنے والے کے ثواب میں تفاوت ہے چنانچہ اسی پر صلحائے امت کا عمل ہے کہ وہ ان ادعیہ اور اذکار کو جو وارد ہیں اسی طرح اور دوسری ادعیہ کو اپنا وظیفہ بناتے ہیں اور اس پر مواظبت کرتے ہیں اسی پر خلفاً عن سلف سب مسلمانوں کا عمل ہے اور جس کو سب مسلمان اچھا سمجھیں وہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مستحسن ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح سے شیطان کی ایک رہزنی یہ تھی کہ اس نے ذکر و تلاوت میں حصول نفع کے باب میں جلد بازی کا خیال دلوں میں ڈالا اسی طرح سے یہ اسکی دوسری رہزنی ہے کہ اس نے فائدہ اور نفع کو فہم معنی پر موقوف بتا کر نہ معلوم کتنے اللہ کے بندوں کو حق تعالیٰ کے تعلق ہی سے محروم کردیا حالانکہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ دنیا میں بندوں کی ہدایت کے لیئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیز آئی ہے وہ قرآن ہے اور اس میں کسی عالم یا جاہل کی تخصیص نہیں ہے بلکہ سبھی کے لئے اس میں ہدایت کا سامان

موجود ہے۔ اب خیال فرمایئے کہ عالم تو فہم معنی کے ذریعہ اور تدبر فی القرآن کے واسطہ سے اس سے منتفع ہو جائے مگر عوام کے لئے کلام اللہ سے منتفع ہونے کے لئے بجز تلاوت کے اور کیا ذریعہ تھا ظاہر ہے کہ سارے انسانوں کا عالم ہو جانا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور تھا اسلئے عوام بیچارے اُس کے فیض سے محروم ہی رہ جاتے لہذا اللہ تعالیٰ نے تلاوت مشروع فرمائی اور اسکو باعثِ ثواب اور سبب اجر قرار دیا۔ چنانچہ اسی کے ذریعہ سے لوگوں نے اپنے ایمان میں ترقی حاصل کی یعنی پہلے ایمان سبب تلاوت بنا اور پھر مزید تلاوت باعثِ ترقی ایمان بن گئی یہی وجہ ہے کہ مومن کو جو لطف کلام اللہ کی تلاوت میں آتا ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں آتا اور یہ بالکل ظاہر ہے۔ حضرات صحابہؓ تابعین اور دیگر بزرگان دین کے حالات اس پر شاہد ہیں۔ خیر القرون کا تو کہنا ہی کیا کتابوں میں ماضی قریب کے ایک بزرگ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ کہیں سفر سے تشریف لا رہے تھے شام ہو گئی۔ کسی غیر مسلم دیہاتی کا چھپر نظر آیا اسکے اندر تشریف لے گئے دیکھا کہ کچھ گڑ وغیرہ بن رہا ہے اور ایک بڈھا شخص موجود ہے اُس سے کہا کہ مجھے دور جانا ہے دیر ہو گئی اجازت دو تو رات تمھارے یہاں بسر کرلیں اس نے کہا کہ نہایت خوشی سے اجازت ہے اور چھپر میں ایک جگہ سونے کے لئے بنادی اور وضو وغیرہ کے لئے پانی رکھدیا وہ بزرگ آخر شب میں اُٹھے اور حسب معمول نماز میں تلاوتِ قرآن کرنا شروع کیا اور کچھ اس درد سے پڑھا کہ وہ غیر مسلم بڈھا سُن کر بلبلا اُٹھا رات تو جیسے تیسے گذاری صبح ہی اُٹھ کر اُن سے کہا کہ آپ رات جو پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی پڑھا دیجئے۔ انھوں نے کہا کہ بھائی میں تو قرآن شریف پڑھ رہا تھا تمہیں ایسے کیسے پڑھا دوں اس کے کچھ شرائط ہیں مگر بڈھے کا دل تو زخمی ہو چکا تھا۔ نہا دھو کر آیا اور فوراً اسلام قبول کر لیا اور اپنے سبھی گھر والوں کو مسلمان کرا دیا۔

سبحان اللہ کیسی تاثیر ہے کلام اللہ کی۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہاں اس بڈھے کو کہاں فہم وتدبر حاصل تھا پھر اُس پر جو اثر پڑا تو الفاظ ہی کا تو پڑا اور وہ مولانا کی تلاوت ہی سے تو متاثر ہوا؟

پس قرآن شریف کی تلاوت ہو یا ذکر و اذکار ہوں فہم معنیٰ کی قید کو انکی برکات سے محرومی کے مرادف سمجھتا ہوں کیونکہ میں تو نہیں دیکھتا کہ فہم معنیٰ کی شرط لگانے کیوجہ سے قرآن کا فہم کچھ عام ہو گیا ہو بلکہ یہ دیکھ رہا ہوں کہ مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے فہم کا حوصلہ تو لوگوں میں پیدا ہوا نہیں بلکہ تلاوت بلا فہم سے بھی لوگوں کو ہٹا دیا یعنی نہ تو تلاوت بفہم کی ہمت پیدا ہو سکی اور نہ تلاوت بلا فہم ہی کی وقعت قلب میں باقی رہ گئی نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں سے محروم ہو گئے۔ نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے۔ سنئے تلاوت مومن کی زبان سے ادا ہوتی ہے اس لئے زبان اس سے منور اور معطر ہوتی ہے اور کان اسکو سنتا ہے اس لئے وہ بھی منور اور معطر ہوتا ہے علیٰ ہذا ظاہری قراءت کا اثر تمام جوارح پر پڑتا ہے اور جوارح اس کے حسن و خوبی سے مزین اور آراستہ ہو جاتے ہیں اور ہر ہر عضو میں اسکا اثر ہو جاتا ہے اور قراءت جو جہر سے ہوتی ہے تو اسکا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے اور یہی قرأت قلب کی تعمیر کا بتدریج ذریعہ بنتی ہے یہ اسکا حسن ظاہری ہے اسی طرف یہ حدیث شریف مشیر ہے کہ اُس مومن کی مثال جو تلاوتِ قرآن کرتا ہو (اور اس پر عامل بھی ہو) نارنگی کی سی ہے جس کا حال یہ ہوتا ہے کہ باطنی لذت کے ساتھ ساتھ وہ حسن المنظر بھی ہوتی ہے اور خوشبو بھی اس کی نہایت ہی عمدہ اور پاکیزہ ہوتی ہے اس طور پر گویا اس کے اوصاف ثلثہ ہی اچھے ہوتے ہیں اور وہ مومن جو تلاوت نہیں کرتا (اگرچہ اس کے احکام پر عامل ہو) اس کی مثال تمرہ کی آئی ہے جس میں مزا تو ہوتا ہے یہ اُسکا ایمان ہے جو مزہ دار ہے مگر رنگ و بو کچھ بھی نہیں۔ ظاہر اسکا کچھ نہیں ہے نہ رنگ ہے نہ بو۔ صرف تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے وہ شخص تلاوت والے سے درجہ میں کم ہو گیا کہ ترقی مومن کی تلاوت پر ہے اس سے تلاوت کا فضل معلوم ہوا اور یہی اس کی ظاہری اور باطنی تعمیر ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ

ان الذی لیس فی جوفہ شیئٌ من القرآن کالبیت الخرب۔

چنانچہ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرمایا ہے کہ

لان عمارة القلوب بالایمان وقراءة القرآن وزینة الباطن بالاعتقادات الحقہ والتفکر فی نعماء اللہ تعالٰی۔

(مرقات ص۵۹)

یعنی اس لئے کہ قلب کی آبادی کا ذریعہ ایمان اور تلاوتِ قرآن ہے اور باطن کی رونق اعتقاداتِ حقہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرنا ہے۔

اور سب سے بڑا نفع تلاوت کا یہ ہوتا ہے کہ اس پر مداومت کرنے سے قلب میں ایک وجدان اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور پھر وہ ذوق ہی سبب بن جاتا ہے قرآن فہمی کا۔ اور یوں بدون قلبی ذوق کے حصول کے گو لغوی اعتبار سے کوئی قرآن کو کچھ حل کرے مگر مرادِ الٰہی اس کے لئے سربمہر اور اسکا حقیقی مفہوم اس پر بند ہی رہتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس راز کو آپ کے ایک شاعر نے سمجھ لیا جس کے سمجھنے سے بہت سے اہل علم بھی قاصر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ؎

تمہارے قلب پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

یوں تو اکبر الٰہ آبادی نے بھی قرآن کی عظمت کو نہایت ہی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ ؎

صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم
قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم

لیکن اقبال مرحوم کا کلام اس سے کہیں بڑھ گیا چنانچہ قلب پر نزول کتاب کا مطلب نزول معانی کتاب ہے جو کہ منجانب اللہ بلاواسطہ کتب قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ بلکہ کتاب و تفسیر بھی اسی کی وجہ سے سمجھ میں آتی ہے ورنہ تو نزول کتاب قلب مبارک حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے۔ کسی دوسرے کے قلب پر اسکے نزول کا کیا مطلب؟ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ اس سے یہی ذوق و وجدان مراد ہے جو قرآن کا مومن کے قلب میں ہوتا ہے اور ذریعہ بنتا ہے قرآن فہمی کا

جس کے متعلق میں کہہ رہا ہوں کہ اس کے حصول کا ذریعہ تلاوت کلام اللہ پر مداومت ہے۔

ایک صاحب کہتے تھے کہ ایک صاحب جو برکات تلاوت کے منکر تھے اُن سے میں نے کہا کہ تلاوت کا فائدہ تو اس سے ہی ظاہر ہے کہ حافظ کو کلام اللہ حفظ نہیں ہوتا جب تک کہ ایک ایک لفظ کو کئی کئی بار زبان سے نہیں کہہ لیتا اور جب بار بار زبان سے کہتا ہے تو پھر وہی لفظ اس کے ذہن و قلب میں منقش ہو جاتا ہے۔ اب اگر زبان و قلب میں باہم کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے تو پھر زبان سے کہا ہوا قلب تک کیسے پہونچ جاتا ہے اور ذہن میں کیسے چھپ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلب تک کسی چیز کے پہونچانے کا ذریعہ زبان سے اس کا بار بار تکرار کرنا ہی ہے۔

میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ علامہ شعرانی نے طبقات کبریٰ میں امام احمد کا خواب نقل کیا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ آپ کے تقرب کا اقرب طرق کیا ہے۔ فرمایا کہ میرے کلام کی تلاوت۔ عرض کیا کہ سمجھ کر کے یا بغیر سمجھے؟ ارشاد فرمایا کہ سمجھ کر کے ہو یا بلا سمجھے۔ اس کی شرح کرتے ہوئے سید علی ومیری فرماتے ہیں کہ بفہم کا تو تعلق علماء شریعت سے ہے کہ یہی حضرات اسکے معانی و مطالب سمجھتے ہیں اور فہم کلام اللہ کے لئے اُن کے پاس کوئی ذریعہ علاوہ نظر و فکر کے نہیں ہے اور بغیر فہم کا تعلق علماء حقیقت سے ہے کیونکہ انکو فہم قرآن بواسطہ کشف اور تعریف الٰہی کے نصیب ہوتا ہے اس میں تفہم کی احتیاج ہی نہیں پڑتی، بلکہ یہ حضرات تو بوقت تلاوت فہم میں توجہ کو موجب خلل اور خلاف اخلاص سمجھتے ہیں چنانچہ دیکھئے نماز میں تلاوت ہی کا حکم ہے اگر کوئی شخص تدبر فی الآیات کرنے لگے تو عجب نہیں کہ بھول ہی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ ایک عامی جاہل کی نماز درجہ میں ایک عالم فاضل کی نماز سے بڑھ جاتی ہے کیونکہ عامی تو اخلاص اور توجہ سے اس میں تلاوت قرآن کرتا ہے اور عالم کا علم اس کے لئے توجہ الی الحق سے حاجب اور مانع بن جاتا ہے۔

بہرحال تلاوت بفہم اور تدبر فی القرآن بھی مطلوب شرعی ہے خارج نماز میں اور تلاوت سے الگ۔ اس سے انکار نہیں ہے مگر نفس تلاوت کا بھی کوئی درجہ اور مقام ہے۔ اس وقت اسی کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ حضرات صحابہ کرام نے اسکا کس درجہ اعتنا، کیا اور ان حضرات کو قرآن سے کسقدر شغف تھا اس پر انکے حالات شاہد ہیں۔ یہاں ترغیب کے لئے چند واقعات بیان کرتا ہوں۔

۱۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے امر فرمایا ہے کہ میں تم کو قرآن سناؤں۔ یہ سن کر حضرت ابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لے کر فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور کیا اس پر پھر انھوں نے عرض کیا کہ کیا رب العالمین کے یہاں میرا تذکرہ ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں جی۔ یہ سن کر حضرت ابی ابن کعبؓ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

یہ سن کے ہو جاری آنکھوں سے مری آنسو قسمت ہے محبت میں رونا جسے آجائے

شراح حدیث لکھتے ہیں کہ یہ رونا سرور۔۔۔خوشی کی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرأت قرآن کے سلسلہ میں تمام حضرات کے ہوتے ہوئے مجھے تجویز کیا یا یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ کی اس قدر دانی کے شکر سے خود کو عاجز پاکر رو پڑے ہوں باقی ان کی تخصیص کیوجہ یہ تھی کہ انھوں نے حفظ قرآن میں بڑی ہی مشقت اُٹھائی تھی جس کا صلا آخرت میں تو جو ملیگا وہ ملیگا ہی دنیا میں بھی یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے انکا نام ذکر فرمایا۔ سچ ہے ؎

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے جو اُس محفل میں ہے

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ زَیِّنُوا القُرآنَ بِاَصوَاتِکُم علماء نے اسکا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن کو ترتیل۔ تجوید اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرو اور ظاہر ہے کہ یہ سب اُمور الفاظ قرآن سے متعلق ہیں چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ اَلصَّوتُ الحَسَنُ یَزِیدُ القُرآنَ حُسناً یعنی حسن صوت قرآن کے حُسن کو دوبالا کردیتا ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ لِکُلِّ شَیءٍ حِلیَۃٌ وحلیۃُ القرآنِ

الصَّوتُ الحَسَنَ۔ یعنی ہر شے کا ایک زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور حُسنِ صوت ہے۔
غرض حُسنِ صوت اور تلاوت قرآن میں کچھ ایسا تعلق ہے کہ جس طرح صوت حسن کو قرآن
کا زیور کہا گیا ہے اسی طرح سے روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حسن صوت والے کے لئے
قرآن کا پڑھنا ہی زیب دیتا ہے یعنی تلاوت قرآن سے بڑھ کر حسن صوت کا کوئی
دوسرا مصرف نہیں۔ اس موقعہ پر صاحب مرقات نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
غنیۃ الطالبین سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ایک دن کوفہ
میں کسی جانب تشریف لیجارہے تھے کہ ایک شخص کے مکان میں فساق کا مجمع تھا۔ شراب
وکباب کی محفل گرم تھی اور ایک گانے والا شخص زاذان نامی لکڑی کے باجہ پر نہایت
خوش الحانی سے گارہا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے جب اس کی آواز سنی تو
فرمایا کہ کیا ہی عمدہ یہ آواز ہے کاش کہ یہ تلاوتِ قرآن میں صرف ہوتی۔ یہ کہہ کر اپنی
چادر کو اپنے سر پر رکھا اور وہاں سے گذر گئے۔ اُنکی آواز زاذان نے بھی سُن لی۔
اپنے مصاحبین سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں لوگوں نے کہا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ
ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی۔ پوچھا کیا فرما رہے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ
تمھارے متعلق کہہ رہے ہیں کہ کس قدر اچھی آواز ہے کاش کہ یہ تلاوتِ قرآن میں صرف
ہوتی تو اسکا حسن اور دوبالا ہوجاتا۔ اس بات کے سننے سے زاذان کے قلب میں ایک دھکا
سا لگا اور حق کی ہیبت اسکے دلمیں بیٹھ گئی۔ فوراً مجلس سے اُٹھا لکڑی کے باجہ کو توزمین
پر ٹپک کر توڑدیا اور لپک کر عبد اللہ ابن مسعود کے قریب پہونچا۔ اپنا رومال گلے میں
ڈالکر اُنکے سامنے رونے لگا۔ عبد اللہ ابن مسعود نے بھی اسکو گلے سے لگالیا اور پھر دونوں
مل کر خوب روئے۔ عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ بھلا میں ایسے شخص سے کیوں نہ
محبت کروں جو اللہ سے محبت کرتا ہے۔ پھر اُس نے اُن کے ہاتھ پر گانے بجانے سے
توبہ کی اور ان ہی کی خدمت میں رہنے لگا۔ اُن سے قرآن سیکھا اور علم دین حاصل
کیا اور اس میں ماہر ہوکر امام وقت ہوگیا۔ (سبحان اللہ! عجیب واقعہ ہے۔ ایمان تازہ کر دینے
والا۔ اس زمانہ کے اہل فسق کے ایمان کا یہ حال تھا اللہ تعالےٰ اس جیسے ایمان سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمادے۔)

۳۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰؓ سے فرمایا کہ اجی تم تو گویا آلِ داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیئے گئے ہو یعنی تمھاری آواز نہایت عمدہ اور لہجہ بہت ہی دلکش ہے۔ ایک دفعہ اُن سے فرمایا کہ میں شب گذشتہ تمھارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا۔ تمہیں بھی کچھ خبر ہوئی حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو اور اچھی طرح سے پڑھتا۔

دیکھئے قرآن کی زینت جس صوت حسن سے ہوتی ہے اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزمار آل داؤد فرمایا ہے اس کا تعلق نہ تو فہم معنیٰ سے ہے اور نہ تدبر فی القرآن سے بلکہ صرف تلاوت اور قراءت سے ہے پھر جب اسکی تحسین مطلوب ہے تو پھر تلاوت ایک امر لغو کیسے ہو سکتی ہے بلکہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح خود تلاوت کرنا مطلوب ہے اسی طرح سے دوسروں کی تلاوت کا استماع بھی امر مستحسن ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ کی قراءت کی جانب کان لگایا اور اس لئے لگایا کہ اس کی جانب خود حق تعالیٰ کان لگاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:۔

للہ اشد اذنا ای اقبالا الی الرجل الحسن الصوت بالقراءۃ من اصحاب القینۃ الی قینتھم (ابن ماجہ)

یعنی اللہ تعالیٰ اُس شخص کی جانب جو عمدہ آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کررہا ہو اس سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں جتنی کہ کوئی شخص اپنے گانے والی کسی باندی کی جانب توجہ کرتا ہے۔

سبحان اللہ کس قدر مبارک ہیں وہ لوگ جن کی قراءت اور تلاوت کی جانب اللہ تعالیٰ کان لگا دیں پس جس کی ایک تلاوت بھی مقبول ہوگئی وہ کامیاب ہی ہوگیا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ اسی کے مناسب حضرت ذوالنون مصری کا ایک واقعہ الروض الفائق میں دیکھا جس کو پیش کرتا ہوں اور اُمید کہ ناظرین اس سے محظوظ ہوں گے وھو ھذا:

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن گھر میں میری طبیعت بہت گھبرائی۔ قلب میں ایک بےچینی اور گھٹن سی ہونے لگی۔ دل بہلانے کے خیال سے میں دریائے نیل کے کنارے تفریح کرنے کے لئے چلا گیا۔ وہاں پہونچ کر یک بیک جی چاہا کہ اُس پار چلوں چنانچہ کشتی میں سوار ہو گیا اور لوگ بھی موجود تھے لیکن میں اپنی قلبی پریشانی کی وجہ سے ایک کنارے اکڑوں بیٹھ گیا اور اپنا سر اپنے دونوں گھٹنوں کے درمیان میں رکھ لیا کشتی روانہ ہوئی۔ میں نے سر اسوقت اوپر اُٹھایا جب کہ کشتی بیچ دریا میں پہونچ چکی تھی۔ لیکن جب میں نے سر اُٹھایا تو عجیب منظر دیکھا۔ یہ دیکھا کہ ایک گانے بجانے والی جوان عورت نہایت ہی حسین و جمیل میری داہنی جانب بیٹھی ہوئی ہے اور اس کی گود میں آلات لہو و لعب یعنی ستار وسارنگی ہے اور سامنے جام و سبو دھرا ہے اور بائیں جانب ایک نہایت خوبصورت جوان بہت ہی بیش قیمت لباس زیب تن کئے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔

مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر میں نے کہا الٰہی توبہ! اور اپنے نفس کو دل ہی دل میں یوں ملامت کرنے لگا کہ واہ میاں واہ! بوڑھے ہوگئے ہو اور ستر سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے بعد آج اس نوبت کو پہونچے ہو کہ شرابیوں کا مجمع ہے اور اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلا نافرمانی کرنے والوں کا ساتھ ہے (اسی مبارک مجلس کی شرکت کے لئے یہ سب بےچینی تھی کیا؟ ارے نفس تجھے خدا سمجھے) اسی طرح میں اپنے نفس کو لعنت ملامت کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں اس عورت نے میری جانب رخ کیا اور شوخی کے ساتھ کہا کہ یا شیخ! شراب حاضر ہے شوق فرمایئے۔ میں نے کہا اگر میرا مالک ہی مجھے پلائے گا تو ضرور پیوں گا (شیخ کا یہ فرمانا کچھ شراب نوشی پر رضا اور اس کی دعوت کو قبول کرنے کے قبیل سے نہ تھا بلکہ چونکہ ان حضرات پر قضا و قدر کا غلبہ ہوتا ہے اور خود کو یہ حضرات مسخر سمجھتے ہیں اسلئے جانتے ہیں کہ جو بھی اُدھر سے پیش آئیگا انجام کے لحاظ سے خیر ہی ہوگا۔ چنانچہ یہاں بھی اچانک دل کا مضطر ہوجانا، اور سیر دریا کو دل چاہنا، پھر پار جانے کی خواہش ہونا اور پھر کشتی میں ان سب اسباب کا مجتمع ہوجانا، اس کو حضرت نے جانا کہ یہ سب بلاوجہ نہیں ہے۔

اس میں کچھ راز ہے اس لئے یہ جواب بطور رضا و تسلیم بامر الخالق کے دیا جس کو اس نے اجازت شراب نوشی جانا اور ساتھ والے مرد سے کہا کہ او بھائی ایک جام بھر کر شیخ کو بھی دو۔ چنانچہ اس نے ایک پیالہ شراب سے لبریز مجھے بھی دیا۔

میں نے شراب کا پیالہ لینے کو تو ہاتھ میں لے لیا لیکن اسکو لیتے ہی مجھ پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی اور میں ہاتھ میں پیالہ لئے دیر تک خاموش سوچتا رہا۔ یہ دیکھ کر اس عورت نے پھر کہا کہ یا شیخ کیا ہماری شراب پینے سے آپ کو انکار ہے؟ فرمایئے تو سہی کہ اب انتظار کیسا؟ کیا اسکا تو انتظار نہیں کہ میں گانا شروع کروں تب آپ پینا شروع کریں۔ یا یہ خیال تو نہیں ہے کہ آپ ہی کچھ سنانا چاہتے ہیں تاکہ پینے کی ابتدا پہلے ہم کریں۔ اس لئے یہ توقف ہے؟

میں نے کہا کہ ہاں یہی بات ہے، میں ہی کچھ سنانا چاہتا ہوں۔ پہلے اس کو سن لو پھر پینا پلانا اس نے یہ سن کر کہا بہت بہتر آپ ہی کچھ سنائیں۔ پہلے ہم آپ کے اشعار سن لیں گے پھر اپنا کام کریں گے چنانچہ میں یوں مترنم ہوا ؎

(۱) ما احسن مِن قنیۃٍ وَمِزمارٍ
فی ظلمۃِ اللیل نغمۃُ ۱ القاری

(۲) یا حسنہ والجلیلُ یسمعہٗ
بحسن صوتٍ ودمعُہٗ جاری

(۳) وخدُّہٗ فی ۲ التُّراب عفرۃٌ
وقلبہٗ فی محبّۃِ الباری

۱۔ یعنی گانے بجانے والیوں سے کہیں زیادہ حسین اور کیف آور شب تاریک میں کسی قاری کا قرآن پڑھنا ہوتا ہے۔

۲۔ سبحان اللہ! اس کی خوبی کا کیا پوچھنا کہ رب جلیل جس کو سن رہا ہو اور اس کے پڑھنے کی کیفیت یہ ہو کہ نہایت خوش الحانی کے ساتھ دل سے پڑھ رہا ہو اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ چہرہ اور رخسار خاک آلود ہو اور قلب میں باری تعالیٰ کی

محبت موجزن ہو۔

يَقُولُ يَا سَيِّدِي وَيَا أَمَلِي   أَشْغَلَنِي عَنْكَ ثِقْلُ أَوْزَارِي
اِغْفِرْ ذُنُوبِي لِأَنَّهَا عَظُمَتْ   وَلَمْ تَزَلْ يَا جَلِيلُ غَفَّارِي
ذَاكَ غَدًا فِي الْجِنَانِ مَسْكَنُهُ   بِدَارِ قُدْسٍ بِقُرْبِ جَبَّارِي
لِيَسْكُنَ مَعَ زَوْجَةٍ تُشَاكِلُهُ
يَا حُسْنَ مُخْتَارَةٍ لِمُخْتَارِ

اسی حال میں یوں دعا کر رہا ہو، کہ اے میرے آقا اور اے میری اُمید گاہ مجھ کو میرے گناہوں کے انبار نے آپ کی اطاعت سے ہٹائے رکھا پس گو میرے گناہ بہت ہی زیادہ ہیں لیکن آپ سے بخشش کی توقع ہے اسلئے کہ آپ میرے دیرینہ کرم فرما ہیں۔ ایسا قرآن کا پڑھنے والا اور اپنے خالق سے مناجات کرنے والا کل کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور ملک جبار کے قریب ہی دار قدس اسکا جائے قیام ہوگا اور صورت و سیرت میں اسی کے ہمشکل اس کو نہایت حسین بیوی ملے گی۔ کیا کہنے اس حسین کے اور کیا کہنے اس حسینہ کے۔

آپ کی تنشیط طبع کے لئے اس نظم کا ترجمہ نظم میں بھی پیش کرتا ہوں ؎

گانے والی کی راگنی سے کہیں   بڑھ کے دلکش ہے نغمۂ قاری
شبِ تاریک میں وہ خوش الحان   دل سے پڑھتا ہوا اشک ہوں جاری
اُس تلاوت کا حسن کیا کہنا   سن رہا ہو جسے مرا باری
ظاہری حال بھی یہ اُس کا ہو   خوف خالق سے گریہ ہو طاری
رکھ دیا ہو زمین پہ رخسار   حبِ حق دل میں جاری و ساری
کہہ رہا ہو کہ اے مرے آقا   اے مری آرزو اے مرے باری
تجھ سے میری جدائی کا باعث   معصیت میری اور خطا کاری
ہے گذارش تو بخشدے مجھ کو   جرم ہلکا نہیں بہت بھاری

پرتری ذات ہے کریم اے رب　　شان مولا تری ہے غفاری
بخش دے جرم اور دے جنت　　دوری فرما مجھے نہ کرناری
اس طرح روئے دل ہلا ڈالے　　اپنا بھی غیر کا بھی وہ قاری
ایسا قاری قرآن کل ہوگا　　خلد میں میہمانِ سرکاری
اس کو جوڑا ملے گا اس جیسا　　حورِ جنت ۔ جو حسن ہی ساری

سب کہیں گے تجھے مبارک ہو
یہ حسین تحفہ رب کا اے قاری

اس گانے والی عورت نے جب ان اشعار کو سنا تو بیہوش ہوکر گر پڑی ۔ جب افاقہ ہوا تو اٹھی اور ریشم و دیباج کا لباس جو پہنے ہوئے تھی اُسے اُتار کر معمولی لباس پہن لیا اور ستار و سارنگی کو توڑ ڈالا اور شراب کو سمندر میں پھینک دیا اور مجھ سے کہا کہ یا حضرت میں بھی اگر اپنے مالک حقیقی سے توبہ کروں تو کیا وہ مجھ جیسی گنہگار کو قبول کرے گا ۔ میں نے کہا ۔ ہاں ہاں اسکے یہاں کسی کے لئے رکاوٹ نہیں ہے ۔ اس نے تو اپنی کتاب حکیم میں فرمادیا ہے کہ هُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّاٰتِ ۔

"یعنی خدا ہی وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور ان کی لغزشوں کو معاف کرتا ہے"

یہ سنتے ہی اس نے اپنے چہرہ سے نقاب سرکایا اور میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھ میں اور میرے آقا میں مصالحت کا واسطہ چونکہ آپ ہوئے ہیں لہذا ایک بار پھر میرے لئے سفارش فرمادیجئے کہ وہ میرے سابقہ گناہوں اور گذشتہ کوتاہیوں کو معاف فرمادے اور مجھے بخش دے ۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اتنے میں کشتی دریا کے اس پار پہونچ گئی اور ہم سب اُتر گئے ۔ ان لوگوں نے اپنی راہ لی اور میں نے اپنی راہ لی ۔ پھر اس کے بعد بہت دنوں تک نہ تو میں نے اس عورت کو دیکھا اور نہ مجھے اسکا کچھ حال ہی

معلوم ہوا۔ عرصہ گذرنے کے بعد ایک سال میں حج کو گیا۔ ایک مرتبہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا تو دیکھا کہ ایک جوان عورت پراگندہ حال کعبہ کا غلاف پکڑے رو رہی ہے اور یوں فریاد کر رہی ہے کہ اے میرے مالک رات آپ نے جس نشہ میں مخمور رکھا اور جس شراب سے مجھے لطف اندوز فرمایا اسکا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ میرے گناہ کو بخش دیجئے۔ میں نے جب شراب و خمار سنا تو یہ سمجھ کر کہ کوئی کھانے پینے والی عورت معلوم ہوتی ہے اس کو منع کیا اور کہا کہ ارے جب بھی رہ ایسے مقدس مقام میں بھی وہی شراب و خمار کی باتیں۔ یہ سن کر وہ بولی کہ ذوالنون چلو ہٹو اپنا کام کرو، میرے معاملہ میں دخل نہ دو۔ تم کیا جانو کہ میں کس چیز کا واسطہ دے رہی ہوں (بغیر سمجھے ہی اعتراض کر بیٹھے۔ سنو بات یہ ہے کہ) گذشتہ شب میری ایسی مبارک گذری ہے کہ کچھ کہنے کو نہیں۔ تمام رات میں اپنے مولا کی محبت کے جام سے مسرور تھی اور صبح ہوئی تو اس حال میں کہ انکی شرابِ محبت سے مخمور تھی یہ دونوں اوقات میرے مقدر سے چونکہ عمدہ گذر گئے اس لئے میں نے انھیں کا واسطہ دے کر اسوقت دعا کی ہے۔

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں (کہ مجھے اپنی بدگمانی پر بڑی ندامت ہوئی اور اس سے بڑھکر یہ کہ اس کی زبان سے اپنا نام سن کر حیرت بھی ہوئی) میں نے کہا کہ اللہ کی بندی تجھے میرا نام کیسے معلوم ہوگیا۔ اس نے کہا کہ آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔ میں وہی لونڈی ہوں جس نے دریائے نیل میں کشتی پر آپ کے ہاتھ پر توبہ کی تھی۔ میں نے کہا ارے تو وہ ہے یہ تو بتا تیرا وہ حسن و جمال کیا ہوا۔ اس کے جواب میں اس نے یہ اشعار پڑھے:۔

ذَهَبَتْ لَذَّةُ الصِّبَا فِي الْمَعَاصِي وَبَقِي بَعْدَ ذَاكَ أَخْذُ النَّوَاصِي

نوجوانی اور شباب کی اُمنگ تو گناہ میں گذر گئی۔ اب اس کے بعد چوٹی پکڑ کر مالک کے سامنے پیش کیا جانا ہی باقی ہے۔

وَمَضَى الْحُسْنُ وَالْجَمَالُ وَمَالِي عَمَلٌ أَسْتَجِيهِ يَوْمَ الْخَلَاصِ

اپنا حسن و جمال تو سب رخصت ہوگیا اور اب یہ فکر دامنگیر ہے کہ کوئی ایسا عمل ہے نہیں کہ جس کی وجہ سے قیامت میں خلاصی کی امیدوار ہو سکوں۔

غَيْرَ ظَنِّي بِاللهِ وَهُوَ جَمِيْلٌ فِيْهِ أَخْلَصْتُ غَايَةَ الْإِخْلَاصِ

ہاں البتہ ایک چیز کا سہارا ضرور ہے اور وہ ہے اپنے مولا کے ساتھ میرا حسن ظن اس لئے کہ وہ بڑا ہی مہربان اور عمدہ خلق والا ہے۔ بس اس چیز کو تو میں نے انتہائی اخلاص کے ساتھ پکڑ رکھا ہے۔

یہ کہہ کر مجھ سے کہا کہ آپ ذرا ٹھہرئے۔ میں ابھی آتی ہوں۔ اس کے بعد وہ ایک طرف کو گئی اور فوراً ہی واپس آئی اور ایک طباق ساتھ لائی جس میں کچھ تازہ کھجوریں انجیر اور انگور تھے۔ (حالانکہ ان چیزوں کا موسم نہیں تھا) لاکر میرے سامنے رکھدیا۔ میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ دیکھو ذوالنون ستّر سال تک عبادت کرتے کے بعد بھی تم اس مقام تک نہ پہونچ سکے۔ جہاں یہ اللہ کی بندی چند دنوں میں پہونچ گئی۔ مجھے یہ خیال ہوا ہی تھا کہ وہ بولی یا شیخ جانتے ہیں کہ کیا بات ہے؟ بات یہ ہے کہ میں نے جب صدق دل سے اپنے آقا اور مولا کی جانب توبہ کی اور دلی ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تو اس نے بھی مجھے صدق توکل کی دولت سے نوازا اور پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

عِشْ غَرِيباً وَلَا تَذِلَّ لِخَلْقٍ وَاطْلُبِ الرِّزْقَ فِي بِلَادِ الْحَبِيبِ

ثُمَّ سِرْ فِي الْبِلَادِ شَرْقاً وَغَرْباً وَتَوَكَّلْ عَلَى الْقَرِيبِ الْمُجِيبِ

فَعَسَى أَنْ تَنَالَ مَا تَرْتَجِيهِ بِيَدِ اللُّطْفِ مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ

یعنی غریب اور اجنبی ہوکر زندگی بسر کرو اور کسی مخلوق کے آگے ذلت کے ساتھ ہاتھ نہ پھیلاؤ رہی روزی سو اس کو دیارِ حبیب میں تلاش کرو۔

پھر خدا کی زمین میں شرقاً و غرباً جہاں چاہو خوب گھومو پھرو اور توکل اس ذات پر کرو جو قریب بھی ہے اور مجیب بھی۔

عجب نہیں کہ تم اپنی امید کو پہونچ جاؤ اور لطف الٰہی کے ہاتھوں تمہاری خواہش بہت ہی قریبی جگہ سے پوری ہو جائے۔

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ میں سر جھکائے اسکی باتوں کو سن رہا تھا۔ اس کے بعد

میں نے سر جو اُٹھا کر دیکھا تو اس کو غائب پایا۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ مقربین کے یہی حالات ہوا کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اے مخاطب سُن! دیکھ خدا کے دربار سے ہٹنا مت۔ اگرچہ تجھے دھتکار دیا جائے اور اسکے در سے ٹلنا مت۔ اگرچہ دروازہ بند کر دیا جائے۔

مترجم عرض کرتا ہے اسی کو ہمارے خواجہ صاحبؒ یوں فرماتے ہیں کہ ؎

ضربیں کسی کے نام کی دل پہ یونہی لگائے جا
گو نہ ملے جواب کچھ در یونہی کھٹکھٹائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اسپہ ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا (انتہی از ناقل)

غرض بکثرت نصوص ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا شریعت میں ایک خاص مقام ہے اور بہت سے فضائل ایسے ہیں جو تلاوت ہی پر موقوف ہیں۔ چنانچہ ترغیب کے لئے میں نے ابھی چند واقعات ذکر کئے ہیں اب اس کے متعلق شریعت میں جو ترہیب آئی ہیں اس کو بھی سنئے۔

حضرت سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف پڑھ کر اسکو بھلا دے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریگا کہ وہ اجذم ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف)

صاحب مرقاۃ نے اجذم کے کئی معنیٰ بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ ساقط الاسنان ہوگا یعنی پوپلا۔ اس کے منہ میں دانت ہی نہ ہونگے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا شخص کیسا بدنما معلوم ہوتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہیئت مجذوم پر ہوگا یعنی جیسے کوئی جذامی یعنی کوڑھ والا ہو اس صورت میں اللہ تعالیٰ سے ملیگا۔ یا مطلب یہ ہے کہ اس کے ہاتھ ہی نہ ہونگے یا مراد یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی جس کو وہ نسیان کے عذر میں پیش کر سکے یا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سامنے ان کے کلام کریم اور کتاب عظیم کے نسیان پر نادم و خجل ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجذم کے معنی بے خیرے کے ہیں

یعنی ہر قسم کی خیر سے اسکا ہاتھ خالی ہوگا۔

دیکھئے کس قدر وعید شدید بیان فرمائی ہے قرآن کریم کے نسیان پر اور نسیان کی شرح علماء یہ بیان فرماتے ہیں کہ زبانی پڑھنا بھول جائے اور یہ بھی قول ہے کہ دیکھکر بھی نہ پڑھ سکے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی قراءت چھوڑ دے خواہ بھول گیا ہو یا نہ بھولا ہو بس اس میں تصریح ہے کہ ترک تلاوت کی وجہ سے اتنے بڑے عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ محشر میں جہاں سب اولین و آخرین جمع ہونگے یہ شخص اللہ تعالےٰ کے سامنے اپنے اس فعل شنیع پر اسقدر نادم ہوگا اور اس کو ایسی حیا دامنگیر ہوگی کہ چہرے کا گوشت بھی ختم ہو جائیگا۔ اس وعید کی شدت پر نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ تلاوت منجملہ مقاصد شرعیہ کے ہے اس لئے کہ جب اسکا نسیان اتنا بڑا گناہ ہے تو اس کی تلاوت کرنا اور اسکا یاد رکھنا اتنی ہی بڑی طاعت بھی ہوگی اسی طرح سے تدبر فی القرآن اور اس کے معنیٰ کا سمجھنا بھی مقاصد شرع میں سے ہے کیونکہ نصوص میں اسکا بھی حکم ہے چنانچہ جگہ جگہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ کہیں فرماتے ہیں ذَالِكُمْ وَصّٰكُم لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ذَالِكُمْ وَصّٰكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ اور ایک جگہ ارشاد ہے ذَالِكُمْ وَصّٰكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥

ان سب نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف سے الفاظ و تذکر تفہیم معنیٰ اور تدبر یہ سب مطلوب ہیں۔ اسکا کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ بلاشبہ قرآن شریف کے نزول سے مقصود اس کی آیات میں فکر اور تدبر کرنا بھی ہے لیکن اس کی آیات کو تلاوت کرنا اگرچہ بغیر فہم ہو یہ بھی تعبد ہے اور بہت سے کمالات کا ذریعہ ہے اور فی نفسہٖ مثمر برکات وحسنات ہے۔ اس مسئلہ پر ایک دوسرے مضمون میں مفصل کلام کر چکا ہوں۔ چنانچہ سب سے زیادہ صریح اور میرے مقصود پر اول قاضی بیضاوی کی وہ عبارت ہے جو انھوں نے اتل ما أوحي إليك کی تفسیر میں تحریر فرمائی ہے لکھتے ہیں کہ

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ای تقربا الی اللّٰہ تعالٰی بقرأتہ تحفظاً لالفاظہ و استکشافاً لمعانیہ فان القاری المتامل قد ینکشف لہ بالتکرار مالم ینکشف لہ اول ما قرع سمعہ انتہٰی (تفسیر بیضاوی)

ترجمہ۔ آپ پر جو کتاب وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے۔ تاکہ اس کی تلاوت سے قرب خداوندی حاصل ہو اور اس کے الفاظ کی حفاظت ہو سکے اور اس کے معانی آپ پر کھل سکیں اس لئے کہ ایک قاری جب تامل اور تدبر کے ساتھ تلاوت کرتا ہے تو بسا اوقات بار بار پڑھنے کی وجہ سے اسکے لئے قرآن کے ایسے معنی کھلتے ہیں جو پہلی بار (کی تلاوت یا سماعت میں) اس کے ذہن میں نہ آسکے تھے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ تلاوت سے تقرب الی اللہ ہوتا ہے۔ نیز الفاظ کے تحفظ کا بھی یہی ذریعہ ہے نیز اس سے معنی کا انکشاف ہوتا ہے۔ پس قاضی صاحب کی تفسیر کی رو سے یہ آیت ہمارے اس مدعا میں نص ہے کہ نفس تلاوت سے بھی قرب ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ جس طرح صلوٰۃ عبادت ہے تلاوت بھی عبادت ہے کیونکہ دونوں ذکر اللہ کے افراد ہیں۔ دیکھئے قرآن شریف میں قرآن کو بھی ذکر کہا گیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ اور صلوٰۃ کو بھی ذکر اللہ فرمایا گیا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ لہٰذا جب دونوں ذکر ہوئے تو جس طرح صلوٰۃ بلا فہم معنی صحیح ہے اور موجب قرب ہوتی ہے اسی طرح سے تلاوت بھی بلا فہم معنی صحیح ہوگی اور موجب قرب ہوگی۔

یہاں قاضی بیضاویؒ نے نزول کتاب کے تین مقاصد جو بیان فرمائے ہیں۔ اُن میں سے پہلا تقرب الی اللہ تعالٰی بقرأتہ تھا یعنی اس کی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالٰی کا قرب حاصل کرنا تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ یہ تقرب فہم معنی پر تو موقوف نہیں ہے لیکن نیت پر ضرور موقوف ہے اور نیت کا حال یہ ہے کہ وہ فوراً درست نہیں ہوجاتی بلکہ ہوتے ہوتے ہوتی ہے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ مقاصد ثلٰثہ میں سے تقرب اور تحفظ الفاظ یہی دونوں اصل ہیں رہا استکشاف معانی تو وہ تلاوت

سے نہیں ہوتا بلکہ تلاوت کی وجہ سے جب قرب حاصل ہو جاتا ہے تو پھر معانی کلام اللہ اور اس کے رموز و اسرار تعالیٰ پر خود بخود کھلنے لگتے ہیں. پس تلاوت سے اسکا تعلق بالواسطہ ہوا اور ترتیب یوں ٹھہری کہ تلاوت سے قرب ہوتا ہے اور قرب سے کشف معنیٰ ۔ اسی کو ایک صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ تلاوت سے ذوق حاصل ہوتا ہے اور ذوق سے قرآن فہمی پیدا ہوتی ہے۔

یوں تدبر اور تفکر سے بھی انکشاف معنیٰ ہوتے ہیں مگر ایسے نہیں جیسے کہ تلاوت سے ۔ پھر ان دونوں میں بھی اصل الاصول تقرب ہے جس کی لذت مومن کو اتنی ہوتی ہے کہ کسی دوسری چیز کی نہیں ہوتی. شاید اس کی وجہ یہی ہو کہ اللہ تعالیٰ تلاوت کرنے والے کی تلاوت کی جانب کان لگاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں گذرا اور اللہ تعالیٰ کا یہی اقبال فرمانا ہی تقرب ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جنت میں مومن کو جتنی مسرت حق تعالیٰ کے وصال سے ہوگی اتنی اور کسی چیز سے نہ ہوگی اور کافر کو جہنم کا جو عذاب ہوگا وہ تو ہوگا ہی سب سے بڑھ کر عذاب اس کو محبوب کی ناراضگی اور اس کے فراق کا ہوگا۔

غرض قاضی بیضاوی کی تشریح سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کا ایک اہم فائدہ حق تعالیٰ کے قرب کا حصول ہے تو اس کے متعلق یہ سمجھئے کہ مشائخ فرماتے ہیں کہ قرب کے تین اسباب ہیں ۔ برکات عبادت ۔ تاثیر شیخ اور جذب مطلق جس کو اجتباء بھی کہتے ہیں پس جس طرح سے صحبت شیخ اور دیگر عبادات کی وجہ سے انسان حق تعالیٰ کیجانب جذب ہو جاتا ہے اسی طرح سے تلاوت قرآن میں (کہ وہ بھی ایک عبادت ہی ہے) یہ خاصہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی جانب سالک کو جذب کر لیتا ہے بلکہ اس باب میں سب سے زیادہ یہی موثر ہے ایک تو اس لئے کہ اسمیں حق تعالیٰ کی جیسی تجلی موجود ہے کسی اور چیز میں نہیں ہے کیونکہ یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے اور ہر کلام میں متکلم کی تجلی موجود ہوتی ہے۔ اس پر ایک واقعہ سنئے ۔

زیب النساء مخفی نے شاہ ایران کے پیش کردہ مصرع

"دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود"

پر جب دوسرا مصرع لگایا اور شعر کو یوں پورا کیا ؎

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود

یعنی چتکبرا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا اور اگر وہ کہیں موجود ہے تو کسی محبوب کے سرمہ لگے ہوئے آنکھ کے آنسو کی شکل میں موجود ہے۔ نہایت عمدہ جوڑ لگایا اور یہ شعر ایران بھیجا گیا۔ تو شاہ ایران نے شاعر کا نام معلوم کرنا چاہا اور اس کو اپنے یہاں طلب کیا۔ اس کے جواب میں زیب النساء نے پھر دو شعر اور کہے اور انھیں شاہ ایران کے پاس بھیجدئے وہ شعر یہ ہیں کہ ؎

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

مطلب یہ کہ میں وہ ذات ہوں کہ بلبل بھی جو کہ عاشقِ گل مشہور ہے اگر مجھے چمن میں دیکھ لے تو پھول سے دستبردار ہو جائے اور برہمن اگر مجھے دیکھ لے تو بت پرستی سے باز آجائے اور میں اپنے کلام میں اسے مخفی اس طرح سے پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول میں ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شخص مجھے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو وہ میرے کلام میں مجھے دیکھے عرفاء نے اس جواب کی لطافت کو بہت پسند فرمایا ہے اور میں اسی کو کلام اللہ پر پڑھتا ہوں یعنی حق تعالیٰ کی جانب سے بھی گویا یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یعنی حق تعالیٰ بھی گویا یہ فرما رہے ہیں کہ میں اپنے کلام یعنی قرآن شریف میں اس طرح سے مخفی ہوں جس طرح سے کہ پھول کی خوشبو پھول میں موجود ہوتی ہے لہٰذا جس کسی کو میری معرفت منظور ہو وہ میرے کلام میں مجھے دیکھے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جتنی تجلّی اس میں موجود ہے کسی اور چیز میں نہیں ہے

کسی نے خوب کہا ہے ؎

چیست قرآں اے کلامِ حق شناس
رونمائے ربِّ ناس آمد بہ ناس

دوسری وجہ اس کے زیادتیٔ تاثیر کی یہ ہے کہ اس کی مثال اس کمند کی سی ہے جو بندوں کو حق تعالیٰ کی جانب کھینچنے کے لئے لٹکائی گئی ہو ظاہر ہے کہ اب اس سے زیادہ اسہل اور اقرب دوسرا اور کونسا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

غرض کتاب و سنت اور اکابر امت کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ تلاوت کا بھی کوئی مقام و درجہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ عام اُمت کا آج جو معاملہ ہے اس کو دیکھ کر مجھے یہ خیال گذرتا تھا کہ کہیں یہ کلام اللہ کا بُند نہ ہو اور اس کے ساتھ ظلم نہ ہوتا ہو اور وہ معاملہ یہی کہ دیکھتا تھا کہ لوگ جس قدر اہتمام اس زمانہ میں مشائخ کی تصنیفات اور انکے ارشادات و ملفوظات کا کرتے ہیں اور جتنا اعتنا، ان چیزوں کا ہے کتاب وسنت کے ساتھ اتنا نہیں ہے۔ قرآن کی نہ تو تلاوت ہے اور نہ اس کے معنی ہی پر وقوف کی فکر ہے لیکن بزرگوں کے کلام پر عکوف کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ مجھے یہ طرز کلام اللہ کے ساتھ کھلتا تھا لیکن کچھ کہنے کی بھی ہمت نہ پڑتی تھی۔ کیونکہ اس کی جانب سے بے اعتنائی عام دیکھی یعنی علاوہ عوام کے خواص کا معاملہ بھی اس کے ساتھ یہی تھا۔ چنانچہ میں جانتا ہوں کہ بہت سے ایسے لوگ جنکا مشغلہ ہی پڑھنا پڑھانا تھا اور رات و دن جنھیں قرآن و حدیث ہی سے شغف رہتا تھا لیکن وہ اس کی تلاوت بھی نہیں کرتے تھے۔ میں نے اس مضمون کو ایک مرتبہ ایک اہل علم۔ اہل قلم اور تفسیر قرآن سے خاص شغف رکھنے والے ایک بزرگ کے سامنے بیان کیا۔ انھوں نے یہاں سے جانے کے بعد اپنے ایک دوست کو لکھا کہ میرا تو چور ہی پکڑ لیا۔ مجھ ہی کو کہتے تھے۔ حالانکہ میں نے ایک عام بات کہی تھی۔ انکا حال مجھے معلوم بھی نہیں تھا۔

غرض جب خواص کا یہ معاملہ اس کے ساتھ ہے تو پھر ظاہر ہے کہ عوام کا تعلق

اس کے ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے۔ آج اس سے بے تعلقی کی وجہ یہی ہے کہ خواص نے بھی تعلق کم کر لیا ہے اور انکو کوئی کہنے والا نہیں۔ پس جب کوئی بات کہی ہی نہ جائے گی تو لوگوں کو اس کی جانب توجہ خود بخود کیسے ہو جائیگی لہذا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا تعلق ہی کلام اللہ سے ختم ہو گیا۔

یوں میں اس چیز کو محسوس تو بہت دنوں سے کر رہا ہوں کہ ہم لوگوں سے قرآن کے باب میں بہت زیادہ کوتاہی ہو رہی ہے اور ایسی ہو رہی ہے کہ قیامت میں عجب نہیں کہ اس پر سخت سوال ہو جائے مگر کچھ کہتے ہوئے رکتا تھا۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نظر سے گذرا جس سے بڑی تقویت ہوئی اور اس سے اطمینان ہوا کہ قلب میں جو بات آ رہی تھی الحمد للہ وہ ٹھیک تھی۔ شاہ صاحب اپنی کتاب فتح الرحمن بترجمۃ القرآن کے مقدمہ میں اپنے ترجمہ قرآن کرنے کے دواعی اور فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک فائدہ یہ ہوگا کہ

تشبیہے کردہ باشند باصحابہ کرام کہ بہمی دستور حلقہ حلقہ، می نشستند وقاری ایشان قرأت می کرد ایں قدر فرق است کہ صحابہ کرام بسلیقہ خود زبان عربی فہم می کردند وایں جماعت بتوسط ترجمۂ فارسیہ۔

وچناں کہ یاراں سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدین وگلستان شیخ سعدی ومنطق الطیر شیخ فریدالدین عطار وقصص فارابی ونفحات مولانا عبدالرحمن جامی وامثال آں نقل مجلس دارند چہ باشد اگر ایں ترجمہ را بہ ہماں اسلوب درمیان ارند وحصہ از نقل خاطر بہ ادراک آں گمارند اگر آں شغل با کلام اولیاء اللہ است ایں شغل بہ کلام اللہ است واگر آں مواعظ حکیمان است ایں مواعظ احکم الحاکمین است واگر آں مکتوب عزیزاں ست ایں مکتوب رب العزت است شتان بین المرتبتین۔

لوگ اسکے ساتھ شغف دیکھیں گے تو اس کی وجہ سے صحابہ کرام کے ساتھ مشابہت ہو جائیگی اس لئے کہ ان حضرات کا بھی طریقہ یہی تھا کہ وہ لوگ حلقہ بنا بنا کر بیٹھ جاتے تھے اور ایک

قاری تلاوت کرتا تھا اور سب لوگ سنتے تھے بس اتنا فرق ہوگیا ہے کہ صحابہ کرام اپنی ذاتی لیاقت کیوجہ سے عربی زبان سمجھ لیتے تھے اور یہ جماعت موجودہ فارسی ترجمہ کے واسطہ سے مفہوم قرآن سمجھتے ہیں اور جب یہ ہمارے احباب سعادتمند مثنوی مولانائے روم. گلستانِ سعدی شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر. فارابی کے قصص اور مولانا عبدالرحمن جامی کی نفحات اور اسیطرح کی دوسری کتب کو نقل مجلس بنائے ہوئے ہیں تو کیا مضائقہ تھا اگر اس (فارسی ترجمہ) کو بھی اسی طرح سے اپنے درمیان رکھتے اور اسکو بھی پڑھنے پڑھانے کے لئے کچھ حصہ اسکا مقرر کرلیتے. یہ مانا کہ وہ اولیاء اللہ کے کلام کے ساتھ مشغلہ تھا تو یہ بھی تو کلام اللہ کے ساتھ شغل ہوتا اور اگر وہ اہل حکمت کے پند و نصائح ہیں تو یہ بھی احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں. اور اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات ہیں تو یہ بھی تو رب العزت کا مکتوب ہے اور ان دونوں کے تفاوت کا تو پوچھنا ہی کیا۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اسوقت کے لوگوں کے اُس شغف کو جو اولیاء اللہ کے کلام کے ساتھ انکو ہوگیا تھا اور اسطور سے ہوگیا تھا کہ کلام اللہ کے ساتھ شغل کو گویا انھوں نے ترک ہی کردیا گیا تھا ناپسند فرمایا کیونکہ یہ بات اللہ کو ناپسند ہے اور رسول کو ناپسند ہے پس بات اسی سے صاف ہوگئی کہ کتاب و سنت کو ترک کرکے کسی دوسرے کے کلام کے ساتھ ایسا امر روا رکھنا جو مستلزم ہو اسکے نبذ و ترک کو یہ تو بنص قرآن منع اور حرام ہے۔

یہاں نبذ کے متعلق کچھ تفصیل روح المعانی سے لکھتا ہوں. حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀

(ترجمہ. اور جب ان کے پاس ایک پیغمبر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تصدیق بھی کررہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے تو ان اہل کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو گویا اصلاً علم ہی نہیں)۔

اہل توراۃ کا حال بیان فرمایا ہے یعنی ان یہودیوں کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں تھے کہ انھوں نے بھی کتاب اللہ (یعنی توراۃ) کو پس پشت ڈالدیا تھا۔ چنانچہ سُدی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ کا مقابلہ توراۃ سے کیا مگر توراۃ اور قرآن یکساں ثابت ہوئے تو انھوں نے (اس ضد میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننا پڑے) توریت ہی کا انکار کردیا اور اس کو ترک کردیا اور اس کے بدلہ میں آصف کی کتاب اور ہاروت و ماروت کا سحر لے لیا جو کہ قرآن کے خلاف تھا۔ اور توراۃ کے نبذ کردینے کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے اس کے احکام کو ترک کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف اس میں بیان کئے گئے تھے اسکا انکار کردیا۔

وراء ظھورھم یہ کنایہ ہے قلت مبالاۃ اور عدم التفات سے اس لئے کہ انکے کتاب اللہ کے ترک اور اس سے اعراض کو اس شئے کی حالت سے تشبیہ دی ہے جو کہ پس پشت پھینک دی جائے اور وجہ شبہہ قلت مبالات ہے۔

کانھم لا یعلمون یعنی اس طریقے سے پس پشت ڈالدیا جیسے کہ جانتے ہی نہیں کہ یہ کتاب اللہ ہے۔

یہ تھا کتاب اللہ کا نبذ جس پر قرآن نے نکیر کی ہے۔ اب دیکھ لیجئے کہ آج کیا ہمارا معاملہ قرآن شریف کیساتھ ایسا ہی نہیں ہوگیا جو دیگر اہل کتاب کا اپنی کتابوں کے ساتھ تھا۔ العیاذ باللہ۔ اسوقت بھی لوگوں کا معاملہ کچھ اسی قسم کا دیکھا ہوگا اس لئے شاہ صاحب نے اس پر نکیر فرمائی۔

لیکن اگر ہر ایک کے کلام کو اس کے مرتبہ پر رکھا جائے تو پھر کلام اللہ کے ساتھ ساتھ بزرگوں کا کلام بھی لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہم علماء اور حکماء اُمت کی جانب بھی علم و معرفت کے لئے رجوع کرنے کے محتاج ہیں۔ چنانچہ گلستاں۔ بوستاں کی جانب بھی رجوع کیا جاسکتا ہے۔ اور مثنوی مولانا روم سے بھی معرفت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ اس علم و معرفت میں ہم سے سابق ہیں۔ اسلئے کہ

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ: اس آیت کی رو سے ہر متاخر متقدم کی اتباع کا مامور ہے۔

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔ یعنی ہر جاننے والے سے بڑھ کر کوئی جاننے والا ہوتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ۔ یعنی جہل کی بیماری کا علاج دریافت کرنا ہے۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔ یعنی حکمت کی بات مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے جہاں بھی ملے وہی اسکا زیادہ مستحق ہے۔

ان نصوص میں تصریح ہے کہ منیبین کی اتباع کی جائے گی اور یہ کہ ہر جاننے والے سے بڑھ کر کوئی جاننے والا ہوتا ہے نیز یہ کہ نہ جاننے والے کے مرض کی دوا یہی ہے کہ وہ دوسروں سے سوال کرے اور یہ کہ حکمت مومن کی گمشدہ پونجی ہے جہاں سے مل جائے حاصل کرنے کیونکہ اسکا اصل مستحق وہی ہے۔ جب ان نصوص سے یہ معلوم ہوا کہ نہ جاننے والوں کے لئے علماء اور مشائخ کا انقیاد کرنا اور انکی اتباع کرنا متعین ہے تو اپنے سے زیادہ جاننے والے سے علم و معرفت حاصل کرنے کے ہم محتاج ہوئے اسلئے انکا کلام بھی ضرور لیا جائے گا۔ میں اکثر بیان کیا کرتا ہوں کہ ہم لوگ دین کے باب میں جسطرح کتاب وسنت کے محتاج ہیں اسی طرح سے بزرگان دین کے اقوال وافعال اور احوال جاننے کے بھی محتاج ہیں کسی ایک کو لے کر دوسرے سے ہم مستغنی نہیں ہوسکتے اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا کرتا ہوں کہ کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے سیر سلف کا بھی جاننا ضروری ہے کیونکہ ان حضرات کے کلام اور بیان میں حق تعالیٰ کی جانب جذب کرنے کی قوی تاثیر پائی جاتی ہے یعنی سالک اپنے طور پر کتنا ہی کچھ مجاہدہ کیوں نہ کرے اُس سے اتنا کشود کار نہیں ہوتا جتنا کہ کسی بزرگ کے کلام سے تاثر حاصل ہوتا ہے اور راستہ کھل جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ ان حضرات کا تعلق اللہ تعالیٰ

کے ساتھ صحیح ہوتا ہے اور انکا قلب نور سے معمور ہوتا ہے اسلئے جو کلام بھی ایسے قلب سے نکلتا ہے وہ نورانی ہوتا ہے اور سالک کے قلب پر بھی نور پاشی کر دیتا ہے اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

شیخ نورانی ز رہ آگہ کند   با سخن ہم نور را ہمرہ کند

یعنی شیخ کامل راہ سے بھی آگاہ کرتا ہے اور اپنے کلام کے ساتھ ساتھ نور بھی بخشتا رہتا ہے جس کی وجہ سے سالک کے لئے سلوک طریق آسان ہو جاتا ہے کیونکہ راہ بھی ملتی ہے اور نور بھی۔

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ لوگوں نے جو مشائخ کی تصنیفات پر عکوف کیا اور ان کے ملفوظات اور ارشادات کو جو تلقی بالقبول کیا تو کچھ اس لئے نہیں کہ وہ مثلاً مولانا جلال الدین رومی کا کلام تھا یا وہ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ کے ملفوظات تھے یا شیخ فرید الدین عطار کا کلام تھا یا عبدالرحمٰن جامی کے ارشادات تھے۔ بلکہ صرف ان ہی حضرات کو بلکہ سبھی بزرگوں کو جو لوگوں نے مانا ہے تو اس لئے کہ ان حضرات نے بھولے بھٹکوں کو خدا کی راہ دکھلائی ہے اور ان کو حق تعالیٰ کی معرفت سکھلائی ہے۔

چنانچہ ان مشائخ کے ارشادات درحقیقت کتاب و سنت کی شرح اور اس کی تفسیر ہی ہیں۔ پس اس جہت سے انکو ماننا گویا کتاب و سنت ہی کا ماننا ہوا جو ہر مسلمان کے لئے لازم اور ضروری ہے ہاں اگر اس کو اپنے درجہ سے بڑھا دیا جائے یعنی بزرگوں ہی کے کلام کو لیا جائے اور کتاب و سنت کی جانب اصلا التفات نہ کیا جائے یا بے توجہی برتی جائے تو بلاشبہ یہ اسلام میں ایک بدترین بدعت ہوگی اس لئے کہ اصل کو ترک کر کے فرع کو اختیار کر لیا گیا ہے اس لئے سخت نکیر کا یہ عمل مستحق ہے۔

چنانچہ مصلحین امت نے جب بھی لوگوں کا رخ اس جانب مڑتے دیکھا ہے بروقت اس کی اصلاح فرمائی ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام میں آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا اور اگر کبھی معاملہ اس کے برعکس ہو جائے یعنی لوگ اس خیال کے ہو جائیں کہ بس

کتاب وسنت ہی کافی ہے ان کے بعد پھر کسی اور کے کلام کی حاجت نہیں اور مقصد اس قول سے اسلاف کی خدمات کو یک قلم ختم کرنا اور ان کے احسانات کو یکسر فراموش کردینا ہو تو اہل انصاف اس کو بھی پسند نہیں کریں گے اور یہی کہا جائیگا کہ پہلے طبقہ نے کتاب وسنت کے بارے میں اگر تفریط سے کام لیا تھا تو اس دوسرے گروہ نے افراط سے کام لیا حالانکہ جس طرح تفریط مذموم ہے افراط بھی مذموم ہے پس اعدل الاقوال یہ ہے کہ ہم کتاب وسنت کے بھی محتاج ہیں اور سیر سلف سے بھی مستغنی نہیں ہیں بلکہ اپنے سلوک وتسلیک میں ان دونوں ہی کے محتاج ہیں۔

اب ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت کے لئے بزرگوں کے کچھ معارف بیان کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بزرگوں کے کلام سے بھی فائدہ ہوتا ہے اور طریق کھلتا ہے، دین کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تو انکی ایک ہی بات سے آدمی کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے۔ ان معارف کا مفصل بیان تو ہم نے اپنے ایک علیحدہ مستقل مضمون میں کیا ہے تاہم یہاں چند باتیں بطور نمونہ عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ جس جماعت نے اپنے کلام سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے اسقدر قریب کرنے کی سعی کی ہو اس کے کلام کو کلام اللہ اور کلام رسول کے بالکل مقابل ٹھہرا کر اس کی جانب سے بے التفاتی برتنا اس کلام پر بلکہ ان بزرگوں پر بلکہ خود اپنے نفس پر ظلم ہے۔ کیونکہ انکا کلام کوئی مستقل کلام نہ تھا بلکہ کتاب وسنت ہی کی شرح اور اسکا بیان تھا اور ان کے کلام کو موصل الی اللہ ہی سمجھ کر مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا تھا کہ ؎

مثنوئ مولوئ معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی

چنانچہ میں نے حضرتؒ کو خود دیکھا کہ حضرتؒ کے سرہانے مثنوی شریف رکھی رہتی تھی۔ اسی طرح سے حضرت حاجی صاحبؒ کے متعلق سنا کہ مثنوی برابر دیکھا

کرتے تھے۔ حضرت مولانا قاسمؒ بھی مثنوی مولانا روم سے شغف رکھتے تھے چنانچہ فرماتے تھے کہ تین کتابیں البیلی ہیں۔ قرآن شریف۔ بخاری شریف اور مثنوی شریف اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ مکتوبات قدسیہ کو ہمیشہ مطالعہ میں رکھتے تھے۔

مجھے خیال یہ ہوتا تھا کہ یہ سب حضرات تو متبع سنت بزرگ گذرے ہیں ان کے عمل میں اور نصوص سے کتاب و سنت کا جو درجہ معلوم ہوتا ہے اُن میں آخر کیا تطبیق ہے تو اس کے متعلق ایک بات تو خود اپنی سمجھ میں آئی کہ جیسا پہلے کہا گیا ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت میں لطف جو آتا ہے تو اسی وقت جب کہ وہ ذوق کے ساتھ کی جائے اور اسمیں شک نہیں کہ ذوق صاحب ذوق کی صحبت یا اسکے کلام کے دیکھنے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس یہ اکابر جو مشائخ کے کلاموں سے تعلق رکھتے تھے تو نہ اس لئے کہ اس سے اُنکا مقصود اس کا تعبد تھا بلکہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ اپنے ذوق کی تجدید فرماتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ سے قلب میں نشاط و حلاوت اور علوم و معارف حاصل کریں۔

اب وہ معارف سنئے:۔

۱۔ مثلاً اس مسئلہ کو سمجھاتے ہوئے کہ توحید ایک حالی شے ہے قالی نہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

از ساحت دل غبار کثرت رُفتن　　خوشتر کہ بہرزہ دُرِ وحدت سُفتن
مغرور سخن مشو کہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

یعنی دل کے صحن سے کثرت کا غبار دور کرنا کہیں بہتر ہے اس سے کہ محض ڈینگ کے ذریعہ وحدت کا موتی پرو یا جائے بات کے دھوکہ میں مت آؤ اس لئے کہ خدا کی توحید خدا کو ایک جاننے کا نام ہے ایک کہنے کا نام نہیں اور یہ بالکل ظاہر بھی ہے کیونکہ اگر صرف زبان ہی سے خدا کو ایک کہنے کا نام توحید ہو جائے تو اس طرح سے تو سبھی لوگ موحد ہو جائیں گے۔

۲۔ اسی طرح سے ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم
نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت و چہ معانیم

میں نہ تو بنائے ہوئے نقش پر پراگندہ خاطر ہوں اور نہ گڑھے ہوئے حروف ہی پر خوش ہوں بلکہ ایک سانس جو تیری یاد میں کھینچ لوں وہی میرے لئے سرمایۂ حیات ہے۔ عبارت کیا چیز ہے اور معنی کیا ہوتے ہیں۔

سبحان اللہ نفسے بیاد تو می کشم میں کس قدر صدق توجہ الی اللہ کا بیان ہے۔

۳- ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو و سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

یعنی بڑے ستم کی بات ہے اگر تمہاری خواہش تمہیں اس بات پر مجبور کرے کہ چلو باغ میں سرو چنبیلی کی سیر کرو۔ اس لئے کہ تم خود ہی کب پھول سے کم ہو اپنے دل کا دروازہ کھولو اور چمن میں آجاؤ۔ اسی کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں کہ ؎

وسعت دل کی کیا کرتے ہیں سیر اے امداد
کہ یہی باغ ہے اپنا یہی میدان اپنا

سبحان اللہ کیا خوب مضمون ہے ان بزرگوں نے اپنے اپنے ارشادات میں ترجمانی کی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ :- ایمان جب مومن کے قلب میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ کشادہ ہوجاتا ہے۔

اَلْاِیْمَانُ اِذَا دَخَلَ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ اِنْفَسَحَ لَہٗ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

میں اسی قسم کی معارف کے متعلق عرض کر رہا ہوں کہ ایسے ایسے بیشمار معارف کتب قوم میں مذکور ہیں اور ان کے مطالعہ کو محققین نے ضروری سمجھا ہے۔ کیوں کہ یہ بزرگوں کی سوانح ہے۔ جو کہ نہ صرف قرطاس پر بلکہ قلوب پر ہر دور میں ثبت رہے ہیں۔ ع "ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما" کا یہی مطلب ہے۔ اور سنئے۔

۴۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہِ منزل لیلےٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

یعنی اے دل تیرے لئے یہ حالت کہیں بہتر ہے کہ مے گلگوں میں تو اپنے آپ کو خراب اور برباد کرلے (مے گلگوں سے یہاں مراد عشق الٰہی کی شراب ہے) اور پھر بغیر مال و دولت کے ہی تو جاہ و حشم میں قارون سے بھی بڑھ جائے۔ دیکھ لیلیٰ کی منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ میں جانی خطرات تک موجود ہیں لیکن اسکی اولین شرط یہ ہے کہ تو پہلے مجنون ہوجائے (پھر اس کے بعد راستہ بالکل آسان ہے)۔

دیکھئے ان بزرگ نے اپنے اس کلام کے ذریعہ راہ کی صعوبتوں کو کسقدر آسان کردیا اس طرح سے کہ انسان میں غیرت اور طلب پیدا کرکے تلخیوں کے برداشت کرنے پر اسکو اُبھارا ہے کہ بڑے افسوس کی بات ہے جب کہ عشق مجازی میں مجنوں جیسا انسان اپنا سب کچھ تج سکتا ہے تو پھر عشق حقیقی تو کہیں زیادہ مستحق ہے کہ آدمی اس میں اپنے سر و جان کی بازی لگا دے اور اگر کسی کو اس کی ہمت نہیں ہے تو پھر اپنے آپکو عشاق کے زمرے میں شمار کرنے سے اس کو شرمانا چاہئے۔ کسی سودا نے خوب کہا ہے کہ ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن | بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز | اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ظاہر ہے کہ اس کے سننے کے بعد انسان کو کتنی غیرت آنی چاہئے اور ایک کم ہمت شخص کو بھی سلوک کیلئے کمر ہمت کس لینا چاہئے، اسی غیرت پیدا کرنے کے لئے مولانا رومؒ نے فرمایا تھا کہ ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود | گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

اور یہی مطلب ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا کہ ——— بزرگوں کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے۔

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ — بزرگوں کا کلام ان کے بعد انکا نائب و خلیفہ ہوتا ہے کیونکہ انکے کلام سے انکی صحبت یاد آتی ہے اور پھر انکا کلام بھی وہی کام کرتا ہے جو انکی صحبت کرتی ہے۔ یعنی اس سے بھی قلب سالک ذاکر ہوتا ہے اس لئے اُس کو تو اپنا وظیفہ ہی بنا لینا چاہیئے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مشائخ کے کلام میں کسقدر تاثیر ہوتی ہے اور انمیں یا تو کتاب وسنت ہی کے علوم و معارف ہوتے ہیں یا انکی جانب رہنمائی ہوتی ہے چنانچہ مشائخ کے ارشادات بھی مانند نہروں کے ہیں جن کا منبع و مرجع کتاب و سنت ہوتا ہے۔

۵- منجملہ ان علوم و معارف کے جنھیں صوفیہ نے بیان فرمائے ہیں ایک یہ ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں شہوت دنیا کی عجیب وغریب مثال بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است ——— کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

یعنی شہوت جو انسان کے اندر پائی جاتی ہے اُس کی مثال حمام کی بھٹی کی سی ہے کہ بظاہر تو وہ کوڑا کرکٹ اُپلے لکڑی وغیرہ جیسی بے حقیقت بلکہ بعض نجس چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ پانی کے گرم کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح سے شہوتِ انسانی ہے تو بظاہر ایک مذموم شے مگر تقویٰ کا بازار بھی اسی کی ذات سے گرم ہے۔ اگر انسان میں شہوت کا مادہ نہ ہوتا جس کی مخالفت کا وہ شرعاً مامور ہوتا تو وہ متقی ہی نہ کہلاتا۔ اس لئے کہ گناہ کا مادہ یعنی شہوت ہی ان میں موجود نہ ہوتی دیکھئے فرشتوں اور دیوار کو کوئی بھی متقی نہیں کہتا باقی کمال کی حالت یہی ہے کہ معصیت کا منشاء و داعیہ موجود ہو لیکن آدمی اس کے تقاضہ پر عمل نہ کرے۔

اب دیکھئے محض اس مثال کے سن لینے سے شہوت کی کیسی معرفت ہوئی اور آدمی کو اس کے استعمال کا طور معلوم ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ ہماری باطنی ترقیات میں اس کو کس قدر دخل ہے۔ تقوی اور تقرب الی اللہ کا یہی ذریعہ اور واسطہ ہے۔

۶۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

سبحان اللہ کیا عمدہ معرفت کی بات فرمائی ہے۔ اسمیں طالبین کو اخلاص سکھلایا اور علم و جہل کا کیا معیار عطا فرمایا اور ہر جانب سے طبیعت کو ہٹا کر خالق کی جانب یکسو اور متوجہ کر دیا۔

غرض بزرگوں کے اس قسم کے کلام کا احاطہ ممکن نہیں اس کے لئے تو دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ مجھے تو یہاں بالذات انکا بیان بھی مقصود نہیں تھا بلکہ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ مشائخ اور صوفیا کو جو لوگوں نے پکڑا ہے اور ان کی تصانیف پر جو عکوف جاؤ کیا ہے تو یونہی نہیں کر لیا۔ بلکہ ان کی خدمات اور ان کے اخلاص نے ان کو منوایا ہے۔

جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا تو اب آپ سے کہتا ہوں کہ خیال فرمائیے کہ جب اولیاء اللہ کے کلام میں یہ جذب یہ قوت اور ایسی تاثیر موجود ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے کلام میں کیسی کچھ تاثیر موجود ہو گی؟

پس یہی مطلب ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا کہ

> اگر آں شغل با کلام اولیاء اللہ است ایں شغل بہ کلام اللہ است! واگر آں مواعظ حکیمان است ایں مواعظ احکم الحاکمین است۔ واگر آں مکتوب عزیزانست ایں مکتوب رب العزت است۔ وشتان بین المرتبتین۔

جس کا حاصل یہ ہوا کہ قوت و تاثیر میں کلام اللہ دیگر سب کلاموں سے بڑھا ہوا ہے اور دونوں کے درمیان فرق عظیم ہے۔ اور اس فرق کا اعتقاد ضروری ہے۔
باقی شاہ صاحبؒ کا مقصد اس عبارت سے ہرگز یہ نہیں ہے کہ مشائخ کے کلام اور انکے ملفوظات بالکل بیکار، عبث اور بے اثر ہیں اور انکا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے اور شاہ صاحبؒ ایسا کیسے فرما بھی سکتے ہیں جب کہ انکی تمام تصانیف مشائخ وصوفیہ کی ضرورت اور انکی نصرت سے پُر ہیں۔ چنانچہ تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں کہ
محک و معیار ایں کار کتاب و سنت و سیر سلف است۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ
حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعثت سے مقصود تین بڑے بڑے امور کے قائم کرنے کی دعوت دینی تھی۔ ایک تو مبداء اور معاد جزا اور سزا کے متعلق عقائد کی تصحیح کرنا۔ چنانچہ اس فن کے اشاعت کی کفالت علماء امت میں سے حضرات متکلمین نے فرمائی۔ اور دوسری چیز عمل کی تصحیح کرنا اس شعبہ کی خدمت حضرات فقہاء نے فرمائی اور تیسرے اخلاص واحسان کی تصحیح کرنا۔ جس کے متکفل حضرات صوفیہ ہوئے ہیں اسکے متعلق شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ

والذی نفسی بیدہ هذا الثالث ادق المقاصد الشرعیه ماخذا واعمقها محتدا بالنسبة الی سائر الشرائع بمنزلة المعنی من اللفظ وتکفل بها الصوفیة رضوان الله علیهم فاهتدوا واهدوا واستقوا وسقوا وفازوا بالسعادة القصوی وحازوا السهم الاعلی فلله درهم ما اعم نفعهم واتم نورهم۔
(التفہیمات ص ۱۳ ج ۱)

اور قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان جس کے قبضہ میں ہے کہ یہ تیسری قسم جملہ مقاصد شرعیہ سے ادق ہے ماخذ کے اعتبار سے اور از روئے اصل کے سبب سے زیادہ گہری ہے اور تمام شرائع کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے معنی لفظ کے مقابلہ میں اور اس فن کی کفالت فرمائی ہے حضرات صوفیہ نے۔ چنانچہ یہ حضرات پہلے خود مہتدی ہوئے اور پھر ہادی بنے۔

خود ہدایت حاصل کی۔ اور دوسروں کو ہدایت کی۔ خود پیا اور دوسروں کو پلایا اور بلند سعادت پر فائز ہوئے اور بڑے حصہ کو سمیٹا۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور انکی خوبی اور کیا ہی عام ہے انکا نفع اور کیسا تام ہے انکا نور۔

دیکھئے یہاں شاہ صاحب حضرات صوفیہ کے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ مقاصد شرعیہ کی جو اصل ہے اس کے یہ لوگ حامل ہیں پس کتاب و سنت کے متعلق انھیں حضرات کی توضیح و تشریح معتبر ہوگی انکا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ حق معتبر ہے نہ کہ رجال لیکن یہ بات بھی ماننی پڑیگی کہ حق بھی بدون تفصیل رجال کے نہیں پہچانا جاسکتا یہ مضمون نہایت ضروری اور یاد رکھنے کے قابل ہے اس لئے کہ کتاب و سنت کے اتباع کے زعم میں کبھی غلو ہو کر رجال معتبرین کا بھی انکار کر دیا جاتا ہے جو کہ صحیح نہیں بلکہ بہت سی گمراہیاں اس باب سے بھی داخل ہوجاتی ہیں فالحق ھو التوسط۔

اسی لئے میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ واتبع سبیل من اناب الی سے جو بزرگوں کی اتباع کا حکم معلوم ہوتا ہے تو اسکا بھی یہ مطلب نہیں کہ ایسی اتباع کی جائے کہ وہ مرادف ہوجائے کتاب اللہ کے نبذ کے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی اس سے یہ مراد کیسے ہوسکتی ہے کہ کسی ایسی چیز کا حکم فرمائیں کہ لوگ اسکو لے کر حق تعالیٰ کی کتاب ہی کو ترک کردیں۔

اس موقعہ پر ایک صاحب نے خوب بات کہی کہ اللہ تعالیٰ کی ان نصوص (یعنی وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ اور فَسْئَلُوٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) کا یہ مطلب لینا تو صحیح نہیں کہ اس میں علماء و مشائخ سے چونکہ رجوع کرنے کا حکم ہے لہذا اسی کو لیا جائے گا چاہے کتاب و سنت ترک ہی کیوں نہ ہوجائے۔ کیونکہ یہ سمجھنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیخ کامل اپنے کسی مرید کو دوسرے کسی شیخ کے پاس آنے جانے اور انکی صحبت سے مستفید ہونے کی اجازت دیدے تو کیا اسکا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ ان بزرگ سے جاکر مرید ہی ہوجائے اور اپنے اصل شیخ سے اصلا تعلق نہ رکھے۔ اگر کوئی اسکا یہ مطلب سمجھتا ہے تو احمق ہے۔ بس اسی طرح سے وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ کا

بھی یہ مطلب نہیں کہ کتاب وسنت کو ترک کر کے کسی دوسرے کلام پر انسان عکوف کرلے اصالۃً تو مطاع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ ہم اپنے اقوال وافعال کو کتاب وسنت پر پیش کر کے انکو اس کے مطابق کرنے کے مکلف بھی ہیں اس لئے کتاب وسنت سے تو کسی وقت بھی ہم مستغنی نہیں ہو سکتے لیکن علماء ومشائخ پر چونکہ اس کے معانی مکشوف ہوتے ہیں اس لئے ان کے سمجھنے کے لئے ہم ان حضرات کے بھی محتاج ہیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ کتاب اللہ کی حقیقی عظمت اور کامل معرفت بھی ہم کو بزرگوں ہی کے بتلانے اور سمجھانے سے ہو سکتی ہے۔ یہ حضرات نہ بتائیں تو ہمارے قلوب میں قرآن کی بھی عظمت نہ پیدا ہو اور اس کے نزول کا مقصد بھی نہ معلوم ہو مثلاً شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گلستاں میں فرماتے ہیں کہ۔ مراد از نزول قرآن تحصیل سیرت خوب است نہ ترتیل سورِ مکتوب۔ مقصود قرآن سے تحصیل سیرت خوب ہو نہ کہ محض تلاوت

سبحان اللہ کسقدر ایمان افروز مضمون ہے اور یہی وہ مضمون ہے جو حدیث شریف میں ان لفظوں میں آیا ہے وکان خلقہ القرآن یہاں خلق کا جو لفظ ہے اسکا مفہوم اور سیرت کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔ دیکھئے اسمیں کسقدر ترغیب ہے۔ قرآن شریف کی جانب توجہ کرنے کی کیونکہ تحصیلِ سیرتِ خوب کا یہی واحد ذریعہ ہے۔

یہاں یہ خیال نہ گذرے کہ جب کہ نزول قرآن کا مقصد حسن سیرت کی تحصیل ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے سمجھنے پر موقوف ہوگی۔ کیونکہ جو اس کو سمجھے گا نہیں وہ اس پر عمل کیا کر سکے گا اور جب عمل ممکن نہیں تو سیرت خوب اسمیں کیوں کر حاصل ہو جائے گی۔ تو گویا دوسرے لفظوں میں اسکا مطلب یہ ہوا کہ نزول قرآن کے مقصد کو صرف علماء ہی پورا کر سکتے ہیں اور رہے بیچارے عوام تو وہ اس سے قاصر ہی ہیں لہذا قرآن شریف سے عوام کے نفع اٹھانے کی کوئی صورت ہی نہیں رہی۔ اگر یہاں یہ شبہہ ہو۔

تو اس کے متعلق یہ سمجھئے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن شریف سے انتفاع عام ہے۔ اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق عامی اور عالم ہر ایک اس سے نفع اُٹھا سکتا ہے۔

کیونکہ تحصیل سیرت خوب کے یہ معنی نہیں کہ اس میں جو اُمور بیان کئے گئے ہیں انسان اُن سب سے بیک وقت متصف ہی ہوجائے اور سب کچھ سمجھ کر اُسپر عامل ہوجائے۔ کیونکہ یہ بات تو کسی عامی ہی کو کیا بڑے بڑے عالم تک کو حاصل نہیں ہوتی چنانچہ اس کی بہت سی آیات کے معنی علماء پر بھی دشوار ہوجاتے ہیں بلکہ مطلب اسکا یہ ہے کہ مقصود تحصیل ہے سیرت خوب کی علماء کو بلا واسطہ اور عوام کو بواسطہ علما کے حسب استعداد اور حسب مراتب سب کو اس سے نفع ہوتا ہے۔ مثلاً عامی شخص کو، گو اس سے عقائد فقہ اور سلوک کی جزئیات کا خود علم نہ ہوسکے مگر بواسطہ مشائخ اور علماء کے بتدریج ہوتا رہتا ہے اور ایمان جو کہ ان سب کی اصل ہے وہ تو حاصل ہو ہی جاتا ہے اور اس کی تلاوت سے اسمیں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے واذ تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا لیکن وہ تلاوت جو ایمان کی ثمر ہے وہی ہے جس میں قلب بھی شامل ہو چنانچہ ہم اپنے اس مدعا کی تائید میں حضرت شاہ اہل اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ برادر معظم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام پیش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

(فضیلت) تلاوتِ قرآن و قراءت آن نیک ترین انواع عبادت است که رسول علیه الصلوٰة والسلام فرموده است که هر که یک حرف از قرآن مجید بخواند ثواب آن یک حسنه بیابد۔ ثواب آن حسنه را ده چند کرده دهند۔ نه پندارند که الم تمام یک حرف است بلکه الف یک حرف است ولام یکحرف است و میم یک حرف است و فرمود که بخوانید قرآن را که۔ بروز قیامت شفاعت خواہد کرد اصحاب و قاریان خود را و فرمود که روز قیامت خوانندهٔ قرآن را بگویند که قرآن را به ترتیل بخوان و درجات بهشت

ترقی کن مکانِ تو آنجا است کہ تمام کنی قرأت آں را و فرمود کہ خواندن
قرآن شریف بہتر است از تکبیر و تسبیح و صوم و صلوٰۃ۔

ترجمہ۔ قرآن شریف پڑھنا اور اس کی تلاوت کرنا ایک بہترین عبادت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کلام مجید کا ایک حرف پڑھا تو اسکو ایک نیکی ملے گی اور پھر اس حسنہ کو دس گنا کر کے اس کو دیں گے اور یہ نہ سمجھیں کہ الٓمٓ کل کا کل ایک حرف ہے۔ نہیں بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

نیز فرمایا کہ قرآن شریف پڑھو کہ وہ قیامت کے دن اپنے اصحاب اور اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔

نیز فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والوں سے کہا جائیگا کہ قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجات پر چڑھتے جاؤ تمہارا جائے قیام وہی مقام ہوگا جہاں تمہاری قرأت ختم ہو۔

نیز فرمایا کہ قرآن شریف کا پڑھنا تکبیر و تسبیح اور روزہ و صدقہ سے بہتر ہے۔ (چہارباب)

دیکھئے حضرت شاہ صاحبؒ نے تلاوت کی کتنی فضیلت یہاں بیان فرمائی۔ یہ سب احادیث کے مضامین ہیں جس میں دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ چنانچہ اسی کی اتباع میں مشائخ بھی یہی فرماتے آئے ہیں۔ حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ —— پھر آپ نے اسی کے متعلق یہ حکایت فرمائی کہ کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہیں۔ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کیا کریں کہ اسکا نتیجہ کل طاعتوں سے بڑھ کر ہے۔

(السنۃ الجلیلہ صفحہ ۳)

غرض اب یہاں اگر یہ خیال ہو کہ یہ فضیلت تو اس تلاوت کی ہے جو فہم معنی کے ساتھ ہو تو اولاً تو حدیث شریف میں آئی ہوئی مثال اس کی تردید کے لئے کافی ہے کیونکہ اس میں مقطعات کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ اسکے معنی کسی کو نہیں معلوم ہیں نیز خود شاہ

صاحب بھی اس کے آگے فرماتے ہیں۔ کہ

پس لازم بر ہر مسلمان است کہ ہر روز قدرے بہ ترتیل وتجوید بخواندن ورد خود گیرد کہ فضیلت آں از احادیث صحاح بسیار وارد شدہ اگر مطلع باشد وبفہمد معانی آں پس بہتر است وإلّا در وقت تلاوت ایں قدر داند کہ کلام خدا است وآں چہ در آں از امر ونہی وقصص ذکر کردہ است راست ودرست است ایمان آوردم بداں۔　　(چہار باب ص۳۰)

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ روزانہ کچھ مقدار ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھنے کو اپنا وظیفہ بنالے کہ اس کی فضیلت صحاح کی احادیث میں بہت زیادہ آئی ہے۔ پھر اگر معنی بھی سمجھیں تو کیا کہنا۔ اور اگر معنی نہ سمجھیں تو تلاوت کے وقت اتنا تو یقین ہی رکھے کہ یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے اور جو امر ونہی اور قصص وغیرہ اس میں مذکور ہوئے ہیں وہ بالکل صحیح اور درست ہیں میں ان سب پر ایمان لاتا ہوں۔

اسمیں حضرت شاہ صاحب نے عالم اور عامی دونوں کے لئے تلاوت کا طریقہ بیان فرمایا ہے یعنی عالم جو معانی سمجھتا ہے وہ تو خیر سمجھ کر بھی تلاوت کرے۔ لیکن عامی۔ جو مطلب نہیں سمجھتا۔ چاہیئے کہ جب آیات کی تلاوت کرے تو دل ہی دل میں کہتا جاوے کہ یہ سب صحیح وحق ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اس طرح جب تلاوت کرے گا تو یقیناً اسکا ایمان بھی بڑھیگا اور اس کو الفاظ یاد ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوگا اور اگر عالم ہے تو تلاوت کا مزید فائدہ یہ ہوگا کہ اس پر ان معانی کا انکشاف ہوگا جو کہ ایک دو بار کی تلاوت میں اس کو حاصل نہ ہوئے تھے جیسا کہ ابھی ہم نے قاضی بیضاوی کا کلام نقل کیا ہے کہ تلاوت سے تقرب الی اللہ ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اور تحفظ الفاظ ہوتا ہے اور استکشاف معانی ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض مرتبہ تکرار تلاوت سے قاری پر ایسے ایسے معانی کھلتے ہیں جو اس پر اس سے پہلے نہیں کھلے تھے۔ رہا عقائد۔ احکام اور اخلاق وغیرہ کا علم قرآن پر عمل کرنے کے لئے اس کو چاہیئے کہ اہل عقائد یعنی متکلمین اور اہل احکام یعنی فقہاء اور اہل اخلاق یعنی بزرگان دین سے

دریافت کرے اور ان حضرات سے معلوم کر کے عمل کرنا بعینہٖ قرآن شریف پر ہی عمل کرنا ہے۔

نیز دیکھا جاتا ہے کہ جس کو دین اور قرآن سے مناسبت ہو جاتی ہے تو جاہل اور عامی ہونے کے باوجود جب وہ جنت دوزخ۔ عذاب۔ ثواب وغیرہ کی آیتوں پر سے گذرتا ہے تو اجمالاً اس کو سمجھتا بھی ہے اور اتنا فہم قرآن عالم ہونے پر موقوف نہیں ہے اس کے لئے ایمان ہی کافی ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قرآن شریف میں یہ جو آیا ہے کہ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ۔ ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان کر دیا ہے۔

تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس میں جو حصہ ذکر و تذکیر سے متعلق ہے وہ نہایت آسان ہے۔ باقی جو مسائل اجتہادیہ اس میں آئے ہیں اسکو کیسے آسان کہا جاسکتا ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ علماء پر بھی انکا فہم آسان نہیں۔ پس قرآن شریف کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہوا۔ کہ اس سے جنت و دوزخ کا شوق و خوف۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا پیدا ہونا اور آخرت پر ایمان ہونا۔ یہ سب باتیں سمجھنا آسان ہے۔ جو کہ تلاوت سے بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور اس سے خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی منتفع ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا قرآن سے سیرت خوب حسب مراتب سبھی حاصل کر سکتے ہیں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ سیرتِ خوب سے کیا مراد ہے سب سے بڑی سیرت جو تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام میں بطور قدر مشترک کے پائی جاتی ہے وہ تواضع ہے۔ چنانچہ نزول قرآن اور تلاوتِ قرآن سے اصل مقصود یہی ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنی حقیقت کو پہچانے۔ یعنی یہ کہ وہ ایک عاجز اور مسکین بندہ ہے کبر و تعلی اس کے شایانِ شان نہیں ہے اور یہ کہ وہ عبداللہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس پر لازم ہے۔ اس کے لئے اپنے قلب کی تعمیر اخلاق حسنہ سے اور رذائل سے اس کی صفائی بھی

ضروری ہے۔ چنانچہ ایمان۔ اخلاص۔ خشیت اور محبت وغیرہ کے ساتھ متصف ہونے اور کفر ونفاق۔ بغض وعناد۔ کبر وحسد وغیرہ سے قلب میں نفرت پیدا ہونے کا آسان ذریعہ اور خدائی نسخہ یہی قرآن کریم ہے۔ چنانچہ اسی کی تلاوت کے ذریعہ اسلاف نے سیرت خوب حاصل کی تھی اور اس باب میں جسقدر موثر عنوان سے قرآن شریف کسی چیز کی معرفت کراتا ہے کسی دوسرے ذریعہ سے وہ ممکن ہی نہیں ہے۔ مثلاً انسان کی تخلیق اور اس کے ذریعہ سے بعث پر استدلال فرماتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ○

کیا اس آدمی کو جو بعث کا انکار کرتا ہے یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اسکو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیا۔ جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنی اس ابتدائی حالت کو یاد کر کے اولاً بوجہ اپنی حقارت اور خالق کی عظمت کے جرأت انکار وگستاخی اعتراض سے طبعاً شرماتا۔ ثانیاً خود اس حالت سے صحت بعث پر عقلاً استدلال کرتا تو اس نے ایسا نہ کیا بلکہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ۔

یعنی اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ عجیب اس لئے کہ اس سے انکار قدرت لازم آتا ہے۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو خصوصاً جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کردیگا۔ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ۔

آپ جواب دیجئے انکو وہ زندہ کریگا جس نے اول بار ان کو پیدا کیا اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ ابداء بھی اعادہ بھی۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَا اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○

یعنی وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ بعض ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کردیتا ہے۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو۔ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ○

اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو دوبارہ پیدا کر دے ضرور قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

یعنی جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اسکا معمول تو یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے تو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے۔ اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

سبحان اللہ کس قدر پُرشوکت کلام ہے۔ انسان میں اس پر گذرنے کے بعد کبر تو باقی رہ سکتا ہی نہیں۔ انسان کی بے بنیاد حقیقت اور پھر اہلِ کفر کا انکار بعث کر کے انکے اظہار حماقت پر کیا مدلل کلام فرمایا ہے۔

اسی طرح سے ایک اور مقام پر جنت کی معرفت کرا کے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

۱۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ○

اسی طرح سے ایک جگہ قیامت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

۲۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○

۳۔ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ

مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا
نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ ذَٰلِكُم
بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ
مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

ترجمہ۔ اور جس جنت کا متقیوں سے یعنی شرک اور کفر سے بچنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کی عمارات اور اشجار کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا۔ یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔ (بیان القرآن)

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہوگی اُس روز اہلِ باطل خسارے میں پڑیں گے اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ زانو کے بل گر پڑیں گے۔ ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ آج تم کو تمھارے کئے کا بدلہ ملیگا۔ یہ ہمارا دفتر ہے۔ جو تمھارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے۔ ہم تمھارے اعمال کو لکھواتے جاتے تھے۔ جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ان کو انکا رب اپنی رحمت میں داخل کریگا اور یہ صریح کامیابی ہے اور جو لوگ کافر تھے ان سے کہا جاوے گا کہ کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے تکبر کیا تھا اور تم بڑے مجرم تھے۔

اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں۔ اور انکو اپنے تمام بُرے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا اور کہا جاوے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بُھلا رکھا تھا۔ اور تمھارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمھارا مددگار نہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی آیتوں کی

ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا۔ سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا۔ پروردگار تمام عالم کا اور اسی کو بڑائی ہے آسمان اور زمین میں اور وہی زبردست ہے۔ حکمت والا ہے۔ (بیان القرآن)

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرآن کے بیان سے عمدہ اور بہتر کس کا بیان ہوسکتا ہے۔ وہ جب کسی مضمون کو بیان کرتا ہے تو گویا اس کو بالکل دل ہی میں اُتار ہی دیتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے اُوپر کے چند بیانات سے معلوم کیا۔

اور جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ

مراد از نزولِ قرآں تحصیل سیرت خوب است

بلاشبہ حسن سیرت اور مکارم اخلاق کی تحصیل کا بہترین ذریعہ تلاوت قرآن ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی تلاوت بالترتیل اور اس سے سیرتِ خوب کی تحصیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ:

ان شاء اللہ تعالیٰ تالیفات کا حصہ چہارم حسب ذیل کتب کا مجموعہ ہوگا۔

وصیۃ الاحسان۔ وصیۃ الاخلاق۔ وصیۃ الاخلاص اور تصوف اور نسبت صوفیہ کامل۔

مضمون تہجد

اور

مسنون دُعائیں

از افادات

مُصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
نور اللہ مرقدہٗ

ناشر

دفتر ماہنامہ معرفت حق ۲۳۔ بخشی بازار۔ الہ آباد۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مضمون تہجد

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ان دنوں تہجد کے متعلق حضرت والادامت برکاتہم نے آیات وروایات اور بزرگان دین کے حالات سے بہت کافی مواد جمع فرمادیا ہے جو ان لوگوں کے لئے نہایت ہی نافع اور موثر ثابت ہوا جو اس دولت کے خواہشمند تو ہیں لیکن اس کی تحصیل میں ابھی تک پورے طور پر کامیاب نہیں ہورہے ہیں۔ اسی طرح ان حضرات نے بھی اس سے بہت فائدہ اٹھایا جو بحمدللہ تعالیٰ پہلے سے اس کے پابند ہیں لیکن وہ اب جو حالات اپنے لکھتے ہیں اس میں اور ان کے پہلے حالات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ (از ناقل)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّیْلِ فَقَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اَوْ دَعَا اُسْتُجِیْبَ فَاِنْ تَوَضَّاَ وَصَلّٰی قُبِلَتْ صَلٰوتُہٗ۔

ترجمہ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہو پھر یہ کہے کہ اللہ صرف ایک ہے اکیلا اسکا کوئی شریک نہیں ہے۔ تمام ملک اسی کا ہے اور جملہ تعریفیں اسی کو لائق ہیں اور وہ ہر اس کام پر (جس کو وہ چاہے) قدرت رکھنے والا ہے۔ جملہ تعریفیں اللہ ہی کو زیبا ہیں اور وہ تمام برائیوں سے پاک ہے اور

اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور نیک کام کرنے کی طاقت اور بُرے کام سے باز رہنے کی قوت اسی کی طرف سے ملتی ہے۔ پھر کہے کہ اے اللہ مجھ کو بخش دیجئے۔ یا اور کوئی دعا کرے تو وہ دُعا سن لی جاتی ہے۔ پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو مقبول ہوتی ہے۔

اس حدیث شریف کے ذیل میں علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فتح الباری میں ابن بطال کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس کو یہ حدیث پہونچے وہ اس پر عمل کرنے کو غنیمت سمجھے اور اپنے رب کے ساتھ اپنی نیت کو خالص کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ قیام لیل عام طور پر شاق ہے، بجز ان لوگوں کے جنھیں شب میں اٹھنے کی توفیق دیجاتی ہے اسوجہ سے کہ وہ لوگ قیام کو آسان کرنے والے ظاہری اور باطنی اسباب کو اختیار کرتے ہیں لہذا تہجد میں اُٹھنے کی توفیق جس کسی کو ہو گی اس کو ان اسباب کے کرنے کی توفیق پہلے ہو گی۔

اسباب ظاہری یہ ہیں :- کم کھانا۔ دن میں مشقت کم کرنا۔ گناہوں سے اجتناب رکھنا۔ قیلولہ کرنا۔

اسباب باطنی یہ ہیں :- مسلمانوں سے کینہ نہ ہونا۔ نیز بدعات و ہموم دنیا سے قلب کا فارغ ہونا۔ فکر و خوف آخرت کا ہونا۔ فضائل تہجد کا پیش نظر ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہونا اور ایمان کا قوی ہونا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب میں قیام (یعنی نماز تہجد) کو لازم کرلو کیونکہ یہ تم سے پہلے کے تمام انبیاء و اولیاء کی سیرت قدیمہ ہے۔ (لہذا اس کی حفاظت کرو اور اس کا ابقاء تمھارے ذمہ لازم ہے۔ اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو یہ سنت دنیا سے اُٹھ جائے گی جس کے باعث تم ہوگے۔

نیز اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص تہجد گذار نہیں ہے وہ پورا صالح نہیں صرف اس کا ظاہر اچھا ہے باطن نہیں) اور تمھارے لئے اپنے مولیٰ سے قرب و محبت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے

جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ

لَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ۔ یعنی بندہ برابر بذریعہ نوافل مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو میں اپنا محبوب بنا لیتا ہوں) اور پچھلے گناہوں کے لئے ساتر اور عیوب کے لئے ماحی ہے۔ جیسا کہ نص قرآنی میں ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ یعنی بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ اور آئندہ کے لئے انسان کو گناہ سے روکنے والی بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:-

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی بیشک نماز بیحیائی اور برائی کی باتوں سے روک دیتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں اتنا اور ہے کہ مَطْرَدَۃٌ لِلدَّاءِ مِنَ الْجَسَدِ یعنی بدن سے بیماریوں کو دفع کرنے والی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ رات میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ کوئی مسلمان اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے کسی دنیاوی یا دینی خیر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا فرما دیتے ہیں یعنی اس گھڑی میں مسلمان جو کچھ مانگتا ہے وہ اس کو مل جاتی ہے۔ اس حدیث سے رات کی فضیلت دن پر علماء نے ثابت کی ہے مگر آجکل کے یہ نیک جو ہیں ان کو کچھ خبر نہیں نہ یہ معلوم کہ رات کی کیا حیثیت ہے اور نہ یہ معلوم کہ تہجد کے کیا فضائل ہیں۔

امام ابو العباس فرماتے ہیں کہ رِجَالُ اللَّیْلِ هُمُ الرِّجَالُ (یعنی شب بیداری کرنے والے لوگ ہی حقیقت میں مرد ہیں۔

نیز عربی کا ایک شعر ہے ؎

وَاللَّیْلُ لِلْعَاشِقِیْنَ سِتْرٌ | یَا لَیْتَ اَوْقَاتَهَا تَدُوْمُ
رات عاشقوں کے لئے پردہ ہے | کاش اس کے اوقات ہمیشہ رہتے

اور کسی نے خوب کہا ہے ؎

گر روز نیابی ز غوغائے عرب | شب محرم عاشقانست شبہا مطلب

یعنی اگر لوگوں کے شور وغوغا کی وجہ سے تم اس کو دن میں نہ پاسکو تو اس کو رات میں طلب کیا کرو اس لئے کہ رات عاشقوں کی محرم ہے۔

کسی کا اردو میں ایک شعر ہے ؎

غورِ نہار چھپے رات میں بلا انکار دلوں کا مہر نہ غائب رکبھی ہو لیل و نہار

(ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جس کی تہجد اچھی اس کی رات اچھی اور جس کی رات اچھی اسکا دن اچھا۔ لوگ اچھے اچھے حالات کے خواہشمند تو ہیں لیکن نہ اپنی رات کو اچھی بنانے کی فکر ہے اور نہ دن کو اچھا بنانا چاہتے ہیں حالانکہ حال درست ہوتا ہے عمل سے، احوال عمل کے تابع ہوتے ہیں، باقی فاسقوں کا سا عمل اور اس کے ساتھ اہل اللہ جیسے حالات کی تمنا بجز خام خیالی کے کچھ نہیں اور عمل بھی صرف ظاہری کافی نہیں ہے بلکہ باطنی عمل کی ضرورت ہے ورنہ تو صرف ظاہری ہی پر قناعت کبھی اس کے بھی ترک کا سبب بن جاتی ہے۔ جیسا صاحب روح المعانی نے آیت مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا کے تحت لکھا ہے کہ یہ آیت اس شخص کی بھی مثال ہے جو اولیا اللہ کے طریقے میں بلاتحقیق محض تقلید کے طور پر داخل ہوا اور صرف عمل ظاہری کئے۔ چنانچہ اس کے کرنے سے کوئی ایمانی حلاوت اس کو نہ ملی۔ پس احوال کو نہ پاکر ان ظاہری اعمال کو بھی چھوڑ بیٹھا۔

(روح المعانی صفحہ ۱۵۶ ج ۱)

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کی گدی پر تین گرہیں (جب کہ وہ سوتا ہے) لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ کہتے ہوئے ضرب لگاتا ہے کہ ابھی رات بہت زیادہ ہے سو رہو، پس اگر انسان اٹھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وضو بھی کر لیتا ہے تو دوسری کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ پس انسان نشاط والا اور طیب النفس ہو کر صبح کر لیتا ہے ورنہ سارا دن خبیث النفس اور کسلمند ہی رہتا ہے۔ (بخاری شریف)

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتے

ہیں جبکہ ایک تہائی شب باقی رہتی ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اسکی اجابت کروں (اس کو جواب دوں) کون مجھ سے کچھ سوال کرتا ہے کہ میں اسکو وہ چیز دوں اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اسکو بخشدوں۔

اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

ہر رات کے پچھلے حصہ میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے ۔۔۔ جو سوتا ہے سو کھوتا ہے جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

فتح الباری میں ہے کہ جس کا معمول کسی فرض یا تہجد وغیرہ کا ہو اور کسی دن اس کی آنکھ لگ جائے اور وہ نہ اُٹھ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس نماز کا ثواب دیں گے اور اس کی یہ نیند اس پر صدقہ ہے۔

ریاض الصالحین میں بخاری و مسلم کی روایت سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ جو شخص رات کو سو جانے کی وجہ سے اپنے معمول کو ادا نہیں کر سکا پھر اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اسکے لئے ایسا ہی ثواب لکھا جائیگا گویا اس نے رات ہی کو پڑھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ لیل (نماز تہجد) کا حکم فرمایا ہے اگرچہ ایک ہی رکعت ہو یعنی چاہے آخر وقت میں اُٹھ کر پڑھے کہ ایک رکعت تو تہجد کے وقت میں ادا ہو اور دوسری صبح صادق کے بعد۔ تو چاہیے کہ ایسی صورت میں دو رکعت پوری کرلے۔ اور ان دونوں کا شمار تہجد ہی میں ہوگا۔ لیکن چونکہ ایک رکعت رات میں (صبح صادق سے پہلے) پڑھی ہے اسی کو حدیث شریف میں اگرچہ ایک ہی رکعت فرمایا گیا ہے ورنہ تو ایک رکعت کی کوئی نماز نہیں ہوتی۔

روح المعانی میں ہے کہ سلف صالحین قیام لیل (نماز تہجد) پر ایسی مواظبت (ہمیشگی اور دوام) فرماتے تھے جیسی کہ فریضۂ اسلام پر کیجاتی ہے اور یہ اس لئے کہ اس میں محبوب کے ساتھ خلوت اور اُنس کا انکو موقعہ ملتا تھا اور محبوب ان کے پاس بدون کسی رقیب کے ہوتا تھا۔ اسی کو حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

کب رات ہو کب ان سے ہوں خلوت میں پھر بہم ۔۔۔ رہتی ہے دھن یہی ہمیں دن بھر لگی ہوئی

مسنون دُعائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد:۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا صحیح تعلق قائم کریں، اسی میں انکی دینی اور دنیوی فلاح مضمر ہے اور یہی ان کے مصائب کا علاج ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ نماز اور تلاوت کلام اللہ شریف ہے نماز کا اہتمام کریں اور کامل عظمت اور پورے رعایت آداب کے ساتھ قلب کو شریک کر کے قرآن شریف کی تلاوت کریں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نسبت اور سچا رشتہ جوڑنے کی صورت یہ ہے کہ آپ کی سنت کا اتباع کریں اور اپنا ہر قول و عمل سنت کے مطابق رکھنے کی کوشش کریں اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کی ان دعاؤں کو اپنا وظیفہ بنائیں جو خاص خاص موقعوں پر آپ سے ثابت ہیں۔

اسوقت قرآن وحدیث میں آئی ہوئی چند دعائیں نقل کرتا ہوں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی مقبول دعائیں ہیں جن کا پڑھنا موجب صلاح و فلاح ہے۔ نیز توسل ہو ان ادعیۂ مبارکہ سے جناب باری عز اسمہٗ میں اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ انکو اپنا معمول اور ورد بنالیں اور چلتے پھرتے انکو دل اور زبان سے دہراتے رہیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ ان

تمام ارشادات نبوی کو آہستہ آہستہ حفظ کر لیں۔ اور وقتاً فوقتاً پڑھا کریں، تاہم اگر سب کو یاد کرنے کی ہمت نہ ہو تو ان میں سے چند ہی کو یاد کر لیں اور انھیں ہی پڑھا کریں، آسانی کے لئے بعض دعاؤں کا انتخاب بھی کر دیا گیا ہے، ان پر نشان ص لگا دیا گیا ہے۔

آج ہم لوگ عبادت وغیرہ تو خیر کچھ کر بھی لیتے ہیں مگر دعائی جانب ہماری توجہ بہت ہی کم ہے۔ حالانکہ عبادت کے ساتھ ساتھ ایک معتدبہ حصہ دعا کا بھی ہونا ضروری ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ سنت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ سے، دوسرے اس لئے بھی کہ اس زمانہ میں آفات ارضی وسماوی اور نئے نئے واقعات وحوادث صبح وشام جو دیکھنے اور سننے میں آرہے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی کا کچھ ٹھیک نہیں کہ کون کس وقت کس آزمائش میں گرفتار ہو جائے یا کن مصائب وآلام کا شکار ہو جائے لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص اوقات میں شر اور ضرر سے تحفظ کے لئے جو ادعیہ تعلیم فرمائی ہیں۔ مسلمان انھیں کے ذریعہ تحفظ حاصل کریں اور ہر قسم کے شر سے بچنے کے لئے انھیں کو اپنا سپر بنائیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دل خراش
آزموں را ایک زمانہ خاک باش

دعائیں آگے صفحہ پر ملاحظہ ہوں:-

وہ دعائیں یہ ہیں:-

۱ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا

اے رب ہمارے دے ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور بچا

عَذَابَ النَّارِ ۝

ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

۲ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ

اے رب ہمارے نہ کر ہمیں کشمکش کافر لوگوں کا اور بخش دے ہمیں اے رب ہمارے

اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝

کیونکہ تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

۳ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اے رب ہمارے مت کیجیو ہمیں ستم سہنے والا ظالم لوگوں کا۔

۴ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمینوں کے تو ہی رفیق ہے میرا دنیا

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

اور آخرت میں اٹھا تا مجھ کو مسلمان اور شامل کر نا مجھے صالحین کے ساتھ۔

۵ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ ھٰذَا النَّھَارِ صَلَاحًا وَّاَوْسَطَہٗ فَلَاحًا وَّ

یا اللہ کر دے اس دن کے اول حصہ کو بہتری اور اس کے اوسط حصہ کو فلاح اور

آخِرَہٗ نَجَاحًا ۝

اسکے آخر دور کو کامیابی

۶ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَفَتْحَہٗ وَنَصْرَہٗ وَنُوْرَہٗ

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی اس دن کی اور فتح اور ظفر اس کی اور نور

وَبَرَکَتَہٗ وَھُدَاہٗ ۝

اسکا اور برکت اسکی اور ہدایت اسکی۔

۷	اَللّٰهُمَّ عَافِنَا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ○
	یا اللہ عافیت دے ہم کو دنیا اور آخرت میں۔
۸	اَللّٰهُمَّ لَا تُهْلِكْنَا فُجَاءَةً وَّلَا تَأْخُذْنَا بَغْتَةً وَّلَا تُغْفِلْنَا عَنْ
	یا اللہ مت ہلاک کرنا ہم کو ناگہاں اور نہ پکڑنا ہم کو اچانک اور نہ غافل کرنا ہمیں کسی
	حَقٍّ وَّلَا وَصِيَّةٍ ○
	حق سے اور نہ کسی وصیت سے۔
۹	اَللّٰهُمَّ وَاقِيَةً كَوَاقِيَةِ الْوَلِيْدِ ○
	یا اللہ میں چاہتا ہوں نگہبانی مثل نگہبانی بچے کے۔
۱۰	اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِيْشَةً نَّقِيَّةً وَّمِيْتَةً سَوِيَّةً وَّمَرَدًّا غَيْرَ
	یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے زندگی صاف اور موت ڈھنگ کی اور انتقال جس میں رسوائی
	مُخْزِيٍ وَّلَا فَاضِحٍ ○
	اور فضیحت نہ ہو۔
۱۱	اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
	یا اللہ مدد کر اس کی جو مدد کرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اور ہم کو
	وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
	انہیں میں سے کردے اور رسوا کر اس کو جو رسوا کرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو
	وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ ○
	اور ہمیں ان میں سے مت کر۔
۱۲	اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ ○
	یا اللہ مدد کر اسلام کی اور مسلمانوں کی اور عزت دے اسلام کو اور مسلمانوں کو۔
۱۳	اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَاَنْصَارَهٗ وَاَذِلَّ الشِّرْكَ وَاَشْرَارَهٗ ○
	یا اللہ عزت دے اسلام کو اور اسکے مددگاروں کو اور ذلت دے شرک کو اور اسکے اشرار کو۔
۱۴	اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَجِيْرُكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْتَ وَاَحْتَرِسُ
	یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیرے ذریعہ ہر اس چیز سے جو تونے پیدا کیا اور حفاظت

بِكَ مِنْهُنَّ ○

چاہتا ہوں تیرے ہی ذریعہ ان سے۔

۱۵ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ بِشَيْءٍ لَا

یا اللہ عافیت دے مجھ کو اور مت غلبہ دے مجھ پر کسی کو اپنی مخلوق میں سے ذرا بھی کہ جس کے دفعیہ کی

طَاقَةَ لِيْ بِهٖ ○

مجھ میں طاقت نہ ہو۔

۱۶ رَبِّ اَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْ لِيْ

اے رب مدد کر میری اور میرے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کر اور فتح دے مجھے اور میرے اوپر

وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ

کسی کو تو مدد نہ دے اور تدبیر کر میرے لئے اور میرے اوپر کسی کی تدبیر نہ چلا اور ہدایت کر مجھے اور آسان کر ہدایت کو میرے

عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ ○

لئے اور مجھ کو مدد دے اس پر جو مجھ پر زیادتی کرے۔

۱۷ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَ

اے اللہ حصہ دے ہمیں اپنے خوف سے اتنا کہ حائل ہو جائے ہم میں اور تیرے گناہوں میں

بَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ

اور اپنی عبادت سے اتنا کہ پہنچا دے تو ہمیں بذریعہ اس کے اپنی جنت میں اور

الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا

یقین سے اتنا کہ سہل کر دے اس سے ہم پر دنیا کی مصیبتیں اور کار آمد رکھ

وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ

ہماری شنوائیاں اور ہماری قوت جب تک ہمیں زندہ رکھے اور رکھنا

ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ

اس چیز کو باقی بعد ہمارے اور ہمارا انتقام لے اس سے جو ہم پر ظلم کرے اور مدد دے ہمیں اس پر

مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا

جو ہم سے دشمنی کرے اور مت کر ہماری مصیبت ہمارے دین میں اور مت کر دنیا کو مقصود اعظم ہمارا اور نہ

وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا ۝

انتہا ہمارے معلومات کی اور نہ انتہا ہمارے رغبت کی اور نہ مسلط کر ہم پر اس کو جو ہم پر رحم نہ کرے۔

۱۸ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا

یا اللہ ہمیں زیادہ دے اور گھٹا مت اور آبرو دے ہمیں اور ہمیں رسوا نہ کر اور عطیہ دے ہمیں

تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ۝

اور محروم نہ کر اور ہمیں بڑھائے رکھ اور اوروں کو ہم پر نہ بڑھا اور ہمیں خوش کر اور ہم سے راضی ہوجا۔

۱۹ اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً

اے اللہ ہم کو مزین کر ایمان کی زینت سے اور کردے ہم کو ہدایت دینے والا

مُهْتَدِيْنَ ۝

ہدایت یافتہ۔

۲۰ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ

اے اللہ اچھا کر ہمارے انجام کو تمام کاموں میں اور پناہ دے ہم کو دنیا کی

خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ ۝

رسوائی اور آخرت کے عذاب سے۔

۲۱ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ قَائِمًا وَّاحْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ

یا اللہ اسلام کے ساتھ نگاہ رکھ مجھے کھڑے ہوئے اور اسلام کے ساتھ نگاہ رکھ

قَاعِدًا وَّاحْفَظْنِيْ بِالْاِسْلَامِ رَاقِدًا وَّلَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوًّا وَّلَا

مجھے بیٹھے ہوئے اور اسلام کے ساتھ نگاہ رکھ مجھے لیٹے ہوئے اور نہ طعنہ کا موقعہ دے مجھ پر کسی دشمن

حَاسِدًا ۝

کو اور نہ کسی حاسد کو۔

۲۲ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے معافی اور عافیت اس اپنے دین میں اور اپنی دنیا میں

وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ ۝

اور اپنے اہل و عیال و مال میں۔

۲۳ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَتِي وَاٰمِنْ رَوْعَتِي اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ

یا اللہ ڈھانک دے عیب میرا اور امن سے بدل دے میرے خوف کو یا اللہ حفاظت کر میری

يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِيْنِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ

میرے آگے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے داہنے سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے اور پناہ چاہتا ہوں

اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي ○

بوسیلہ تیری عظمت کے اس سے کہ ناگہاں پکڑ لیا جاؤں اپنے نیچے سے۔

۲۴ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِي شَاْنِي كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِي

اے حی اے قیوم تیری رحمت کی طرف فریاد لاتا ہوں درست کر دے میرے تمام احوال کو اور نہ سونپ

اِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ ○

مجھے میرے نفس کی طرف ایک لمحہ بھر۔

۲۵ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ وَمَا

یا اللہ پروردگار ساتوں آسمانوں کے اور اس چیز کے جس پر ان کا سایہ ہے اور پروردگار زمینوں

اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ

کے اور اس چیز کے جس کو زمین اٹھائے ہوئے ہے اور پروردگار شیطانوں کے اور اس چیز کے جن کو اس نے

اَجْمَعِيْنَ اَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ مِنْهُمْ اَوْ اَنْ يَطْغٰى عَزَّ جَارُكَ وَتَبَارَكَ

گمراہ کیا ہو نا میرا نگہبان اپنی تمام مخلوق کی برائی سے اس سے کہ ظلم کرے کوئی مجھ پر یا سرکشی کرے

اسْمُكَ ○

محفوظ ہے پناہ دیا ہوا تیرا اور بابرکت ہے تیرا نام۔

۲۶ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ

یا اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال سے اور نفسانی خواہشوں

وَالْاَهْوَاءِ وَالْاَدْوَاءِ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ

اور بیماریوں سے پناہ چاہتے ہیں ہم تیری ان بری چیزوں سے جن سے پناہ مانگی ہے تیرے نبی محمد صلی اللہ

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ جَارِ السُّوْءِ فِي دَارِ الْمُقَامَةِ

علیہ وسلم نے اور برے پڑوسی سے قیام کی جگہ میں کیونکہ سفر کا ساتھی تو چل ہی دیتا ہے اور دشمن کے

وَاِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ

غلبہ سے اور مخالفین کے طعنہ سے اور بھوک سے کہ وہ برا ہم خواب ہے اور خیانت سے کہ وہ برا ہم

وَمِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَمِنَ الْخِيَانَةِ فَبِئْسَ الْبِطَانَةُ وَ

راز ہے اور اس سے کہ پچھلے پیروں لوٹیں ہم یا اپنے دین سے الگ ہو کر فتنہ میں پڑیں ہم اور تمام

اَنْ نَّرْجِعَ عَلٰى اَعْقَابِنَا اَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِيْنِنَا وَمِنَ الْفِتَنِ عَنْ دِيْنِنَا

فتنوں سے جو ظاہری ہیں ان میں اور جو باطنی ہیں اور برے دن

وَمِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَمِنْ يَوْمِ السُّوْءِ وَمِنْ

سے اور بری رات سے اور بری گھڑی سے اور برے

لَيْلَةِ السُّوْءِ وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْءِ وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْءِ ؀

ساتھی سے۔

۲۷ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فُجَاءَةِ الْخَيْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فُجَاءَةِ الشَّرِّ

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے غیر مترقبہ بھلائی اور پناہ چاہتا ہوں تیری اچانک برائی سے۔

۲۸ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْفَوْزَ فِي الْقَضَاءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے کامیابی قسمت میں اور مہمانی شہداء کی سی

السُّعَدَاءِ وَمُرَافَقَةَ الْاَنْبِيَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَاءِ اِنَّكَ سَمِيْعُ

اور عیش نیک بختوں کا سا اور ساتھ انبیاء علیہم السلام کا فتح دشمنوں پر کیونکہ تو

الدُّعَاءِ ؀

سننے والا ہے دعا کا۔

۲۹ يَا غَفَّارُ اغْفِرْ لِيْ يَا تَوَّابُ تُبْ عَلَيَّ يَا رَحْمٰنُ ارْحَمْنِيْ يَا عَفُوُّ

اے غفار بخش دے اے تواب توبہ قبول کر میری اے رحمن رحم کر مجھ پر اے عفو درگزر کر

اعْفُ عَنِّيْ يَا رَءُوْفُ ارْءَفْ بِيْ يَا رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ

مجھ سے اے رؤف مہربان ہو جا مجھ پر اے پروردگار نصیب کر مجھے کہ شکر کروں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر

الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَطَوِّقْنِيْ حُسْنَ عِبَادَتِكَ يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ

کی ہے اور طاقت دے مجھے اپنی عبادت کے اچھی طرح کرنے کی اے رب میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی

كُلِّهٖ يَا رَبِّ افْتَحْ لِيْ بِخَيْرٍ وَّاخْتِمْ لِيْ بِخَيْرٍ وَّقِنِي السَّيِّئَاتِ وَمَنْ

سب کی اے رب آغاز کر خیر کے ساتھ اور خاتمہ کر میرا خیر کے ساتھ اور بچا مجھے برائیوں سے

تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

اور جس کو تو بچائے اس دن برائیوں سے تو بیشک تو نے اسپر رحم کیا اور یہی تو ہے بڑی کامیابی۔

۳۰ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَلَكَ الشُّكْرُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ

یا اللہ تیرے ہی لئے ہے تعریف سب کی سب اور تیرے ہی لئے ہے شکر سب کا سب اور تیرا ہی ہے

وَلَكَ الْخَلْقُ كُلُّهٗ بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ

ملک سب کا سب اور تیری ہی ہے مخلوق سب کی سب، سب کی سب بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے

اَسْئَلُكَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ

اور تیرے ہی طرف رجوع ہوتے ہیں سب کے سب کام میں مانگتا ہوں بھلائی تجھ سے سب کی سب اور تیری پناہ

لَاۤ اِلٰهَ غَيْرُهٗ ○

چاہتا ہوں سب سب برائیوں سے نام لیتا ہوں اس اللہ کا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۳۱ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ

یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری رضا کے ساتھ تیری ناخوشی سے اور تیرے عفو کے

مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَاۤ اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا

ساتھ تیری سزا سے اور پناہ چاہتا ہوں تیری تجھ سے نہیں کر سکتا ہوں میں تیری تعریف

اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

تو اسی تعریف کے لائق ہے جو خود کی ہے اپنی ذات کے لئے۔

۳۲ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَّزِلَّ اَوْ نُزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نُضِلَّ

یا اللہ ہم پناہ چاہتے ہیں تیری اس سے کہ ہم ڈگ جائیں یا کسی کو ڈگائیں یا ہم گمراہ

اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ عَلَيْنَا اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا اَوْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ

ہو جائیں یا کسی کو گمراہ کریں یا ہم کسی پر ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم جہالت کریں یا ہم پر جہالت کیجائے یا گمراہ ہوں

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ اَضَاءَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَاَشْرَقَتْ

میں یا گمراہ کیا جاؤں چاہتا ہوں میں پناہ تیری ذات گرامی کے نور سے جس سے روشن ہیں آسمان اور چمک رہی ہیں

لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ تُحِلَّ عَلَيَّ غَضَبَكَ

ظلمتیں اور درست ہیں اس سے امر دنیا اور آخرت کے اس سے کہ اتارے تو مجھ پر اپنا غصہ

وَتُنْزِلَ عَلَيَّ سَخَطَكَ وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ

اور نازل کرے مجھ پر ناخوشی اپنی اور میرا حق ہے تجھ کو منانا یہاں تک کہ تو راضی ہوجائے اور نہیں ہے پھرنا گناہ

وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ ۝

سے اور نہ طاقت عبادت کی مگر تیری مدد سے۔

۳۳ اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِيْ بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِيْ بِرُكْنِكَ الَّذِيْ

اے اللہ نگہبانی کر میری اپنی اس آنکھ سے جو کبھی سوتی نہیں اور آڑ میں لے مجھے اپنی اس قوت کے

لَا يُرَامُ وَارْحَمْنِيْ بِقُدْرَتِكَ عَلَيَّ فَلَا اَهْلِكُ وَاَنْتَ رَجَائِيْ

جس کے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا اور رحم کر مجھ پر بوجہ اپنی قدرت کے جو تجھ کو مجھ پر حاصل ہے کہ میں پھر ہلاک

فَكَمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ قَلَّ لَكَ بِهَا شُكْرِيْ وَكَمْ مِّنْ

نہ ہوں اور تو ہی میری امیدگاہ ہے بہتیری ایسی نعمتیں ہیں کہ تونے دیں مجھے اور کم رہا میرا شکر اور بہت سی ایسی

بَلِيَّةٍ ابْتَلَيْتَنِيْ بِهَا قَلَّ لَكَ بِهَا ...... صَبْرِيْ فَيَا مَنْ

مصیبتیں ہیں کہ مبتلا کیا تونے مجھے انہیں اور کم رہا ان پر صبر میرا بس اے وہ کہ کم رہا اس کی نعمت کے وقت

قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُكْرِيْ فَلَمْ يَحْرِمْنِيْ وَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِيَّتِهٖ

شکر میرا پس نہ محروم کیا مجھ کو اور اے وہ کہ کم ہوا اس کی مصیبت کے وقت

صَبْرِيْ فَلَمْ يَخْذُلْنِيْ وَيَا مَنْ رَّاٰنِيْ عَلَى الْخَطَايَا فَلَمْ يَفْضَحْنِيْ

صبر میرا پھر بھی ساتھ نہ چھوڑا میرا اور اے وہ کہ دیکھا مجھے گنا ہوں پر پھر بھی فضیحت نہ کیا مجھے

يَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِيْ لَا يَنْقَضِيْ اَبَدًا وَّيَا ذَا النَّعْمَاۗءِ الَّتِيْ لَا تُحْصٰى

اے اتنے احسان والے کہ کبھی ختم نہ ہو اور ایسی نعمتوں والے کہ کبھی شمار نہ ہو سکیں

اَبَدًا اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبِكَ

سوال کرتا ہوں تجھ سے کہ رحمت کاملہ نازل کرے تو حضرت محمدؐ پر اور حضرت کی آل پر اور تیرا ہی زور

اَدْرَاُ فِيْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاۗءِ وَالْجَبَابِرَةِ ۝

چاہتا ہوں دشمنوں اور زور آوروں کے مقابلہ میں۔

۳۴ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ وَاَذْهِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ

یا اللہ اچھی بنائی ہے تو نے صورت میری بس اچھی کر دے سیرت میری اور دور کر دے میرے دل

وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا اَحْیَیْتَنَا۔

کا غصہ اور بچائے رکھ مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے جبتک تو ہمیں زندہ رکھے۔

۳۵ اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِیْ فِیْ تَیْسِیْرِ كُلِّ عَسِیْرٍ فَاِنَّ تَیْسِیْرَ كُلِّ عَسِیْرٍ

یا اللہ کرم و احسان کر میرے ساتھ سہل کر دینے میں ہر دشواری کے کیونکہ سہل کر دینا ہر دشوار کا

عَلَیْكَ یَسِیْرٌ وَاَسْئَلُكَ الْیُسْرَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

تجھ پر آسان ہے اور مانگتا ہوں میں تجھ سے سہولت اور معافی دنیا اور آخرت میں۔

۳۶ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ اِیْمَانًا لَا یَرْتَدُّ وَیَقِیْنًا لَیْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً

یا اللہ دے مجھے ایسا ایمان کہ پھر نہ پھرے اور ایسا یقین کہ اس کے بعد کفر نہ ہو

اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اور ایسی رحمت کہ پاؤں میں بذریعہ اسکے شرف تیرے یہاں کی عزت کا دنیا اور آخرۃ میں۔

۳۷ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَمِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ

یا اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں برص سے اور ضدا ضدی سے اور نفاق سے

وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ ۝

اور برے اخلاق سے۔

۳۸ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ مِنْ عِنْدِكَ وَاَفِضْ عَلَیَّ مِنْ فَضْلِكَ وَاَسْبِغْ

اے اللہ ہدایت دے ہم کو اپنے پاس سے اور بہادے مجھ پر اپنا فضل اور کامل کر مجھ پر

عَلَیَّ مِنْ رَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ ۝

اپنی رحمت اور نازل کر مجھ پر اپنی برکتیں۔

۳۹ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَعْجِیْلَ عَافِیَتِكَ وَدَفْعَ بَلَائِكَ وَخُرُوْجًا

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے عافیت عاجلہ اور تیری بلاؤ کا دفعیہ اور نکلنا دنیا سے

مِّنَ الدُّنْیَا اِلٰی رَحْمَتِكَ یَا مَنْ یَّكْفِیْ عَنْ كُلِّ اَحَدٍ وَّلَا یَكْفِیْ مِنْهُ اَحَدٌ

تیری رحمت کی طرف اے وہ کہ کافی ہے سب کے عوض اور نہیں کافی ہے اسکے عوض

يَا اَحَدَ مَنْ لَآ اَحَدَ لَهٗ يَا سَنَدَ مَنْ لَا سَنَدَ لَهٗ اِنْقَطَعَ الرَّجَآءُ اِلَّا

قطع ہوگئی اُمید مگر تجھ سے ہیں کوئی اے کس بے کسوں کے اے سہارے بے سہاروں کے

مِنْكَ نَجِّنِيْ مِمَّآ اَنَا فِيْهِ وَاَعِنِّيْ عَلٰى مَا اَنَا عَلَيْهِ مِمَّا نَزَلَ بِيْ بِجَاهِ

نجات دے مجھے اس حال سے کہ میں اس حال میں ہوں اور مدد کر میری بلا نازل شدہ برصدقہ اپنی ذات

وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَيْكَ اٰمِيْنَ ○

پاک کا اور بطفیل حق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تجھ پر ہے ۔ آمین

۴۰ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ خَلِيْلٍ مَاكِرٍ عَيْنَاهُ تَرَيَانِيْ وَقَلْبُهٗ

یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری مکار دوست سے کہ آنکھیں تو اس کی مجھے دیکھتی ہوں اور دل

يَرْعَانِيْ اِنْ رَاٰى حَسَنَةً دَفَنَهَا وَاِنْ رَاٰى سَيِّئَةً اَذَاعَهَا ○

اسکا مجھے چیرے لیتا ہو اگر دیکھے بھلائی تو دبا دے اور اگر دیکھے برائی تو فاش کرے۔

۴۱ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ عَمَلٍ يُّخْزِيْنِيْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ

یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں ہر اس عمل سے جو رسوا کردے مجھے اور پناہ چاہتا ہوں

غِنًى يُّطْغِيْنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَّوْتِ الْهَمِّ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ

میں تیری ہر اس مالداری سے کہ دماغ چلادے میرا یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں فکر کی موت سے اور

مَوْتِ الْغَمِّ ○

پناہ چاہتا ہوں تیری غم کی موت سے۔

۴۲ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ كُلَّ مُهِمٍّ مِّنْ حَيْثُ شِئْتَ وَمِنْ اَيْنَ شِئْتَ

یا اللہ کفایت کر میری ہر بڑے کاموں میں جہاں چاہے اور جیسے چاہے کافی ہے

حَسْبِيَ اللّٰهُ لِدِيْنِيْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لِدُنْيَايَ حَسْبِيَ اللّٰهُ لِمَنْ بَغٰى

میرا اللہ میرے دین کے لئے کافی ہے میرا اللہ میری دنیا کے لئے کافی ہے میرا اللہ ہر اس چیز کے لئے

عَلَيَّ حَسْبِيَ اللّٰهُ لِمَنْ حَسَدَنِيْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لِمَنْ كَادَنِيْ بِسُوْءٍ

جو مجھے غم میں ڈالدے کافی ہے میرا اللہ ہر اس شخص کے لئے جو مجھ سے حسد کرے کافی ہے میرا اللہ

حَسْبِيَ اللّٰهُ عِنْدَ الْمَوْتِ حَسْبِيَ اللّٰهُ عِنْدَ الْمَسْئَلَةِ فِي الْقَبْرِ

ہر اس شخص کے لئے جو مجھے برائی کے قریب کردے کافی ہے میرا اللہ موت کے وقت کافی ہے میرا اللہ قبر میں

حَسْبِیَ اللّٰہُ عِنْدَ الْمِیْزَانِ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ
سوال کے وقت کافی ہے میرا اللہ اعمال کے وزن ہونے کے وقت کافی ہو میرا اللہ اللہ کے سوا کوئی
تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ؕ
معبود نہیں اسی پر بھروسہ کیا میں نے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔
۴۴ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ؕ
اللہ بہترین حفاظت کرنے والا ہے اور وہ رحم کرنیوالوں میں سب سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے۔

آخر میں ایک اور دعا بتاتا ہوں۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ جو خلیفہ تھے حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے۔ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کی کثرت کو ہر دینی و دنیوی نفع کے حصول اور ضرر و نقصان کو دور ہونے کے لئے مفید اور مجرب فرماتے تھے اور کثرت سے مراد یہ ہے کہ روزانہ کم از کم پانچ سو بار اس کو پڑھ لیا جائے اس طرح سے کہ اول و آخر ایک ایک سو بار درود شریف بھی پڑھے۔

بس اسی پر مضمون کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور تمام مسلمانوں کو دنیا میں حفظ و امان میں اور اپنے دین متین پر ثابت قدم رکھے اور آخرت میں اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی نصیب فرمائے آمین ثم آمین وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

وصی اللہ عفی عنہ

یوم عاشوراء ۱۳۸۴ھ

اب اس کے بعد حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے آخری تصنیف وصیۃ السالکین ملاحظہ فرمایئے جس پر تیسرا حصہ تالیفات کا ختم ہے۔ اسکے بعد اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو چوتھا اور آخری حصہ بھی پیش کیا جائیگا اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماویں اور اس حقیر خدمت کو قبول فرماویں۔ والسلام جامی

ضمیمہ

سَیِّدُ الاِسْتِغْفَار

حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ اس کے پڑھنے کی بہت ترغیب دیتے تھے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ

اے اللہ آپ ہی میرے رب ہیں آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ آپ ہی نے مجھ کو پیدا

وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

کیا اور آپ ہی کا میں بندہ ہوں اور حتی المقدور آپ کے عہد و وعدہ پر قائم ہوں جو کچھ میں نے کیا

شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ

اس کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں آپ کے جو انعامات مجھ پر ہیں انکا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے

فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔

گناہوں کا اقرار کرتا ہوں بس آپ میری مغفرت فرما دیں اسلئے کہ بجز آپ کے کوئی بھی گناہوں کا بخشنے والا نہیں۔

اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن میں اس کو پڑھ لے اور اسی دن انتقال کر جائے تو جنتی ہوگا۔ اسی طرح جو شخص رات میں اس کو پڑھ لے اور اسی رات وفات پا جائے تو بھی جنتی ہوگا۔

رسالہ

وصیۃ السالکین

از افاضات

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہ

ناشر

دفتر ماہنامہ معرفت حق ۲۳ بخشی بازار، الہ آباد ۳

وَصِیَّۃُ السَّالِکِین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

بیعت کا سلسلہ

اما بعد : میں باجازت بزرگان دین بیعت بھی لیا کرتا ہوں جبکہ طالبین اسکی درخواست کرتے ہیں لہٰذا عرض پرداز ہوں کہ آپ حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ میں چاروں سلسلوں میں بیعت لیتا ہوں یعنی چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں کیونکہ یہ سب حضرات اہل حق اکابر اولیاء اللہ، صاحب سلسلہ نیز اکابر علماء رہے ہیں۔ ان اکابر کی خصوصیات میں سے طریقت اور شریعت کی جامعیت ہے چنانچہ اتباع سنت اور عمل بالشریعۃ میں ان حضرات کا قدم راسخ رہا ہے۔

بیعت کا مقصد

اس لئے حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان بزرگوں کی خصوصیات کو سمجھا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت باطنی کو ان حضرات کے توسل سے حاصل کیا جائے اور اور انکی عقیدت و محبت کو حرز جان بنایا جائے اس لئے کہ یہ حضرات مقبولانِ حق ہیں اور مقبول اسی لئے ہیں کہ انھوں نے اتباع رسول میں خود کو فنا کردیا تھا۔ لہٰذا ہم کو جب ان سے محبت ہے تو انکے سارے اقوال و اعمال اور احوال سے بھی محبت ہونی چاہیئے اور انکے حالات میں سب سے نمایاں حال جو ان حضرات کا طغرائے امتیاز تھا اور یہ حضرات اس میں سب سے ممتاز تھے انکا یہی اعتصام بالسنۃ اور اتباع شریعت

تھا شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر یکے از اولیاء بر قدر علو درجۂ خویش در متابعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وے وقدمے دارد کہ یکے بدیگرے نہ رسد وفہم آں او را نبود۔"

اتباع سنت کی وصیت

چنانچہ میں ان لوگوں کو جنھوں نے مجھ سے بیعت کی ہے خصوصاً اور ہر آمد و شد رکھنے والے کو عموماً یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان مشائخ کے طریق کو لازم پکڑیں اور اتباع سنت نیز دیگر اعمال میں ان حضرات کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور جملہ صالحین کے حالات وملفوظات کو عموماً اور ان سلاسل اربعہ کے مشائخ کے ملفوظات کو خصوصاً نقل مجلس بنائیں تاکہ صحیح علم ہوتا رہے اور ان سب حضرات کی جانب سے ہماری طرف سلسلۂ فیض جاری رہے

میرا شجرہ

حضرات مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو شجرہ مرحمت فرمایا کرتے ہیں پس جو لوگ کہ مجھ سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں وہ میری اس وصیت کو بمنزلہ شجرہ کے تصور کریں اور اسکو کبھی کبھی پڑھ لیا کریں تاکہ یہ مشائخ سے عقیدت ومحبت تازہ ہو کر ان سے استجلاب فیض کا ذریعہ بنے۔

اصلی دستور العمل

جو لوگ مجھ سے بیعت ہوتے ہیں اور سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں انکی یہ خواہش ہوتی ہے کہ انھیں کوئی دستور العمل یا نظام کار بتادیا جائے تاکہ آئندہ وہ اسی کے مطابق کام کریں تو اسکے لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے لئے تو دستور العمل یہی شریعت ہے جس کو اللہ تعالٰے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں بھیجا ہے اسی کا اتباع پہلے بھی ضروری تھا اور اب بیعت ہونے کے بعد بھی لازم ہے بلکہ بیعت کی غرض اپنے کو شریعت کے مطابق بنانا ہے شریعت کا اتباع تو ہر مسلمان پر فرض ہے مگر بیعت سے اسکا نیا اہتمام مقصود ہوتا ہے اور یہ سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

بیعت کا حاصل

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے القول الجمیل میں اس پر نہایت محققانہ کلام فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں انکا ضبط افعال اور اقوال ظاہری سے ہو اور افعال واقوال ان امور قلبیہ کے

قائم مقام ہوں۔ چنانچہ اللہ اور اسکے رسولؐ اور قیامت (وغیرہ) کی تصدیق امر مخفی ہے تو اقرار ایمان کو تصدیق قلبی کے قائم مقام کیا گیا۔
اور جس طرح سے کہ رضامندی بائع اور مشتری کی قیمت اور مبیع کے دینے میں امر مخفی ہے تو ایجاب و قبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کردیا
فَکَذَالِکَ التَّوْبَۃُ وَالْعَزِیْمَۃُ عَلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَالتَّمَسُّکُ بِحَبْلِ التَّقْوٰی اَخْفٰی مُضْمَرٌ فَاُقِیْمَتِ الْبَیْعَۃُ مَقَامَھَا یعنی اسی طرح توبہ اور عزم کرنا ترک معاصی کا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا امر مخفی اور پوشیدہ ہے تو بیعت کو اسکے قائم مقام کردیا۔

(شفاء العلیل ص ۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا حاصل اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ کیلئے ترک معاصی کا عزم کرنا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے۔

بیعت کی ضرورت

اور اصل اس میں تو یہی ہے کہ انسان خود ہی اپنے کو امر و نہی کرے اور خود ہی نیکیاں کرے اور برائیوں سے بچے لیکن عادت یونہی جاری ہے کہ خود انسان کا حکم اسکے نفس پر چلتا نہیں اسلئے ضرورت ہوئی کہ کسی مرد صالح عاقل عالم باعمل کو جو کہ واقف طریق ہو اپنے اوپر حاکم بنائے اور خود کو اسکے امر و نہی کے تحت داخل کردے اسکو اپنے اوپر مسلط کرلے اور اصلاح کے باب میں اسکی ہدایت کا پابند ہو جائے۔ چنانچہ اگر اس سے اس کو اعتقاد ہوا اور اسکی باتوں پر اور تعلیمات پر اعتماد کیا اور اپنے حالات کی اسکو اطلاع دیتا رہا اور اسکی ہدایات اور تعلیمات پر عمل کرتا رہا تو پھر ان شاء اللہ کامیابی یقینی ہے کام کی ابتدا یوں کرے :-

اصلاح کی ابتداء

(۱) فرض کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرے خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔

(۲) اسی اہتمام میں یہ بھی داخل ہے کہ ان دونوں میں کے فوت شدہ حقوق کی قضا کرے یعنی بلوغ کے بعد سے لیکر اب تک جو نمازیں (فرض و واجب) قضا ہوگئی ہیں اسی طرح سے جو روزے رہ گئے ہیں انکو ادا کرے اور حقوق العباد (خواہ وہ حق عرضی ہو یا

مالی) انکو ادا کرے اور فرائض کے بعد اگر شوق اور موقع ہو تو نوافل کا اہتمام کرے کیونکہ یہ سب اعمال انسانوں ہی کے کرنے کیلئے ہیں فرشتے انکو کرنے کیلئے نہیں آئیں گے۔

(۳) سب سے زیادہ مفید اور بابرکت وظیفہ تلاوت قرآن ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تلاوت محض لسانی نہ ہو بلکہ قلب کی شرکت کے ساتھ ہو اور قلب کی شرکت سے یہاں مراد فہم معنی نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ قلب غافل سے نہ ہو بلکہ تلاوت کے وقت یہ امر مستحضر ہو کہ یہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ہی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور یہ کہ بندہ جس وقت تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت کیطرف کان لگاتے ہیں۔

تلاوت کے آداب اور اسکے حقوق وفضائل میں نے اپنے ایک رسالہ تلاوت قرآن میں مفصل بیان کر دیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے اور برابر دیکھا جائے۔

(۴) تلاوت کے بعد یا کسی اور فرصت کے وقت میں ایک منزل "مناجات مقبول" کی پڑھی جائے اور اسمیں بھی یہ استحضار رکھا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعائیں ہیں جن میں آپ نے دینی اور دنیوی ظاہری اور باطنی، حالی اور مالی تمام چیزوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے اور ہر قسم کی مضر چیزوں سے استعاذہ فرمایا ہے ان دعاؤں کو ذوق کے ساتھ پڑھنے کے لئے میرا مضمون "وصیۃ السنۃ" دیکھ لیا جائے انشاء اللہ تعالےٰ دعاؤں کا ذوق پیدا ہو جائے گا اور پھر ان دعاؤں کو انسان ایک خاص کیف اور ذوق کے ساتھ پڑھے گا جو کہ اسکی اصل روح ہے۔

(۵) نفل نمازوں میں سے چاشت، اشراق، اوابین وغیرہ سب ہی کی پابندی ہونی چاہئے اسلئے کہ ہر ایک کی خاص خاص برکات اور مخصوص آثار ہیں لیکن مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ اگر سب نہیں کر سکتا تو تھوڑے کو بھی ترک نہ کرے نماز تہجد کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ ہر زمانہ میں صالحین امت کا شعار رہا ہے اس لئے اس سے محرومی ایک بڑے خیر سے محرومی ہے اسکے متعلق میں نے کسی قدر مفصل کلام اپنے ایک مضمون "مضمون تہجد" میں کیا ہے۔ اگر مل جائے تو اسمیں دیکھ لیا جائے۔

(۶) قلب کی غفلت کا دور کرنا ضروری ہے بزرگوں کے تجربہ میں اس کے لئے ذکر سے بڑھکر کوئی چیز نہیں یہ اسکے لئے تریاق ہے۔ پہلے ذکر مفرد پھر مرکب بھی کراتے ہیں ذکر مفرد کو مبتدی کے لئے زیادہ نافع بتاتے ہیں۔ اس راہ میں انکا اتباع از بس ضروری ہے یہ لوگ اطبائے قلوب ہیں۔

مقصود باطن کی درستگی ہے

رسالہ قشیریہ میں امام ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں:۔

وَلَيْسَ مِنْ آدَابِ الْمُرِيْدِ كَثْرَةُ الْأَوْرَادِ بِالظَّاهِرَةِ فَإِنَّ الْقَوْمَ فِيْ مُكَابَدَةِ إِخْلَاءِ خَوَاطِرِهِمْ وَمُعَالَجَةِ أَخْلَاقِهِمْ وَنَفْيِ الْغَفْلَةِ عَنْ قُلُوْبِهِمْ لَا فِيْ تَكْثِيْرِ أَعْمَالِ الْبِرِّ الَّذِيْ لَابُدَّ لَهُمْ مِنْهُ إِقَامَةُ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ الرَّاتِبَةِ فَأَمَّا الزِّيَادَاتُ مِنَ الصَّلَوَاتِ النَّافِلَةِ فَاسْتِدَامَةُ الذِّكْرِ بِالْقَلْبِ أَتَمُّ لَهُمْ (رسالہ قشیریہ)

یعنی مریدین کے آداب میں سے اورادِ ظاہرہ کی کثرت نہیں ہے اسلئے کہ قوم صوفیہ تو صرف تین چیزوں کے درپے ہے خواطر ردیہ کو اپنے قلب سے دور کرنا اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا اور لینے اور اپنے قلب سے غفلت کو دور کرنا ہی اعمال خیر کی کثرت تو یہ انکا وظیفہ نہیں ان کے لئے جو چیز ضروری ہے وہ فرائض کی ادائگی ہو اور سنن موکدات کا ادا کرنا ہے رہے اور دیگر نوافل تو ذکر قلبی پر مداومت انکے لئے نوافل کی مشغولی سے کہیں زیادہ نافع اور مفید ہو گی۔

اسی طرح شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ

"اوقات خود را بعد ادائے فرائض واجبات وسنن در شغل باطن گذارد

و بزیادتی نوافل نپردازد بلکہ مشغولی باطن را فرض داند و گاہے غافل نشود"۔

میں کہتا ہوں اسی مشغولی باطن کے (جسکو فرض قرار دے رہے ہیں) تحصیل کے لئے یہ ذکر مفرد اور مرکب ضروری ہے۔ چنانچہ یہ حضرات اس ذکر کو نوافل وغیرہ سے اس بارہ میں زیادہ نافع سمجھتے ہیں۔

ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے اوراد و وظائف

لہٰذا اپنی دنیوی مشغولیوں کے باوجود کچھ وقت اسکے لئے بھی نکالنا چاہیئے اس سلسلہ میں لوگوں کی فرصت اور مشاغل کو دیکھتے ہوئے

کسی کو دوازدہ تسبیح بتاتا ہوں کسی کو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ دو دو تسبیح صبح و شام بتا دیتا ہوں اور کبھی صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دو یا چار تسبیح تجویز کرتا ہوں اسطرح پر کہ نو یا دس بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کے بعد دسویں یا گیارھویں بار محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بھی ملا دیا جائے اور مقصد یہ ہے کہ گاہے گاہے پورا کلمہ پڑھ لیا جائے اسی طرح بزرگوں سے منقول چلا آرہا ہے۔

طریقہ دوازدہ تسبیح

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ

(اس دعاء کو چند بار کہے تا آنکہ قلب ذکر کی طرف متوجہ ہو جائے)

بعدہ

استغفار ۱۱ بار۔ درود شریف ۱۱ بار۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۲۰۰ بار اسطرح سے کہ دس بار کہنے کے بعد گیارھویں بار محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بھی ملا لیا جائے۔ اِلَّا اللّٰہُ ۴۰۰ بار۔ اَللّٰہُ اَللّٰہُ ۶۰۰ بار۔ اَللّٰہُ ۱۰۰ بار۔ درود شریف ۱۱ بار۔ استغفار ۱۱ بار (دعاء مانگ کر ختم کرے)۔

مطالعہ کتب کی ضرورت منجملہ دیگر ضروریات کے اس زمانہ میں ایک ضروری عمل اسے سمجھتا ہوں کہ حضرت مولیناؒ کے مواعظ اور ملفوظات اور تصانیف کے مطالعہ کا اہتمام رکھیں اور میری کتابوں کو بھی برابر مطالعہ میں رکھیں۔ بالخصوص حیات المسلمین۔ جزاء الاعمال۔ تعلیم الدین۔ فروع الایمان۔ قصد السبیل اور بہشتی زیور۔ اسی طرح وصیۃ الاخلاق۔ وصیۃ الاحسان۔ وصیۃ الاخلاص۔ وصیۃ التلاوت۔ وصیۃ السنت عاقبۃ الانکار۔ تلاوت قرآن اور نسبت صوفیہ کا مطالعہ ضرور کریں۔ انشاء اللّٰہ اس سے دین وطریق سے خاصی مناسبت بھی ہو جائیگی اور معتدبہ علم بھی حاصل ہو جائے گا۔

مشائخ کی کتابیں اس سلسلہ میں اتنی بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ علماء نے لکھا ہے کہ مشائخ کی کتابیں انکی غیر موجودگی کی حالت میں انکی

نائب اور خلیفہ ہوا کرتی ہیں لہٰذا ان کتابوں کے پڑھنے اور سننے سنانے کا سلسلہ ضرور ہونا چاہیئے۔ اپنے لوگوں کو اسپر زور دیتا ہوں اور یہ اسلئے کہ بہت سے لوگوں نے مجھے لکھا ہے کہ رسالہ "معرفت حق" کے مضامین سنکر دین اور اصلاح کی فکر پیدا ہوئی ہے فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

اصلاح اخلاق

(۸) اصلاح کے سلسلہ میں یہ سمجھ لیجیے کہ سب سے زیادہ ضروری اور اہم اخلاق کی اصلاح ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان اپنے سوء خُلق کی بنا پر جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیگا حالانکہ وہ دنیا میں عابد ہوگا۔ اسی طرح سے وہ اپنے حسن خُلق کی بنا پر جنت کے اعلیٰ طبقہ میں داخل ہوگا حالانکہ اسکی عبادات کچھ زیادہ نہ ہونگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی شریعت میں خاص اہمیت ہے۔ اسلئے بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ انسان دوسروں کے درپے ہونے کے بجائے خود اپنے نفس کے درپے ہو بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ دوسروں پر نظر ہوتی ہی اسوقت ہے جب کہ اپنے سے آنکھ بند ہوتی ہے اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

اوروں پہ معترض تھے لیکن جب آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب دیکھا

اسلئے اپنے اندر صدق و اخلاص اور تواضع پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور کبر و نفاق کے شائبہ سے بھی بچنا چاہئے اس سلسلہ میں میری کتاب "وصیۃ الاحسان" اور "تحذیر العلماء" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ادب و احترام شیخ

(۹) اصلاح نفس کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر شوق یا خوف پیدا کرے اصلاح کا ظاہری ذریعہ چونکہ شیخ ہوتا ہے اسلئے اسکا ادب و احترام اس سے محبت اور اسکے مواخذہ اور عتاب کا خوف سالک کے اندر ہونا چاہیئے اسلئے وقتاً فوقتاً شیخ کیخدمت میں حاضری دیتا رہے تاکہ تعلق بڑھتا ہے اور اسمیں اگر تاخیر ہو تو بذریعہ خط و کتابت تعلق قائم رکھے ورنہ دیکھا تو یہ جاتا ہے کہ اوروں کی دیکھا دیکھی لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں اور پھر برسہا برس تک خبر نہیں لیتے تو ایسا تعلق نہ توچنداں مفید ہی ہے اور نہ اسکا طریق میں کوئی

درجہ ہے۔ مجھے کسی کا یہ شعر بہت پسند آیا کہ ؎

اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَانْهَهَا عَنْ غَيِّهَا
فَإِذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَأَنْتَ حَكِيْمٌ

اسلئے میرے نزدیک اصلاح کا طریق کار یہی ہے کہ انسان کام کی ابتدا اپنے نفس سے کرے اسکے بعد بھواے

اہل و عیال کی اصلاح

آیۃ "قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا" اپنے گھر اور خاندان اور متعلقین کی اصلاح کی جانب متوجہ ہو اسی طرح ہر ہر شخص اگر کرنے لگ جائے تو دین عام ہو کر ایک صالح احول پیدا ہو جائے جس کا ہونا دینی ترقی اور دینی بقا کیلئے ضروری ہے ایسا احول اگر کسی کو نصیب ہو جائے یا کوئی خود بنا لے تو دنیا اسکے لئے جنت کا نمونہ ہو جائے۔

قاضی صاحبؒ کا ارشاد

(۱۰) میری اس نصیحت کے مناسب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا یہ مضمون بھی ہے جسے انھوں نے ارشاد الطالبین میں خاتمہ کے عنوان سے بیان فرمایا ہے طالبین کے افادہ کیلئے یہاں اسکو بعینہٖ نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں:-

تمام مسلمانوں کو عموماً اور طریقۂ نقشبندیہ کے صوفیوں کو خصوصاً جنکے طریق کی بنا ہی اتباع سنت پر قائم ہے لازم ہے کہ فقہ اور حدیث کی خدمت کریں تاکہ لوگ فرائض، واجبات، محرمات، مکروہات، مشتبہات، عبادات اور عادات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم کریں اور جہاں تک ہو سکے اتباع سنت کی کوشش کریں خصوصاً فرائض و واجبات کے اتباع میں اور مکروہات و مشتبہات سے بچنے میں سنت کی رعایت کو محکم پکڑیں۔ بدن کپڑے اور جائے نماز کی طہارت اور تمام شرائط نماز میں پوری رعایت کریں لیکن ظاہری طہارت میں وسواس کی حد تک اپنے آپ کو نہ پہونچائیں کیونکہ یہ مذموم ہے اور پنجگانہ نماز مسجدوں میں جماعت کے ساتھ پڑھیں اسطرح کہ تکبیر تحریمہ اولیٰ فوت نہ ہو اور جماعت کی تعداد بڑھائیں اور اچھے آدمی کو امام بنانے کی کوشش کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ یعنی مقتدی کی نماز امام کی نماز کی ضمانت میں ہے پس جس قدر امام کامل ہوگا اسی قدر اسکی نماز کامل ہوگی۔ جمعہ کی نماز

ہاتھ سے نہ جانے دیں اور تمام سنن اور آداب کی اچھی طرح رعایت کریں۔ نماز پورے اطمینان سے ادا کریں اور قرآن شریف کو صحت اور صفائی اور اچھی آواز سے، گانے کے طرز کے بغیر پڑھیں۔ نماز مستحب وقتوں میں پڑھیں اور سنن راتبہ کو جو بارہ رکعت ہیں اور تہجد کو جو سنت موکدہ ہے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ماہ رمضان کے روزے احتیاط سے ادا کریں۔ لغویات یا گناہ یا غیبت سے روزہ کا ثواب ضائع نہ کریں اور نماز تراویح، ختم قرآن شریف اور اعتکاف عشرۂ اخیرۂ رمضان لازم پکڑیں۔ لیلۃ القدر کی تلاش رکھیں ذکر کے اوقات کو معمور رکھیں۔ اگر نصاب نامی کے مالک ہوں تو زکواۃ کا ادا کرنا فرض ہے لیکن اس بارے میں سنت یہ ہے کہ حاجت ضروری سے زیادہ مال قبضہ میں نہ رکھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد اپنی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو چھ سو میر سالانہ جوا ور خرما دیتے تھے اور اپنی ملکیت میں ایک درم بھی نہیں رکھتے تھے۔ اور کسب حلال سے کھاتے رہیں۔ خرید و فروخت وغیرہ معاملات میں مسائل فقہ کی رعایت رکھیں مشتبہات سے پرہیز رکھیں حقوق الناس ادا کرنے میں سعیٔ بلیغ کریں۔ اگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو گئی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیران عظام کی شفاعت سے مغفرت کی امید ہے لیکن حقوق العباد نہیں بخشے جاتے۔ نکاح پیغمبروں کی سنت ہے لیکن اگر اسکے حقوق ادا نہ کر سکے اس خوف سے کہ اس سے فرائض و واجبات فوت ہو جائیں گے تو اس سے باز رہنا بہتر ہوگا۔ اس بارے میں مختصراً حکم دیا گیا ہے اسکی تفصیل کتب فقہ و حدیث میں تلاش کرنی چاہیے

فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد صوفی پر لازم ہے کہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھیں اور بیہودگی میں وقت ضائع نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اہل جنت کو جنت میں کوئی حسرت نہ ہوگی بجز دنیا کی اس گھڑی کے جس میں انھوں نے خدا کا ذکر نہ کیا ہوگا۔

فنائے نفس سے پہلے کثرت نوافل اور تلاوت قرآن سے قرب الٰہی میں ترقیؔ نہیں ہوتی۔ دیکھو حق تعالٰے ارشاد فرماتے ہیں کہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (یعنی قرآن

سہ تو لا ترقی نہیں ہوتی ... اقول یہ نفی ایک خاص چیز کی ہے باقی اس سے عام نفع کی نفی لازم نہیں یعنی اور دوسری قسم کا فائدہ تلاوت سے ہوتا ہے یعنی ان سے مقصود قرب الٰہی ہو اور بسا اوقات فنائے نفس سے پہلے یہ چیزیں عجب و کبر کا سبب بن جاتی ہیں۔

لوگ بغیر طہارت کے نہ چھوئیں) تو جس طرح سے کہ ظاہری طہارت نماز کیلئے شرط ہے اسی طرح سے رذائل نفس سے پاک ہوئے بغیر نماز و تلاوت کی برکات بھی حاصل نہ ہوں گی۔

تجدید ایمان

اور جس طرح سے کہ ظاہری کفر کا ازالہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے ہو جاتا ہے اسی طرح باطنی کفر کا ازالہ بھی اسی کلمہ سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ یعنی اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ایمان کو کیسے تازہ کیا کریں فرمایا کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار سے چنانچہ تمام سلاسل کے مشائخ نے مریدوں کیلئے اسی کلمہ کا ذکر تجویز کیا ہے بعض حضرات جہر سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور اس طریقہ سے مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور حضرات نقشبند ذکر جہر کو بدعت قرار دیتے ہیں اور ذکر خفی پر اکتفا کرتے ہیں۔ پس فنائے قلب وغیرہ کے لئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر کو حبس نفس کیساتھ مفید جانا ہے اور بوقت ذکر اس معنی کا لحاظ رکھتے ہیں کہ اس ذات پاک کے سوا کوئی مقصد نہیں یہ ذکر طاق عدد کی رعایت سے کرتے ہیں۔ نفس کے فنا کے لئے کلمہ طیبہ کا تکرار زبان سے جس کے ساتھ معنی کا کبھی پورا خیال ہو مفید ہے کیونکہ نفس عالم خلق سے ہے اور فنائے نفس کے بعد کمالات نبوت کے مقام میں اس سے اور تلاوت قرآن و کثرت نماز سے ترقی حاصل ہوتی ہے۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ مجھکو بہشت میں آپکی ہمسائیگی نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ کچھ اور مانگو۔ اس نے کہا مجھے تو بس یہی چاہیئے آپؐ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر (نفس کے مارنے میں) کثرت سجود سے میری مدد کرو۔

صلحاء کی صحبت

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ ذکر و فکر اور فرائض و نوافل سے فارغ ہو کر اگر علماء و متقیان اور صلحاء کی مصاحبت اور مکالمت میسر ہو تو غنیمت سمجھو بشرطیکہ علماء دنیاداروں کی صحبت سے باز رہنے والے ہوں اور اگر علماء و صلحا کی صحبت میں اثر نہ ہو تو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا بہتر ہے۔

اَلْعُزْلَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الْجَلِیْسِ السُّوْءِ — یعنی گوشہ نشینی برے ہمنشیں سے بہتر ہے
وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْعُزْلَۃِ — اور نیک ہمنشیں گوشہ نشینی سے اچھا ہے

جاہلوں فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہمنشینی جو دنیا میں مستغرق رہتے ہیں

کارخانۂ باطن کو خراب کر دیتی ہے خصوصاً بتدی صوفیوں کے حق میں سخت مضر ہے جیسا تھوڑے پانی کو نجاست پلید کر دیتی ہے۔ صوفیوں، صاحب دلوں، ولیوں کی ہمنشینی اور صحبت اللہ کے ذکر اور عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باہم کہا کرتے تھے کہ اِجلِس بِنَا نُؤمِنُ سَاعَۃً یعنی ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کریں مولانا روم فرماتے ہیں

یک زماں ہم صحبتت با اولیا ۔۔۔ بہتر از صد سال بودن در تقا

یعنی اولیاء کی صحبت میں تمہارا تھوڑی دیر بیٹھنا سو سال تقویٰ میں گذارنے سے بہتر ہے۔ حضرت خواجہ احرار فرماتے ہیں کہ

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن ۔۔۔ نماز صحبت ما را قضا نخواہد بود

یعنی نماز اگر رہ جائے تو اسکی قضا کیجا سکتی ہے لیکن ہماری صحبت کی نماز ایسی ہے کہ اسکی کوئی قضا نہیں۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ حضرت بایزیدؒ کی صحبت میں رہا کرو اس نے جواب دیا کہ میں خدا کی صحبت میں رہتا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ بایزیدؒ کی صحبت میں رہنا خدا کی صحبت میں رہنے سے بہتر ہے۔ مطلب یہ تھا کہ تو بقدر اپنی نسبت اور حوصلے کے جناب الٰہی سے فیض حاصل کر سکتا ہے اور حضرت بایزیدؒ کی صحبت میں تجھکو انکے علو ہمت کے مطابق فیض حاصل ہوگا۔

مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں

دور شو از اختلاط یار بد ۔۔۔ یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی بر جاں زند ۔۔۔ یار بد بر جان و برایماں زند

یعنی برے لوگوں کی صحبت سے دور رہو کیونکہ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہوتا ہے سانپ تو صرف جان کو نقصان پہونچاتا ہے مگر برا دوست جان کے ساتھ ایمان کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔

تالیفات مصلح الامۃ کا حصہ سوم ختم ہوا۔

طالب دعا ناچیز مرتب عبد الرحمٰن جامی عفی عنہ۔ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ